UNIVERSAL
LIBRARY

OU-234227

UNIVERSAL
LIBRARY

جلد اوّل

مفتاح سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر

بعہد شاہجہاں و اورنگ زیب

جسکو اوّل جناب کرنل ہنری مور صاحب بہادر جونیئر
و سکریٹری آنریبل مسٹر ایکسینی کمانڈر انچیف
صاحب بہادر نے ترجمہ کیا اور پھر ان کی فرمائش سے جناب مستطاب
عمدۃ الملک خلیفہ سید محمد حسین صاحب میر منشی ریاست
پیشوائے نے سرنو تجدید و اکمال فرمایا مدت چند ماہ کے بعد نواب جناب ذوالاقتدار
عمدۃ الملک خلیفہ سید محمد حسن صاحب بہادر وزیر اعظم
ریاست موصوف کو چھپوا کر بغرض فائدہ عام مشتہر کیا

زیر نگرانی و اہتمام کلیم الدین محمد حسین مرادآبادی

سنہ ۱۹۸۸ ع

مطبع گلزار ابراہیم واقع مرادآباد میں چھپی

فہرست مضامین متعلق متن

نمبر	خلاصہ مضامین	صفحہ
۱	انشاء دوکشن مرقومہ کرنل ہنری مورصاحب مہادر بالقابہ	۱
۲	دیباچہ محررہ منشی احمدالدین صاحب مرادآبادی	۷
۳	دیباچہ ریختہ قلم مشیرالدولہ ممتاز الملک جناب خلیفہ سید محمد حسین صاحب میر منشی ریاست پٹیالہ	۱۷

جلد اول

نمبر	خلاصہ مضامین	صفحہ
۰	وقایع سیر و سیاحت الکٹر بنیر	
۱	مصنف کا شام اور مصر کی سیر کے بعد بحر احمر کی راہ سے جدہ ہوتے ہوئے مکہ معظمہ میں پہنچنا اور وہان سے حبش کا ارادہ چھوڑکر ہندوستان میں آنا	۱
۲	شاہجہان اور اوسکا نسب	۴
۳	ہندوستان میں لفظ مغل کا صرف مغلوں سے مخصوص نہونا اور نہ سرکاری عہدہ کے ملنے میں اونکی خصوصیت کا نہونا۔	۵
۴	مغلوں اور فرنگیوں اور ہندوؤں کی بہادری	۶
۵	شاہجہان کی صنعتی اور اوسکے بیٹوں کا باہم مناظرہ	۷
۶	مصنف کا نوکری اختیار کرلینا۔	۷
۷	شاہجہان کی اولاد کے نام اور وجہ تسمیہ	۸
۸	امراے سلطنت کا مالک زمین نہونا اور صرف شاندار خطابوں سے ملقب کیا جانا۔	۱۰
۹	دارا شکوہ کے مزاج اور خصلت کا بیان	۱۱
۱۰	سلطان شجاع کے خصائل و شمائل کا بیان	۱۳
۱۱	اورنگ زیب کے مزاج اور عادات کا بیان	۱۷
۱۲	شہزادہ مرادبخش کی سیرت کا بیان	۱۸
۱۳	شاہجہان کی بڑی بیٹی بیگم صاحب کا ذکر	۱۹
۱۴	بیگم صاحب کا ایک شخص سے تشویش پیدا کرنا اور اوسکا حمام کی دیگ میں جلایا جانا۔	۲۲
۱۵	بیگم صاحب کا ایک دوسرے شخص سے تعلق پیدا کرنا اور اوسکا انجام کار	۲۳
۱۶	روشن آرا بیگم کے مزاج اور عادات کا ذکر	۲۴
۱۷	بیٹوں کی مفسدمزاجی سے شاہجہان کا متوہم ہونا اور اونکو دور دست صوبوں میں حاکم بناکر بھیجنا	۲۵
۱۸	دارا شکوہ کے سوا تینوں بھائیوں کا اپنی اپنی جاے مقررہ کو چلے جانا اور اونکی خودسرانہ کارروائیوں کا بیان	۲۶
۱۹	دارا شکوہ کا پای تخت کو چھوڑنا اور راہ میں کا سانحہ	۲۷
۲۰	میر جملہ کا ذکر	۲۸
۲۱	میر جملہ کی آن بن اوسکا آقا بادشاہ گولکنڈہ سے	۳۰

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۲۲	میر جملہ کا اورنگ زیب کو عریضہ لکھنا اور پناہ دہی کے عوض مین گولکنڈہ کے فتح کرادینے کا وعدہ کرنا۔	۳۲
۲۳	میر جملہ کے لکھنے کے موافق اورنگ زیب کا ایک فرسخ سے گولکنڈہ کو کوچ کرنا اور شاہ بھاگ نگر پہنچ جانا اور شاہ گولکنڈہ کا بھاگ کر قلعہ مین پناہ لینا	۳۴
۲۴	اورنگ زیب کا بھاگ نگر کو لوٹ کر گولکنڈہ کو گھیر لینا اور محاصرہ اوٹھالینے کے لئے شاہجہان کی طرف سے زمان کا پہنچنا اور اوسکا سبب اور ذکر اوان تمرطمنکا بداور اورنگ زیب سے گولکنڈہ کے بادشاہ پر عنایت کین۔	۳۶
۲۵	اورنگ زیب کا میر جملہ کو ساتھ لیکر دولت آباد کو واپس جانے موسے راستہ مین بدر کو فتح کرلینا۔	۳۸
۲۶	میر جملہ کا حسب الطلب آگرہ آنا اور شاہجہان کو اپنے بہادرانہ پیشکش مین ایک بے نظیر ہیرا نذر کرنا اور گولکنڈہ اور جاجاپور کی تراج کی ترغیب دینا	۴۰
۲۷	ہیرون اور جواہرات کے لالچ یا دارا شکوہ کے دھکانے سے اوسکا اصل غرض سے میر جملہ کی تجویز کا منظور ہونا اور اوسی کو سپہ سالار بناکر بھیجا جانا۔	۴۲
۲۸	ان دنون داراشکوہ کی نسبت شاہجہان کی ناراضی بڑھ جانیکی وجہ	۴۹
۲۹	اورنگ زیب کی طاقت بڑھ جانیکے اندیشہ سے داراشکوہ کا اس مہم کی کارروائی کے متعلق بادشاہ سے چند شرطین مقرر کرانا۔	۴۲
۳۰	ایسے نازک اوقات مین عیاشی کی افراط سے شاہجہان کا سخت مریض ہوجانا	۴۴
۳۱	چارون شہزادون کا حصول سلطنت کے ارادہ سے فوجین جمع کرنا اور طرح طرح کی چالین چلنا	،،
۳۲	داراشکوہ کا انکے بعض سازشی کاغذ پکڑکر باپ کو دکھانا مگر بادشاہ کا اوس سے بدستور متبسم اور مشتبہ رہنا۔	۴۵
۳۳	بادشاہ کا زیادہ بیمار ہوجانا اور اوسکے مرنے کی افواہ اڑجانیکی وجہ سے شہر اور دربار مین ایک ہولناک کھلبلی پڑجانا۔	۴۶
۳۴	سب سے پہلے سلطان شجاع کا فوج لے کر آگرہ کیطرف کوچ کرنا۔	۴۷
۳۵	اورنگ زیب کا آگرہ کیطرف کوچ کرنا اور سلطان مراد بخش اور میر جملہ کو ایک عجیب طور سے اپنا شریک حال بنانا	۴۸
۳۶	اورنگ زیب کے دم مین آکر مراد بخش کا آمادہ ہوجانا اور شاہی خزانہ لیجانے	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	کے قصد سے قلعہ سورت پر فوج بھیجدینا	۵۱
۳۷	اسکے بعد اورنگ زیب کا میر جملہ کیطرف متوجہ ہونا اور اپنے بڑے بیٹے کو اوسکے پاس بھیجنا اور اوسکا آنے سے انکار کرنا	۵۲
۳۸	اورنگ زیب کا اوس کے پاس سلطان اعظم کو مکرر پیغام دیکر بھیجنا اور اوس کا چلے آنا اور قید ہو جانا۔	۵۳
۳۹	اس امر کی تحقیق کہ میر جملہ حقیقتاً مجبور ہو کر قید ہو گیا تھا یا یہ صرف ایک حیلہ اور بناوٹ تھی	۵۵
۴۰	اورنگ زیب کا میر جملہ کے رفیقوں اور اوسکی فوج کو پھسلا کر اپنا رفیق بنانا۔	۵۷
۴۱	اورنگ زیب کا مراد بخش کی امداد کو سورت کیطرف کوچ کرنا اور قلعہ سورت کے فتح ہو جانیکی خبر پاکر اوس سے بالاتفاق آگرہ کیطرف کوچ کرنیکی استدعا کرنا	۵۹
۴۲	قلعہ سورت کے خزانہ کا ذکر	۶
۴۳	برج لوگون سے سرنگ لگانیکی ترکیب سیکھے بغیر مراد بخش سے اس قلعہ کا فتح نہو سکنا۔	″
۴۴	اس فتح سے مراد بخش کی ناموری	۶۱
۴۵	شہباز خواجہ سرا کا مراد بخش کو اورنگزیب کی شمولیت سے منع کرنا اور اوسکا نہ ماننا	″
۴۶	دونو بھائیون کا فوجون سمیت ملجانا	۶۲
	اور اورنگ زیب کی مکاریان۔	
۴۷	آگرہ مین ان خبرون کے پہنچنے سے تہلکہ پڑ جانا۔	۶۴
۴۸	باوجود ممانعتی احکام کے ان شاہزادونکا آگرہ کو چلے آنا۔	″
۴۹	شاہجہان کی مجبورانہ اور پراندوہ حالت	۶۵
۵۰	مجبور ہو کر بادشاہ کا بعض امرا کو لڑائی کے لیئے مامور کرنا	″
۵۱	بادشاہ کی مخفی ہدایتین جے سنگھ کو مگر لڑائی کا مائل نہ ہونا اور شجاع کی شکست۔	۶۶
۵۲	اورنگ زیب اور مراد بخش کی چڑھائی کی خبر سنکر سلیمان شکوہ کا ارادہ مراجعت کرنا۔	۶۸
۵۳	اورنگ زیب اور مراد بخش کی راہ روکنے کے لیئے قاسم خان اور مہاراجہ جسونت سنگھ کا مامور ہونا۔	۶۹
۵۴	قاسم خان اور مہاراجہ جسونت سنگھ کو اورنگ زیب کے یکایک آپہنچنے کی خبر ملنا اور اوسکا دریا کے گھاٹ نہ روکنا۔	۷۱
۵۵	اورنگ زیب کی فتح قاسم خان کی	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	دغابازی کا شبہہ اور جسونت سنگھ کا شکست کھاکر اپنی ریاست گاہ چودہ پور کو چلا جانا۔	۲
۵۶	راجپوتونکی سپاہگری کے متعلق اونکی بعض عادتون اور رسمون کا اور اونکی شجاعت کے باعث مسلمان بادشاہون کے نزدیک اونکے محل اعتماد ہونیکا ذکر	۴
۵۷	گہر پہنچنے پر جسونت سنگھ کے ساتھ اوسکی رانی کا ایک عجیب وغریب طور سے پیش آنا۔	۷
۵۸	ہندوستان کی باغیرت عورتونکی نسبت مصنف کی راے	״
۵۹	شکست کی خبر سنکر متبہہ لوگون کی طرف سے داراشکوہ کا طیش مین آنا اور بادشاہ کا سمجھا بوجھاکر اوسکو ٹھنڈا کرنا	۸
۶۰	فتح کے بعد اورنگ زیب اور مراد بخش کی چال ڈہال۔	۹
۶۱	شاہجہان کی مجبوری اور داراشکوہ کی خودرائی۔	۱۰
۶۲	داراشکوہ نے جو فوج جمع کی تھی اوسکی تعداد	۱۱
۶۳	باوجود کثرت فوج کے داراشکوہ کی ناکامیابی کے آثار نمایان ہونی	״
۶۴	داراشکوہ کے خیرخواہون اور خود بادشاہ کا اوسکو لڑائی سے منع کرنا اور اوسکا نہ ماننا۔	۱۲
۶۵	داراشکوہ نے جن خیالات سے اِن مشورونکو نہ مانا اونکی تشریح	۱۳
۶۶	داراشکوہ کا آگرہ سے کوچ کرکے دریاے چنبل کے گہاٹونکو جا روکنا۔	۱۵
۶۷	اورنگ زیب کا داراشکوہ کو دہوکے مین رکہکر ایک غیر معروف گہاٹ سے آگرہ کے قریب آپہنچنا۔	۱۶
۶۸	داراشکوہ کا چنبل کے کنارے سے مورچے اوٹھاکر اورنگ زیب کی فوج کے مقابلہ مین لشکر لاڈالنا اور بادشاہ کی راے کے برخلاف لڑائی مین عجلت کرنا	۱۸
۶۹	داراشکوہ کی صف آرائی	۱۹
۷۰	اورنگ زیب اور مراد بخش کے لشکر کی صف بندی۔	۱۹
۷۱	ہندوستان کے فن جنگ کی نسبت مصنف کی راے	״
۷۲	لڑائی کا بیان۔	״
۷۳	اورنگ زیب کا اپنے ہاتھی کے پانوُن بجیر ڈالنیکا حکم دینا اور راجپوتون کے نہایت سخت حملون مین اوسکا اور مراد بخش کا	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	ثابت قدم رہنا۔	۹۸
۷۴	خلیل اللہ خان کی دغابازی اور دارا شکوہ کی شکست۔	۱۰۰
۷۵	کثرت کی بہ نسبت فوج کے قلیل مگر باقاعدہ ہونے کا فائدہ اور ہندوستانی اور ورانسیسی فوج کی حالت کا مقابلہ۔	۱۰۲
۷۶	فتح کے بعد امرائے سلطنت کے ساتھ اورنگ زیب کے تغیر جزو اور سب سے پہلے خلیل اللہ خان کا اوسکے پاس حاضر ہونا اور اورنگ زیب کا مراد بخش کو بہلا سے رکھنا۔	۱۰۴
۷۷	شائستہ خان کی کوششوں سے اورنگ زیب کو نفع کثیر پہنچنا۔	،،
۷۸	اورنگ زیب کا بظاہر یہ کہتے رہنا کہ مین تو ایک فقیر ہون اور مراد بخش بادشاہ ہے	۱۰۵
۷۹	دارا شکوہ کی ناامیدی اور بادشاہ کا غصہ تسلی و تشفی کے پیغام اور اس کا دہلی کو بھاگ جانا۔	،،
۸۰	اورنگ زیب کا سلیمان شکوہ کے ہمراہی سرداروں کو اپنی طرف کر لینے مین کوشش کرنا۔	۱۰۶
۸۱	راجہ جیسنگھ اور دلیر خان کا سلیمان شکوہ سے برگشتہ ہو جانا اور جیسنگھ کا اوسکو سری نگر کر راجہ کے پاس جا جانکی صلاح دینا	۱۰۷
۸۲	سلیمان شکوہ کا سری نگر کو روانہ ہونا اور جیسنگھ اور دلیر خان کا اوسکو مال اسباب کو لوٹ لینا اور اوسکے رفیقونکی تباہی مگر شہزادہ کا سری نگر پہنچ جانا۔	۱۰۸
۸۳	اورنگ زیب کا آگرہ مین آنا اور باپ بیٹے کے باہم منافقانہ سلام و پیام اور آخر کار شاہجہان کا قید ہو جانا۔	۱۱۰
۸۴	شاہجہان کا محمد سلطان کو سلطنت کی ترغیب دینا اور اورنگ زیب اور شاہجہان اور محمد سلطان کی تدبیرون کی نسبت مصنف اور اور لوگون کی رائین۔	۱۱۵
۸۵	شاہجہان کا محمد سلطان کو قلعہ کی کنجیان حوالہ کر دینا۔	۱۱۸
۸	اعتبار خان خواجہ سرا کا قلعدار آگرہ مقرر ہونا اور بادشاہ کی سخت قید۔	،،
۸۷	قید کرنیکے عذرین اورنگ زیب کا باپ کی خدمت مین عریضہ بھیجنا۔	۱۱۹
۸۸	اورنگ زیب نے باپ کی نسبت جو الزام لگایا تھا اوسکی تحقیق۔	۱۲۰
۸۹	بادشاہ کے قید ہو جانے کے بعد چند لوگون کے سوا کل امرا کا اورنگ زیب اور مراد بخش کو جا سلام کرنا اور اون کے اس رویہ کی نسبت مصنف کی رائے۔	،،
۹۰	اورنگ زیب اور مراد بخش کا دارا شکوہ کے	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	تعاقب مین روانہ ہونا اور اورنگ زیب	
	کا دغابازی سے مرادبخش کو قید کرلینا	۱۳۱
۹۱	مرادبخش کا قید ہوجانا اسکے ملازمونکا	
	آمادۂ فساد ہونا اور اورنگ زیب کا اون کو	
	گانٹھ لینا۔	۱۳۴
۹۲	مرادبخش کو قلعہ سلیم گڈھ مین بھیجدینا	۱۳۵
۹۳	اورنگ زیب کا داراشکوہ کے تعاقب	
	مین لاہور اور ملتان جانا۔	۱۴۲
۹۴	داراشکوہ کا قلعہ بھکھر مین جاکر بناہ لینا	
	اور اورنگ زیب کا مطمئن ہوکر دارالسلطنت	
	کو لوٹ آنا۔	״
۹۵	اس سفر کے متعلق اورنگ زیب کے	
	استقلال طبع اور حسن تدبیر کی ایک مثال	۱۴۵
۹۶	داراشکوہ کا قلعہ بھکھر کی حفاظت کے	
	واسطے کچھ پٹھانون اور زمینداروں کو چھوڑکر	
	کچھ بھج کے راستہ سے گجرات مین جا داخل	
	ہونا اور وہانکے صوبہ دار شاہنواز خان کا	
	باطاعت پیش آنا۔	۱۴۶
۹۷	اورنگ زیب کی تردد آمیز حالت اور	
	سلطان شجاع کے ساتھ لڑائی اور	
	راجہ جسونت سنگھ کی دغابازی اور شجاع	
	کی شکست۔	۱۴۹
۹۸	سلطان شجاع کی شکست کے بعد جسونت سنگھ	
	کا آگرہ مین سے گزر کر اپنے وطن کو جانا	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	اور اورنگ زیب کی شکست کے گمان	
	مین شائستہ خان کا خودکشی کے لئے	
	تیار ہوجانا۔	۱۵۲
۹۹	اورنگ زیب کا محمد سلطان اور میر جملہ کو	
	سلطان شجاع کے تعاقب مین بھیجنا۔	
	اور خود آگرہ کو لوٹ آنا۔	۱۵۵
۱۰۰	شجاع کا الہ آباد سے اول مونگیر اور پھر	
	راج محل جانا اور میر جملہ اور محمد سلطان	
	کا فتح کے بعد وہین توقف کرنا۔	۱۶۰
۱۰۱	شجاع کا مکرر فوج بھرتی کرنا جسمین	
	بہت سے پٹھان بھی تھے۔	۱۶۲
۱۰۲	محمد سلطان اور میر جملہ مین نااتفاقی کا	
	پیدا ہونا اور شہزادہ کا سلطان شجاع کے	
	پاس چلا جانا اور شجاع کا اوسکو منہ	
	نہ لگانا اور اورنگ زیب کے حکم سے قلعہ	
	گوالیار مین اوسکا قید کیا جانا	۱۶۳
۱۰۳	اورنگ زیب کا سلطان محمد معظم کو بھائی	
	کی حالت سے عبرت دلانا اور محمد معظم	
	کے چلن کی نسبت لوگون اور خود مصنف	
	کی راے	۱۶۶
۱۰۴	بنگالہ کی طرف لڑائی کا جاری رہنا اور	
	اورنگ زیب کا تخت سلطنت پر جلوس کرنا	۱۶۸
۱۰۵	داراشکوہ کا گجرات سے اجمیر آنا اور	
	جسونت سنگھ اور شاہنواز خان کی مقابلہ ہی	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	اور شاہنواز خان کا قتل اور داراشکوہ کی تباہی۔	۱۶۹
۱۰۶	شکست کے بعد داراشکوہ کا پھر گجرات کیطرف جانا اور حاکم احمدآباد کی تھکرامی اور داراشکوہ کا کچھ کے راجہ تک مین پہنچ جانا اور اوسکا افسوسناک مصائب	۱۷۴
۱۰۷	داراشکوہ کی اس مصیبت سفر مین مصنف کا تین دن تک اوسکے ہمراہ رہنا۔	۱۷۶
۱۰۸	مصنف کی سرگذشت۔	۱۷۸
۱۰۹	راجہ سری نگر کا سلیمان شکوہ کو حوالہ نکرنا اور اورنگ زیب کی فوج کی سپر چڑھائی اور اسکا کامیابی۔	۱۷۹
۱۱۰	داراشکوہ کا ٹھٹھہ کے قریب پہنچ جانا اور اورنگ زیب کی سپاہ کے مقابلہ مین وہان کے قلعہ دار کی ثابت قدمی	۱۸۱
۱۱۱	داراشکوہ کا گرفتار ہوکر دہلی مین پہنچنا اور بڑی بیعزتی کے ساتھ شہر مین کیا جانا	۱۸۵
۱۱۲	داراشکوہ کا قتل اور سپہر شکوہ کا قلعہ گوالیار مین مقید کیا جانا	۱۸۹
۱۱۳	جیون خان کا دہلی سے رخصت کیا جانا اور وطن کے قریب پہنچکر چوروں کے ہاتھ سے قتل کیا جانا۔	۱۹۵
۱۱۴	سلیمان شکوہ کا گرفتار ہوکر دہلی مین آنا	۱۹۶

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۱۱۵	قیدی شاہزادون کو جس غرض سے پوست پلایا جاتا تھے اوسکا ذکر۔	۱۹۸
۱۱۶	سلطان مرادبخش کا قتل کیا جانا۔	۱۹۹
۱۱۷	سلطان شجاع کے حالات کا اخیر بیان اور اوسکا ڈاکہ کو بھاگ جانا اور راجہ اراکان سے پناہ کا طالب ہونا	۲۰۱
۱۱۸	راجہ کا آیندہ طرز سلوک اور میر جملہ کے نوجوان اور شاہزادہ کا بیٹی کی شادی کردینے کے پیغام سے مجبور ہوکر راجہ پر حملہ کرنے کی تدبیر کرنا اور راز کا کھل جانا اور شجاع کا انجام کار	۲۰۴
۱۱۹	سلطان شجاع کی موت و حیات کی نسبت مختلف روایتون کا ذکر۔	۲۰۸
۱۲۰	شجاع کے اہل و عیال پر جو گذری اوسکا بیان۔	۲۱۰
۱۲۱	خوانین اوزبک کے سفیر اوسکا اورنگ زیب کی خدمت مین حاضر ہونا۔	۲۱۴
۱۲۲	سفیران اوزبک کے ساتھ مصنف کی ملاقات اور کھانا کھانا اور حرف بحرف حکایات	۲۲۲
۱۲۳	اورنگ زیب کا تپ سے بیمار ہونا اور اوسکے متعلق بعض واقعات	۲۲۶
۱۲۴	اورنگ زیب کا داراشکوہ کی بیٹی سے سلطان اکبر کی شادی کا ارادہ کرنا اور اوس شہزادی کا اوسکو نہ ماننا	۲۲۹

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۱۲۵	اورنگ زیب کا شاہجہان سے بعض جوہرات طلب کرنا اور اوسکا سختی سے جواب دیدینا۔	۲۳۰
۱۲۶	ڈچون کے سفیر مسٹر ایڈریکن کا تخت نشینی کی ادائے تہنیت کے لئے حاضر ہونا اور اوس کے مراسم ملاقات	۲۳۱
۱۲۷	سفیر کے بھیجنے سے ڈچ کی اصل غرض	۲۳۲
۱۲۸	ایک امیر کا اورنگ زیب کو سلطنت کے کام مین زیادہ محنت کرنے سے منع کرنا اور اوسکا اسکے جواب مین اپنے فرایض کا اظہار۔	۲۳۴
۱۲۹	ایک واقعہ کا ذکر جس سے یہ ثابت ہوا کہ خوجون کو بھی تعشق ہوسکتا ہے	۲۳۶
۱۳۰	خوجون کی خصلت کی نسبت اہل ہند اور مصنف کی راے۔	۲۳۷
۱۳۱	روشن آرا بیگم کی نسبت دونا محرمون کے محل مین بلا لینے کا شبہہ ہونا	۲۳۸
۱۳۲	شریف مکہ۔ اور سلطان یمن اور پرتس بصرہ اور بادشاہ حبش کے ایلچیون کا آنا اور آخر الذکر سفیرونکی نسبت ایک دلچسپ اور ظرافت آمیز بیان	۲۳۹
۱۳۳	اورنگ زیب کا اپنے بیٹے سے لڑکے سلطان اکبر کی تعلیم و تربیت کے لئے	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	اتالیق تجویز کرنا اور شاہزادون کے نفس تربیت کی ایک مکمل تصویر۔	۲۵۴
۱۳۴	ایشیائی شاہزادون کے بدعادتون مین مبتلا ہونے اور اونکی خصلت شعاری اور وزیر یا کسی لونڈی یا خواجہ سرا کے زور و تسلط اور اوسکے نتایج کا بیان۔	۲۵۷
۱۳۵	سفیر ایران کا دہلی مین آنا۔	۲۵۸
۱۳۶	سفیر ایران کی جس طرح پر تعظیم و تکریم ہوئی اور جبطرح سے اورنگ زیب اُس سے پیش آیا اور جو تحایف اوس نے پیش کیے اُن کا بیان۔	۲۵۹
۱۳۷	اہل ہرات تسلیم دہلی کا نامہ شاہ ایران کے مضمون کے باب مین مختلف افواہین اُڑنا اور اونکی نسبت مصنف کی راے	۲۶۱
۱۳۸	اورنگ زیب کا عتاب سفیر ایران کی نسبت اور اوسکا سبب	۲۶۳
۱۳۹	سفیر ایران کے ساتھہ شاہجہان اور اورنگ زیب کے مختلف طور کے برتاو کا ذکر۔	۲۷۱
۲۴۰	سفیر ایران اور شاہجہان کے چند ظریفانہ سوال و جواب کا ذکر اور مصنف کی راے مین اُنکا سفیرون کے مناسب حال ہونا۔	۲۷۲
۱۴۱	شاہجہان کا ناراض ہوکر اشارہ سے	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	سفیر ایران پرست ہاتھی کا چھوڑ دینا اور اپنی چالاکی اور دلیری سے سفیر کا اس آفت سے بچ نکلنا۔	۲۷۴
۱۴۳	اورنگ زیب کا اپنے استاد ملا صالح کے ساتھ عجیب سلوک	۲۷۵
۱۴۳	بادشاہی منجم کی ناگہانی موت اور علم نجوم کی نسبت لوگوں کی رائے اور خیالات کا ذکر۔	۲۸۱
۱۴۴	امرا کے مرنیکے بعد اونکی جائداد کے ضبط سرکار ہو جانے کا ذکر۔	۲۸۵
۱۴۵	شاہ جہان کے قید کے زمانہ مین اوسکے ساتھہ اورنگ زیب کے طرز سلوک کا بیان	۲۸۸
۱۴۶	میر جملہ کی لیاقتون اور مہم آسام اور اوسکی موت کا ذکر۔	۲۹۲
۱۴۷	شائستہ خان اور مہم اراکان اور پرتگیز قوم کے بحری قزاقون اور اونکے ظلم و ستم کا ذکر	۲۹۷
۱۴۸	جہانگیر کے وقت مین پرتگیزون کے ہوگلی مین آباد ہونے اور شاہجہان کے حکم سے اون کے سخت تباہ ہونے کا ذکر	۳۰۱
۱۴۹	گوا کے دوسرے کو اراکان پر مہم کرنیکے لئے پرتگیز بحری قزاقون کا تحریک کرنا۔	۳۰۵
۱۵۰	پرتگیزونکی بد اعمالی کا ذکر۔	۳۰۷
۱۵۱	جزیرہ سوندیب اور فرا جہان نامے ایک بدنام پرتگیز درویش کا ذکر	۳۰۹

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۱۵۲	شائستہ خان کا ان پرتگیز قزاقون پر چڑھائی کرنا اور اُن کے مطیع کرنے مین فوج جون سے مدد لینا	۳۱۱
۱۵۳	پرتگیزون کے ساتھ شائستہ خان کے طرز سلوک کا ذکر۔	۳۱۵
	راجہ جسونت سنگھہ اور جیسنگھہ اور سیواجی مرہٹہ کا ذکر	
۱۵۴	شائستہ خان پر سیواجی کا حملہ۔	۳۲۶
۱۵۵	سیواجی کا بندرگاہ سورت کو لوٹنا۔ اور جسونت سنگھہ کی سازش کا شبہہ	۳۲۷
۱۵۶	راجہ جیسنگھہ کا پہلے سالار دکن مقرر ہونا اور سیواجی کے ساتھہ مصالحہ۔	۳۲۹
۱۵۷	سیواجی کے دہلی مین حاضر ہونے اور پھر خوف کھاکر بھاگ جانے کا ذکر	۳۲۹
۱۵۸	جے سنگھہ کی وفات اور اورنگ زیب کا اوسکے بیٹے کے ساتھہ حسن سلوک سے پیش آنا۔	۳۳۰
۱۵۹	ملک دکن کی وسعت	۳۳۱
۱۶۰	گول کنڈا اور بیجاپور کے بادشاہون کا راجہ رام راج کی غلامی سے بادشاہ بننا	۳۳۲
۱۶۱	گولکنڈا کی ضعیف حالت اور سلطنت سفلیہ سے اوسکے تعلقات کا ذکر۔	۳۳۴
۱۶۲	بیجاپور کی کیفیت	۳۳۸
۱۶۳	سیواجی کی خودسری اور اوسکی روز افزون طاقت کا ایک مکرر ذکر۔	۳۴۴
۱۶۴	شاہجہان کی وفات کا ذکر۔	۳۶۰
۱۶۵	خاتمہ اور اورنگ زیب کی نسبت مصنف کی رائے۔	۳۶۱

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۱۶۶	مصنف کا عریضہ مانشیور کول برٹ وزیر فرانس کے نام۔	۳۶۵
۱۶۷	ہندوستان کی وسعت کا بیان۔	۳۶۸
۱۶۸	ہندوستان کی قدرتی اور مصنوعی چیزین	″
۱۶۹	غیر ملکون سے سونے چاندی کے ہندوستان مین آنے اور یہین کھپ جانے کا سبب	۳۶۹
۱۷۰	شہنشاہ مغل کی دولتمندی کے ذریعون اور اوسکے مخالف امور کا ذکر۔	۳۷۱
۱۷۱	شہنشاہ مغل کی فوجی قوت۔	۳۷۹
۱۷۲	راجپوت راجاؤن کے فوجین بھرتی کیے جانے کے سبب۔	۳۸۰
۱۷۳	پٹھانون کی فوج کے ملازم رکھنے کا سبب	۳۸۱
۱۷۴	ولایت زاسیاہ مغلیہ کا بیان	″
۱۷۵	دربار مغلیہ کے امیرون کے موروثی اور خاندانی امیر ہونے کی وجہ۔	۳۸۲
۱۷۶	اُمرا کے مدارج اور تنخواہ وغیرہ کا ذکر	۳۸۳
۱۷۷	اُمرا کی تعداد اور انکی سواری کے طریقہ کا ذکر۔	۳۸۵
۱۷۸	امرا کے تسلیمات کے لئے حاضر ہونے اور چوکی دینے اور شاہی خاصہ مین سے کھانا عنایت ہونے کی کیفیت۔	۳۸۶
۱۷۹	بادشاہ کی سواری کے وقت اُمرا کے حاضر رکاب رہنے کا ذکر۔	″
۱۸۰	منصبدارونکی تنخواہ وغیرہ کا بیان	۳۸۷
۱۸۱	روزینہ دارون کی تنخواہ اور اونکی خدمات اور مدرسہ اسباب کا حکماً بیچا جانا۔	۳۸۸
۱۸۲	عام سوارون کی تنخواہ وغیرہ کا بیان	۳۸۹
۱۸۳	پیدل سپاہیون اور گولہ اندازون کی تنخواہ وغیرہ کا ذکر۔	۳۹۰
۱۸۴	توپخانہ کا ذکر۔	۳۹۱
۱۸۵	صوبون کی فوج اور سوارون کی کل فوج کی تعداد کا ذکر۔	۳۹۳
۱۸۶	پیدل فوج کی اصلی تعداد اور لوگون کے غلط اندازہ کرنے کی وجہ	۳۹۴
۱۸۷	بادشاہ کے لشکر مین بھیڑ کی کثرت کا سبب	۳۹۵
۱۸۸	ٹھیک وقت پر تنخواہ نہ ملنے کے خراب نتیجون کا ذکر۔	۳۹۶
۱۸۹	شہنشاہ مغل کے اخراجات کثیر کا بیان	۳۹۷
۱۹۰	ہندوستان اور ایران اور روم کے محاصل کا مقابلہ	۳۹۸
۱۹۱	شہنشاہ مغل کی دولتمندی کی مبالغہ آمیز شہرت اور خزانے اور جواہرات کا ذکر	۳۹۹
۱۹۲	ہندوستان مین سونے چاندی کے بظاہر کم دکھائی دینے اور لوگون کے تمول معلوم نہ ہونے کا سبب۔	۴۰۱
۱۹۳	محتاجون اور جاگیرداروں کے ظلم و تعدی اور دادرسی کے کافی انتظام نہ ہونے کا ذکر	۴۰۲

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۱۹۴	غلامانہ حالت سے تجارت اور لوگون کے اوضاع و اطوار اور طریق معاشرت پر اثر کا ذکر	۴۰۳
۱۹۵	ہندوستان مین رعایا کو حق ملکیت زمین حاصل ہونے سے جو مفید نتیجے حکام اور رعایا کے لئے پیدا ہوتے ہین اونکا مفصل بیان	۴۰۴
۱۹۶	شخصی حکومت سے جو نتیجے ہندوستان مین پیدا ہوے وہی ایشیا کوچک اور مصر مین بھی پیدا ہوے ۔	۴۰۷
۱۹۷	ہندوستانیون کی بیعلمی اور جہالت کا ذکر	۴۱۰
۱۹۸	ہندوستان کی تجارت کی اب حالی کا ذکر	۴۱۱
۱۹۹	امراے ہندوستان کا خاندانی اور عالی نسب ہونا اور اُن کی جہالت اور غرور کا ذکر	۴۱۲
۲۰۰	دربار اور فوج کے اخراجات کثیر کے باعث سے رعایا کی تباہ حالی	۴۱۳
۲۰۱	حکام کے تقرر کے باب مین ترکی اور ایران اور ہندوستان کے عملدرآمد اور اصول حقیت ملکیت کے لحاظ نہونے سے جو نتیجہ متوقع ہے اوسکا ذکر۔	۴۱۵
۲۰۲	ممالک فرنگستان کی خوشحالی اور سرسبزی اور روز افزون ترقی اور اُسکا سبب	۴۱۶
۲۰۳	ممالک ایشیا کی کاروانسراونکا ذکر	۴۱۹
۲۰۴	پیگو کے وزیر کی ایک عجیب اور مضحکہ آمیز تدبیر کا ذکر	۴۲۰

فہرست مضامین حواشی

باستثنا بعض ایسے حاشیون کے جو مختصر اشاروں کے طور پر ہیں

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۱	مصر کے دارالسلطنت قاہرہ کی جو تسمیہ اور یہ کہ اُسکو کب اور کسنے آباد کیا۔	۱
۲	رومن کیتھلک عیسائیون کے فرقہ جیسویٹ کی حقیقت ۔	۲
۳	جزیرہ گوآ کا مختصر حال جسمین ساحل مالابار پر پرتگیزون کی حکومت ہے۔	۲
۴	مصنف کا حبش مین جانیکا ارادہ۔ اور بخوف جان یونانی یا ارمنی کا بھیس بنا لینے کا خیال۔ اور اس خیال پر کرنل ہنری مور صاحب بہادر کی راے	۳

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۵	شاہجہاں کا سلسلہ نسب امیر تیمور گورکان صاحبقران اوّل تک اور اُسکے تمرلنگ۔ اور گورکان اور صاحبقران کہلانیکے اسباب —	۴
۶	تیمور کے عروج اور اُسکے سلسلہ نسب وغیرہ کا حال اور ڈاکٹر برنیر کے بعض بیانات کی تشریح و تردید —	۵
۷	مصنّف کے آقا دانشمند خاں کا اصل نام اُسکی جاے ولادت اور نسب اور کمالات علمی وغیرہ کا مختصر بیان —	۷
۸	شاہجہاں کی بڑی بیٹی معزز بیگم صاحب کا صحیح نام۔	۸
۹	شاہجہاں کی بیگم معروف تاج محل کا صحیح لقب اور نام۔	۹
۱۰	اہرام مصر کا دلچسپ حال —	۹
۱۱	جہانگیر کی معروف و مشہور بیگم نورجہاں کا صحیح نام اور لقب —	۱۰
۱۲	داراشکوہ کے مذہبی خیالات کی نسبت خلاصہ تحریر صاحب عالمگیر نامہ	۱۳
۱۳	مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور والی جودھپور کا حال اور موجودہ حالت اس ریاست کی	۱۴
۱۴	مصنّف کے بیان کے برخلاف ترکان روم کو "عثمان لو" اور عثمان لی" یعنی منسوب بہ عثمان کہنے کا صحیح سبب اور	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	سلطان عثمان خان بانی سلطنت روم کا مختصر حال۔	۱۶
۱۵	اورنگ زیب نے اپنی اور اپنے بھائیوں کی خصلت کی نسبت جو کچھ خود لکھا ہے اُسکا خلاصہ —	۱۸
۱۶	مصنّف کے ایک الزامی بیان کی تردید کہ شاہجہاں نے بیگم صاحب کے معاملہ میں ایک فتویٰ لے لیا تھا۔	۱۹
۱۷	بیگم صاحب کے اقتدار و اختیار کی تصدیق اور اُسکی جاگیر کثیر —	۲۰
۱۸	خاندان مغلیہ میں شاہزادیوں کی شادی کا بالکل ممنوع ہونا صحیح نہیں ہے	۲۱
۱۹	بیگم صاحب کے خانساماں کے نام کی تصحیح۔	۲۳
۲۰	جب شاہجہاں نے چاروں شاہزادوں کو مصلحتاً علیحدہ علیحدہ صوبوں کا حاکم مقرر کرکے روانہ کیا تو شجاع اور اورنگ زیب کا اگرہ میں پہنچکر داراشکوہ کے خلاف میر عہد و پیمان کرنا اور استحکام عہد کے لیے اپنے لڑکے لڑکیوں کو باہم منسوب کرنیکا حال	۲۶
۲۱	داراشکوہ کی ولیعہدی اور اُسکا خطاب اور سالانہ مواجب —	۶
۲۲	میر جملہ کا مسکن و مولد اور خاندان اور اُسکے گولکنڈہ میں آنے اور عروج پانیکا حال	۲۸

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۲۳	ہندوستان وغیرہ کے ہیروں کی کانوں اور اُنکی اقسام کا ذکر بتعلق حالات میر جملہ —	۲۹
۲۴	میر جملہ اور اُسکے آقا کی والدہ کے باہم نامناسب تعلق کا ہونا کسی فارسی تاریخ میں مترجم کی نظر سے نہیں گزرا	۳۱
۲۵	میر جملہ کے بیٹے کا صحیح نام محمد امین خاں تھا	〃
۲۶	دولت آباد کا قدیم نام دیوگڈہ اور دھارانگری وغیرہ تھا۔ اور اب اس زمانہ میں اُسکا کیا حال ہے —	۳۲
۲۷	والی گولکنڈا کے دارالحکومت شہر حیدرآباد دکن کا پہلا نام بھاگ نگر اور اُسکی وجہ تسمیہ اور اس ریاست کی آمدنی وغیرہ کا حال اس زمانہ میں —	۳۳
۲۸	میر جملہ کا اپنے آقا والی گولکنڈا کی ناراضگی سے واقف ہوکر اورنگ زیب کو بلا لینا۔ اور شاہ گولکنڈا کا مغلوب ہوکر قلعہ میں پناہ لینا جسطرح پر بعض اور معتبر تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے —	۳۵
۲۹	شاہزادہ محمد سلطان اور اورنگ زیب کا بھاگ نگر کو لوٹنا اور والی گولکنڈا کے مال و ذخائر کی عجیب و غریب کثرت۔	۳۶
۳۰	اصل کتاب میں شاہزادہ محمد سلطان کو جابجا غلطی سے سلطان محمود لکھا ہے	۳۷
۳۱	محمد سلطان کو گولکنڈا کی سلطنت کے ولیعہد سمجھے جانے اور شاہجہاں کا سکہ جاری کرنیکی شرائط کو عاقل خاں اور خافی خاں نے نہیں لکھا۔	۳۷
۳۲	قلعہ بدر کا نام بے در ہے	۳۸
۳۳	شاہجہاں کے وزیر اعظم سعد اللہ خاں کا حال	۴۰
۳۴	سعد اللہ خاں کے سبب مرگ کی نسبت مصنف کا بیان دوسری معتبر تاریخوں سے غلط معلوم ہوتا ہے —	۴۱
۳۵	شاہجہاں کے دربار میں میر جملہ کے آنے اور منصب وزارت پر عروج پانے اور مہم بیجاپور پر مامور ہونیکا ایک صحیح بیان	۴۳
۳۶	شاہجہاں کی بیماری کا حال —	۴۴
۳۷	مصنف کے ایک مجمل بیان کی تشریح کہ شاہجہاں اپنے بھائیوں کو قتل کراکر کسطرح بادشاہ بنا تھا۔ مع ذکر اس بات کے کہ جہانگیر کی وفات کے بعد نور جہاں نے اپنے داماد کو اور اُسکے بھائی آصف خاں نے اپنے داماد شاہجہاں کو سلطنت کے لئے کسطرح اُبھارا تھا۔	۴۶
۳۸	اگرہ کی طرف پیشقدمی کرنیکے وقت اورنگ زیب کے پاس حقیقتاً کسقدر فوج تھی۔	۴۸
۳۹	اِن ایام میں شہر سورت بیگم صاحب کی	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	جاگیر میں تھا —	۵۰
۴۰	مراد بخش کا باپ کے سخت بیمار ہونیکی خبر پاکر اُسکا مرجانا فرض کرکے خودسری اختیار کرنا اور اورنگ زیب کا اُسکو اپنا شریک حال بنانا اور باہمی عہد و پیمان	〃
۴۱	اورنگ زیب کے اُس قابل دید خط کا انتخاب جسکے ذریعہ سے اُسنے مراد بخش کو گانٹھا —	۵۲
۴۲	مراد بخش کے ایک دلی خیرخواہ امیر کا تصحیح نام شہباز خاں تھا شاہ عباس نہ تھا	〃
۴۳	اورنگ زیب نے آگرہ پر چڑھائی کرنیسے پیشتر جن سببوں سے اور جس حکمت سے میر جملہ کو قید کیا اُسکی ایک دلچسپ تشریح	۵۶
۴۴	اصل کتاب میں برہان پور کو برہم پور غلطی سے لکھا ہے۔	۵۹
۴۵	مصنّف کے اس بیان کی تردید کہ مراد بخش نے جو سورت کے قلعہ کو سُرنگ لگاکر فتح کیا یہہ ترکیب ہندوستانیکو نہ آتی تھی اور اس موقع پر پہلے پہل ڈچوں نے سکھائی تھی —	۶۰
۴۶	اس بات کی تشریح کہ اورنگ زیب اور مراد بخش دونوں کس مقام پر ملے تھے اور اورنگ زیب نے آگرہ کو آنیکے لیئے بظاہر کیا حیلے بنائے تھے مع سال	
	اس واقعہ کے۔	۶۲
۴۷	راجہ جیسنگھ والی جیپور کا کچھ مختصر ذکر جسکو شجاع کی تنبیہ اور ہدایت کے لیئے شاہجہاں نے سلیمان شکوہ کے ساتھ مامور کیا تھا — اور ریاست جیپور کی حالت موجودہ زمانہ میں۔	۶۶
۴۸	جیسنگھ کا دلی دوست دبیر خاں نہیں بلکہ بہادر خاں یا دلیر خاں تھا اور ان دونوں اُمرا کا کچھ مختصر حال	۶۸
۴۹	سلیمان شکوہ نے شجاع پر الہ آباد میں فتح نہیں پائی تھی بلکہ بنارس سے کچھ پرے بہادر پور میں۔ اور ان واقعات کا کچھ مختصر بیان مع بعض واقعات قابل اطلاع۔	۶۹
۵۰	اُجین کے قریب جس دریا کے گھاٹ روکنے کا ذکر اصل کتاب میں ہے اُس سے شپرا مندی مُراد ہے۔	۷۰
۵۱	اُجین کے قریب جس دریا سے اورنگ زیب اُتر کر آیا تھا اُسکا نام نرمدا غلط وہی شپرا صحیح ہے۔	۷۱
۵۲	خافی خاں کی تاریخ سے مصنّف کے اِس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ قاسم خاں نے باوجود شہر سپاہی ہونیکے جو اورنگ زیب کے مقابلہ میں کوتاہی کی	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	یہہ امر سازش سے تھا۔	۷۲
۵۳	اورنگ زیب اور مراد بخش کی مشتبدی روکنے کے لیئے قاسم خاں اور راجہ جسونت سنگھ کا بھیجا جانا اور مقابلہ میں اُنکا شکست کھانا۔ اِن واقعات کو مع اَور متعلقہ باتوں کے ہند دستانی مورخوں نے جسطرح لکھا ہے اُسکا ایک مفصل بیان —	۷۳
۵۴	اِن ایّام میں باوجود شاہجہاں کی مہربانی کے داراشکوہ میرجملہ کی نسبت جو جو بیلوگیاں	
	کرتا تھا اُن کا بیان —	۷۸
۵۵	داراشکوہ نے جو فوج آگرہ میں بھائیوں کے مقابلہ کے لیئے جمع کی تھی اُسکی کثرت کی تصدیق —	۸۱
۵۶	اورنگ زیب اور مراد بخش کے معاملہ میں اپنی عادت کے موافق داراشکوہ کا خیرخواہوں کی صلاح کو نہ ماننا اور اُسکے نتایج —	۸۳
۵۷	داراشکوہ کا دریائے چمبل کے گھاٹوں کو عموماً اور دھولپور کے گھاٹ کو خصوصاً جا روکنا مع مختصر حال دھولپور کے جو اب ریاستگاہ ہے۔	۸۵
۵۸	شاہزادگی کے زمانہ میں اورنگ زیب کا اپنی نسبت ریاکاری سے اکثر لفظ فقیر	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	کے استعمال کرنیکا ایک ضمنی ذکر —	۸۶
۵۹	اورنگ زیب کا بھداور کے علاقہ کے ایک غیر معروف گھاٹ سے راجہ چمپت کی مدد سے آگرہ کی طرف چپ چاپ پایا اُترآنا مع مختصر ذکر خاندان مہاراجہ بھداور کے جو اِسوقت ہے —	〃
۶۰	اورنگ زیب کے دریائے چمبل سے ناگہاں اُترآنے پر جو دلچسپ خط و کتابت بیگم صاحب اورنگ زیب اور شاہجہاں کے باہم ہوئی اُسکی نقل —	۸۷
۶۱	شاہجہاں کا لڑائی کو اَب بھی حتی الامکان روکنے کی تدبیریں کرنا اور داراشکوہ کا نہ ماننا۔	۹۲
۶۲	لڑائی کے وقت ہاتھی کے پاؤں میں زنجیر ڈالنے کی بہادرانہ رسم کا ذکر جسکے موافق اورنگ زیب نے اپنے فیلبان کو حکم دیا —	۹۸
۶۳	مصنّف کے ایک بیان کی تصحیح اور تشریح کہ رام سنگھ روٹھیلے اور راجہ روپ سنگھ راٹھور نے سپاہ کی صفوں کو چیر کر مراد بخش اور اورنگ زیب کو اُنکے ہاتھیوں پر سے گرانے میں کیسی بہادرانہ کوششیں کیں اور اس بہادری کی قدرشناسی اورنگ زیب کی طرف سے —	۹۹

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۶۴	اس لڑائی میں مراد بخش کے مونہہ پر تیروں کے زخم لگے تھے۔	۱۰۰
۶۵	اس موقع پر شائستہ خاں اپنے بھانجے داراشکوہ سے کیوں ناراض تھا اسکی تشریح۔	۱۰۵
۶۶	داراشکوہ کی شکست کے بعد اُسکے بیٹے سلیماں شکوہ کے سری نگر جانے کے حالات کا خلاصہ —	۱۰۹
۶۷	قلماقنیوں کو مصنف نے اصل کتاب میں تاتاری عورتیں لکھا ہے —	۱۱۴
۶۸	مغلیہ خاندان میں تخت کی قسم کھانیکے دستور کا ذکر جسکو مصنف نے اپنے محاورہ کے موافق بجائے لفظ تخت کے تاج لکھدیا ہے۔	۱۱۵
۶۹	شاہزادہ محمد سلطان کے قلعہ گوالیار میں قید رہنے کا اشارہ —	۱۱۷
۷۰	شاہجہاں کو قید کرنیکے وقت اعتبار خاں کو نہیں بلکہ ذوالفقار خاں کو آگرہ کا قلعہ مقرر کیا گیا تھا —	۱۱۸
۷۱	شاہجہاں کے قید ہونیکے وقت دانشمند خاں داراشکوہ کی مخالفت کی باعث دہلی میں خانہ نشین تھا۔	۱۲۱
۷۲	داراشکوہ پر غالب آجانیسے لیکر شاہجہاں کے قید ہوجانے تک جو اورنگ زیب اور شاہجہاں کے مابین مناقفانہ کارروائیاں ہوتی رہیں۔ مع پوری نقل اُس دلچسپ خط وکتابت کے جو اس موقع پر انکے باہم ہوتی رہی۔ وغیرہ وغیرہ —	۱۲۲
۷۳	اسوقت شائستہ خاں آگرہ کا صوبہ دار مقرر نہوا تھا۔ بلکہ اسلام خاں کے صوبہ دار مقرر ہونیسے کچھ عرصہ بعد ہوا تھا	۱۳۱
۷۴	شیخ میر اور سید میر دونوں بھائی تھے اور سید میر اورنگ زیب کا مصاحب تھا	۱۳۳
۷۵	کن عجیب وغریب چالوں سے اورنگ زیب نے مراد بخش کو قید کیا اُسکا مفصّل بیان	۱۳۵
۷۶	شیر شاہ سے شکست کھاکر ہمایوں کے ایران جانیکا ایک اشارہ بمناسبت	۰
۷۷	داراشکوہ کی شکست خوردہ حالت کے تعاقب میں خود اورنگ زیب کا ملتان تک جانا اور وہاں سے بعض اُمرا کو اُسکے تعاقب میں مامور کرکے دہلی پہنچنا بطور تشریح وتصحیح بیان مصنّف کے۔	۱۴۳
۷۸	لاہور اور ملتان کے راستہ میں راجہ جیسنگہ کا اورنگ زیب کو گرفتار کرنیکے ارادہ سے پہنچنا ایک بے سر وپا اور غلط قصہ ہونیکا ثبوت	۱۴۴
۷۹	شاہ نواز خاں صوبہ دار گجرات جسنے داراشکوہ کی اعانت قبول کرلی تھی حسب قبول مصنف مقطع کے خاندان سے تھا۔ اور اسکا صحیح حسب ونسب	۱۴۷

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۸۰	کھجوہ کے مقام جو اورنگ زیب کی شجاع سے لڑائی ہوئی اُسکا موقع	۱۴۹
۸۱	داراشکوہ کی شکست سے چند روز بعد سلطان محمد معظم کا میر جملہ کو دکن میں قید سے رہا کرنا اور اُسکا حسب الطلب اورنگ زیب کی خدمت میں شجاع کی اس لڑائی کے وقت حاضر ہونا۔	۱۵۰
۸۲	کھجوہ کے قریب حسب قول مصنف اس لڑائی کا گرمی میں ہونا بلکہ عین سردی میں ہونا۔	۱۵۱
۸۳	بعض قراین مصنف کے اس گمان کی تائید میں کہ شجاع کو کھجوہ کے مقام غالباً الہ وردی خاں اُسکے سردار اعظم کی خیانت سے شکست ہوی مع ذکر قتل الہ وردی خاں اور سیف اللہ خاں اُسکے بیٹے کا وغیرہ	۱۵۳
۸۴	داراشکوہ کے مغلوب کرنیکے بعد اورنگ زیب کی طرف سے شجاع کی نسبت حکمت عملی کا رتاؤ۔ اس چال کی ناکامیابی اور آخر کار کھجوہ کے قریب جس طرح اُسکو شکست دیکر بنگالہ کو بھگایا گیا۔ اور محمد سلطان اور میر جملہ کو اُسکے تعاقب میں تعینات کیا۔ اِن سب واقعات کا سلسلہ وار بیان۔	۱۵۴
۸۵	شجاع کو مغلوب کرنیکے صلہ میں میر جملہ کو امیر الامرا کا خطاب نہیں دیا گیا تھا بلکہ خان خاناں کا خطاب ملا تھا۔	۱۵۹
۸۶	شجاع کے تعاقب کے سلسلہ میں منگیر کے پہاڑ اور گنگا کے درمیان ایک لمبی دیوار اور خندق کا حال۔	۱۶۰
۸۷	راج محل کے قدیمی نام اگمحل کا ذکر	۱۶۱
۸۸	محمد سلطان جو باغی ہوکر میر جملہ کے لشکر سے شجاع کے پاس چلا گیا تھا یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ اُسکی بغاوت بنگالہ میں اور داراشکوہ اور سپہر شکوہ کی گرفتاری دآدر میں ایک ہی تاریخ کو ہوئی۔	۱۶۳
۸۹	محمد سلطان کی بغاوت کا سبب اور شجاع کی بیٹی سے اسکی شادی وغیرہ اور اُسکا پھر میر جملہ کے لشکر میں واپس آجانا۔	۱۶۴
۹۰	محمد سلطان اور سلیمان شکوہ اور سپہر شکوہ کے سلیم گڈھ اور گوالیار وغیرہ میں قید رہنے کا حال اور سپہر شکوہ کی شادی مراد بخش کی بیٹی سے اور راجہ کشنوار کی بیٹی سے محمد سلطان کی شادی ہونا۔ اسکے بعد تا روز انتقال باپ بیٹے کے باہم کیا سلوک رہا اُسکا مدفن اور اُسکی لیاقت علمی وغیرہ۔	۱۶۵
۹۱	اورنگ زیب اور شاہزادہ محمد معظم برادر حقیقی محمد سلطان کے باہمی تعلقات کے ذکر میں شاہجہاں کے اور جہانگیر کے باہم اِن بن رہنے کا ایک اشارہ	۱۶۶
۹۲	شاہزادہ محمد معظم جو اورنگ زیب کے بعد بادشاہ ہوا تھا اُسکی لیاقت اور قابلیت	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	اور حفظ اوقات اور نیک سیرتی کا ایک مفصل بیان اور باوجود اسکے شہنشاہ اورنگ زیب کا اُسکو نہایت سختی سے ایک مدت تک قید رکھنا مع حالات متعلقہ۔	۱۶۷
۹۳	داراشکوہ۔ مراد بخش۔ اور شجاع کو بخوبی مغلوب کر لینے کے بعد بمقام دہلی اورنگ زیب کی باضابطہ تخت نشینی کا حال۔	۱۶۹
۹۴	اُسکا شاہی لقب اور سکّہ اور خطبہ مع ایک روایت متعلق خطبہ کے۔	۱۷۰
۹۵	کھجوہ کی لڑائی کے دنوں میں داراشکوہ کے پاس گجرات میں کسقدر سوار اور توپخانہ تھا۔ اور وہ اس لڑائی کی غلط افواہوں پر نظر و سہ کر کے خود ہی اجمیر تک آ پہنچا تھا۔	۱۷۱
۹۶	مہاراجہ جسونت سنگھ کو راجہ جیسنگھ نے اس موقع پر داراشکوہ کی مدد کرنے سے جسطرح روکا اُسکی تائید و تشریح۔	۱۷۱
۹۷	اجمیر کے مقام اورنگ زیب کو داراشکوہ پر جسطرح پر فتح حاصل ہوئی اُسکی تشریح۔	۱۷۳
۹۸	پیہم شکستوں کے بعد داراکے مُلک جیون افغان کے پاس داراشکوہ کے جانیکا بڑا سبب کیا ہوا۔	۱۸۴
۹۹	شیخ میر اجمیر میں مارا گیا تھا اسلیئے فتحپور کی فتح کے موقع پر اُسکی موجودگی صحیح نہیں ہو سکتی۔	۱۸۵
۱۰۰	داراشکوہ کی مصیبتوں کی ایک سلسلہ وار سرگزشت اجمیر سے گجرات کو بھاگنے سے لیکر دادر میں گرفتار ہونے تک۔	۱۸۶
۱۰۱	باغ خضرآباد کا حال جو ہمایوں کے مقبرہ کے قریب تھا۔ جسکو مصنف نے غلطی سے حیدرآباد لکھا ہے۔	۱۸۹
۱۰۲	حکیم داؤد مخاطب بہ تقرب خاں کا حال جسنے بقول بزنیر داراشکوہ کے قتل کی رائے بڑے زور سے دی تھی۔	۱۹۰
۱۰۳	نذر بیگ چیلہ قاتل داراشکوہ کے ذکر میں شاہی غلاموں کو چیلہ کا لقب دینے جانیکا دستور۔	۱۹۱
۱۰۴	داراشکوہ کے دہلی پہنچنے! تشہیر ہونے! اور قید اور قتل اور دفن ہونے!! وغیرہ کی مفصل سرگزشت۔	۱۹۲
۱۰۵	سری نگر سے سلیمان شکوہ کے گرفتار ہو کر آنے اور قلعہ سلیم گڈھ میں قید ہونے کی تشریح و تفصیل۔	۱۹۶
۱۰۶	بحالت قید پوستوں کے ذریعہ سے سلیمان شکوہ کی موت کی نسبت مصنف کے قول کی تائید۔ مگر بخلاف قول مصنف محمد سلطان سپہر شکوہ اور ایزد بخش کا آخر کار قید سے رہا کیے جانے کا ثبوت۔ انکی شادیاں اور تقرر مواجب وغیرہ۔	۱۹۹

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۱۰۷	شاہزادہ مرادبخش کے حالات قتل کی تشریح وتفصیل	۲۰۰
۱۰۸	شجاع کے بیٹوں کے ناموں کی تحقیق	۲۰۱
۱۰۹	ملک زنگ جہاں بنگالہ سے بھاگ کر شجاع نے پناہ لی تھی جو زمانہ حال میں اراکان مشہور ہوگیا ہے اسکی تصحیح وتوضیح مع دیگر کوائف۔	〃
۱۱۰	شجاع کی بیگم یا بیٹیوں کا اراکان کو اُسکے ساتھ جانا فارسی تاریخوں سے ثابت نہیں ہوسکا۔	۲۰۳
۱۱۱	اراکان پہنچکر جو شجاع نے سرسواری شہر فتح وغیرہ لٹائیں۔ اس رواج کا ذکر۔	۲۰۵
۱۱۲	اس امر کی تصحیح کہ شجاع کے ساتھ اراکان کو کتنے رفیق گئے تھے۔	۲۰۶
۱۱۳	اُسکی تباہی سے نو۹ برس بعد تک بھی اُسکی موت وحیات میں شک ہی تھا۔	۲۰۸
۱۱۴	اصفہان اُس زمانہ میں ایران کا دارالسلطنت تھا	۲۰۹
۱۱۵	شاہزادوں کی باہمی لڑائی اوّل سے آخر تک کتنے برس جاری رہی۔	۲۱۱
۱۱۶	تشریح وتفصیل شجاع کی شکستوں اور اُسکے اراکان جانیکے احوال کی۔	〃
۱۱۷	خواجہ اُزبک کے سفیروں کا اورنگ زیب کے دربار میں آنا اور اسکے ضمن میں ندر محمد خاں والی تُرکستان کی سلطنت میں ہل چل پڑنے کا تاریخی بیان۔ اُسکا شاہجہاں سے طالب امداد ہونا۔ شاہجہاں کا مرادبخش اور علی مردان کو روانہ کرنا۔ اور اُن کا بجائے امداد کے قلعہ بلخ پر قبضہ کرلینا۔ مرادبخش کا واپس آنا۔ اور نیا سفیر کا بھیجا جانا۔ اُسکا عجیب عجیب بہادری کے ساتھ ازبکوں سے لڑنا۔ اُنکا مغلوب ہونا۔ مگر اس مہم میں کئی کرور روپیہ کا بیفائدہ صرف ہونا۔ اور شاہزادہ محمد اورنگ زیب کا واپس آنا۔	۲۱۴
۱۱۸	اسی ضمن میں بطور تشریح بیان مصنف کشمیر کی طوائف الملوکی اور آخر اُسکے ضمیمہ سلطنت مغلیہ ہوجانے اور یعقوب شاہ کشمیری کا شہنشاہ اکبر کی پاپوش سر پر باندھکر دربار میں حاضر ہونیکا تاریخی بیان۔	۲۱۶
۱۱۹	کاشغر کا لاجورد۔	۲۱۹
۱۲۰	مغلیہ دربار کی رسم دنڈوت اور سجدہ۔ آداب زمین بوس تسلیمات اور سلام	۲۲۰
۱۲۱	سبحان قلی خاں اور عبدالعزیز خاں ازبکوں کے سفیروں کے آنے کی تصحیح وتشریح اُنکی تواضع اور انعامات وغیرہ کا حال	۲۲۱
۱۲۲	"راگو" کیسے سالن کو کہتے ہیں	۲۲۲
۱۲۳	ترکستان میں گھوڑے کے گوشت کھانے کا رواج۔ اور کھانا کھانیکا طرز۔ اور اس عجیب اتفاق کا ذکر کہ شہنشاہ اکبر کی لڑائی	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	میں فرانسیسیوں نے بھی پیرس میں گھوڑے کا گوشت پہلے مجبوری اور بعد ازاں طبیب خاطر کھایا۔	۲۲۳
۱۲۴	لفظ آمیزن کی تحقیق۔	۲۲۴
۱۲۵	شاہزادہ محمد اکبر پسر اورنگ زیب کی تنہا کاشاں مسقط سے ہونا صحیح نہیں ہے۔	۲۲۰
۱۲۶	ایشیا کی رسم کے موافق مہمان کا زیادہ دیر تک ٹھہرنا خوش خلقی کی سند سے ہوتا ہے	۲۳۲
۱۲۷	بٹیویا کا ذکر جو ڈچوں کے قبضہ میں جزیرہ جاوا میں ہے۔	۲۳۳
۱۲۸	مصنف کے اس خیال کی تردید کہ خواجہ انکو بھی تعشق ہو سکتا ہے۔	۲۳۶
۱۲۹	بصرہ کے ترکی حاکم کا نام جو اورنگ زیب کے یہاں آکر نوکر ہو گیا تھا۔	۲۴۰
۱۳۰	شاہ حبش کے مسلمان ایلچی کا نام جو اورنگ زیب کے دربار میں آیا تھا	۲۴۱
۱۳۱	کرون سکہ کی قیمت باعتبار روپیہ کے۔	۲۴۲
۱۳۲	سیوٹ کیا چیز ہے۔	۲۴۳
۱۳۳	رائل سیپٹر تخت و تاج کی طرح یورپ میں منجملہ شاہی علامتوں کے ہے۔	۲۵۳
۱۳۴	مصنف کے بیان میں شاہ عباس سے کونسا شاہ عباس مراد ہے۔	۲۶۲
۱۳۵	ہیم سٹرنگ کے معنی۔	۲۶۳
۱۳۶	سفیر ایران جو اورنگ زیب کے دربار میں آیا تھا اُسکا نام اور اُسکے	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	مراسم مہمانداری و اعزاز رسوم درباری تحفے اور خلعت اور انعام جن میں ایک فیل دریائی بھی دیا گیا تھا۔ شاہ ایران کے نامے موسومہ اورنگ زیب اور فرمان موسومہ سفیر کی نقل	۲۶۴
۱۳۷	حسب بیان مصنف اورنگ زیب کے اُستاد کا نام مُلّا صالح ثابت نہیں ہوتا بلکہ میر محمد ہاشم گیلانی اُسکا اُستاد تھا۔	۲۷۵
۱۳۸	اورنگ زیب کا اپنے اٹھارہویں سال جلوس میں تمام منجموں کو موقوف کر دینا۔ اور جنتریوں تک بنانے کی ممانعت و غیرہ	۲۸۲
۱۳۹	سُلطان بایزید ولیعہد کے متعلق جسکو امیر تیمور نے قید کر لیا تھا روایت تبدیہ متن کی تصدیق اکبر نامہ یا تیمور نامہ سے نہیں ہوئی۔	۲۹۱
۱۴۰	میر جملہ کا مغلوب ہو کر آسام سے واپس آنا درست نہیں اور اُسکے متعلق ایک مفصل اور دلچسپ حاشیہ کا اس جلد کے اخیر میں لگائے جانیکا وعدہ۔	۲۹۷
۱۴۱	"راس ڈاس پال ماس" جو پرتگیزوں کا مقبوضہ تھا کہاں واقع ہے۔	۳۰۰
۱۴۲	شاہ جہاں کے عہد میں ہوگلی کے پرتگیزوں کے تباہ ہو کر پکڑے جانیکے ایک ذکر میں بیجا تعصب کے ساتھ سے	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	بیت المقدس کے بنی اسرائیل کے بابل میں قید ہوکر لائے جانیکا حال	۳۰۲
۱۴۳	حسب بیان مصنف ہوگلی میں پرتگیز کب اور کسطرح آباد ہوے تھے اور پھر شاہ جہاں کے عہد میں کیوں اور کس طرح برباد کئے گئے۔	۳۰۴
۱۴۴	پرتگیزوں کے ہندوستان میں آنے اور اُن کے عروج وزوال کی نسبت اس جلد کے اخیر میں ایک تفصیلی حاشیہ لکھے جانیکا وعدہ۔	۳۰۸
۱۴۵	جزیرہ سوندیپ کہاں واقع ہے	۳۰۹
۱۴۶	پرتگیزوں کی "گے لی" اور "گے لی آس" کشتیوں کی شکل اور اُنکا بیان۔	۳۱۰
۱۴۷	جزیرہ ہرمز کو پرتگیزوں نے ایرانیوں سے چھینا اور پھر ایرانیوں نے انگریزوں کی مدد سے واپس لیا۔	۳۱۲
۱۴۸	پرتگیزوں۔ ڈچوں۔ انگریزوں۔ ڈنمارک والوں اور فرانسیسوں کا علی الترتیب ہندوستان میں آنا۔ اور آخر کار سب کا زوال ہوکر انگریزی سلطنت کا قائم ہوجانا۔	″
۱۴۹	فرانسیسوں کے مقبوضہ شہر پانڈیچری کا صحیح نام پتوچری ہے۔	۳۱۴
۱۵۰	شائستہ خاں کا پرتگیزوں کی مدد سے قلعہ چاٹگام کو اراکانیوں سے فتح کرنیکا	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	حال جس طرح پر کہ عالمگیر نامہ سے معلوم ہوتا ہے	۳۱۶
۱۵۱	"کے پوشین" عیسائی درویش کیسے ہوتے ہیں	۳۲۸
۱۵۲	اصل کتاب میں راجہ رام راج کو غلط طور پر رام راس اور بجے نگر کو بس نگر لکھا ہے	۳۳۲
۱۵۳	خاندان بہمنیہ اور گولکنڈہ اور بیجاپور کے بادشاہوں کا صحیح حال اور شاہان مغلیہ کا اُنسے طرز تعلق اور آخر کار اُنکا اورنگ زیب کی سلطنت میں شامل ہوجانا مع صحیح حال راجہ رام راج کے وغیرہ وغیرہ۔	۳۴۰
۱۵۴	سیواجی مرہٹہ کا طولانی اور دلچسپ حال مہاراشٹر کا اطلاق قدیم زمانہ میں کس ملک پر ہوتا تھا۔	۳۴۵
۱۵۵	سونے کے سکہ ہُن کا حال۔	۳۵۲
۱۵۶	شاہ جہاں کی وفات اور دفن وغیرہ کا مفصل حال مع اُسکی عمر اور تعداد ایام قید اور اُن رسوم ماتم وغیرہ کے جو اورنگ زیب نے کیں۔	۳۶۰
۱۵۷	کول برٹ وزیر فرانس کا پورا نام وخطاب وغیرہ حالات جسکے عہد میں ڈاکر برنیر نے یہہ کتاب لکھی تھی۔	۳۶۵
۱۵۸	بادشاہ کے دامن قبا کو بوسہ دینے کی رسم مغلیہ دربار میں تھی۔	″
۱۵۹	اس امر کی تصریح کہ مصنف نے یہہ کتاب بادشاہ فرانس کو نذر کی اور اسکا وہ حصہ جو	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	بطور عریضہ کے ہے کو لبرٹ وزیر کو۔	۳۶۷
۱۶۰	بہ نسبت شاہی ملک کے راجاؤں کے علاقوں میں رعایا پر سخت گیری کم ہونیکی تصدیق۔	۳۷۳
۱۶۱	زمانہ حال کے کل ہندوستانی والیان ملک کی بالمقابلہ تعداد۔ انکی وسعت ملک اور تعداد رعایا۔ اور تعداد محاصل اور شمار فوج وغیرہ کی ایک مکمل کیفیت اور انکی عام اور کلی حالت کی مناسبت گورنمنٹ انگلشیہ کی سلطنت ہند سے	۳۷۶
۱۶۲	سکندر کے معاصر راجہ پورس کا ذکر۔	۳۷۷
	ولایت نا انگریزوں کی بہ نسبت مخلوط النسل اور ہندوستان نا انگریزوں کی قدر و منزلت کم ہونیکا ایک بالمقابلہ اشارہ۔	۳۷۹
۱۶۳	مصنف کے زمانہ میں شاہان صفویہ فرمانروائے ایران کا سید ہونا اتفاقی بات تھی۔ مگر انکا امام یا خلیفہ مانا جانا غلط ہے۔	۳۸۱
۱۶۴	امرا اور منصبداروں کو ہاتھی گھوڑے اونٹ خچر وغیرہ جسقدر رکھنے لازم تھے انکی تعداد اور انکا سالانہ مواجب۔	۳۸۵
۱۶۵	شاہ جہاں کے عہد میں امرا اور منصبداروں کی تعداد کل اور تشریح درجات مع تناسب درجات و تعداد کل امرائے دلایتی اور نٹیو کی۔	۳۸۷
۱۶۶	شاہ جہاں اور گورنمنٹ انگریزی کی فوج کی تعداد بالمقابلہ مع تشریح و اقسام فوج	۳۹۴

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۱۶۷	بادشاہی خزانوں کی کیفیت اکبر اور شاہجہاں کے عہد میں۔	۴۰۰
۱۶۸	دولت کی بہ نسبت ہندوؤں کے ایک اعتقاد کے بارہ میں مصنف کے بیان کی تردید	۴۰۴
۱۶۹	شاہی عاملوں اور مستاجروں کے ظلم و ستم کی ایک دردناک کیفیت۔	۴۰۶
۱۷۰	اُس زمانہ میں تعلیم کی کیا حالت تھی اور اب کیا ہے۔ اس حاشیہ میں ہندوستان کی موجودہ حالت تعلیم کا ایک مشرح بیان۔	۴۱۰
۱۷۱	کنٹری ہوس کسکو کہتے ہیں۔	۴۱۷
۱۷۲	پیگو والے جو بودھ مذہب کے پیرو ہیں اُن کے پیشوا برہمن نہیں ہوتے۔	۴۲۰
۱۷۳	مجرموں کے تلوؤں پر قاضیوں کا چوٹیں لگوانا۔ اس غیر متعارف طریق سزا کی حقیقت کا ایک دلچسپ بیان۔	۴۲۴
۱۷۴	میر جملہ کی فوج کشی کوچ بہار اور آسام کے راجاؤں پر۔ یہ حاشیہ نہایت مفصل ہے جس سے وجوہ جنگ۔ جانبین کی جنگی تدبیریں۔ دلچسپ ملکی حالات اور شرائط صلح وغیرہ کی ایک عمدہ کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ اسکے ضمن میں راجہ بیم نارائن کوچ بہار کے راجہ اور اُسکی ریاست کی حدود اور آمدنی سالانہ اور اُسکے سکے اور لقب وغیرہ کا ذکر۔	۴۲۹
۱۷۵	عہد سلطنت مغلیہ کی تحریروں میں لفظ ولایت کا	

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
	اطلاق کیسے علاقوں پر کیا جاتا تھا۔	۴۳۲
۱۷۶	بھوٹان میں دو راجہ ہوتے ہیں ایک دینی دوسرا دُنیاوی۔	۴۳۴
۱۷۷	کوچ بہار کا مختصر حال جو اسوقت ہے۔	۴۳۷
۱۷۸	اسمعیل جوگی۔ لوناچماری اور کوم گچھا کے مندروں کا ذکر۔	۴۴۸
۱۷۹	آسام کی کثرت بارش اور وہاں کی بعض وحشی قوموں کے رسم و رواج وغیرہ کے عجیب غریب حالات زمانہ حال کی تحریروں کے بموجب	۴۵۸
۱۸۰	پُرتگیزوں کا ہندوستان میں آنا اور اُن کا عروج و زوال۔	۴۷۹
۱۸۱	الفاظ زیمورن اور کالی کٹ کی تحقیق اور اصلیت	۴۸۰
۱۸۲	ریاست ٹونس اور اُسکے رئیس کا نام۔	۴۸۱
۱۸۳	اہل یورپ کے محاورہ میں مور کن مسلمانوں کو کہتے ہیں۔	۴۸۴

تمام شد

صحت نامہ جلد اوّل وقایع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸	۱۲ حاشیہ	شاح	شاخ	۴۱	۱	حو	جو
۱۶	۵ سطر حاشیہ	جانیکے	مرجانیکے	۴۴	۴	احتماط	احتیاط
۱۷	۱۹	قریب	فریب	۵۰	۱۱ انیچ دیم	اُن پر چڑھائی	چڑھائی
۱۸	۶ سطر حاشیہ	لردہ	کردہ	۵۶	۱۰ حاشیہ	اُنہوں	اُنہوں نے
۱۹	″	نشود	نشنود	″	اخیر سطر حاشیہ	تحصیل کے پیشکش	تحصیل میشکش
۲۲	۱۶	چھنا	چھپنا	۵۷	۳ حاشیہ	تو بھی	ابھی
۲۳	۱۷	پیڑہ	بیڑہ	۶۳	۱۰ ″	ہجری کو	ہجری میں
″	۲ حاشیہ	محاورے خلاف	محاورے کے خلاف	۶۴	۱۸	داراشکو لی	داراشکوہ کی
۲۴	۶	محفوظ	محظوظ	۶۶	سطر اول حاشیہ	رئیس جیپور مراد ہے	رئیس جیپور سے مراد ہے
۳۲	۲ حاشیہ	تعلق	تعلق	۷۰	۷	باقدار	بااقتدار
۳۵	۳	تھاگا	بھاگا	۷۳	۱۵	سپاہیوں کے	سپاہیوں کی ساتھ
۳۸	۶	باصفے	باندھنے	۷۴	۴ سطر حاشیہ	کچھ کرے	کچھ حرکت کرے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۹	۱۰	بھنسا	پھنسا
۸۰	۱۲	طرح طرح	طرح طرح کی
۸۵	۷	دکھاؤ گے	دکھاؤ گے
″	۷ حاشیہ	نکلائی	نکلگئی
″	۱۰ ″	باختیار	با اختیار
۹۹	۱۱	ہوجاتی	ہو جاتی
۱۰۰	۱۸	آگ بڑھنے اور ایک تیر	آگ بڑھنے اور ایک تیر
۱۰۴	۴	خداداد فتح پاکر او	خداداد فتح پاکر او
۱۱۳	۵	مقابلہ	مقابلہ کر
۱۱۶	۱	شاہ جہاں	شاہ جہاں کے
۱۲۵	۱۷ حاشیہ	دورہ زندگی	دو روزہ زندگی
۱۵۰	۶	چاہتا	چاہتا تھا
″	اخیر سطر حاشیہ	عہدہ	عہدہ بر
۱۵۲	۱۴	دیگئی گئی تھی	دیگئی تھی
۱۵۹	۵	تمنے تمنے	تمنے
۱۶۹	۵	ہنرمندی	ہوشمندی
۱۷۳	۴	توپوں کی	توپوں میں
۱۷۷	۱۸	گھٹے گھٹے	گھٹتے گھٹتے
۲۲۲	۱۰	ایکدفعہ	ایکدفعہ
۲۲۶	۱۷	مشکل	مشکل سے
۲۲۹	۱۵	آجاتی	آتی جاتی
۲۷۳	۱	غیر	سفیر
۲۷۴	۱۶	ظلانیہ	علانیہ
۲۷۵	۷ حاشیہ	عیاث الدین	غیاث الدین
۲۷۷	۷	بھی یا نہیں	بھی ہیں یا نہیں
۲۸۴	۱۵	ناشبانی	ناشتانی
۳۳۸	۹	سالت	حالت
″	۱۱	گوا	گویا
۳۴۶	۱۵	کہلا تھا	کہلاتا تھا
″	۲۱	پنے	اپنے
۳۶۱	۸	اُسوقت	اُسیوقت
۳۶۵	۳ حاشیہ اول	لایق فایق	لایق و فایق
۳۶۶	۳ حاشیہ دوم	شرف یابی	شرف باریابی
۳۷۰	۱۸	احتاج	احتیاج
۳۷۶	۱۴ حاشیہ	بجٹ	بجٹ
۳۸۰	۱۲	ولایت زایا	ولایت زا
۴۰۰	۱۱ حاشیہ دوم	نظام الملکی	نظام الملکی
۴۰۱	۶	کلائے	گلائے
۴۲۶	۱۲ حاشیہ	تسمیہ	تسمہ
۴۳۱	۹	معذرت نامہ	معذرت نامہ
۴۳۴	۱۱	دغدعہ	دغدغہ
۴۳۵	۱۷	باغچہ	باغچہ
۴۳۷	۵	نسں	نسق
۴۵۰	۱۴	توپخانہ	توپخانہ
۴۵۷	۸	کھیتاں	کھیتیاں
۴۶۳	۵	طغانی	طغیانی
۴۷۵	۷	ماہ مذکور	ماہ مذکور کو

تمام شد

oriental diction is by no means an easy task ; hence the difficulty of satisfying critics as to style and mode of dealing with the original ; but as Colonel Holroyd has suggested another revision, my friend the Khalifa has willingly consented with the assistence of his learned worthy brother Wazir-ul-Doula Mudabbir-ul-Mulk Khalifa Syed Mohomed Hussan Khan Bahadur, Wazir or Prime Minister Patiala State to once more go over the work carefully.

My friend desires to make over the publication to the Anglo Oriental College at Allgghur as a donation in aid of its funds, trusting that on my representation Government will be induced to sanction the purchase of a certain number of copies for distribution to the different Educational Departments in the country, and is not disposed to reserve a claim on the copy right which we could do according to the copy right Act passed for India. The Khalifa considers the Act as a bar to the general diffusion of literature and the sciences in a country where the mass of the population is decidedly poor and can with difficulty be made to take an interest in literary matters ; when expense, however small is involved ; he has therefore suggested my reserving the right for myself alone.

Considering the time, trouble and expense to which my friend the Khalifa has been put, I have agreed to his proposal, and follow his beneficent example to make over the right to "Madrasatul oolum" on my part, at the same time let it be known that at the expiration of seven years from the date of first publication, publishers will be at liberty to reproduce the Book.

then Secretary to Government in the Foreign Department, verbally promised to take the matter into consideration, but for some reason or another, possibly for no reason at all nothing was ever done.

Having failed to attract attention in that quarter I addressed myself to the Director of Public Instruction Punjab, who promised to submit the work to the Senate of the Punjab University; meanwhile I left India on a year's furlough and shortly after my return proceeded on field service to Egypt.

On my return I found nothing had been done, although Colonel Holroyd the D. P. I. was interesting himself in the matter, and gave me reason to hope something would be done before the end of the year.

Quite recently my esteemed and highly accomplished friend Khaliffa Syed Mohomed Hoosein, who had taken so much trouble to correct and revise the work; became impatient for its publication, convinced as he appears to be, that the book would prove benificial to his countrymen, and that by aiding in its publication he would be rendering an indirect service to Her Majesty's Indian Government; he wrote to say he was prepared to bring out the translation at his own risk and expense.

I at once made known this public spirited and liberal offer to Colonel Holroyd and in consultation with him it was decided to make over the M. S. to the Khalifa.

Translating a book from a European into an Oriental language may seem a simple process enough, but to translate accurately so as to convey the same meaning, and possibly reflect the spirit that animated the author; at the same time avoid too close a rendering of the original, and preserve the idiomatic elegance of

recommended to have this done by some wellknown scholar of the Delhi school of Oordu. Following this advice I made it over to a wellknown gentleman at Delhi of great reputation as an Oordu Scholar; he kept the M. S. for about a year and during that time only revised a few pages; the task was evidently beyond what his age and feeble health would allow him to undertake and the work was returned to me unrevised.

Sometime after I mentioned what I have stated above to my friend Khalifa Syed Mohomed Hoosein Foreign minister of the Patialla State, a gentleman well known for his literary acquirements as an Oordu, Arabic, Persian and English scholar, who has lately had the titles of Mooshir-oo-Dowla, Mumtazul Mulk conferred upon him by the British Government, when he most kindly undertook to revise the work himself, which he not only did thoroughly, but translated some of the philosophical disquisitions of the original author, what I had omitted, not thinking them likely to prove of interest to readers in this country, and put great many useful notes to make the book more interesting and explicit.

The work revised and corrected by the Khalifa, as above stated I requested Sir Fredrick Haines G. C. B., G. C. S. I. &c. then Commander-in-Chief in India, on whose personal staff I was serving, to submit my work to the Government of India with a view to receiving some assistance to enable me to bring out the work and remunerate the Moonshi who assisted me; at the same time disdaining any pecuniary advantage for myself.

His Excellency was good enough to forward my letter to the Government of India; and shortly after, the

INTRODUCTION

In 1875 I undertook to translate into Oordu the travels of Bernier in the Mogul Empire, with the idea that a work of this kind, conveying the impartial testimony of a total stranger and an eye witness to the actual state of the Government and people of India during the eventful reign of the Emperor Orangzeb, would be the means of dispelling many erroneous impressions as to the boundless liberality, love of justice, general prosperity, and happiness of the people of this country, which is supposed to have characterized the rule of the Moguls; errors which contemporary historians, flatterers, court favorites and poets have been the means of perpetuating and obtain implicit credence to the present day among the great mass of the people of this country.

Bernier not being of the race of the present "paramount power"—his account of what actually occurred and came under his personal notice would be accepted with confidence by the chiefs and most of the educated classes in India, who I believe would peruse with much interest, a narrative coming from so impartial and disinterested a source; and if this surmise is correct a comparison with the present order of things would not be without its good effect.

I was greatly assisted in the work of translation and am much indebted to the learned Moonshi Ahmed-oo-deen of Mooradabad who was then attached to the office of the Persian Interpreter to His Excellency the Commander-in-Chief in India as Moonshi.

When the translation was finished I sent the M. S. to the Director of Education N. W. P. where Oordu is mostly spoken and was informed that although the translation was a good one it wanted revision, and was

ترجمہ

دیباچہ وقایع سیر وسیاحت ڈاکٹر برنیر

مرقومہ

جناب کرنل ہنری مور صاحب بہادر۔ سی بی و (سی آئی ای)

ڈاکٹر برنیر کے وقایع سیر وسیاحت کا اُردو ترجمہ ۱۸۷۵ء اٹھارہ سو پچھتر عیسوی میں اس مُراد سے میں نے کیا تھا کہ بذریعہ اس کتاب کے جو ایک ناظر فدار اور محض اجنبی شخص کی عینی شہادت ہے شاید لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ شہنشاہ اورنگ زیب کے پُرحوادث عہد میں سلطنت اور حکومت کا طرز اور رعایا کی حالت وکیفیت ٹھیک ٹھیک کس طرح پر اور کیا تھی۔ اور مغلیہ سلطنت کی بیحد فیاضی۔ انصاف پسندی اور رعایا کی عام خوشحالی اور فارغ البالی کی نسبت بہت سے غلط خیالات جو ملک میں پھیلے ہوئے ہیں وہ دُور ہو جائینگے۔ جنکو اُس وقت کے مؤرخوں اور شاعروں اور خوشامدیوں اور بادشاہوں کے مہربانی یافتہ لوگوں کی تحریروں نے اِس ملک کی عامّہ خلائق میں ایسی بقاء دائمی کی حد کو پہنچا دیا ہے کہ آجتک بھی عوام الناس کے دلوں میں نہایت یقین کے ساتھ اس طرح قائم ہیں کہ

گویا یہہ اوصاف محض اُسی سلطنت سے مختص تھے۔

ہم لوگ جو بالفعل ہِنْدُوستان پر متسلط ہیں ڈاکٹر بِنیر چونکہ ہمارا ہمقوم نتھا اسلیئے جو حالات کہ اُسنے اپنے چشم دیدہ لکھے ہیں اُمید ہے کہ وہ اس زمانہ کے ہندوستانی روسا اور اکثر تعلیم یافتہ لوگوں کے نزدیک اعتماد کے لایق سمجھے جائینگے۔ کیونکہ خیال ہے کہ وہ اس قسم کے بیانات کو جو ایک ایسے ناظر فدا اور بغرض شخص کی طرف سے ہوں بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ اور اگر میرا یہہ قیاس صحیح ہو تو مُلک کی موجودہ حالت کا اُس زمانہ کی حالت سے مقابلہ کرنا ایک عمدہ تاثیر سے خالی نہوگا۔ **منشی احمد الدّین** صاحب جو ایک ذی علم شخص ہیں اور اس کتاب کے ترجمہ کیوقت نواب کمانڈر انچیف بہادر سپہ سالار افواج ہند کے ترجمان فارسی کے دفتر میں مامور تھے اُنہوں نے مجھے اس کام میں بہت مدد دی تھی اور مَیں اُنکا بہت مرہُون منّت ہوں

جب ترجمہ ہوچُکا تو مینے اُسکی ایک نقل صاحب ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم اضلاع شمالی و مغربی کے پاس جہاں زبان اُردو زیادہ تر بولی جاتی ہے روانہ کی۔ مگر اُنہوں نے مجھے یہہ لکھا کہ اگرچہ ترجمہ اچھا ہے لیکن نظر ثانی کی ضرورت ہے اسلیئے مناسب ہے کہ کسی ایسے مستند اور زباں داں شخص کو دکھالیا جاے جو اُس اُردو زبان کا ماہر ہو جسے اہل دِہلی کی اُردو کہتے ہیں"۔ مینے اس رائے پر عمل کیا اور کتاب کو دِہلی کے ایک مشہور و معروف معزّز شخص کے سپرد کردیا جو اُردو کا مشہور زباں داں تھا۔ لیکن یہہ کتاب اگرچہ ایک برس تک اُسکے پاس رہی۔ مگر اُسنے صرف چند ہی اوراق میں کچھ اِصلاح کی اور پھر ویسی کی ویسی

میرے پاس بھیجدی - ظاہرا یہہ کام سبب بڈھے اور ضعیف القوی ہونیکے اُس شخص کی طاقت سے باہر تھا -

کچھ دنوں بعد یہہ تمام سرگزشت مینے اپنے دوست **خلیفہ سیّد محمد حسین صاحب میر منشی ریاست پٹیالہ** سے بیان کی - جو اُردو - عربی - فارسی اور انگریزی زبان کے جاننے میں مشہور ہیں اور جنکو کچھ عرصہ ہوا کہ گورنمنٹ عالیہ قیصریہ کی حضور سے "مَشِیْرُ الدَّوْلَہ مُمْتَازُ الْمُلْک" کا خطاب مرحمت ہوا ہے - اُنہوں نے نہایت مہربانی سے اِس کتاب پر دوبارہ نظر ڈالنے کا کام اپنے ذمہ لے لیا - اور نہ صرف اوّل سے آخر تک اُسکی اصلاح پر اکتفا کیا بلکہ جن بعض مقامات کا ترجمہ مینے مصنّف کی فلسفیانہ تحقیقاتیں سمجھکر اِس خیال سے چھوڑ دیا تھا کہ ناظرین اہل ہند کے لیئے شاید کچھ دلچسپ نہوں اُنکا بھی ترجمہ کر ڈالا - اور اس غرض سے کہ یہہ کتاب زیادہ مشرّح اور زیادہ دلچسپ ہوجائے بہت سے مفید حاشیئے بھی اضافہ کر دیئے -

جب خلیفہ صاحب موصوف جیساکہ مینے بیان کیا ہے اس کتاب کی ترمیم اور اصلاح سے فارغ ہو چکے تو مینے هٰذِهِ الْکَتِیْبَۃِ سَرْفَرَیْڈرک صاحب بہادر "جی - سی - بی" "جی - سی - ایس - آئی" وغیرہ سے جو اُسوقت هِنْدُوْسْتَان کے "کمانڈر انچیف" تھے اور جنکے "پرسنل سٹاف" میں مَیں مامور تھا یہہ درخواست کی کہ میری اِس کتاب کو گورنمنٹ عالیہ ہند کے حضور میں اِس مُراد سے بھیجدیں کہ مجھے اتنی مدد حاصل ہوجائے جس سے مَیں اِسکو چھپوا سکوں اور **منشی احمد الدّین** صاحب کو اُنکی مدد دہی کا صلہ

دے سکوں - اور یہہ بھی عرض کر دیا کہ اِس میں مَیں اپنی ذات کے لیئے کچھ روپیہ کی مفاد کا متمنّی نہیں ہوں - چنانچہ نوّاب ممدوح نے ازراہ کرم میری درخواست کو گورنمنٹ ہند کی خدمت میں بھیجدیا اور تھوڑے عرصہ کے بعد صاحب فارن سکرٹری گورنمنٹ موصوف نے زبانی وعدہ فرمایا کہ اس معاملہ پر توجّہ کیجائیگی - مگر کچھ ظہور میں نہ آیا جسکی شاید کوئی وجہ ہوگی اور غالب تو یہہ ہے کہ کوئی بھی وجہ نہو -

جب مَیں اِس طرف سے مایوس ہوا تو مینے صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب کی خدمت میں تحریر کیا - اور صاحب موصوف نے وعدہ فرمایا کہ ہم اِس کتاب کو صاحبان سینٹ پنجاب یونیورسٹی کی خدمت میں پیش کرینگے - مگر مَیں اس اثنار میں برس روز کی رخصت لیکر ولایت چلا گیا - اور وہاں سے واپس آتے ہی مصر کی لڑائی پر بھیجدیا گیا - اور جب مصر سے واپس آیا تو معلوم ہوا کہ کتاب کے بارہ میں ابھی کچھ بھی لہور میں نہیں آیا - حالانکہ کرنل ہالرائڈ صاحب بہادر ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب اِس معاملہ میں ذاتی توجہ ظاہر فرماتے تھے - جس سے بوجہ معقول مجکو یہہ اُمید ہوتی تھی کہ سال کے اختتام سے پہلے کچھ نہ کچھ ضرور ہو جائیگا -

مگر کچھ عرصہ نہیں گزرا کہ میرے عالیقدر اور نہایت صاحب فضل و کمال دوست **خلیفہ سیّد محمّد حسین** صاحب نے (جو اِس کتاب کی تصحیح اور نظر ثانی میں بہت ہی تکلیف اُٹھا چکے تھے اور جنکو اس بات کا کامل یقین ہے کہ یہہ اُن کے ہموطنوں کے لیئے مفید ثابت ہوگی اور اسکے اشاعت میں مدد دینے سے گویا وہ

ایک طرح سے سرکار عالیہ قیصریہ کی ایک خدمت بجالائینگے) اسکے شیوع میں زیادہ تساہل اور تامل کو گوارا نفرما کر مجکو یہہ لکھا کہ میں اس کتاب کو خاص اپنی ذمہ داری اور اپنے ہی خرچ سے چھپوانے کے لیئے آمادہ ہوں بمجرد پہنچنے اس تحریر کے مینے اُنکی اس ہمت فیاضانہ اور ارادۂ افادہ عام سے کرنل ھالرائڈ صاحب کو آگاہ کیا اور اُنکے مشورہ سے آخر یہہ قرار پایا کہ کتاب خلیفہ صاحب ممدوح کی خدمت میں بھیجدی جائے۔

کسی یوروپین زبان کی کتاب کا ایک مشرقی زبان میں ترجمہ کرنا شاید بعض لوگوں کو ایک آسان سا کام معلوم ہوتا ہو مگر ایسی صحت کے ساتھ ترجمہ کرنا کہ مطلب اور معنی تو ہو بہو وہی ادا ہو جائیں اور با اینہمہ ٹھیٹھ لفظی ترجمہ بھی نہو اور حتی الامکان وہ زور بھی قائم رہے جو مصنف کے اصل بیان میں پایا جاتا ہو اور مشرق کے طرز انشا کی خوبی و لطافت بھی ہاتھ سے نجائے ہرگز آسان نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ کسی کتاب کے ترجمہ میں طرز بیان اور اس قسم کے اُمور کی نسبت کہ ترجمہ کس ڈھنگ پر کرنا چاہیئے۔ اور اُسمیں مصنف کے الفاظ کی پابندی وغیرہ کس حد تک کرنی یا نکرنی چاہیئے معترضین کو (جو اپنے مذاق کے موافق اعتراض کیا کرتے ہیں) مطمئن کرنا بہت مشکل ہے۔ مگر بہرحال چونکہ کرنل ھالرائڈ صاحب بہادر نے یہہ رائے دی کہ اس ترجمہ پر ایک دفعہ اور بھی نظر ڈال لیجائے تو بہتر ہے۔ اسلیئے میرے عنایت فرما جناب خلیفہ صاحب نے نہایت خوشی سے اسکو بھی منظور کرلیا ہے کہ وہ اپنے لایق و فایق اور صاحب علم و فضل بھائی جناب وزیرالدولہ

مُدبّرُ المُلک خلیفہ سیّد محمد حسن خاں صاحب بہادر
وزیرِ اعظم ریاستِ پٹیالہ کی مدد سے ایکدفعہ اس کتاب کو پھر بغور دیکھ ڈالینگے
میرے دوست کا یہ منشا ہے کہ چھپ جانیکے بعد اس کتاب کی کل جلدیں
بغرض اعانت سرمایہ علیگڈھ کے مدارالعلوم کو دیدیں۔ اور انکو امید
ہے کہ راقم کی سفارش سے کتاب مذکور کی کچھ جلدیں گورنمنٹ بھی مختلف مدارس
ہندوستان میں تقسیم کرنے کی غرض سے خرید لیگی اور اپنے لیئے تو وہ
حق الطبع بھی محفوظ رکھنا نہیں چاہتے۔ حالانکہ کاپی رائٹ ایکٹ کی رو سے جو
کل ہندوستان کے لیئے معمول بہ ہے میں اور وہ دونوں محفوظ رکھ سکتے
ہیں خلیفہ صاحب موصوف کے نزدیک ایکٹ مذکور اس ملک میں کہ جہاں
کے لوگ فی الواقع نہایت کم مقدور ہیں اور جنکو اگر تھوڑا سا خرچ بھی عاید ہوتا ہو تو
علمی باتوں کی طرف مائل کرنا مشکل ہے۔ علوم وفنون کی اشاعت عام کا مانع ہے
اسلیئے وہ چاہتے ہیں کہ حق کاپی رائٹ راقم صرف اپنے ہی لیئے محفوظ رکھے
چنانچہ میں اس خیال سے کہ میرے دوست خلیفہ محمد حسین صاحب کا
کسقدر وقت اور محنت اور روپیہ اس کتاب پر صرف ہوا ہے انکی اس تجویز کو
منظور کرتا ہوں۔ مگر ان کے فیاضانہ نمونہ کی پیروی کے طور پر اپنی طرف سے
یہ حق علیگڈھ کے مدارالعلوم کو بخشتا ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان
کرتا ہوں کہ اس کتاب کے پہلی دفعہ مشتہر ہونیکے سات برس بعد ہر شخص کو اسکے
چھاپنے کا اختیار ہوگا۔ فقط

راقم
ہنری مور

دیباچہ کتاب

جو کرنل مورصاحب کی طرف سے منشی احمد الدین صاحب مرادآبادی نے بطور برعت الاستہلال اور ریویو کے اس کتاب کے پہلے ترجمہ پر لکھا تھا۔

سزاوار حمد و ثنا وہ یگانہ ہے۔ جسکی قدرت و کبریائی پر دلیل بدیہی سارا زمانہ ہے۔ اور اُسکی یکرنگی پر گواہ اس عالم کا سب کارخانہ۔ سبحان اللہ! ایسا صاحب جبروت کہ اپنے قیام سلطنت میں کسی امیر۔ وزیر۔ مشیر۔ ارکان دولت اور خدم و حشم۔ کا اصلا محتاج نہیں۔ تعالی اللہ وہ ذوالجلال جسکا ثانی و مثل ممتنع الوجود اور نظیر و عدیل اُسکا فضاے امکان سے نابود۔ آسمان بریں اُسکے حکم ناطق سے سرگرداں۔ اور چاند سورج رات دن اُسکی قدرت عجیب کے مشاہدے سے حیراں۔ اور اس یکتائی اور رعنائی کو دیکھکر چشم انجم نرگس وار سرسبز نگراں اُسکا خطبہ فاختہ اور قمری کو ہزباں۔ اور اُسکا سکہ ورق زریں و سیمیں مہر و ماہ پراز ماہ تابماہی رواں۔ اُسکے درِ دولت کا عام و خاص کرسی و عرش بریں ہے اور اُسکا پاے تخت خاص لامکاں و اعلی علیین۔ مقربانِ درگاہ اُسکے ملاء اعلے و ملائک مقربین۔ تجمل دربار کو ماہی مراتب ماہ و مہر و انجم و عقد پروین۔ سپاہ اُسکی انجم منیر۔ اور قدرت و سطوت عظمت اور جلالت اُسکے امیر۔ دبیر۔ مشیر۔ وزیر۔

اُسکے دربار قدرت میں سوسن ترجمان - عطارد وقایع نگار اور قمری مسلخوان - اس بے نیاز کی بارگاہ میں صرف نذر عجز و نیاز ہی باریاب ہوتی ہے - اور پیشکش زرین و جواہریں کے عوض سلک مروارید عقد پروین و گوہر آبدار انجم کشتی ماہ و مہر میں چُنی ہوئی ہر نثار تیار رہتی ہے - اُسکے شبستان جلال و خلوتخانہ خاص میں قنادیل انجم و شمع ماہ روشن ہیں - اُسکی بارگاہ اقتدار میں فرش جبروت بچھا ہے - اور مسندیں جلال کی لگی ہوئیں - مشجّر سبز چرخ مینا رنگ پا انداز ہے - اور شامیانہ فلک اطلس و عرش اعظم استادہ باندازِ گنبد بروار ہی میں آفتاب سدا حاضر منصب داری میں ہلال سلّح اور مستعد سراسر - ثوابت و سیارے سے پیدل ہزار در ہزار - شہاب ثاقب سے لاکھوں نیزہ بردار - مُرغان ادلی الاجنحہ سے بیشمار سواران جرّار حاضر و موجود ہیں - جنکی شمشیر برق درخشاں ہے - اور بجائے سپر دائرہ مہر تاباں - اُسکا خلوت خانہ مقام ہُو ہے - اور اُسکے دربار خاص کی عجیب اور حیرت افزا گفتگو ہے - میر سامان و میر توزک قضا و قدر - اور جشن آرایان نوروز شب قدر روح الامین و ساکنانِ ملاء برتر - سر دفتر و میر منشی لوح و قلم - فلک اطلس سر اوقات - اور خورشید علم - فردوس بریں میں جلوس شاہانہ طبقات ارض و سموات میں جاری ہر ایک کارخانہ - اُسکی قدرت و کبریائی پر اس عالم کی صنعت ایک نمونہ ہے - ہر رنگ مثال - اور اُسکی عظمت کے روبرو اس جہان کا کارخانہ ایسا ہے جیسے چہرہ پر خال - بھلا اُسکی حمد کیجئے تو کیا کیجئے کہ یہاں عقل حیران ہے اور فہم سرگردان - بہتر یہہ ہے کہ بشر اظہار عجز و نیاز ہی کرے - یہاں اظہار نادانی عین دانائی ہے - اور عرض عجز و ناتوانی عین توانائی -

الحمد للہ کہ صریرِ خامہ اس نوا سے دمساز ہے - اور فکرِ دُور بین اس آہنگ سے ہم آواز -

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیرِ خویش	عُذر بدرگاہِ خُدا آورد
ورنہ سزاوارِ خداوندیش	کس نتواند کہ بجا آورد

بعد ازیں ان اوراق کا مترجم گزارش پرداز ہے کہ علمِ تاریخ و سیر نہایت مفید اور کارآمد فن ہے - کثرتِ روایات و اتفاقِ مؤرخین بغرضِ اسکی صحت پر دال - ہزاروں مفادِ معاش و معاد و تجارب و نصایح و دقایع عجیب و غریب و حوادث شگرف سے مالا مال - یہہ علم ہر دل عزیز و دل چسپ و مرغوبِ خاطر ہے - اور اسکی مزاولت سے حصولِ حُسنِ اخلاق و معاشرت و تزکیۂ نفس و سیاست مدن سراسر - بالتخصیص اپنے ممالک و امصار و دیار کا حال جب کسی غیر ضد جنبی کی زبان سے بیان ہو - علاوہ بریں کسی ملت و مذہب کو اُس سے روئے انکار نہیں - البتہ افراط و تفریط میں مؤرخ بدنام و بے اعتبار ہو جاتا ہے - حدِّ اعتدال کی روش ضرور ہے - فی الحقیقت حالات و بیاناتِ سلف موجبِ بیداری و تبصرۂ خلف ہیں - بنا بریں اس فنِ شریف میں تالیف و تصنیف اندیشۂ تضیعِ اوقات اور بیفائدہ مناظرہ مباحثہ کے خیالات سے بالکل محفوظ ہے - لہذا مترجم نے ان اجزا میں ترجمہ حکیم برنیر فرانسیسی کی تاریخ کا جو متضمنِ واقعاتِ سلطنتِ مغلیۂ تیموریہ دو جلدوں پر مشتمل ہے - زبان اردوے سلیس اور مروج میں کیا - اہل ہند ملاحظہ کریں کہ زمانہ شاہجہاں اور اورنگ زیب کے حالات اور واقعات واقعی (جنکو ایک محض اجنبی حکیم بغرض غیر متعصب سیاحت دوست

حق پسند معقول میں نے بچشم خود مدت سالہا سال تک جسکا مذکور اس کتاب
میں تفصیل ہوگا دیکھا) کس رنگ ڈھنگ پر تھے۔ اور اُس زمانہ میں اہل سیف و
قلم در عایا و برایا کا کیا حال تھا اور اُن سے کیا برتاؤ ہوتا تھا۔ اہل نجوم و رمل کی
کسقدر صلاح و ہدایت مقدم و منظور تھی۔ اُمرا و تجار و حکام و مہاجن لوگوں کا
اثاث البیت۔ جائداد۔ جاگیر۔ و اسباب۔ کسطرح سرکار شاہی میں خالصہ شریفہ
ہو کر لگ جاتا تھا۔ شکار شاہی کس طرز و انداز سے ہوتے تھے۔ سلاطین و شاہزادگان
کو کس قاعدہ پر نظر بند و محبوس رکھتے تھے۔ سفیروں اور ایلچیوں سے کیا سلوک
ہوتا تھا۔ قلعہ معلّٰی و محلسرا میں بیگمات و قلماقنیوں و خواجہ سراؤں کا کیا اختیار
اور ضابطہ تھا۔ دربار عام و خاص و غسلخانہ و جھروکہ درشن و طاعظۂ افواج و فیلان و
اسپان خاصہ کے کیا قاعدے و طریقے تھے۔ تحقیقات مقدمات فوجداری و مالی
و ملکی کس آئین و ضابطہ پر ہوتی تھی۔ اور انکا انفصال کس بنیاد و رعایت و روش پر
۔ شاہزادوں۔ امیروں۔ وزیروں۔ منصبداروں۔ راجوں۔ جاگیرداروں۔
اور روزینہ دار۔ اور یکّوں۔ اور پنجہزاری۔ اور ہفت ہزاری وغیرہ و سوار یک اسپہ
و دو اسپہ کا کیا دستور العمل تھا۔ جنگ غنیم سے کیونکر ہوتی تھی۔ ضوابط صف آرائی
اور سلسلہ بندی فیلخانہ۔ شتر خانہ۔ توپخانہ و مورچہ و خندق وغیرہ کے کیونکر تھی
سزائے قتل کیسے اور کن جرائم پر ہوتی تھی۔ داد و دہش۔ خیرات۔
انعام و اکرام۔ نذر و نیاز و پیشکش شاہی کا بتقریب جشن و جشن نوروزی و عیدین
اور دیگر رسوم مقررۂ اہل اسلام وغیرہ کا کیا رویّہ اور طریقہ تھا۔ جانوروں کی لڑائی
کیونکر ہوا کرتی تھی۔ فیلان مست انسانوں پر کیسے چھوڑ دیئے جایا کرتے تھے۔

سفر قرب وجوار و دور و دراز کس تونک و تجمّل سے ہوتا تھا - ارباب نشاط سے کیا سلوک کیا جاتا تھا - احکام شاہی کیسے ناطق گویا قضاے مُبرم تھے حکم شاہی کو کوئی بیگم یا شاہزادہ تک عدول نکر سکتا تھا - اسی عنوان کے واقعات وحالاتِ عجیب جنکو حکیم موصوف نے سرمایۂ عبرت و ذخیرۂ بصیرت سمجھا روزمرّہ مثل روزنامچہ بلاناغہ سفر وحضر میں مندرج ومنضبط کرتا گیا - حالاتِ رزمیّہ وبزمیّہ بجاے خود نہایت صراحت سے قلمبند کیے ہیں - ازانجاکہ حکیم مذبور اخبارِ سماعی کی نسبت ازبس بدگمانی رکھتا تھا اسلیئے ازحد متلاشی و متجسس ہر امر کی حقیقت کا اور خواہشمند مشاہدہ اور تجربہ کا رہتا تھا - اور ہر واقعہ پر بپابندی وضع حکیمانہ وفیلسوفانہ معقولیّت و حکمت سے غور کرتا تھا - اور جب تک کسی شے اُسکو بہ اور طلسم - اور ہند کی رسم مذہبی سے خوب واقف نہولیا اُسکی تلاش اور تحقیقات سے باز نہ آیا اور اس امر میں اپنا روپیہ خرچ کرتا رہا - اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے علما، وحکما، واطبا، و فقرا، وعرفا، و اُمرا، سے خصوصاً بیگمات کے ملازمین خاص وخواجہ سراؤں وخدم پردہ نشین وغیرہ سے تا بمقدور ازبس حیرت افزا اور نہایت نامعلوم حالات کی تشریح اور اصلیّت دریافت کرتا رہا - اور اس تحقیقات میں افراط وتفریط سے برکنار رہا - اختلاف راے جمہور دقول فصیل مذکور کردیا - اور کہیں کہیں بمراد اظہار مقابلہ اور بمناسبت مقام اپنے مُلک اور قوم کی راہ ورسم - وضع اور طرز عمارت عیب وصواب - اور ہر قسم کے حالات بھی لکھدیئے ہیں - اور طرز بیان ایسا مفید اور عمدہ اختیار کیا ہے کہ جمیع اقوام ہند - وحدود - دریا - وجزائر وسمندر وعلاقہ ہاے راجگانِ خارج از سرحد ہند - وحکامِ ہمسایہ واقوام سابقہ فرمانروا

ہند کے اکثر حالات سے آگاہی اور ناظرین کو کمال استعداد و تجرد بلکہ علم تاریخ پر حاصل ہوتا ہے۔ اور طرز وقایع نگاری ہاتھ آتی ہے۔ بیان حالات ہند اور طریق تعداد سپاہ و آمد و خرچ و اختیار صوبہ و حاکم و ناظم صوبجات خوب مفصل اور شافی مذکور کیا ہے۔ یہہ حکیم معرکہ اورنگ زیب و داراشکوہ میں موجود تھا۔ اور بیشتر لڑائیاں بچشم خود دیکھیں۔ اور بعض کی کیفیت بکمال صحت دریافت کر کے لکھی۔ محل شاہی کی خاص خاص کیفیتیں ایسی مشکل جو کسی امیر وزیر ارکان دولت کو معلوم ہونی ناممکن ہیں حرم سرا کے خدم و حشم سے حاصل کر کے تحریر کیں۔ علاوہ بریں حکیم مذبور پیشہ طبابت بھی رکھتا تھا اور اس وسیلہ سے محلات و بیگمات تک رسائی پائی۔ چنانچہ یہہ امور خود اُسنے اِس کتاب میں مذکور کیئے ہیں۔ جہاں محلات شاہی کے اندرونی تجمل و لوازمات بیان کیئے ہیں۔ حکیم مذکور غیر ملکوں کے ایلچیوں سے ہمیشہ وہاں کی نادرات و عجائبات اور دریاؤں کے سرچشمے اور حالات دقت طلب جو کتب تواریخ و سیاحت میں مرقوم تھے دریافت کرتا رہا۔ کشمیر کی وہ عجائب و غرائب کیفیات بچشم دیدہ جنکو ملک کشمیر کے باشندے اور بہت سے لوگ داخل کرامت کرتے تھے لکھیں۔ اور اُنکی اصلیت بھی دریافت کر لی۔ کہ حوصلہ بشر و سیاحاں ہند سے محال اور از قبیل خواب و خیال تھیں۔ کشمیر کے آبشار و انہار و اشجار و اثمار و ازہار و انوار و احجار غریب و بدیع کا بیان کمال بسط و تفصیل سے مندرج کیا گویا ناظرین کتاب سیر کشمیر کر رہے ہیں۔ اُسکی راہ ہاے دشوار گزار و گرم سیر و ایذا رسان و حبس مقاموں کا بیان بھی بڑی عمدگی سے کیا ہے الحاصل وقایع حکیم بنہیر ایک نادر و حیرت افزا مجموعہ ہے۔ اگرچہ ہمارے

کلام میں مبالغہ کو مطلقاً رسائی نہیں ہے۔ مگر جب تک ناظرین اس کتاب کا ملاحظہ اور سیر نکرینگے ہمارے قول کی تصدیق مشکل ہے۔ حیرت اور کمال صنعت کی بات ہے کہ اس مختصر میں کیا کیا عجائبات بھرے ہیں بلا تصنّع اِس روضۂ رعنا میں رنگا رنگ کے پھول کھلے ہیں۔ یہہ حکیم بڑی سنجیدگی اور احتیاط سے ہر واقعہ لکھتا ہے اور بمقام شک صاف کہدیتا ہے کہ مینے خود نہیں دیکھا ہے۔ فلاں پُرتگیز وغیرہ سے سُنا یا قافلہ تجار سے تحقیق کیا۔ یا ایک دوست کے خط یا فلاں کتاب سے اخذ کیا۔ المدعا حکیم مدبر فن وقایع نگاری و تاریخ نویسی میں مسلّم اہل ولایت و عدیم النظیر ہے۔ اُسکی طرز تحریر سے یہہ بات ثابت ہوسکتی ہے۔ جب کسی شہر۔ قلعہ۔ مکان۔ عمارت کا بیان کرتا ہے تو اِس خوبی سے کہ گویا قاری اُس موقع کا نقشہ دیکھ رہا ہے۔ حکماے فرانسیس اور مورخان فرنگ اُسکو اِس فن کا اُستاد جانتے ہین مختصر نویسی اُسکی ممتاز و مرغوبِ قلوب ہے۔ اِسی مجموعہ کو ملاحظہ فرمائیے کہ گویا دریا کو کوزہ میں بھر دیا ہے۔ اُسکو سیاحت کا بڑا شوق تھا اور جہان گردی کا ذوق —

اَب ہم تھوڑا سا حال **حکیم برنیر** کی حقیقت اور اُسکی سیاحت اور سوانح عمری کا (جس طرح سے کہ پادری اِزدنگ براک صاحب اِس کتاب کے فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ کرنے والے نے لکھا ہے۔ اور کچھ ایک اَور کتاب سے اخذ کرکے) بہت ہی اختصار کے ساتھ برائے ملاحظۂ ناظرینِ کتاب تحریر کرتے ہیں

قولہ ڈاکٹر فرانسس برنیر ملک فرانس کے شہر انجواں میں

پیدا ہوا تھا اگرچہ بقولِ وول ٹیر صاحب ڈاکٹر مذبور کی ولادت ۱۶۲۵ء سولہ سو پچیس عیسوی میں ہوئی تھی۔ لیکن دراصل اُسکی پیدایش کا سال محقق نہیں ہے۔ جب مقام مونٹ پے لیئر میں اُسنے علم طب میں درجۂ فضیلت حاصل کیا (یعنی ڈاکٹر آف فیزک کی ڈگری پا چکا) تو اُسنے اپنے اُس دلی شوق کو جو وہ سیاحت کی نسبت ہمیشہ رکھتا تھا پورا کرنا چاہا۔ چنانچہ ۱۶۵۴ء سولہ سو چون عیسوی میں وہ اوّل دمشق شام کو گیا اور جیسا کہ اُسنے خود اپنے اِس سفرنامہ میں لکھا ہے۔ وہاں سے مصر میں پہنچا اور شہر قاہرہ دارالسلطنتِ مصر میں ایک سال سے اُوپر قیام کرکے (جہانکہ وہ طاعون کی وبا مُہلک میں بھی مبتلا ہوگیا تھا) ہندوستان میں آیا۔ اور اِس مُلک میں بارہ سال رہا اُسمیں سے آٹھ سال اورنگ زیب اور دانشمند خاں کی سرکار میں۔ جہاں وہ پیشۂ طبابت کرتا رہا دانشمند خاں اورنگ زیب کا بڑا معزز اور صاحبِ اقتدار امیر تھا۔ علوم وفنون کا بڑا قدردان اور بڑا صاحبِ علم وانشار۔ اہل علم وہنر کی امداد ودلداری میں سرگرم۔ اور کارآمد وذی علم لوگوں کا جوہر شناس تھا۔ اُسنے اِس ہوشیار اور مفید اجنبی شخص کی دل افزائی اور سرپرستی کی۔ چنانچہ جب دانشمند خاں سفر کشمیر میں اورنگ زیب کے ہمراہ چلا تو برنیر کو بھی اپنے ہمرکاب لیتا گیا۔

جب ڈاکٹر مذکور فرانس کو واپس گیا تو اُسنے (سنہ ۱۶۷۰ء سولہ ستّر) عیسوی میں اپنا سفرنامہ چھپوایا اور مشتہر کیا۔ وہ چیدہ اور برگزیدہ اشخاص جو باعتبارِ علم وفضل جامع کمالات اور حکیم وادیب اور ناظم وناثر بے مثل اور اُس زمانہ میں فخرِ فرانس گنے جاتے تھے اُسکی صحبت کو بہت پسند کرتے تھے۔ اور اون سے اُسکی

بہت بے تکلف دوستی تھی۔ سینٹ ایورمانٹ جوابتدا سے عمر میں ایک پادری تھا اور بڑا ہی حدید الطبع اور عجیب و غریب قابلیتوں کا نامور عالم و فاضل بھی تھا اور سپاہی بھی۔ اور خواہ کچھ ہی ہو جاے ہجو کر دینے اور پھبتی بازی سے کبھی نہیں رُکتا تھا۔ برنیر کو "خوبصورت فلسفی" کہا کرتا تھا۔ کیونکہ وہ بڑا ہی خوشرو۔ موزوں قد۔ خلیق۔ صاحب سلیقہ۔ پسندیدہ عادات۔ خوش تقریر اور بلیغ شخص تھا۔ وہ اپنے فلسفیانہ خیالات میں جنکو فلسفہ کہنا گویا اس لفظ کو خراب کرنا ہے حکیم اپی کیورس یونانی کا پیرو تھا اور اپنے اُستاد گیسینڈی کا (جس سے اُسنے فلسفہ کی تعلیم پائی تھی) نہایت معتقد تھا۔ اور ہمارے پاک اور مقدّس مذہب عیسائی کے مسائل الہامیہ سے منکر ہو کر اِن بیدین فلسفیوں کے تخیّلات ملحدانہ کا قایل ہو گیا تھا ہمارے زمانہ کے لوگوں کے لیئے یہہ بات قابل تعریف ہے کہ اُسکے فیلسوفانہ رسالوں وغیرہ کی نسبت اَب چنداں توجہ نہیں کی جاتی۔ مگر ہاں اُسکے اِس سفرنامہ کی قدر اسقدر کیجاتی ہے جو پہلے زمانوں میں کبھی نہیں ہوئی اُسکا ایک معاصر فرانسیسی عالم لکھتا ہے کہ ڈاکٹر برنیر نے ۱۶۸۸ء سولہ آٹھ اسی عیسوی میں اس غم سے انتقال کیا تھا کہ ڈی ھارلے نے جو فرانس میں سب سے پہلا پریسیڈنٹ تھا ایک عام دعوت کے جلسہ میں اُسکی نسبت کوئی سخت طعنہ زنی کر دی تھی افسوس! کہ گیسینڈی کے تخیّلات متعلقہ الہیات نے اُسکو کچھ قوّت قلبی اور تسکین رُوحانی نہ بخشی۔ اور اِس فلسفی نے ایسی حالت میں قضا کی جسکو شکستہ دلی کی موت کہنا چاہیئے" انتہے

حکیم برنیر کا حافظہ یادداشتِ واقعاتِ سلطنتِ مغلیہ کی بابت نہایت

عمدہ معلوم ہوتا ہے - اِس کتاب سے امور مندرجہ ذیل کی بابت بہت آگاہی دواقفیت حاصل ہوتی ہے مُلک کی خاص کیفیت اور شاہی حالات کی ماہیت اور دربار وغیرہ کی حقیقت - ہندو قوم کی چال ڈھال ریت رسم اور احوال اُنکے معبود دیوتاؤں وغیرہ اور اُنکی قربانی وتیرتھ جاترا وخودکشی وغیرہ کا - فقط

اِلتماسِ مترجم

واضح ہو کہ مترجم نے بعینہٖ مطالب کتاب حکیم برنیر کے ترجمہ کیئے ہیں اپنی طرف سے کچھ افراط وتفریط اصلا نہیں کی ہے - اگر کوئی بات خلاف اپنی قوم - مذہب - ملّت - رسم ورواج کے ملاحظہ کریں مترجم کو اُسکی نقل وایراد میں معاف رکھیں - اور اظہار بخشش کریں - کیونکہ امور تواریخی مذکور ہوئے ہیں حسب رائے وتجربہ حکیم مذبور اور اُسنے جو دیکھا اور سُنا بلا ارادہ ایذا وبخشش اہل ہند کے لکھا ہے - اور اُمور سماعی میں حکیم بھی معذور ہے - العہدۃ علی الراوی -

مقام دارالامارۃ کلکتہ

۱۳ - مارچ سنہ ۱۸۷۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ کتاب جس حالت اور حیثیت میں میرے پاس پہنچی تھی وہ میرے معزز دوست جناب کرنل ہنری مور صاحب بہادر نے اپنے "انٹروڈکشن" میں مشروحاً لکھدی ہے۔ اور اُس دیباچہ سے جو کرنل صاحب موصوف کے مددکار ترجمہ مُنشی احمد الدین صاحب مُرادآبادی نے اسکے پہلے ترجمہ کے لیے لکھا تھا۔ اور اب کرنل صاحب اور منشی صاحب کی خواہش کے موافق بیادگار اُس تعلق کے اس کتاب میں لگا دیا گیا ہے کسیقدر معلوم ہو سکتا ہے کہ سابقہ ترجمہ کی طرز عبارت وغیرہ اور طور کی تھی اور یہہ ترجمہ جو از سر نو کیا گیا ہے اور طرح پر ہے۔ کرنل صاحب نے اصل کتاب کے بعض مضامین کا ترجمہ بھی نہیں کیا تھا کیونکہ مقصود خاص زیادہ تر انہیں مطالب کے ترجمہ سے تھا جو سلطنت مغلیہ سے کچھ علاقہ رکھتے تھے۔ لیکن میرا خیال یہہ تھا کہ جو مطالب ہندوستان سے متعلق ہیں وہ سب ترجمہ ہو جائیں اسلیئے ایسا ہی کیا گیا۔ البتہ ڈاکٹر برنیر کی ایک چٹھی کا جو اُسنے شیراز سے اپنے ایک دوست کو لکھی تھی ترجمہ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اُسمیں صرف مسئلہ جزلایتجزی کی فلسفیانہ اور عام بحث ہے جس کو ہندوستان سے کوئی خصوصیت نتھی۔ اور چونکہ نفس کتاب میں بعض مطالب قابل تصحیح تھے۔ یا روایات مسلّمہ و مشہورۂ عام کے برخلاف معلوم ہونیکی جہت سے مصنف کا بیان توثیق طلب تھا۔ یا ناظرین کی مزید واقفیت اور بصیرت کے لیے کسی

تشریح و تفصیل کی احتیاج تھی - یا مقابلہ کے لیئے موجودہ زمانہ کی بعض حالتوں کا دیکھنا
مفید تھا اسلیئے معتبر کتابوں اور صحیح ماخذوں سے جہاں کہیں موقع تھا حاشیوں کا
لکھنا مناسب سمجھا اور چونکہ زمانہ حال کے یوروپین مصنفوں کے دستور کے موافق
فقروں کے شروع میں مضمون کا خلاصہ اصل کتاب میں نتھا نہ فہرست مطالب تھی
جس سے کسی مضمون کی تلاش اور حوالہ دینے میں بڑی دقت تھی لہذا اسکو بھی
رفع کیا گیا - اور نظم و ترتیب کے لحاظ سے کچھ ایسے تغیرات بھی کیے گئے کہ بعض
مضامین کو ایک جلد سے دوسری جلد میں منتقل کیا گیا - اگرچہ ان امور کے باعث خصوصاً
حاشیوں کے التزام سے محنت بہت ہی بڑھ گئی مگر الحمد للہ کہ یہ کام جناب اخ
معظم وزیر اللہ ولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن خانصاحب بہادر
وزیر اعظم ریاست پٹیالہ کی اعانت سے باوجودیکہ مجھے اپنے منصبی کاموں سے
فرصت کم تھی انجام کو پہنچگیا - اور یہہ دلچسپ کتاب جسکو اُس وقت کی طرز حکومت
اور حالت ملک کی ایک صحیح اور بے نظیر تصویر کہنا چاہیئے نہ صرف ترجمہ بلکہ ایک
طور کی تالیف کی صورت میں چھپکر تیار ہوگئی - اسکی جلد ثانی اخیر ۱۸۸۵ عیسوی میں
تیار ہوگئی تھی - مگر افسوس ہے کہ جلد اوّل کے کام میں بسبب کم فرصتی اور حاشیوں
کے التزام کے خلاف توقع ایسی تاخیر ہوئی کہ اسوقت سے پہلے تیار نہو سکی اسلیئے
بعد تکمیل اب دونوں جلدیں ہدیہ ناظرین کیجاتی ہیں -

اس کتاب کے ترجمہ کرنے اور چھپوانے سے جو امور مجکو مدنظر تھے انکا بیان
کرنل مُوڈ صاحب بہادر نے اپنے انٹروڈکشن میں مشروحاً لکھدیا ہے مگر اسکے
علاوہ میرا ایک اہم مطلب یہہ بھی تھا کہ اس ذریعہ سے راقم اور جناب موصوف کی

خالص اور بغرض دوستی کی ایک دیرپا یادگار قائم رہے - اس موقع پر اگر میں کچھ مختصر حال اپنے معزز دوست کا بیان کروں تو یقین ہے کہ بیمحل نہ ہوگا۔

پس واضح ہو کہ جناب ممدوح فنون سپاہ گری کے علاوہ بڑے صاحب کمال زباں داں ہیں اور اُنکی لیاقت اور قابلیت اسی سے ظاہر ہے کہ اپنی انگریزی زبان کے علاوہ فرانسیسی - اٹالین - زمانہ حال کی یونانی - ترکی - عربی - فارسی - اُردو - سندھی - مرہٹی - اور ہندوستان کی اور مختلف چھوٹی چھوٹی بولیوں سے جو علیحدہ زبانیں تصور نہیں کیجاتیں بخوبی واقف و ماہر ہیں - ماسوائے اسکے فن نقاشی میں بھی عمدہ دستگاہ رکھتے ہیں - چنانچہ جب کبھی فرصت پاتے ہیں تو مظاہر قدرت کے نقشے بھی کھینچا کرتے ہیں - اور علاوہ اور جنگی کارگزاریوں کے چونکہ جنگ ایران - حبش - افغانستان - اور مصر کے واقعات عظیم اور مشہور میں وہ اپنی سلطنت کی عمدہ خدمات بجالائے ہیں اسلئے پیشگاہ علیا حضرت ملکہ معظمہ قیصر ہند سے کمپینین آف دی موسٹ نوبل آرڈر آف دی باتھ - اور کمپینین آف دی موسٹ ایمی نینٹ آرڈر آف دی انڈین امپائر کے خطابوں سے معزز و ممتاز ہیں۔

صاحب ممدوح کا اصل تعلق بمبئی پریزیڈنسی کی افواج سے ہے مگر بلحاظ اپنی لیاقتوں اور کمال زباں دانی کے لارڈ نیپیر آف مگڈالا - اور فریڈرک ہینس اور سر ڈونالڈ اسٹورٹ صاحبان کمانڈر انچیف بہادر افواج ہند کے ایام حکومت میں متواتر پندرہ برس تک اُنکے پرسنل سٹاف میں پرنسپل انٹرپریٹر کے عہدہ پر رہے ہیں - اور باوجودیکہ ہر صاحب کمانڈر انچیف

کوپرسنل سٹاف" کے عہدہ داروں کی نسبت یہہ اختیار ہوتا ہے کہ اپنے پنجسالہ ایام
حکومت میں جسکو وہ افسران فوج میں سے چاہیں منتخب کرکے اپنے ایڈ کیمپ
مگر بلحاظ اُنکی مسلّمہ قابلیت کے تینوں صاحبان موصوف الصدر نے اُن ہی کو پسند فرمایا
اور اپنے پاس سے علیحدہ ہونے نہیں دیا۔

لقب پرنشپین انٹرپریٹر کے لفظی معنی ہیں "ترجمانِ فارسی" شروع سلطنت
انگریزی میں جب کل کاروبار زبان فارسی میں ہوتا تھا اور اسقدر اُردو اور انگریزی کا
رواج نہ تھا اور حکام انگریز اکثر بات چیت بھی زبان فارسی ہی میں کیا کرتے تھے۔ یہہ لقب
اُسوقت کا مقرر کیا ہوا ہے۔ مگر در اصل یہہ عہدہ دار بطور پرائیویٹ اور پولیٹکل
سکرٹری کے ہوتا ہے۔ اور اسکا کام یہہ ہے کہ جو مراسلات کسی مشرقی زبان میں
کسی والیٔ ملک کی طرف سے یا جو عرضی پرچہ ہندوستانی فوج کے سپاہیوں
سرداروں کی جانب سے صاحب کمانڈر انچیف کے پاس آتے ہیں اپنے دفتر
سے اُنکا ترجمہ کراکر پیش کرانا اور اُنکا جواب وغیرہ بھجوانا۔ اور رئیسوں اور امیروں کی ملاقاتیں
صاحب کمانڈر انچیف سے کرانا اور اُنکے مدارج مختلفہ کے موافق اُنکے مراسم تعظیم و تکریم
کا بندوبست کرنا (جو ایک بڑا نازک کام ہے) اور مابین اُنکے اور صاحب کمانڈر انچیف
کے جنکے لیئے زبان ہندوستانی کا جاننا کوئی امر لازمی نہیں عند الملاقات ترجمانی کرنا
صاحب ممدوح نہایت خوش اخلاق وسیع الملاقات خوش تقریر اور متواضع اور بڑے
جفاکش شکار دوست ہیں۔ اور ہندوستانی اُمرا و شرفا سے بہت محبت و ارتباط
رکھتے ہیں۔ اور بدل اُن کے بہی خواہ ہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ صاحب ممدوح نے
علاوہ اپنے اُس شوق و رغبت کے جو اُنکو مشرقی زبانوں سے ہے۔ ہندوستان

کے والیان ملک اور اُمرا، و شرفا، کے فائدہ کے لیئے باوجود مشاغل کارسرکار
اِس کتاب کے ابتدائی ترجمہ کرنے کی تکلیف اپنے اوپر گوارا کی تھی۔ پس خدا کا
شکر ہے کہ اُمگی اور ہماری برسوں کی محنت ٹھکانے لگی اَب یہہ دعا ہے کہ میرے
اہل وطن اور ہندوستانی والیان ملک عموماً جنکے لیئے یہہ کتاب گویا سرمایہ بصیرت
ہے اسکے مطالعہ سے فائدہ پائیں۔ اور خصوصاً بندگان حضور فیضگنجور دلی نعمی
ہز ہائنس فَرزَندِ خاصِ دَولت اِنگلشیہ مَنصُور زَمان اَمِیرُ الاُمَرا
مَہاراجہ دِھراج راجیشور سری مَہاراجہ راجگان راجہ اِندر
مَہندر بَہادُر فرمانروائے ریاست پٹیالہ دام اِقبالہم کی
نظر اشرف سے گزرے جنکے خوان نعمت سے میںنے اور میرے بزرگوں
نے پرورش پائی ہے۔ اور جنکی قدیمی رعایا اور نمکخوار ہونے کا مجھے فخر
حاصل ہے۔ اور حضور ممدوح الشان اسکی موّرخانہ اور دلچسپ حکایات اور حکیمانہ اور
عبرت خیز بیانات کے ملاحظہ سے محظوظ اور متمتع ہوں۔

خاتمہ پر ناظرین اہل زبان کی خدمت میں التماس ہے کہ چونکہ خاکسار
نہ لکھنؤ کا رہنے والا ہے اور نہ دِھلی کا۔ بلکہ پٹیالہ اور سامانہ میرا
اور میرے بزرگوں کا مولد و مسکن ہے جہاں زبان اُردو صحیح طور سے بولی
نہیں جاتی پس اگر کسی محاورہ میں کوئی غلطی معلوم ہو تو معذور تصور فرمائیں۔

اَلعُذرُ عِندَ کِرامِ النّاسِ مَقبُولٌ

بخاکسار
سید محمد حسین

جلد اوّل

وقایع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر

"بعہد شاہجہاں و اورنگ زیب"

جسکو اوّل جناب کرنل ہنری مور صاحب بہادر سی بی
و سی آئی ای ترجمان ہز ایکسیلنسی **کمانڈر انچیف**
صاحب بہادر نے ترجمہ کیا۔ اور پھر اُن کی فرمائش سے جناب مشیر الدولہ
ممتاز الملک خلیفہ سیّد محمد حسین صاحب میر منشی ریاست
پٹیالہ نے از سر نو ترجمہ فرما کر باضافہ مفید حاشیوں کے بعد نظر ثانی جناب وزیر الدولہ
مدبر الملک خلیفہ سیّد محمد حسن خانصاحب بہادر وزیر اعظم
ریاست موصوف کے چھپوا کر بغرض فائدہ عام شہر کیا

بزیر نگرانی و اہتمام کمترین محمد حسین مرادآبادی

سنہ ۱۸۸۸ ع

مطبع گلزار ابراہیم واقع مرادآباد میں چھپی

حق کاپی رائٹ حسب شرائط مندرجہ دیباچہ کرنل مور صاحب بہادر محفوظ ہے۔

جلد اوّل

وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنی از عہد شاہجہاں و اورنگ زیب

(یعنی)

ڈاکٹر موصوف کا ہندوستان میں آنا۔ مختصر حال شاہجہاں اور اُسکی اولاد کا۔ اُسکے بیٹوں کی باہمی لڑائیاں۔ آخر کار اورنگ زیب کا بادشاہ ہوجانا۔ اور اَور دلچسپ حالات

مصنف کا شام اور مصر کی سیر کے بعد بحر احمر کی راہ سے جدہ ہوتے ہوئے مخا میں پہنچنا اور وہاں سے حبش کا ارادہ چھوڑ کر ہندوستان میں آنا۔

چونکہ دُنیا کی سیر کا مجھے نہایت شوق تھا اسلیئے مُلک شام اور مصر کے دیکھ لینے کے بعد میں نے اپنے دل میں یہہ ٹھہرایا کہ اپنی اِس سیاحت کو کچھ اَور وسعت دوں اور دریافت و تحقیق حالات کے لیئے اِس سرے سے اُس سرے تک بحر احمر کا سفر کروں۔ چنانچہ اپنے اِس ارادہ کے پورا کرنے کے لیئے مُلک مصر کے دار السلطنت قاہرہ[1] سے کہ جہاں میں

[1] اس شہر کو ۳۵۸ تین سو اٹھاون ہجری مطابق ۹۷۱ء نو سو اکہتر عیسوی میں المعزلدین اللہ خلیفہ فاطمی مغربی کے سپہ سالار جوہر نے (جنکی سلطنت پہلے پہل افریقہ کے شہر قیروان میں قایم ہوئی تھی اور جو اپنے خاندان میں تیسرا خلیفہ تھا) آباد کیا تھا۔ اور مصر کو قہر و غلبہ سے فتح کرنے کی وجہ سے قاہرہ نام رکھا تھا۔

س م ح ۱۲

ایک برس سے زیادہ مقیم رہا تھا روانہ ہوا اور بتیس ۳۲ گھنٹے کے عرصہ میں (کارواں کے سفر کے حساب سے) شہر مُوَیْزُ میں آپہنچا اور یہاں سے ایک جہاز پر سوار ہو کر شَرہ دن میں بمقام جَدَّہ جو مکّہ (معظمہ) سے قریب دو پہر کے سفر کے ہے پہنچگیا۔ یہاں پہنچنا میری توقّع کے برخلاف تھا۔ اور اُس وعدہ کے بھی مخالف تھا جو مجھے بحر احمر ترکی حاکم کی طرف سے دیا گیا تھا۔ پس بمجبوری میں مُسلمانوں کی اُس مُقدس زمین پر جہاز سے اُترا جہاں کوئی عیسائی تا وقتیکہ غلام نہو قدم رکھنے کی جُرأت نہیں کرسکتا۔ الغرض ایسی حالت میں اُسجگہہ پانچ ہفتے قیام کرکے میں ایک چھوٹے سے جہاز پر جو سواحل یمن کو جاتا تھا سوار ہولیا اور پندرہ دن کے عرصہ میں بمقام مُخا جو آبنائے بابُ المَنْدَب کے نزدیک ہے پہنچگیا۔ یہاں پہنچکر میرا یہ قصد تھا کہ مَصُوع اور آرکی کو کے جزیروں سے جو راستہ میں پڑتے گزرتا اور اُنکو دیکھتا بھالتا ہوا ملک حبش کے پایتخت گوندار کو چلا جاؤں۔ لیکن مجھے معلوم ہوا کہ حبش میں رومن کیتھلک مذہب کے لوگوں کو (جسکے ہم فرانسیس پیرو ہیں) سخت خطر ہے۔ کیونکہ جب سے بادشاہ حبش کی ماں کی کارسازیوں سے اُس ملک میں پرتگیز قتل ہو چکے ہیں اور باقیماندہ فرقہ جیسوئیٹ کے بڑے پادری سمیت جسکو وہ گوا سے اپنے ساتھ لائے تھے

---

۱ اصل کتاب میں بی آف ڈی ریڈ سی ہے Bey of Redsea س ر ح

۲ جیسوئیٹ کے معنی ہیں منسوب بہ جی ذس یا جی سس جو فرنگی زبانوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام ہے۔ یہ ایک شاخ فرقہ رومن کیتھلک کی ہے جسکو ۱۵۳۴ء پندرہ سو چونتیس عیسوی میں ہسپانیہ

۳ گوا ہندوستان کے ساحل مالابار پر بمبئی سے جنوب کے رخ تقریباً دو سو میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا

ARKECO GONDAR JESVIT GOA

وہاں سے خارج کیئے گئے اس مُلک میں رومن کیتھلک محفوظ اور بے خطر نہیں ہیں بلکہ مینے یہہ بھی سُنا کہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ بمقام سُورَٹ ایک بیچارے بدنصیب رومن کیتھلک درویش تک کا اس جرم میں سر کاٹا گیا ہے کہ اُسنے اُس مُلک میں داخل ہونیکا ارادہ کیا تھا - اسلیئے یہہ تدبیر مناسب اور کم خطر معلوم ہوئی کہ میں ایک یونانی یا آرمنی* کا بھیس بنالوں اور اس بھیس میں جب بادشاہ کو یہہ معلوم ہو جائیگا کہ میں اُسکے واسطے کچھ مفید اور کارآمد ہو سکتا ہوں تو غالب ہے کہ وہ مجھے کچھ زمین دیدیگا اور بشرطیکہ مجھے اتنا مقدور ہوا کچھ غلام خرید کر میں اُسکا تردد کرا سکونگا - لیکن اسکے ساتھ ہی یہہ کھٹکا پیدا ہوا کہ اس صورت میں مجھے وہاں شادی بھی ضرور کرلینی پڑیگی جیسے کہ ایک یورپین راہب کا جسنے اپنے کو ایک طبیب باشندہ یونان ظاہر کیا ہوا تھا جبراً بیاہ کر دیا گیا تھا - اور پھر اس حالت میں مجھے اس مُلک کے چھوڑنے کی امید قطع کرنی ہوگی -

---

۱۲ کے رہنے والے اگناتیوس لایُلا نامے ایک مشہور شخص نے جو ۱۴۹۱ء چودہ سو اکانوے عیسوی میں پیدا ہوا اور ۱۵۶۶ء پندرہ سو چھیاسٹھ عیسوی میں مرا تھا قائم کیا تھا - س م ح ۱۲

۱۲ جزیرہ ہے جو کئی سو برس سے مع مختصر سے علاقہ کے پرتگیزوں کے قبضہ میں ہے اور جسکو جہل انگیزی اصطلاح میں پورچوگیز انڈیا یعنی ہندوستان مقبوضہ اہل پرتگال کہتے ہیں یہاں انکا ایک گورنر رہتا ہے - اور انکی نسبت اسی کتاب کے ایک آئندہ مقام میں مفصل ذکر آئیگا - س م ح ۱۲

* میرے دوست کرنل ہنری مور صاحب بہادر جنہوں نے اس مُلک کو دیکھا ہوا ہے میرے نام کی ایک چٹھی میں مصنف کے اس ارادہ کی نسبت اپنا خیال یوں لکھتے ہیں کہ اگرچہ جسکے نصرانیوں کو کلیسیائے آرمنی یا یونان سے کچھ تعلق نہیں ہے بلکہ سیشی کلیسیا پندرہ سو برس سے بجائے خود علحدہ چلا آتا ہے مگر چونکہ آرمنی عیسائی تجارت پیشہ ہونیکے سبب سے ممالک مشرقی میں کہیں نہ کہیں ہمیشہ دکھائی دیتے ہیں اور زمانہ دراز سے انکی یہ نیم فرنگیانہ لباس بھی نہیں ہے تو کچھ ہو جو کسی فرنگستانی لباس والے یورپین عیسائی کے طرح طرح کی جنبی مقاموں میں مشتبہ یا تعجب انگیز نہیں ہو سکتی تھی ۱۲

IGNATIVSLOYLA

اِن خیالات نے مع اَور چند باتوں کے جنکا ذکر آگے کیا جائیگا مجھے ہر امر پر مائل کیا کہ گونڈار جانیکا ارادہ چھوڑدوں اور اسلیئے ایک ہندوستانی جہاز پر سوار ہوکر آب ناسے باب المندب کی راہ سے بائیس دن میں بمقام سُورت جو ہندوستان کی ایک بندرگاہ سلطنت مغلیہ میں ہے آپہنچا۔

شاہجہاں اور اسکا نسب

یہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ بادشاہ وقت کا نام شاہجہاں ہے جو جہانگیر کا بیٹا اور اکبر کا پوتا اور ہمایوں کا پڑوتا ہے۔ اور ہمایوں سے اوپر اُسکا سلسلۂ نسب تیمور لنگ سے جاملتا ہے۔ جسکو ہم فرنگستانی عموماً تیمرلین کہتے ہیں اس طرح پر کہ شاہجہاں سلسلہ وار اِس سے دسویں پشت میں ہے تیمور جسکی مُلک گیری کے واقعات مشہور و معروف ہیں اُسنے اپنی

لہ یعنی شہاب الدین محمد شاہجہاں صاحبقران ثانی کا باپ نور الدین محمد جہانگیر اُسکا جلال الدین محمد اکبر اُسکا نصیر الدین محمد ہمایوں اُسکا ظہیر الدین محمد بابر اُسکا عمر شیخ میرزا اُسکا سلطان ابو سعید میرزا اُسکا سلطان محمد میرزا اُسکا جلال الدین میران شاہ میرزا اُسکا امیر تیمور گورگان صاحبقران اوّل جو تیمور اور تیمر اور تمر لنگ مشہور ہے۔ اور جسکی وجہ کتاب عجائب المقدور فی احوال التیمور میں جو اُسکی ایک سخت ہجو آمیز تاریخ ہے یہہ لکھی ہے کہ ابتداے حال میں کسی شخص کی بکری کی چوری کرتے ہوے اُسکے تیر کے زخم سے اُسکی ایک ٹانگ لنگڑی ہوگئی تھی۔ اور چونکہ اسنے ترکوں کے اکثر خاندانوں میں اپنی شادیاں کرلی تھیں اسلیئے اُسکے ہمقوم اُسکو گورکان کہنے لگ گئے تھے جو ترکی میں داماد کو کہتے ہیں۔ اور تمر کے معنی ہیں لوہا۔ اور صاحبقران کہلانے کی یہہ وجہ تھی کہ اسکے بادشاہ ہوجانیکے بعد خوشامدیوں نے اُسکا زائچہ طالع بناکر اُسمیں یہہ لکھدیا تھا کہ زہرہ و مشتری جو جوتشیوں کے عقیدہ میں دو بڑے سعد ستارے ہیں قران کی حالت میں طالع میں پڑے ہیں۔ س م ح ۱۲

ہندوستان میں لفظ مغل کا صرف مغلوں سے مخصوص نہونا اور سرکاری عہدوں کے ملنے میں اُنکی خصوصیت کا ہونا۔

ایک رشتہ دار عورت یعنی اُس بادشاہ کی اکلوتی بیٹی سے شادی کرلی تھی جو اُسوقت تاتاریوں کی اُس نامور قوم کا جنکو مغل کہتے تھے فرمانروا تھا[۱] مگر اب لفظ مغل اُن سب غیر ملک کے رہنے والوں پر بولا جاتا ہے جو فی زمانہ ہندوستان پر (جسکے معنے ہیں ہندوؤں یا ہندیوں کا ملک) حکومت کرتے ہیں۔ مگر یہہ قیاس نکرنا چاہیئے کہ سلطنت مغلیہ میں بڑے بڑے معزز اور معتبر منصب صرف مغلوں ہی کو ملتے ہیں یا صرف یہی لوگ فوج میں عہدے پاتے ہیں بلکہ یہہ منصب اور عہدے مغلوں اور سب ولایتوں کے نووارد مسلمانوں کو بغیر کسی طرح کی خصوصیت کے دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اکثر تو

---

[۱] کتاب ظفرنامہ میں جو تیمور کی ایک نہایت خوشنما آمیز تاریخ ہے اُسکے عروج کا حال یوں لکھا ہے کہ ۷۳۳ھ سات سو تینتیس میں یسوکای اغلن کا بیٹا قران سلطان جو چغتائی خاں کی اولاد سے تھا ترکستان اور ماوراالنہر میں ایک ایسا جابر اور خوں ریز بادشاہ تھا کہ سردار لوگ دربار میں جاتے ہوئے کنبہ والوں کو وصیتیں کرکے رخصت ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ آخر کار امیر قزغن نے جو اُسکے سرداروں میں ایک نہایت قابل اور دانا شخص تھا تنگ آکر اُلوس یعنی قبیلہ چغتائی کے امیروں وغیرہ سے اتفاق کرکے بغاوت کی اور ۷۴۳ھ سات سو تینتالیس ہجری میں فتحیاب ہوکر اُسے مار ڈالا۔ مگر سلطنت کی یہہ صورت رہی کہ اگرچہ حقیقتاً حکومت امیر قزغن اور اُسکی اولاد کے قبضہ میں تھی۔ لیکن تاہم بادشاہی خاندان میں سے برائے نام کسیکو خان یعنی بادشاہ بنائے رکھتے تھے مگر جب قزغن کے بیٹے عبداللہ نے اپنے ایک صرف نام کے بادشاہ کو بیگناہ قتل کرڈالا اور اسی علت میں خود بھی تباہ و برباد ہوا تو ملک میں کچھ عرصہ طوائف الملوکی کی صورت رہی۔ مگر امیر قزغن کا پوتا امیر حسین جو امیر مُنسلا کا بیٹا تھا پھر ایک ذی اقتدار فرمانروا ہوگیا۔ اور اپنی دارالحکومت شہر بلخ کے پاس ایک پرانے قلعہ کو جو قلعہ ہندوان کے نام سے مشہور تھا از سرنو تعمیر کرکے اُسمیں رہنا شروع کیا۔ اور چونکہ اُسکی بہن کی شادی تیمور سے ہوئی تھی ابتدا سے حال میں

ایرانیوں کو اور بعض بعض عربوں کو اور کچھ ترکوں کو۔

مغلوں اور فرنگیوں اور ہندوؤں کی پہچان۔

جن لوگوں کو آجکل یہاں مغل کہا جاتا ہے اُنکی پہچان کیواسطے یہہ نشان کافی ہے کہ چہرہ کا رنگ گورا ہو اور مذہب اسلام۔ اور یورپ کے عیسائیوں کی جنکو یہاں فرنگی کہتے ہیں یہہ پہچان ہے کہ رنگ سفید ہو اور مذہب عیسائی۔ اور ہندوؤں کی یہہ علامت ہے کہ رنگ گندمی* ہو اور مذہب بُت پرستی۔

شاہجہاں کی ضعیفی اور اُسکے بیٹوں کا باہمی فساد۔

میںنے یہاں آکر یہہ بھی معلوم کیا کہ شاہجہاں کی عمر اسوقت قریب ستہتر برس کے ہے۔ اور اُسکے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں اور چند سال ہوئے کہ اُسنے چاروں بیٹوں کو اپنی نیابت اور قایمقامی کے طور پر ہندوستان میں بڑے بڑے چار صوبے جنکو سلطنت کے حصّے کہنا چاہیئے دیدیئے ہیں۔ اور یہہ بھی دریافت ہوا کہ

اُسکا اور تیمور کا نہایت اتحاد تھا مگر رشک و حسد کے باعث آخر کار عداوت ہوگئی۔ اور چونکہ امیر حسین کی بہن بھی مرچکی تھی تیمور نے اپنی جاے قیام کش معروف بشہر سبز سے جو سمرقند کے قریب اب روسیوں کے قبضہ میں ہے قلعۂ ہنداواں پر فوج کشی کی اور امیر حسین سلخ سنہ سابق ہجری میں گرفتار ہوکر مع اپنے دو بیٹوں کے قتل ہوا۔ اور باقی دو بیٹے ہندوستان کو بھاگ آئے۔ اور تیمور نے اُسکی زوجہ سلاجق خانم دختر قران سلطان اور تین آور بیگموں کو غالباً ذی قعدہ قبائل ترک کی بیٹیاں سمرقند میں داخل حرم میں ڈال لیا۔ اور اُسکی بڑی بیگم مع اُسکی بیٹیوں اور بیگموں کے اپنے بڑے بڑے سرداروں میں تقسیم کر دیا اور قلعۂ ہنداواں اور اُسکے محلات وغیرہ جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دیئے اور اس طرح پر امیر حسین کا نام و نشان مٹا کر خود بادشاہ بن گیا۔ اور آخر کار ایک ایسا شخص ہوگیا کہ آجتک اُسکا نام عموماً مشہور ہے۔ فقط معلوم ہوتا ہے کہ برنیر نے اپنی تحریر میں غالباً اسی سبب سے ملکہ خانم

---

* اصل انگریزی میں لفظ برون ہے یعنی بھورا۔ brown

بادشاہ ایک سال کے عرصہ سے ایسا بیمار رہتا ہے کہ جس سے اُسکی زندگی کا اندیشہ ہے۔ اور اُسکی بیٹوں نے باپ کی یہہ حالت دیکھکر حصول سلطنت کے لیئے منصوبے باندھنے اور چالیں چلنی شروع کر رکھی ہیں اور اُن کے باہم جنگ وجدال جاری ہے۔

مصنف کا نوکری اختیار کرلینا

چونکہ مَیں اُس مُلک میں پہنچکر غارتگروں کے ہاتھ سے مال و اسباب کے لُٹ جانے اور پانچ ہفتہ کے سفر کے اخراجات کثیر کی وجہ سے جو سورت سے آگرہ اور دہلی تک پہنچنے میں مجھے پیش آئے تھے تنگدست ہوگیا تھا۔ اسلیئے طبیبوں کی ذیل میں مینے سرکار شاہی میں نوکری اختیار کر لی تھی اور پھر تھوڑی مدت بعد دانشمند[۵۲] خاں کی سرکار سے میرا تعلق ہوگیا جو اوّل بخشی کے عہدہ پر مامور تھا۔ اور نہایت ذی اقتدار اور ممتاز ترین اُمرائے دربار میں سے ہوگیا تھا۔ اور ممالک ایشیا میں ایک

زوجہ سابق امیر حسین کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ اُسکو کتاب حبیب السیر میں خان زادہ یعنی شاہزادی اور دختر قران سلطان لکھا ہے ورنہ تیمور کے اٹھارہ بیبیوں اور بائیس حرموں کی تفصیل میں جو بہت سے ترک اور مغل سرداروں کی بیٹیاں تھیں خان زادہ کا لفظ اور کسی کی نسبت نہیں لکھا۔ مگر بریر کی تحریر سے جو یہہ مفہوم ہوتا ہے کہ تیمور کی اِس بیگم کا باپ تمام تاتاریوں کا بادشاہ تھا۔ جنکو مغل کہتے تھے۔ اُسوقت کی تاریخوں سے غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ جس زمانہ میں بلخ اور بخارا وغیرہ میں قران سلطان خاں فرماں روا تھا اُسی زمانہ میں تغلق تیمور خاں ترکوں اور مغلوں کی قوم جتہ میں علحدہ بادشاہی کر رہا تھا۔ اور ایران میں سلطان ابو سعید

---

۵۲ شاہجہاں اور اورنگ زیب کے عہد کی فارسی کتابوں میں دانشمند خان کا نام اُن صاحب کمال لوگوں کی فہرست میں لکھا ہوا ہے جو اُسوقت اس سلطنت میں علم و فضل کے لیئے مشہور تھے

بہت بڑا عالم فاضل تھا۔ چونکہ آٹھ برس تک کے تعلقات کے سبب سے جو دربار مغلیہ سے مجھے رہے تھے اس جنگ و جدال کے بعض اہم واقعات کو میں نے بچشم خود دیکھا ہے اسلیئے میں انکو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

شاہجہاں کی اولاد کے نام اور درجہ تسمیہ۔

شاہجہاں کے بڑے بیٹے کا نام دارا شکوہ دوسرے کا سلطان شجاع تیسرے کا اورنگ زیب چوتھے کا مراد بخش اور دونوں بیٹیوں میں سے بڑی کا نام بیگم صاحب* اور چھوٹی کا روشن آرا بیگم تھا۔ اس ملک میں یہہ دستور ہے کہ خاندان شاہی کے سلاطین اور بیگمات

بہادر خاں جو مغلوں کے ابوالآبا چنگیز خاں کی اولاد سے تھا بہت بڑا بادشاہ تھا۔ اور یہہ اشارہ بھی غلط پایا جاتا ہے۔ کہ تیمور لنگ اس مذکورہ بالا رشتہ کے سبب سے مغلوں کی قوم میں داخل ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ اُلوس چغتائی کی شاخ برلاس سے تھا جو اپنے تئیں سلسلہ نسب میں مغلوں سے علحدہ نہیں سمجھتے س م ح

یہہ ایرانی عالم شہر یزد کا رہنے والا تھا اور کمال علمی کے باعث ملّا شفیعا ای یزدی کے نام سے مشہور تھا۔ اور ہندوستان میں تجارت کی تقریب سے آیا تھا۔ لکھا ہے کہ جب یہہ اپنے وطن کو واپس جانے لگا تو شاہجہاں نے اسکے علم و فضل کا چرچا سنکر از راہ قدر دانی بندر سورت سے واپس بلاکر امرائے دربار میں داخل کر لیا۔ اور تا عہد سلطنت اورنگ زیب بہت معزز و مکرم رہا اور ۱۰۸۱ ایکہزار اسّی ہجری میں مرگیا۔ یہہ شخص فلسفہ۔ ھَیئَت۔ اور ھندسہ میں بہ تخصیص مشہور تھا۔ اور ایسا عالم تھا کہ نعمت خان عالی سا شخص اسکا شاگرد تھا۔ س م ح ۱۲

---

* عہد شاہجہاں کے مورخوں نے اسکا نام جہاں آرا بیگم بتایا ہے۔ اور لکھا ہے کہ بیگم صاحب لقب تھا س م ح

کے نام ایسے رکھتے ہیں جو شان و شوکت سلطنت پر دلالت کریں۔ چنانچہ شاہجہاں کی بیگم جو حسن و جمال میں مشہور تھی اُسکا نام تاج محل[1] تھا جسکا وہ عالیشان اور اعجوبۂ روزگار مقبرہ آگرہ میں ہے جسکے مقابلہ میں اہرام مصر[2] جو منجملہ عجائبات دُنیا سمجھے جاتے ہیں محض اَن گھڑ پتھروں کے ڈھیر اور

---

[1] یہ نام نہ تھا بلکہ خطاب تھا جسکو مصنف نے عوام کے محاورہ کے موافق ممتاز محل کی بیگم تاج محل لکھدیا ہے۔ اور نام اُسکا ارجمند بانو بیگم تھا۔ س۔م۔ح ۱۲

[2] مصر کے مخروطی نما چوپہل مینار اہرام کہلاتے ہیں۔ اِنپر جو کتبے ہیں وہ ایسے حروف میں ہیں جنکو اس زمانہ میں ہر شخص نہیں پڑھ سکتا۔ اور مصر کے قدیمی باشندے اِنکو اپنی مقدس چیزوں میں استعمال کرتے یا اسرار الٰہی سمجھکر چھپاتے تھے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ اہل عرب ان میناروں کو لحاظ ان کے نہایت دیرینہ سال اور پُرانا ہونیکے اہرام کہتے ہیں جو ہرم سے مشتق ہے اور جسکے معنی بڑھاپے کے ہیں مگر محیط المحیط میں (جو لغت عربی کی ایک نہایت مستند کتاب ہے) لکھا ہے کہ اہرام ہرم کی جمع ہے جو اصطلاح اہل مساحت و ہندسہ میں کسی ایسی مخروطی شکل کی عمارت کو کہتے ہیں جسکا قاعدہ مربع یا مثلث یا کثیر الاضلاع ہو۔ ان میں سے تین مینار بہت مشہور ہیں جنمیں ایک چھوٹا اور دو بڑے ہیں۔ دونوں بڑے مینار بلکہ عرب بصیغہ تثنیہ اَلْہَرَمَان کہتے ہیں یہ چی آپس اور کیفرینس کے نام پر مشہور ہیں۔ اور چی آپس والا مینار تو ایسا عمدہ ہے کہ دنیا کی عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔ یہ عمارت ایک چوکھونٹے چبوترے پر بنی ہوئی ہے۔ جسکا ہر ایک ضلع سات سو تریسٹھ فٹ لمبا اور چار فٹ آٹھ انچ اونچا ہے اور اُسکے اوپر کچھ گھٹکر ایک اَور چبوترہ ہے۔ اور اسی طرح دو سو تین چبوترے اوپر تلے بنے ہوئے ہیں۔ یہ مینار ساڑھے سولہ بیگھ زمین میں ہے اور اسکی بلندی چار سو چھیاسی فٹ اور چوٹی دس گز مربع کا چبوترہ ہے۔ مشہور یونانی مورخ ہیرو ڈوٹس جو سنہ عیسوی سے چار سو برس پیشتر مصر کی سیر کو آیا تھا لکھتا ہے کہ یہ مینار چی آپس بادشاہ کے عہد میں بیس برس کے عرصہ میں تیار ہوا تھا۔ اور اسپر ایک لاکھ آدمی کی مدد ہمیشہ لگی رہتی تھی۔ اور اسپر مصری حروف میں لکھا ہوا ہے کہ کاریگروں کی صرف گیسن پیاز کی چٹنی میں اڑھائی لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا۔ اصل میں یہ مینار مصری بادشاہوں کے مقبرے ہیں جنمیں انکی لاشیں

چی آپس

ناموروں تو وہ ہاے ننگ نظر آتے ہیں - علی ہذا القیاس جہانگیر کی بیگم کا نام اوّل نور محل* تھا - پھر نور جہاں بیگم ہوا جسنے مدّت تک اپنے شوہر کی ایسی حالت میں کہ بجز شراب خوری اور عیش پسندی کے اُسنے سب کاموں کو چھوڑ رکھا تھا اُمور سلطنت اور ملکداری کو خود انجام دیا -

اُمراے سلطنت کا مالک زمین ہونا اور صرف شاندار خطابوں سے ملقب کیا جانا -

ہندوستان میں جو یہہ بڑے بڑے اور ممتاز نام اعیان خاندان شاہی اور اُمرا کے رکھے جاتے ہیں اور فرنگستان کی طرح ایسے خطاب نہیں دیئے جاتے جو مشتق اور منسوب بہ مالکیت

نظر سے غائب ہو گئی - چنانچہ خلیفہ مامون عباسی جب ۲۱۴ھ سات سو بیس عیسوی میں مصر میں آیا تو اُسکو اس چی اپس والے مینار کے اندر کی عمارت کے دیکھنے کا بڑا شوق ہوا اور اُسنے نولادی ٹانکیاں بنوا کر پتھر کو کھدوایا - اور ایک راہ پائی اور جب اُسمیں گئے تو ایک چوکھونٹی بادلی ملی جسکے چاروں طرف کی دیواروں میں کمروں کے دروازے تھے - اور ایک کمرہ میں بہت سی لاشیں کتان میں خوشبوؤں سے لپٹی ہوئی جسے مُومیا کہتے ہیں رکھی ہوئی تھیں پھر اور ایک کمرہ میں اسکے اوپر پتھر کے صندوق میں آدمی کی ایک مورت ملی جسکے سینہ پر جواہر سے جڑا ہوا سونے کا سینہ بند رکھا تھا - اور سونے کے پترے پر ایسے حروف کندہ تھے - جنکو کوئی نہ پڑھ سکا - بعض محققوں نے اس بڑے مینار کی پیمایش کے وقت یہہ بھی دریافت کیا ہے کہ اس مینار کے چاروں پہل بنانے والوں نے دنیا کی چاروں سمتوں کے ٹھیک مقابل بنائے ہیں جس سے وہ ٹانکا نصف النہار بہت صحیح طور پر معلوم ہوتا ہے - دوسرا مینار جو کیفرنس والا کہلاتا ہے اُسکے نیچے کے چبوترے کا ہر ایک ضلع چھ سو چوراسی فٹ لمبا اور بلندی چوٹی تک چار سو چھیاسی فٹ ہے - اس مینار پر چڑھکر دیکھنے سے دکن کی طرف دریاے نیل اور اُتر کی جانب پہاڑ اور ریگستان اور پچھم کے رخ فیوں کا جنگل اور پورب کی سمت مقام جیزہ اور فسطاط کے برج اور شہر قاہرہ کا مینار اور سلطان صلاح الدین کا قلعہ سب عجیب لطف سے دکھائی دیتے ہیں - پرانے زمانہ کے مورخوں نے اوّل الذکر مینار کے بانی کے نام اپنے اپنے بھوکے موافق مختلف لکھے ہیں جنمیں سے ایک نام یہاں لکھا گیا ہے - اور یہہ بادشاہ

* اسکا نام مہر النسا بیگم تھا - اور نور محل اور نور جہاں خطاب تھے - س - م - ج ۱۲

اور قبضہ اراضیات و ممالک ہوں۔ اُسکا سبب یہہ ہے کہ یہاں تمام مملکت کی زمینیں خالصہ شریفہ یعنی ملک سرکار شاہی سمجھی جاتی ہیں۔ اس لیئے فرنگستان کی طرح یہاں کوئی ارل* یا مارکوئس* یا ڈیوک* نہیں ہوسکتا کیونکہ اُمرائے دربار کو خواہ جاگیر خواہ نقد جو کچھ دیا جاتا ہے وہ صرف بطور پنشن اور ذاتی مدد معاش کے دیا جاتا ہے۔ جسکا مقرر کرنا صرف بادشاہ وقت کی مرضی پر موقوف ہے۔ اور جب وہ چاہتا ہے اُسمیں کمی یا بیشی کر دیتا ہے۔ خواہ ضبط کر لیتا ہے۔ اسلیئے یہہ بات کچھ قابل تعجب نہیں کہ اُمرائے سلطنت صرف مذکورہ بالا طور کے ذیشان خطابوں سے مشرف و ممتاز کیئے جائیں مثلاً۔ کوئی شیر افگن خاں! کوئی صف شکن خاں! کوئی رعد انداز خاں! کوئی برق انداز خاں! اور علیٰ ہذا القیاس دیانت خاں۔ دانشمند خاں۔ فاضل خاں وغیرہ وغیرہ

دارا شکوہ کے مزاج اور خصلت کا بیان۔

اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کی دارا شکوہ میں کچھ کمی نتھی وہ گفتگو میں بہت شیریں زبان اور حاضر جوابی میں تیز اور نہایت خوش خلق اور بیحد فیاض اور دریا دل تھا۔ مگر باایں ہمہ بڑا ہی خود پسند اور خود رائے تھا اور اُسکو یہہ گھمنڈ تھا کہ میں اپنی عقل کی رسائی اور خوش تدبیری سے ہر امر کا بندوبست اور انتظام

دو ہزار تین سو تیس برس قبل مسیح علیہ السلام کے تھا۔ اور نہایت ہی خوں ریزی اور سفاکی کے ساتھ پچاس برس تک حکمراں رہا تھا۔ اور اسی طرح دوسرے مینار کے بانی کے نام بھی کئی طور پر لکھے ہیں۔ اور اسکو بعض مورخوں نے پہلے مینار کے بانی کا بیٹا اور بعض نے بھائی اور جانشین بتایا ہے۔ اور یہہ بھی ویسا ہی ظالم اور خوں ریز تھا اور جسمیں برس تک بادشاہ رہا تھا فقط ماخوذ از ترجمہ تاریخ اقوام قدیم مصنفہ ڈاکٹر ران مطبوعہ سوسائٹی علمیہ دانشمند یکاوینڈ برٹانیکا وغیرہ

* Earl * Marquise * Duke

کرسکتا ہوں - اور کوئی فرد بشر ایسا نہیں جو مجھے صلاح و مشورہ دیسکے - وہ
اُن لوگوں سے جو اُسے ڈرتے ڈرتے کوئی صلاح دینے کی جرأت کر بیٹھتے
تھے تحقیر اور اہانت سے پیش آتا تھا - چنانچہ اس ناپسندیدہ سلوک ہی
کے سبب سے اُسکے دلی خیر خواہ بھی اُسکے بھائیوں کی پوشیدہ اور مخفی
بندشوں سے اُسے آگاہ نکر سکے ! وہ ڈرانے اور دھمکانے میں بڑا تیز تھا -
یہانتک کہ بڑی بڑی اُمرا کو بُرا بھلا کہہ بیٹھتا اور اُنکا ہتک کر ڈالتا تھا - لیکن
اُسکا غصہ اور بدمزاجی ایک آن کی آن میں جاتی رہتی تھی - یہ شہزادہ ازروے
ولادت جسطرح مسلمان پیدا ہوا تھا اگرچہ شعار مذہب اسلام کی بجا آوری کی موقوف نہیں
ہمیشہ شریک ہوتا تھا اور اُسیطرح پر گویا اس مذہب کے متبع اور پیرو ہونے کا علانیہ
اقرار کرتا تھا - لیکن اپنے اوقات تخلیہ میں ہندوؤں کے ساتھ ہندو
اور عیسائیوں میں عیسائی تھا - چنانچہ پنڈتوں اور ہندو سادھوؤں کو ہمیشہ اپنی
صحبت میں رکھتا تھا - اور اُن کے لیئے بڑے بڑے وظائف مقرر کر رکھے
تھے - اِن حالات سے یہہ خیال کیا جاتا ہے کہ اِن لوگوں ہی کے اثر صحبت
سے اُسکے عقیدۂ اسلام سے بوئے ضعف آنے لگی تھی - لیکن اس مقدمہ میں
ہم اپنی رائے اُس موقع پر بیان کرینگے جہاں ہندوؤں کے طریق عبادت
اور پرستش کا ذکر لکھینگے - علاوہ بریں کچھ دنوں تک پادری بوزی صاحب
مقتداے فرقہ جیسوئیٹ کے مواعظ دینیہ کو بھی بہت رغبت سے سنتا رہا تھا
اور اُن مواعظ کی خوبیوں اور صداقت پر کچھ اعتقاد بھی رکھنے لگا تھا - مگر بعض
یوں کہتے ہیں کہ درحقیقت کسی مذہب کا بھی معتقد نہ تھا - اور یہہ ظاہری حالات

اور خیالات محض دل لگی اور شوق تحقیقات کے لیئے اُسنے اختیار کر رکھے تھے ! اور بعض کی یہہ رائے ہے کہ کبھی جو وہ عیسائی پن دکھاتا تھا تو اُسمیں یہہ مصلحت تھی کہ عیسائی لوگ جو اُسکے توپخانہ میں بھرتی تھے اور جنکی تعداد بھی ذرا زیادہ تھی اُسکو پسند کریں -- اور ہندو پن ظاہر کرنے سے یہہ غرض تھی کہ باج گزار ہندو راجاؤں کی تالیف قلوب کرکے اپنی محبّت اُن کے دل میں پیدا کرے - اور حقیقت میں ذی اقتدار راجاؤں سے باخلاق و محبت پیش آنا اُسکے لیئے ایک ضروری امر تھا تاکہ ضرورت کیوقت اُنکا اتفاق اور رفاقت حاصل کرسکے - لیکن عیسائیوں خواہ ہندوؤں کے مذاہب اور عقائد کی طرف میل کرنیکے یہہ جھوٹے حیلے کسی طرح سے اُسکے منصوبوں کی کامیابی میں کچھ کارآمد اور مفید نہوئے - بلکہ برخلاف پڑے - چنانچہ اِس تاریخ کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اورنگ زیب نے جو اُسکا قتل جائز ٹھہرایا تھا تو اُسکی وجہ یہی ظاہر کی تھی کہ وہ کافر اور لامذہب ہوگیا ہے

سلطان شجاع کے خصائل و شمائل کا بیان -

شاہ جہاں کا دوسرا بیٹا سُلطان شجاع اوضاع و عادات میں اکثر اپنے بھائی داراشکوہ کے مشابہ تھا - لیکن یہہ زیادہ فہیم اور اپنے عزم اور ارادوں میں زیادہ قایم و مستقل اور داراشکوہ سے حسن تمیز اور ہوشیاری اور ایسے اوضاع و اطوار

* عالمگیرنامہ میں جسکے مسوّدے بادشاہ کے ملاحظہ کے بعد صاف ہوتے تھے اور جسمیں مورخوں کے شیوہ کے برخلاف عالمگیر کے مخالفوں کا ذکر جابجا نہایت ہی سخت کلامی کے ساتھ کیا گیا ہے داراشکوہ کے مذہب کی نسبت جس طرح پر لکھا ہے اُسکی بہت سے ناملائم اور مکرر الفاظ

میں جو شاہزادوں کے لیئے زیبا ہیں بڑھا ہوا تھا۔ سازشوں اور بندشوں کو بخوبی عمل میں لانا جانتا تھا۔ اور بذریعہ ایسے الغاموں کے جو بارہا مخفی اور پوشیدہ طور پر دیا کرتا تھا بڑے بڑے ذی قدرت امراے دربار اور خصوصاً بڑے بڑے ذی اقتدار راجاؤں مثل جسونت سنگہ* وغیرہ سے دوستی

کو چھوڑ کر اس جگہ نقل کیا جاتا ہے قولہ واز شنایع اطوار آن برگشتہ روزگار (یعنی داراشکوہ) کہ عنقریب بہ زوال آن گرفتار آید و باعث التہاب نوایر قہر و انتقام ایں خدیو اسلام (یعنی اورنگ زیب) بیشتر ہمان شد ایں بود کہ در اواخر حال از برگشتہ بختی باظہار مراتب ابا حت و الحاد کہ در طبع او مرکوز بود و آن را تصوّف نام مے نہاد اکتفا نمودہ بدین ہندواں مائل شدہ بود۔ ہموارہ با برہمناں و جوگیاں و سناسیاں صحبت میداشت۔ و آن گروہ را مرشدان کامل و عارفان بحق و اصل میدانست و کتاب آنہا را کہ بہ بید موسوم ست کتاب آسمانی میدانست و مصحف قدیم میخواند و از کمال اعتقادے کہ بہ بید میداشت برہمناں و سناسیاں را از اطراف و اکناف بسعی ہاے بلیغ در عایت ہاے عظیم جمع آوردہ در صدد ترجمۂ آن شد و ہموارہ او قاتش مصروف ایں شغل ناصواب و تفکر و تدبّر در مضامین آن کتاب مے شد و بجاے آسماے حسنا الٰہی اسمے ہندوی کہ ہنود آن را پربھو مے نامند و اسم اعظم مے دانند بخط ہندوی برنگینہ ہاے جواہر ی کہ مے پوشید منقش کردہ بآن تبرک مے جست و چوں معتقد ش آن بود کہ تکلیف عبادات ناقصاں راست و عارف کامل را عبادت در کار نیست و کریمۂ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ را بمشرب ملاحدہ فراگرفتہ دلیل این معنی مے ساخت و بنا بریں عقیدہ فاسدہ نماز و روزہ و سائر تکالیف شرعیہ را خیر باد گفتہ بود و ایں خدیو دیں پرور پاک اعتقاد را ہمیشہ حمایت دین مبین نصب العین ضمیر منیر ست از اشاعۂ ایں عقاید ردیہ و اطوار باطلہ ازاں بے سعادت عرق حمیت دیں بحرکت مے آمد الخ ص ۴۳ ح ۱۲

---

* مہاراجہ جسونت سنگہ راٹھور والی جودھپور مراد ہے جسکو شاہجہاں کے عہد میں بادشاہ کی نہال میں ہونے کی وجہ سے بڑا اقتدار اور خطاب مہاراجگی حاصل ہو گیا تھا۔ ہماری اس زمانہ میں بھی یہہ ریاست اُسی خاندان میں قایم ہے اور یہہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح مصنف کے زمانہ میں اس ریاست کے فرماں روا کا نام جسونت سنگہ تھا مترجم کے زمانہ کے فرماں روا کا نام بھی جسونت سنگہ

کا پیدا کرنا خوب جانتا تھا۔ مگر باوجود ان اوصاف کے نہایت عشرت پسند اور مغلوب العیش تھا اور جب اپنی بیشمار حرموں اور ارباب نشاط وغیرہ کے جلسہ میں ہوتا تو تمام دن اور رات رقص و سرود اور شراب نوشی میں بسر کرتا اور کوئی مصاحب جسکو اپنی خیریت درکار تھی ایسے اوقات میں اُسکو اِن حرکات سے روکنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ اسیوجہ سے اُسکے اُمور سلطنت اکثر درہم و برہم رہتے تھے اور اُسکی محبّت رعایا کے دل میں اکثر کم تھی۔ اگرچہ اُسکا باپ اور بھائی ترکان روم یعنی اہل سنت وجماعت کا مذہب رکھتے تھے۔ مگر سلطان شجاع ایرانیوں کے عقائد یعنی مذہب شیعہ کا علانیہ معتقد اور مقر تھا۔ واضح ہو کہ دین اسلام میں بہت سے فرقے ہیں جیسا کہ کتاب گلستاں کے نامور مصنّف شیخ سعدی کے ایک شعر کے ترجمہ سے جو ذیل میں درج ہے دریافت ہوتا ہے۔ ترجمہ بیت "میں ایک درویش بادہ نوش اور شخص زمشرب ہوں اور بہتّر فرقے مجکو خوب جانتے ہیں" منجملہ ان فرقوں کے دو فرقے ایسے ہیں جنکا باہمی تعصّب اس درجہ کو پہنچا ہوا ہے کہ دونوں آپسمیں جانی دشمن ہیں۔ ایک اُن میں سے ترک یعنی رومی ہیں جنکو ایرانی لوگ عثمانی یعنی پیروان عثمان کہتے ہیں اور یہ عثمان کو سچّا اور اصلی قائم مقام

یہ شعر باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوسکا۔ س م ر ح

ہی ہے۔ اس ریاست کی خالص آمدنی سوائے جاگیروں اور معافیات کے بہ حساب کتاب تاریخ جملہ قبصری واقع دہلی مصنفہ مالباے دہیلر صاحب بیس لاکھ روپیہ اور رقبہ پینتیس ہزار چھ سو پچیس مربع میل مربع اور آبادی بیس لاکھ آدمی کی ہے۔ س م ر ح ۱۲

اور خلیفہ اپنے پیغمبر کا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلیفہ یعنی سب اہل اسلام کا فرمانروا اعلےٰ جو تاویلات الفاظ قرآنی اور اجتہاد کر سکتا ہو اور فیصلہ قضایا اور حساب اور تنازعات شرعیہ کا استحقاق رکھتا ہو صرف وہی ہے دوسرا فرقہ ایرانیوں کا ہے جسکو ترک لوگ رافضی یا شیعہ اور علی مردان کہتے ہیں ان لفظوں کے معنی ہیں ایک ایسا فرقہ جو عام فرقہ اہل اسلام سے خارج ہو یا بدعتی اور طرفداران علیؑ - کیونکہ ایرانی یہہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خلافت و امامت صرف علی کا حق تھا جو پیغمبر کے داماد تھے - سلطان شجاع نے جو مذہب شیعہ قبول کر لیا تھا بحسب ظاہر اسمیں یہہ حکمت تھی کہ اسبات کو اپنے امور سلطنت کی مطلب برآری کا ذریعہ جانتا تھا کیونکہ شاہجہاں کی سلطنت میں ایرانی بڑے بڑے معتدر عہدہ دار اور دربار میں بیحد صاحب اختیار تھے اور شجاع کو یہہ امید تھی کہ جب کبھی کوئی معرکہ آنکر پڑیگا اور موقع پیش آئیگا - تو مجھے ان سے بحالت ضرورت ہر قسم کی مدد ملیگی اور فائدہ پہنچیگا -

---

* مصنف کی یہہ معلومات جو اکثر غلط ہیں بعینہ ترجمہ کی گئی ہیں - ترکان روم کو عثمان لو عثمانی صرف اسوجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس سلطنت کا فرماں روا خاندان سلطان عثمان خاں کی اولاد سے ہے جو در اصل ایک ملازم سلطان علاء الدین سلجوقی کا تھا - اور اپنی لیاقت کیوجہ سے اول سپہ سالاری اور پھر اُس بادشاہ کی دامادی کے درجہ تک پہنچا - اور آخرکار بہ سبب اُسکے بے اولاد جانیکے سنہ بارہ سو ننانوے عیسوی مطابق سنہ چھ سو ننانوے ہجری میں رضامندی عام سے اُسکا جانشین ہوا تھا - کتاب سنین اسلام میں لکھا ہے کہ یہہ بادشاہ ایسا کریم اور سیاہ پرور تھا کہ ایک جیا نیچ پاس نہ رکھتا تھا - اور جو اُسکو ملتا تھا سپاہ میں خرچ کر دیتا تھا - یہانتک کہ اُسکی مرنیکے بعد سوائے ایک خفتان اور کمر بند اور تلوار کے کوئی شے باہر سے سونا چاندی وغیرہ کی قسم سے اُسکے پاس برآمد نہوئی اور اٹھہتر برس کی عمر میں تیرہ سو اکیس عیسوی مطابق سنہ سات سو ساٹھ ہجری میں انتقال

اورنگ زیب کے مزاج اور عادت کا بیان

تیسرا بھائی اورنگ زیب اگرچہ اُسقدر خوش اخلاقی اور کشادہ روئی اور فراخ مزاجی کی صفات سے جو داراشکوہ میں موجود تھیں موصوف نتھا۔ لیکن اُسکی رائے ایسے معتمد اور وفادار شخصوں کے انتخاب کرنے میں جو اُسکی خدمات کو نمک حلالی اور قابلیت کے ساتھ بجالانے کی بہت زیادہ لیاقت رکھتے تھے بہت سلیم اور صائب تھی۔ اور اگرچہ انعام واکرام یہہ بھی کثرت سے دیا کرتا تھا لیکن موقع اور امتیاز سے اور صرف اُن لوگوں کو دیتا تھا جنکی رضامندی اور تالیف و ترغیب کو ضروری سمجھتا تھا۔ وہ اپنے بھید کو نہایت چھپاے رکھتا تھا۔ اور مکّاری اور ریاکاری کے فن میں تو کامل اُستاد تھا۔ چنانچہ جب اپنے باپ کے دربار اور دارالسلطنت میں حاضر و موجود ہوتا تو بناوٹ سے بلا ناغہ لباسی عبادت بجالاتا اور دنیاوی حشمت و مکنت کی نسبت حقارت اور نفرت ظاہر کرتا۔ حالانکہ آیندہ کی شوکت اور سربلندی کے لیئے درپردہ راستہ نکالنے میں استحکام کے ساتھ سعی و کوشش کر رہا تھا۔ یہانتک کہ جن دنوں اُسکو دکن کا صوبہ دار مقرر کیا گیا تب بھی اہل دربار کو یہی جتلاتا رہا کہ اگر مجھے ترک دنیا اور درویشی کی اجازت ملجاتی تو زیادہ خوش ہوتا کیونکہ میری دلی تمنّا یہی تھی کہ باقی زندگی پارسائی اور عبادت ہی میں صرف کروں۔ اور افکار دنیاوی اور امور سلطنت کی ذمہ داری میں پڑنا مجھے نامرغوب اور ناپسند ہے۔ اگرچہ حقیقتاً اُسکی عُمر فریبوں اور سازشوں اور منصوبوں ہی میں گزری۔ لیکن اُس فریب کی چال کو اس عقلمندی سے چلتا تھا کہ دربار میں سوائے

اُسکے بھائی دارا شکوہ کے ہر ایک نے اُسکے اس رویہ کے سمجھنے میں دھوکا کھایا۔ شاہجہاں کے حسن ظن پر جو اُسکو اپنے اِس چھوٹے بیٹے کی نسبت تھا دارا شکوہ کو بہت حسد ہوتا تھا۔ چنانچہ کبھی کبھی اپنے ہمدرد مصاحبوں سے کہا کرتا تھا کہ مجھے اپنے سب بھائیوں میں سے اگر شبہ اور خوف ہے تو انہیں حضرت دیندار اور نمازی صاحب کا ہے۔

شہزادہ مراد بخش کی سیرت کا بیان

مُراد بخش جو شاہجہاں کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اپنے بڑے بھائیوں سے دانائی اور ہوشمندی میں کم تھا۔ اور صرف خوش خوری اور شکار ہی کا اُسکو زیادہ شوق تھا۔ مگر بہر حال سخی اور خلیق بھی تھا اور اکثر یوں شیخی بگھارا کرتا تھا کہ ہمیں بھید اور رازداریوں سے سروکار نہیں ہے وہ سازشوں اور تخلیوں کو حقیر و خوار سمجھتا تھا۔ اور اسبات کا اعلان و اشتہار اُسکو منظور خاطر تھا کہ مَیں صرف اپنی تلوار اور قوت بازو پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ اور فی الواقع مُراد بخش شجاعت اور دلیری کا پُتلا تھا۔ اور شجاعت کے ساتھ اگر کسیقدر بیداری اور ہوشیاری بھی اُس میں ہوتی تو غالبًا اپنے تینوں بھائیوں پر غالب آتا۔ اور بخلاش ہند کا فرماں روا ہو جاتا۔ *

---

* اورنگ زیب نے اپنی اور اپنے بھائیوں کی خصلت کی نسبت جو کچھ خود لکھا ہے مناسبت مقام کی وجہ سے بطور خلاصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سلطان محمد معظم کو جو محمد سلطان کی وفات کے بعد اورنگ زیب کے بیٹوں میں سب سے بڑا وہی تھا لکھتا ہے " ہمیں پر خلافت باوجود سلامت نفس نفیس اندیشہ راجز انخوش کردید ۔ اور ایام پادشاہزادگی با امرا ہیچ سلوک میکردیم کہ ہمہ راضی بودند و در حضور و غیبت بخوشدلی تعریف و توصیف میکردند بل باوصف اقتدار بردادر نامہربان (یعنی دارا شکوہ) بعضے از تک رفاقت او کردہ ملازمت ما اختیار کردند و جمعے کہ باشارہ برادر نامہربان حرکات ناملایم

شاہجہاں کی بڑی بیٹی بیگم صاحب کا ذکر

شاہجہاں کی بڑی بیٹی بیگم صاحب بیحد حسین اور خوش اندام اور باپ کی نہایت ہی پیاری تھی۔ ایسے غیر طبعی میلان کی افواہ کی نسبت اشارہ کرنا ایک بہت نامطبوع واقعہ ہے کہتے ہیں کہ وہ غدر بیگنا ہی دبرائت جسپر شاہجہاں کے دل کو اس معاملہ میں اطمینان ہوگیا ملا اور فقیہ لوگوں کا وہ جھوٹا فتوی* تھا جو اس تمہید سے دیا گیا تھا کہ بادشاہ کو اُس درخت کے میوہ سے متمتع ہونا جسکو اُسنے خود لگایا

کردہ حرفہاے بے ادبانہ بزبان آوردند بہ تازیانہ اغماض وتحمل تنبیہ شدہ از سر انصاف اقرار بہ صاحب حوصلگی ما کردند تا نقش سپہ داری وبہادری ما بر لوح خاطر اشرف اقدس اعلیحضرت (یعنی شاہجہاں) مرتسم گشت وکارہاے دست بستہ بزور بازوے این سو ضعیف صورت گرفت" ایک دوسرے رقعہ میں سلطان محمد اعظم کو لکھتا ہے "فرزند عالیجاہ روزے اعلیحضرت در خلوت بدارا شکوہ ارشاد نمودند کہ در حق امراے بادشاہی کج خلق وبدگمان نباشد وہمہ را مشمول عواطف والطاف دارد وعرض غرض آمیز سخن سازان در حق این جماعت نشنود کہ این حرف وقتے بکار خواہد آمد از بسکہ دل مے سوزد حرف ناگفتنی میگویم نفاق با مردم کار ضایع کاریست" پھر ایک اور رقعہ میں محمد اعظم کو لکھتا ہے "فرزند عالیجاہ این نقل زبانی شخصے معتبر بگوش رسیدہ بود در رشتہ تحریر کشیدہ شد کہ بہر نہج آن فرزند ہم برسد۔ روزے اعلیحضرت علی مردان خاں وسعد اللہ خاں را در خلوت خاص عز اختصاص بخشیدہ از زبان گوہر فشان فرمودند کہ بعضے اوقات اندیشہ بخاطر راہ مے یابد کہ مبادا پور خلافت (یعنی دارا شکوہ) اگرچہ اسباب شان وشوکت وسامان تجمل وصولت ہمہ دارد لیکن عدوے نیکوان ودوست بدان واقع شدہ۔ شجاع غیر از سیر چشمی وصفے ندارد۔ ومراد بخش مجہول الکیفیت باکل وشرب ساختہ دایم الخمر ست مگر فلانی یعنی این عاجز فانی ذی عزم ودماں اندیش بنظر می آید۔ غلب کہ متحمل امر خطیر ریاست تواند شد" (ماخوذ از کتاب کلمات طیبات موسوف بہ رقعات عالمگیری) ۱۲ م

* یہ افواہ خواہ اصل میں صحیح ہو یا غلط مگر جو لوگ اس ملک کی راہ ورسم سے واقف ہیں بخوبی جانتے ہیں کہ ایسے معاملہ میں کوئی بیحیا سے بیحیا شخص بھی ایسا استفتا نہیں کر سکتا۔ س م ح

ہے جائز اور درست ہے۔! شاہجہاں کو اپنی اس منظور نظر فرزند پر بیحد اعتماد تھا اور وہ اُسکی سلامتی کی محافظ اور نگہبان تھی اور یہانتک احتیاط رکھتی تھی کہ کسی قسم کا کھانا کیوں نہو جبتک خاص اُسکے روبرو طیار نہوتا تھا بادشاہ کے دسترخوان پر نہیں لگایا جاتا تھا۔ پس بیگم صاحب کو اُمور شاہجہانی میں اسقدر بیحد اقتدار و اختیار کا حاصل ہونا اور بادشاہ کے مزاج کی باگ اُسکے ہاتھ میں ہونی اور سلطنت کے بڑے اور اہم معاملات میں اُسکی قدرت اور اختیارات کا ایسا کامل ہونا کوئی عجیب امر نہیں ہے۔

اِس شاہزادی نے اپنے کثیر المقدار شاہی علوفوں اور وظیفوں سے جو اُسکے لیئے مقرر تھے اور اُن بے بہا پیشکشوں اور نذرانوں سے جو چاروں طرف سے بطور نذر اور شکرانہ درستی اُن بیشمار معاملات کے اُسکے لیئے آتے تھے جو صرف اُسی کی رائے پر انتظام و انصرام پاتے تھے بہت کچھ دولت جمع کی تھی† یہانتک کہ اُسکو بھائی دارا شکوہ کے معاملات کی کامیابی اور سرسبزی بھی اُسی کے وسیلہ سے تھی اور بادشاہ کی مہربانی اور نظر عنایت صرف اسیوجہ سے اُسکو حاصل تھی کہ بیگم صاحب نے نہایت مستعدی اور گرمی سے اُسکی نفع رسانی اپنے ذمہ لے لی تھی اور اپنے تئیں علانیہ اُسکا طرفدار ظاہر کرتی تھی اور دھر دارا شکوہ کے دلپر بھی بیگم صاحب کی رفاقت اور امداد کا نقش

† بیگم صاحب کا بیحد اقتدار و اختیار اور اُسکا شاہجہاں کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ عزیز ہونا اس خاندان کی فارسی زبان کی تاریخوں سے بھی پایا جاتا ہے چنانچہ اسکی نہایت بڑی آمدنی کی جاگیر ہی ہو جو ساڑھے لاکھ روپیہ سال کی تھی یہ بات بخوبی ثابت ہے۔ س م ع۔

بخوبی جگیا تھا۔ چنانچہ اکثر لوگ یہہ خیال کیا کرتے تھے کہ اسکے عوض میں اُسنے بیگم صاحب سے یہہ وعدہ کیا ہوا تھا کہ اپنی تخت نشینی کے وقت آپکو نکاح کرینگے کی اجازت دیدونگا۔ داراشکوہ کا یہہ وعدہ سلاطین ہندوستان کے آئین کے برخلاف تھا جسکی رو سے شاہزادیوں کی شادی بالکل* ممنوع ہے۔ اس ممانعت کی وجہ اول تو یہہ ہے کہ کوئی شخص بادشاہی خاندان کے رشتہ اور قرابت کے لایق نہیں سمجھا جاتا۔ دوسری یہہ کہ یہہ کھٹکا رہتا ہے کہ کہیں شاہزادی کا شوہر اس تقریب سے اقتدار پاکر تاج و تخت کی جستجو اور حرص نہ کرنے لگ جاے

میں اس جگہہ دو داستانیں جو اس شاہزادی کی عشقبازی سے متعلق ہیں بیان کرنی چاہتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ کوئی شخص میری نسبت یہہ گمان نکریگا کہ میںنے اِن مضامین کو افسانہ طرازی اور اعجوبہ نگاری کی تمنّا سے بیان کرنا چاہا ہے۔ کیونکہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں وہ ایسے واقعات ہیں جو تاریخ میں کارآمد ہیں۔ اور میرا خاص مدعا اور مطلب یہہ ہے کہ یہاں کے لوگوں کے رسوم و عادات کے صحیح اور درست حالات بیان کروں۔

حرکات عشقیہ اگرچہ ہر ملک میں مذموم اور باعث جرائم ہیں مگر جس شدّت سے ممالک ایشیا میں خطرناک ہیں اُسقدر فرنگستان میں نہیں ہیں۔ چنانچہ ہمارے مُلک فرانس میں ایسی حرکتوں کے ذکر و مذکور اگرچہ چند روز کے

---

* بالکل ممنوع ہونا تو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اسی خاندان کی کئی شاہزادیوں کی شادی کا اس خاندان کے بعض شاہزادوں اور بعض مشایخ زادوں کے ساتھہ ہونا اس خاندان کی فارسی زبان کی تاریخوں میں مشروحاً مذکور ہے۔ مگر ہاں اکثر یہ حالت یہی تھی جو مصنف نے بیان کی ہے۔ س م ح

لیئے لوگوں کو صرف ایک ہنسی اور خوش طبعی کا ذریعہ رہتے ہیں جسکو تھوڑے عرصہ میں سب بھول بھال جاتے ہیں۔ لیکن مشرقی ملکوں میں ایسی صورتیں بہت کم پائی جاتی ہیں کہ جن میں عشقیہ تعلقات سے بد انجام واقعات اور نہایت ہیبت ناک مصائب اور حرکات سرزد نہوتی ہوں۔

بیگم صاحب کا ایک شخص سے تعشق پیدا کرنا اور اُسکا حمام کی دیگ میں جلایا جانا۔

کہتے ہیں کہ بیگم صاحب اگرچہ محلسرا میں حسب معمول محصور رہتی تھی۔ اور محل کی اور مستورات کی طرح اُسکی بھی نگہبانی ہوتی تھی۔ مگر کسی مخفی طور سے اُسکے پاس ایک نوجوان شخص کی آمد و رفت ہوگئی جو اگرچہ کوئی خاندانی آدمی نہ تھا مگر حسین بہت تھا۔ لیکن اُسکی کسی ایسی حرکت کا اُسکی ہم جنس اور ہمدست کی محافظوں سے مخفی رہنا ممکن نہ تھا۔ اور جبکہ یہہ عورتیں بیگم صاحب کے رشک حسد سے پہلے ہی جل رہی تھیں تو یہہ بھید کسطرح نہ کھلجاتا۔ الغرض شاہجہان بھی بیگم صاحب کی خطا و لغزش سے واقف ہوگیا۔ اور یہہ ارادہ کرکے کہ خلاف معمول محل میں جاکر اس ماجرا کو دریافت کرنا چاہیئے ناگہاں وہاں چلا گیا۔ اب چونکہ بادشاہ کے آنیکی خبر بیگم صاحب کو ایسی جلدی نہ مل سکی کہ اُس شخص کو کسی مناسب جگہہ چھپا دیتی اسلیئے بناچاری اُسکے خوف زدہ جوان عاشق کو حمام کی ایک بڑی دیگ میں چھپنا پڑا۔ اس واردات کے ملاحظہ سے بادشاہ کے چہرہ پر نہ تو کچھ تعجب ہی کے آثار ظاہر ہوئے اور نہ کچھ غصہ اور ناخوشی ہی معلوم ہوئی بلکہ بیٹی سے معمولی باتیں کرتا رہا۔ لیکن کسیقدر بات چیت کے بعد کہا کہ معلوم ہوتا ہے تمنے آج حسب معمول غسل نہیں کیا! حمام کرنا چاہیئے۔ اور

خواجہ سراؤں کو حکم دیا کہ دیگ کے تلے آگ جلائیں - اور جبتک کہ اُنھوں نے اُسے یہہ نہ جتلا دیا کہ اُسکا وہ قسمت کا مارا کُشتۂ رقابت جلکر خاک ہوگیا ہے وہاں سے نہ ہلا -

بیگم صاحب کا ایک دوسرے شخص سے تعلق پیدا کرنا اور اُسکا انجام کار -

چند مدّت بعد بیگم صاحب نے ایک اور مشغلہ پیدا کیا - جسکا نتیجہ اور انجام بھی ایسا ہی دردناک ظہور میں آیا - یعنی آپ نے اپنی خانسامانی کے عہدہ کیواسطے ناظر خاں* یا نذیر خاں نامے ایک ایرانی نوجوان کو جو مشہور و معروف صاحب جمال اور نہایت قابل و دانشمند اور ازبس شجاع و صاحب حوصلہ امیر تھا - اور جسکو تمام اہل دربار عزیز رکھتے تھے پسند فرمایا - چونکہ اورنگ زیب کا ماموں شایستہ خاں بھی اسکو بہت اچھا اور معقول شخص سمجھتا تھا اسلیئے اُسنے اس جوکھوں میں پڑنیکی دلیری کرکے بادشاہ سے عرض کیا کہ یہہ شخص اس قابل ہے کہ بیگم صاحب کا عقد اس سے کیا جائے مگر شایستہ خاں کی اس تجویز کو شاہجہاں نے نہایت ناشائستہ اور ناپسندیدہ سمجھا اور چونکہ وہ پہلے ہی سے کسیقدر کھٹکا ہوا تھا کہ اسکے اور شاہزادی کے باہم کسی قسم کا ناجائز تعلق ہے اس سے اُسکا یقین اور بھی پختہ ہوگیا - اور یہہ سنتے ہی اُس بیچارہ نوجوان کو اس دُنیا سے چلتا کرنیکے لیئے کسی بڑی تدبیر یا زیادہ سوچ بچار کی ضرورت نہ سمجھی اور فوراً اظہار مہربانی کے طور پر دربار عام میں اپنے ہاتھ سے ایک پان کا بیڑہ اس صاف باطن جوان کو جسکے دل میں کسیطرح

* انگریزی رسم الخط میں ناظر خاں اور نذیر خاں ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے مگر غالباً نذیر خاں صحیح ہوگا کیونکہ ناظر خاں محاورے کے خلاف معلوم ہوتا ہے - س م ح

کا شک و شبہ نہ تھا عنایت کیا۔! چونکہ اس سلطنت میں یہہ رسم ایک نہایت اعزاز و امتیاز کی علامت ہے۔ اسلیئے وہ اس پان کو لیکر دستور کے موافق چبانے لگا۔ اور کم بخت نے ذرا بھی خیال نہ کیا کہ مجھے اس ہندی بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے زہر دیدیا ہے۔ بلکہ اس خیال باطل میں کہ غالباً اب بادشاہ کی نظر الطاف سے میرے لیئے روز افزوں ترقیاں ہونے والی ہیں مسرور و محفوظ دربار سے رخصت ہوکر اپنی پالکی میں سوار ہوا۔ مگر زہر کی تیزی اور سرعت اس درجہ تھی کہ وہ گھر پہنچنے سے پہلے ہی دوسرے گھر پہنچگیا۔

ہندوستان کے لوگ پان میں ایک چیز کے کچھ باریک اور نازک سے ورق اور تھوڑا سا چونہ جو کوڑیوں سے بنتا ہے اور کچھ اور مصالحہ ملایا کرتے ہیں۔ اور پان کھانے سے یہہ مدعا ہے کہ مونہہ معطر اور خوشبودار اور لب سرخ ہوجائیں۔

روشن آرا بیگم کے مزاج اور عادت کا ذکر

شاہجہاں کی چھوٹی بیٹی روشن آرا بیگم اگرچہ بہن سے حسن و جمال میں کم اور خوش فہمی میں بھی کچھ ایسی مشہور نہ تھی۔ مگر باوجود اسکے وہی زندہ دلی اسکے مزاج میں بھی موجود اور ویسی ہی عیش پسند تھی اور جسقدر بیگم صاحب دارا شکوہ کی طرفدار تھی اتنی ہی یہہ اورنگ زیب کی خالص جانب دار اور ان دونوں کی علانیہ دشمن تھی۔ اور یہی سبب معلوم ہوتا ہے کہ اسکے پاس نہ تو اتنی دولت ہی تھی اور نہ امور سلطنت ہی میں اسقدر اختیار اور دخل تھا۔ مگر پھر بھی چونکہ محل میں بود و باش کی شریک اور فن فریب میں کامل تھی جاسوسوں کی معرفت کام کی باتیں اور ضروری خبریں اورنگ زیب کے پاس پہنچاتی رہتی تھی۔

بیٹوں کی مفسد مزاجی سے شاہجہاں کا متوہم ہونا اور اُنکو دور دست صوبوں میں حاکم بنا کر بھیجدینا

لڑائی سے چند سال پہلے شاہجہاں کا دل اپنے مفسد مزاج بیٹوں کیطرف سے خوف اور اضطراب میں تھا۔ اور اگرچہ وہ چاروں عاقل و بالغ اور صاحب اہل وعیال تھے لیکن برادرانہ سلوک اور ایسے مضبوط رشتہ کی رعایت کو بالاے طاق رکھکر سلطنت کی ہوس میں ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو رہے تھے یہانتک کہ دربار میں اُن کے طرفداروں کے بھی جُدا جُدا دھڑے بندھگئے تھے اِن سببوں سے بادشاہ جو اپنی سلامتی ہی کے لیئے لرزتا کانپتا رہتا تھا جب اِن کی ایسی ناگوار حرکتیں مشاہدہ کرتا (جنکے خمیازے آخرکار اُسکو خود اُٹھانے پڑے) تو اپنے کو ایک عجیب طرح کے عذاب میں گرفتار سمجھکر نہایت آزردگی کے ساتھ یہ چاہتا تھا کہ اِن کو گوالیار کے قلعہ میں جو بڑا مضبوط اور مستحکم اور ایک بلند اور کُڈھب چٹان دار پہاڑی پر بنا ہوا ہے۔ اور جسکا فتح کرنا مشکل ہے۔ اور جسمیں بادشاہی خاندان کے سلاطین وغیرہ اکثر مقید اور نظر بند رہا کرتے ہیں قید کرے۔ لیکن اُسنے سوچ سمجھکر آخرکار اپنے دل میں اِس بات کو مان لیا تھا کہ حقیقت میں یہ اب ایسے زبردست ہو گئے ہیں کہ اُن سے اِس قسم کا سلوک کرنا ایک سرسری امر نہیں رہا۔ اُسکو اِن کی طرف سے رات دن یہی تردد اور تفکر لاحق رہتے تھے۔ کہ اگر یہ باہم بھڑ گئے تو یا اپنے لیئے علحدہ علحدہ مستقل سلطنتیں قائم کر لینگے یا پاے تخت کو میدان جنگ بنا کر خلق خدا کی خونریزی اور قتل وقمع کے بعد

اپنی اپنی قسمت کا فیصلہ کرینگے - چنانچہ اُسنے اِن پیش آنے والی آفتوں اور قضیوں سے بچنے کے لیئے یہہ تجویز نکالی کہ چاروں کو چار دُور دست صوبوں کی حکومتیں دیکر الگ الگ کر دیا جاے - پس سلطان شجاع کو بنگالہ - اورنگ زیب کو دکن - مراد بخش کو گجرات - اور داراشکوہ کو ملتان اور کابل کا حاکم مقرر کیا [۵]

داراشکوہ کے سوا تینوں بھائیوں کا اپنی اپنی جاے مقررہ کو چلے جانا اور اُنکی خودسرانہ کارروائیوں کا بیان -

داراشکوہ کے سوا یہہ سب شاہزادے بلاتوقف اپنے اپنے صوبوں کو چلے گئے - مگر وہاں پہنچتے ہی اپنی مفسد طبیعتوں کے بخار نکالنے لگے اور خودسر بادشاہوں کی سی حکمرانیاں شروع کر دیں - چنانچہ مُلک کی آمدنی اپنے ذاتی اُمور میں صرف کرنے لگے - اور ہر ایک نے بڑی بڑی مہیب فوجیں اس بہانہ سے بھرتی کر لیں کہ پاے تخت کی کمک اور مُلک میں امن و امان قائم رکھنے اور حدودِ ممالک غیر پر رعب و داب کے لیئے اسکی ضرورت ہے -

داراشکوہ کا پاے تخت کو نچھوڑنا اور باپ بیٹے کا منافقانہ برتاؤ

لیکن داراشکوہ نے جو سب سے بڑا اور اسیوجہ سے تخت نشینی [۵ب] کا متوقع تھا پاے تخت کو نچھوڑا اور اس سبب سے کہ شاہجہاں

---

[۵] میر عسکری - المخاطب بہ عاقل خاں جو اورنگ زیب کے مشہور امیروں میں سے تھا لکھتا ہے کہ ۱۰۶۷ھ - ۱۶۵۷ء - اکبرآباد یا آگرہ ہجری میں جبکہ شاہجہاں کا دل میں مقیم تھا اُسنے دوراندیشی کی راہ سے

[۵ب] فارسی زبان کی تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہجہاں نے داراشکوہ کو حقیقتاً اپنا ولیعہد مقرر کر کے شاہ بلند اقبال کا خطاب دیا ہوا تھا - اور صاحب سیر المتاخرین نے بضمن وقائع ۱۰۶۸ھ اکبرآباد آگرہ ہجری لکھا ہے کہ اخیر میں اسکا سالانہ مواجب دو کروڑ اور ساڑھے سات لاکھ روپیہ مقرر ہو گیا تھا - سر ۷ یعنی خمسین کرور دام

نے بھی اُسکو احکام شاہی کے اجرا کے اختیارات سپرد کر دیئے تھے اور یہہ بھی اجازت دیدی تھی کہ ایک چھوٹے تخت پر جو بادشاہی تخت سے نیچا ہو خود بادشاہ کے سامنے دربار میں جلوس کیا کرے۔

ایک ہی وقت میں دو مساوی الاختیار فرمانروا دربار میں جلوہ گر نظر آنے لگے۔ اِن باتوں سے اگرچہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خود بادشاہ ہی دارا شکوہ کی اُمیدوں کی تائید کرتا تھا۔ لیکن اِس بات کے باور کر لینے کی معقول وجہ موجود ہے کہ اگرچہ دارا شکوہ باپ کے ساتھ ادب و محبت کے طریقوں سے پیش آتا تھا۔ مگر شاہجہاں ریاکاری اور دورنگی برتتا تھا۔ اور اِس کہن سال بادشاہ کو برابر یہہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں مجھکو زہر نہ دیدیا جائے اور ظن غالب ہے کہ بادشاہ کی پوشیدہ خط و کتابت اورنگ زیب سے جاری رہتی تھی جسکی نسبت اُسکو ہمیشہ اعتماد تھا کہ سلطنت اور ملکداری کے لیئے یہہ لڑکا بہت لائق و فائق ہے۔

اِس کتاب کے اُن مطالب کی توضیح و تشریح کے لیئے جنکا ذکر آیندہ آنے والا ہے یہہ مختصر بیان شاہجہاں اور اُسکے بیٹوں کی باہمی حالت کا بطور تمہید لکھدینا ضرور تھا اور اسیطرح اُسکی دونوں بیٹیوں کا بھی کچھ حال درج کر دینا واجب تھا۔ کیونکہ یہہ بھی اِن دردناک واقعات میں ایک بڑی

ان شاہزادوں کو اُن کے نامزد کئے ہوئے صوبوں کو رخصت کیا اور کابل سے چل کر جب شجاع اور اورنگ زیب آگرہ میں پہنچے تو دارا شکوہ کے ضرر سے بچنے کے لیئے آپس میں بڑے بڑے مستحکم عہدپیمان کیئے اور کہا کہ اگر ہم ملے رہیں تو دارا شکوہ کے شر سے جو ہمارے خون کا پیاسا ہے بچے رہینگے اور اِس معاہدہ کے مزید استحکام کے لیئے شجاع نے اپنی بیٹی اورنگ زیب کے بیٹے محمد سلطان سے منسوب کی اور اورنگ زیب نے اپنی لڑکی کا رشتہ شجاع کے بیٹے سلطان زین العابدین سے کیا۔ م

حصہ دار تھیں اور اسکے سوا ہندوستان اور قسطنطنیہ اور اور ایشیائی ملکوں میں بڑی بڑی سنگین اور اہم وارداتیں اکثر عورتوں کے اختیار و اقتدار کے باعث سرزد ہو جایا کرتی ہیں۔ اور اکثر لوگ اُن کے وقوع کے اصلی سببوں سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اور اُن کا باعث بعض اور باتوں کو سمجھ لیا کرتے ہیں۔

میر جملہ کا ذکر

اب شاہجہاں کے بیٹوں کے جنگ و جدال کے واقعات لکھنے سے پہلے اگر اسی طرح کچھ حالات اورنگ زیب اور شاہ گول کنڈا اور اُسکے وزیر میر جملہ کے بھی مجمل طور پر لکھدیئے جائیں تو اُمید ہے کہ ناظرین کو مطالب کتاب کے سمجھنے میں زیادہ آسانی اور غالباً اُس شخص کی چالاکیوں اور فیلسوفیوں کی نسبت جو اس تمام تاریخی کارنامہ کا رستم اور ہندوستان کا آیندہ بادشاہ ہے ایک بصیرت حاصل ہو جائیگی۔

میر جملہ نے جن تدبیروں اور حکمتوں سے شاہجہاں کے فرزند ثالث کی اقتدار اور سلطنت کی بنیاد قائم کی اُسکی شرح اس طرح ہے۔

جس وقت اورنگ زیب کو دکن کی صوبہ داری سپرد کی گئی تھی میر جملہ*

---

* اصل کتاب کے حاشیہ اور بعض فارسی زبان کی تاریخوں میں اس نامور شخص کا حال یوں لکھا ہے کہ یہ قوم کا سید اور ایران کا باشندہ تھا اور اردستان میں جو نواح اصفہان میں ہے پیدا ہوا تھا۔ اسکے والدین اگرچہ خاندانی تھے مگر بہت ہی غریب تھے۔ بہرحال اس نے کسی طرح کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ لیا اور ایک جوہری کے پاس جو تجارت کو لیکر اکثر گول کنڈا کو آیا کرتا تھا گماشتہ بنگیا۔ اب بعضوں کا تو یہ قول ہے کہ نوکری چھوڑ کر گولکنڈا کی سلطنت میں بطور خود تجارت کرنے لگ گیا تھا۔ اور بعض یوں کہتے ہیں کہ وہ سوداگر مرتا ہوا اپنا سب مال و دولت اسی کو دیگیا تھا۔ خیر خواہ کوئی صورت ہو یہ نوجوان

شاہ گول کنڈا کا وزیر اور اُسکی تمام فوج کا سپہ سالار اور تمام ہندوستان میں ایک مشہور و معروف شخص تھا اور اگرچہ خاندانی اور پشتینی امیر نہ تھا لیکن نہایت ہی قابل و ذی لیاقت انسان تھا اور جیسا کہ سپاہ گری میں کامل تھا ویسا ہی معاملات تجارت کو بھی خوب سمجھتا تھا۔ چنانچہ اُسنے اپنی دولت جو بہت ہی تھی صرف گول کنڈا کی متمول سلطنت کی وزارت کے وسیلہ سے نہیں بلکہ اپنی وسیع تجارت کے ذریعہ سے جو اکثر ملکوں میں جاری تھی اور ہیروں کی کانوں کے ٹھیکوں سے جو اور شخصوں کے ناموں سے لے رکھے تھے حاصل کی تھی۔ ان کانوں کی کھدائی اَن تھک محنت اور سرگرمی سے جاری رہتی تھی اور ہیروں کی برآمد اس کثرت سے تھی کہ اُسکے ہاں یہہ قاعدہ اور معمول تھا کہ اُنکا شمار نکیا جاتا تھا۔ بلکہ ہیروں سے بھری ہوئی ٹاٹ کی تھیلیوں کو گنوالیا جاتا تھا۔* اور جب اس بات پر خیال کیا جائے کہ

شخص اسی تجارت کے ذریعہ سے نہایت مالدار ہوگیا اور کچھ روپیہ خرچ کرکے سلاطین قطب شاہی کے دربار میں جو ملک تلنگانہ اور کلاں ترحصہ ملک گول کنڈا کے بادشاہ تھے ایک عہدہ حاصل کرلیا۔ اور اس عہدہ کے کاروبار کو ایسی خوبی سے انجام دیا کہ بادشاہ نے نہایت خوش ہوکر ترقی منصب فوج مامورہ تلنگانہ کا اسکو اعلیٰ افسر مقرر کردیا اور آخر کار سلطان عبداللہ قطب شاہ والی گول کنڈا کا وزیر مقرر ہوکر میر جملہ یعنی سردار کل کا خطاب پایا۔ س۔م۔ح

* مترجم انگریزی نے اس موقع پر بطور حاشیہ یہہ لکھا ہے کہ "ہیرے زیادہ تر سلطنت گولکنڈا بیجاپور۔ بنگالہ۔ اور جزیرہ بورنیو میں دستیاب ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک کان تو راول کنڈا میں ہے جو گول کنڈا سے پانچ منزل پر ہے۔ دوسری کانی میں جسے گنوور بھی کہتے ہیں گول کنڈا سے مشرق کی طرف سات منزل پر ہے۔ بنگالہ میں قصبہ سلیم پور کے نزدیک جو گوالیار سے ایک ہندی ہے اُسکے بیت میں سے بھی ہیرے نکلتے ہیں اور اسلئے سلیم پور کی جگہ

بگ دیجال

وہ صرف اپنے بادشاہی کی فوج کا سپہ سالار نہ تھا بلکہ خاص اپنے خرچ سے اپنی ایک جرار فوج مع ایک توپخانہ کے جسمین اکثر عیسائی لوگ ملازم تھے ہمیشہ تیار رکھتا تھا تو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اُسکا پولیٹکل رعب وداب اور اختیار و اقتدار کسقدر بڑھا ہوا ہوگا - اور یہاں یہہ بات بھی ذکر کے قابل ہے کہ اسنے مُلک کرناٹک کی فتح کا بہانہ بناکر وہاں کے ہندوؤں کے تمام مندروں اور قدیمی عبادت خانوں کو لوٹ لیا تھا - اور اس طرح سے اپنی دولت وحشمت بے قیاس حد کو پہنچالی تھی -

میر جملہ کی اِن بن اُسکے آقا بادشاہ گول کُنڈا سے -

میر جملہ کی اِس طاقت وشوکت کو دیکھکر شاہ گول کُنڈا کے دل میں رشک وحسد کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا چنانچہ اُسنے بڑی سرگرمی سے لیکن نہایت اخفا اور سکوت کے ساتھ اُسکو قتل کرانے یا اپنے ہاں سے نکال دینے کی تدبیریں سوچنی شروع کیں کیونکہ بجاے ایک مطیع نوکر کے وہ اَب اسکو ایک خطرناک رقیب سمجھنے لگا تھا -

---

اس کان کو گویل دالی کہنا زیادہ مناسب ہو اور جزیرہ بورنیو میں سکادن میں سے ہیرے نکلتے ہیں - سن کا ادن
جو وہ بھی ایک ندی ہے اور اَب سے ایک سو برس پہلے تک بجز ہندوستان یا اُسکے جزیروں کے اور کسی جگہ ہیرے کی کان معلوم نہیں ہوئی تھی - البتہ ایک کان ۱۷۲۵ء سترہ سو اٹھائیس میں مُلک برازیل میں جو جنوبی امریکہ میں ہے دریافت ہوئی ہے" اب ہمارے اس زمانہ کی کیفیت سُنئے کہ بُندیل کھنڈ کی بعض چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے سوا ہندوستان میں ہیرے کسی جگہ برآمد نہیں ہوتے - اور وہاں بھی بہت کم اور بہت چھوٹے چھوٹے نکلتے ہیں اور غیر ملکوں کا یہہ حال ہے کہ افریقہ کے ایک حصہ یعنی کیپ آف گڈ ہوپ میں بھی چند سال سے ہیرے نکلنے لگے ہیں اور بڑے بڑے اور بہت کثرت سے نکلتے ہیں - مگر رنگت اکثر زردی مائل ہوتی ہے - اور ہندوستان کی پُرانی کانوں کے سفید ہیروں کے برابر خوشنما اور بیش قیمت نہیں سمجھے جاتے اور تراشنے میں بھی ویسے

اور وزیر کے خیر خواہ اور جاں نثار لوگوں کی وجہ سے جو اُسکے گرد و پیش موجود رہتے تھے اپنے اس ارادہ کو احتیاطاً بہت مخفی رکھتا تھا۔ لیکن ایک موقع پر جبکہ اوّل ہی دفعہ اُسکو یہہ خبر ملی کہ میر جملہ اور اُسکی والدہ کے باہم جو ہنوز صاحب حسن و جمال تھی ایک نامناسب تعلق ہے[۵۱] وہ عداوت جو اُسکے دل میں پہلے سے تھی پوشیدہ نہ رہ سکی اور بے اختیار بول اُٹھا کہ اس زبردست مجرم سے اس حرکت کا انتقام لینا ضروریات سے ہے۔ ! اب اگرچہ یہہ اس وقت کرناٹک میں تھا لیکن اس سبب سے کہ دربار کے سب بڑے بڑے عہدہ دار اس کے رشتہ دار تھے اس خطرناک واقعہ کی اسکو بہت جلد خبر پہنچگئی اسلیے اس چالاک اور حیلہ ساز وزیر نے پہلے تو یہہ کام کیا کہ اپنے اکلوتے بیٹے محمد امیر خاں[۵۲] کو جو بادشاہ کی خدمت میں حاضر تھا اِس مضمون کا خط لکھا کہ جس حیلہ اور بہانہ سے ممکن ہو اس

سخت نہیں ہیں۔ اور اگرچہ فن طب کی خواص ادویات کی عربی اور فارسی زبان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جزیرہ قبرس (سائپرس) اور مقدونیہ میں بھی ہیرا نکلتا تھا۔ مگر مسٹر اڈون سٹریچی کی بیش بہا کتاب سے جو خاص جواہرات کے باب میں بہت عمدہ اور حکیمانہ تحقیق سے لکھی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ہیرا ہندوستان اور اسکے قریب کے جزائر سماٹرا۔ اور بورنیو اور ملک برازیل واقع جنوبی افریقہ اور جزیرہ اسٹریلیا کے کوہستان یورال ہی میں نکلتا ہے۔ اور بقول اِن کے صرف سفید اور زرد ہی نہیں ہوتا بلکہ سبز اور نیلا اور سرخی مائل اور دو رنگا کے رنگ کا بھورا اور شفاف اور غیر شفاف دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ س م ح

ق ب ر ض + ا ے ڈ ر ن س ٹ ر ے ٹ ک ز + س م ا ک ر ا + ی ڈ ر ال

۵۱ یہہ بات ہندوستان کی کسی فارسی زبان کی تاریخ میں راقم کی نظر سے نہیں گزری۔ س م ح ۱۲

۵۲ صحیح نام محمد امین خاں ہے اسلیے آئندہ اس ترجمہ میں اسکو اسی نام سے لکھا جائیگا۔ س م ح ۱۲

مہم میں اپنے شریک ہونے کی ضرورت شدید ظاہر کرکے فوراً میری پاس چلے آؤ۔ اور جب اُسکے وہاں سے بچکر نکل آنے سے بباعث اس سخت نگرانی کے جو بادشاہ کی طرف سے اُسپر تھی مایوس ہوا تو مستعدی کے ساتھ فوراً وہ بے باکی اختیار کی جسنے شاہ گول کُنڈا کو بربادی اور تباہی کے کنارے پہنچادیا۔ عقلمندوں نے سچ کہا ہے کہ " جو بادشاہ اپنے بھید اور مشورے پوشیدہ نہیں رکھ سکتا وہ اپنی سلطنت کو نہیں بچا سکتا "

میر جملہ کا اورنگ زیب کو عریضہ لکھنا اور پناہ دہی کے عوض میں گولکنڈا کے فتح کرا دینے کا وعدہ کرنا

میر جملہ نے اورنگ زیب کو جو دولت* آباد میں تھا۔ اس مضمون کا عریضہ لکھا کہ " مینے بادشاہ گول کُنڈا کی وہ بڑی بڑی خدمتیں کی ہیں کہ جنکو تمام زمانہ جانتا ہے۔ اور جنکے لیئے اُسکو میرا بہت ہی ممنون ہونا چاہیئے مگر اسپر بھی وہ میری اور میرے خاندان کی بربادی اور بیخ کنی کی فکر میں ہے اسلیئے میں آپ کی پناہ لینا اور آپ کے حضور میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ اور

* اس کا قدیم نام دیوگڈھ تھا جسکو غلطی سے اکثر مسلمان مصنفوں نے دیوگیر لکھا ہے چنانچہ بدر چاچ جو محمد شاہ تغلق کے دربار کا ایک مشہور شاعر تھا اپنے ایک قصیدہ میں کہتا ہے شعر " تو دیوگیر مخوانش کہ دولت آباد ست + کہ چار طاق دراوست ہشت باب جناں " اور سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ راجہ بھوج کے زمانہ میں اسکا نام دھارانگری تھا۔ بہرحال محمد شاہ تغلق نے (جو سنہ سات سو تیس ۷۳۰ ہجری میں ہندوستان کے تخت پر بیٹھا تھا) جب اسکو ہندوؤں سے فتح کیا تو دولت آباد نام رکھدیا جسکے قریب گوداوری کے کنارے اورنگ زیب نے اپنی حکومت دکن کے زمانہ میں اورنگ آباد آباد کیا جو خجستہ بنیاد اورنگ آباد کے نام سے سرکاری کاغذات میں لکھا جاتا تھا۔ ہمارے اس زمانہ میں اگرچہ دولت آباد کی نمود باقی ہے مگر حاکم جانشین مقام اورنگ آباد ہی ہے۔ جہاں ریاست حیدرآباد کی طرف سے ایک حاکم صدر تعلقہ دار کے لقب سے رہتا ہے۔ س۔ م۔ ح ۱۲

اِس درخواست کی قبولیت کے شکرانہ میں کہ جسکی پذیرائی کی آپکی جانب سے کامل اُمید ہے ایک منصوبہ عرض کرتا ہوں کہ جسکے ذریعہ سے آپ بآسانی اُس بادشاہ کو گرفتار کرکے اُسکے مُلک پر قبضہ کر سکینگے - آپ میرے اِس وعدہ کی سچّای پر اعتبار اور بھروسہ فرمائیں - اور یہہ مہم انشاءاللہ تو کچھ مشکل ہی ہوگی اور نہ کچھ خطرناک ہی - یعنی آپ پانچ چار ہزار چیدہ سواروں کے ساتھ بہت جلد اور بلاتوقّف کوچ کرتے ہوئے گولکنڈا کیطرف چلے آئیں جسمیں صرف سولہ دن لگینگے - اور یہہ مشہور کردیں کہ شاہجہاں کا سفیر شاہ گول کنڈا سے بعض ضروری معاملات میں گفتگو کرنے کو بھاگ نگر* جاتا ہے - اور یہہ فوج اُسکی اردلی میں ہے - اور چونکہ وہ "دبیر" جسکے توسط سے ہمیشہ ایسے اُمور کی اطلاع بادشاہ کو ہوا کرتی ہے میرا قریبی رشتہ دار ہے اور اُسپر مجھے کامل بھروسا ہے - میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک کہ ایسا حکم

---

* صاحبِ تاریخ فرشتہ لکھا ہے کہ "سلطان محمّد قلی قطب شاہ نے جسکو ہاں ایک ہزار کسبیاں ناچنے گانے کے لیئے نوکر تھیں اسکو ۹۵۰ نوسو پچاس ہجری سے کچھ پہلے اپنی معشوقہ بھاگ متی کے نام پر جو انہیں میں سے ایک پاتر یعنی ہندو کسبی تھی آباد کیا تھا - لیکن پھر کچھ پشیمان ہوکر اسکا نام بدل دیا اور حیدرآباد نام رکھدیا" مگر اب ہمارے اس زمانہ میں وہ پہلا نام بالکل محو ہوگیا ہے - اور صرف حیدرآباد ہی مشہور ہے اور گول کنڈا کا قلعہ بھی ابتک قائم ہے اور دونوں ریاست حیدرآباد دکن کے قبضہ میں ہیں جو اسوقت ہندوستانی ریاستوں میں سب سے بڑی اور سلطنت مغلیہ کی طرز نظم نسق اور طور و طریق کا گویا ایک نمونہ ہے اور جسکا رقبہ بموجب بیان مسٹر ٹالبائے ویلز صاحب مؤلف تاریخ جلسۂ قیصری واقع دہلی تقریباً اٹھانوے ہزار میل مربع اور آبادی تقریباً نو کروڑ اکتیس ۳۱ لاکھ ہے اور جو محمّد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد سے نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر صوبہ دار دکن کی اولاد کے قبضہ میں چلی آتی ہے - فقط س م ح ۱۲

جاری ہو جائیگا کہ جسکی وجہ سے بغیر پیدا ہونے کسی شک و شبہ کے آپ بھاگ نگر کے دروازہ پر پہنچ جائینگے اور گول کنڈا والے آپ کو سفیر کے سوا کوئی اور شخص نہ سمجھینگے۔ پس جب بادشاہ معمول کے موافق فرمان کے استقبال کو جو سفیر کے پاس ہوا کرتا ہے۔ آئے۔ تو آپ اُسکو بآسانی پکڑ کر جو کچھ مناسب جانیں اُسکی نسبت تجویز کر سکتے ہیں۔ معہذا اِس مہم کا کُل خرچہ میں آپکو دونگا اور اسکے اختتام تک پچاس ہزار روپیہ روز دیتا رہوں گا۔

میر جملہ کے لکھنو کے موافق اورنگ زیب کا ایک فریب سے گول کنڈا کو کوچ کرنا اور بخیریت بھاگ نگر پہنچ جانا۔ اور شاہ گول کنڈا کا بھاگ کر قلعہ میں پناہ لینا

اورنگ زیب جو ہمیشہ ایسے ہی منصوبوں میں لگا رہتا تھا میر جملہ کی استدعا کے موافق فوراً تیاری کر کے گول کنڈا کی طرف چل کھڑا ہوا اور ایسی ہوشیاری سے اس تدبیر کو بجا لایا کہ بھاگ نگر پہنچگیا۔ اور کسی نے نہ جانا کہ یہہ مہیب فوج سفیر کی ہمرکابی کے سوا کسی اور مقصد سے آئی ہے۔ یہانتک کہ بادشاہ اُس دستور کے موافق جو ایسے سفیروں کے آنیکے موقع کے لئے مقرر تھا اس مصنوعی ایلچی کی ملاقات کیواسطے اپنے باغ کو سوار ہو آیا۔ مگر جبکہ وہ بلا و سواس اپنے دغاباز دشمن کیطرف جا رہا تھا اور قریب تھا کہ اس تدبیر کے بموجب جو پہلے سے گانٹھی ہوئی تھی اُسکو دس بارہ غلام گرفتار کر لیں اور اورنگ زیب کا منصوبہ چل جائے اُسکی خوش قسمتی سے ایک امیر نے جو اس راز سے واقف اور اسمیں شریک تھا ناگہاں پشیمانی اور بیم کی وجہ سے چلا کر کہدیا کہ "جہاں پناہ جھٹ پٹ نکل جائیے ورنہ آپ پھنس جائینگے یہہ اورنگ زیب ہے ایلچی نہیں" اس موقع پر بادشاہ کو جیرانی

اور پریشانی لاحق ہوئی کیا کہنا! پس وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بگٹٹ قلعہ گول کنڈا کی طرف جو اُسکی معمولی قیام گاہ بھاگ نگر سے صرف ایک فرسنگ کے قریب تھا بھاگا اور اُس میں جا داخل ہوا۔ *

---

* عاقل خاں نے اس واقعہ کو یوں لکھا ہے کہ جب میر جملہ نے اپنے آقا کو ناراض دیکھا تو اورنگ زیب سے مدد چاہی۔ اسنے شاہجہاں کو اطلاع دی وہاں سے فرماں صادر ہوا کہ جسطرح ہو سکے اس کو حملہ قطب شاہ کے ہاتھ سے بچا کر ہمارے پاس بھیجدو۔ اِس حکم کے آنے پر اورنگ زیب نے اپنے مضمون کا اپنا ایک نشان (اُسوقت کی اصطلاح میں بادشاہوں کی تحریر کو "فرمان" اور شاہزادوں کی تحریر کو "نشان" کہتے تھے) قطب شاہ کے نام لکھا کہ محمد سُلطان اپنے چچا شجاع کے پاس اوڑیسہ کی راہ سے بنگالہ کو جانا چاہتا ہے (کیونکہ بقول الفنسٹن صاحب راستہ صورت یہ تھی کہ اورنگ آباد سے بنگالہ کو مچھلی پٹن کے پاس اس طرح چکر کھا کر جاتا تھا کہ گونڈوانہ کے جنگل بیچ میں پڑیں حاصل یہ کہ اورنگ زیب کی راہ گول کنڈا کی دار السلطنت بھاگ نگر سے تھوڑے فاصلہ پر رہجاتی تھی) آپ خاطرداری سے اپنے مُلک سے گزر کرا دیں اب اُدھر تو یہ پیادہ تو اس پیغام کو واقعی سمجھکر مہمانداری اور خاطر تواضع کی تیاری میں مصروف ہوا اور ادھر محمد سلطان لڑائی کے ساز و سامان سے خوب دُرست ہو کر کوچ بکوچ روانہ ہوا اور اسکے پیچھے پیچھے خود حضرت بھی چل کھڑی ہوئے اور قطب الملک کو اس فریب کی اُسوقت خبر ہوئی کہ جب محمد سُلطان بھاگ نگر کے بہت قریب جا پہنچا اور وہ نہایت سراسیمگی اور اضطراب کی حالت میں بقدر انجا میسر جو کچھ جواہرات اور عمدہ چیزیں ساتھ لے سکا لیکر گرتا پڑتا قلعہ حیدرآباد یعنی گول کنڈا میں جا داخل ہوا۔ اور یہ مصیبت ایسی ناگہانی تھی کہ اسے گھبراہٹ کے اُسکی بیگمیں بیچاری پاپیادہ بلکہ ننگے سر اور ننگے پانو بھاگ کر قلعہ میں پہنچیں۔ اور محمد سلطان نے آکر بھاگ نگر پر قبضہ کر لیا۔ اور بعض مورخوں نے صرف اتنا ہی لکھدیا ہے کہ پہلے قاضی عارف کشمیری کو اورنگ زیب نے قطب شاہ کے پاس میر جملہ کے باعزت و آبرو رخصت کر دینے کے لیئے فرمان شاہی دیکر بھیجا تھا ابھی وہ پہنچے نہیں پایا تھا کہ قطب شاہ نے میر جملہ کے بیٹے محمد امین خاں کو قید کر کے اسکا مال و اسباب ضبط کر لیا۔ اور اس سبب سے شاہجہاں کی طرف سے اُسکے نام ایک اور خفگی آمیز

اورنگ زیب کا بھاگ نگر کو لوٹ کر گول کنڈا کو گھیر لینا اور محاصرہ اٹھانے کے لئے شاہجہاں کیطرف سے فرمان کا پہنچنا اور اُسکا سبب اور ذکر ان شرطوں کا جو اورنگ زیب نے گول کنڈا کے بادشاہ پر لگائیں

اورنگ زیب اگرچہ اپنے شکار سے ناامید ہوا لیکن خیال کیا کہ اب ڈرنے کا موقع نہیں ہے بلا خوف وخطر اسکی گرفتاری کے واسطے کوشش اور تدبیر جاری رکھنی چاہیئے - پس سب سے پہلے یہہ کام کیا کہ بھاگ نگر کے تمام شاہی محلوں کو لوٹ لیا - اور کل قیمتی اور بیش بہا اجناس و اسباب پر قبضہ کر لیا[1] - لیکن محل کی عورتوں کو مشرقی بادشاہوں

فرمان جاری ہوا اور اورنگ زیب کے نام حکم صادر ہوا کہ اگر قطب شاہ ارشاد شاہی کی تعمیل میں توقف کرے تو اُسکو سزا دو اس حکم کے آنے پر اورنگ زیب آگے آگے محمد سلطان کو روانہ کر کے پیچھے سے خود بھی چل پڑا اور چونکہ قطب شاہ کے لوگوں کیطرف سے محمد سلطان کے بھاگ نگر پہنچ جانیکے بعد کچھ حرکات شوخی ظہور میں آئی تھیں اس سبب سے محمد سلطان اور اورنگ زیب بھاگ نگر کو تاخت و تاراج کر کے گول کنڈا کو گھیر لیا تھا - فقط مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سوداگروں نے اورنگ زیب کی ان دھوکے بازی کی چالوں کا ذکر جنکا حال برنی اڑ اور عاقل خاں نے لکھا ہے دانستہ چھوڑ دیا ہے - س م ح ۱۲

[1] عاقل خاں اس لوٹ کی نسبت یہہ لکھتا ہے " کہ شاہزادہ فیروزمند (محمد سلطان) در اثنائے عظمت و استقلال بھاگ نگر درآمدہ رایت اقتدار برافراشت و اکثر کارخانجات و بیوتات قطب الملک عرصۂ نہب و غارت ساخت و کتب نفیسہ و چینی آلات و دیگر اشیاء اجناس افزوں از اندازۂ شمار و قیاس بسرکار سلطنت رسید و از عقب بندگان حضرت جہاں پناہی (اورنگ زیب) بدولت و اقبال تشریف آوردہ لحظۂ عظمت و جلال آنحضرت در زمین و زمان پیچیدہ بسیاے از اسباب و آلات غریبہ کہ از تحف روزگار بود از اموال قطب الملک بسرکار عالم مدار ضبط شد - کثرت وافر و نقود ذخائر و اشیاء و اسباب و مواد کمنت و ثروت آن دولتمند (قطب الملک) بمرتبہ بود کہ بعد از کوچ فرمودن جہانیان خانہاد مخزنہا مالا مال گزاشتند: اصلا محسوس نمی شد کہ دست کسی باین خزاین و ذخائر رسیدہ باشد و نقصے دراں راہ یافتہ و حالانکہ ازیں جہت در سرکار سلطنت سامان ثروت و سرانجام کمنت پدید آمد" س م ح

کے دستور کے موافق بڑی احتیاط سے بادشاہ کے پاس بھیجدیا۔ اور اگرچہ توپوں کے نہونیکے سبب سے ناچار تھا۔ مگر ہم یہی ٹھان لیا کہ قلعہ کا محاصرہ کرنا چاہیئے کیونکہ اس صورت میں بادشاہ کو رسد وغیرہ کے نہ پہنچنے کے سبب سے دیر تک بچاؤ کرنا مشکل ہوگا! لیکن محاصرہ سے دو مہینے بعد شاہجہاں کی طرف سے اِس مضمون کا قطعی حکم پہنچا کہ مہم سے ہاتھ اُٹھاکر بلاتوقّف دکن کو لوٹ جاؤ۔ اَب اگرچہ اُسکو بخوبی معلوم تھا کہ یہہ حکم دارا شکوہ اور بیگم صاحب کی تحریک و ترغیب سے صادر ہوا ہے (کیونکہ دور اندیشی اور عاقبت بینی سے اُنکو یہہ خیال ہوگیا تھا کہ اگر اورنگ زیب کو بادشاہ گولکنڈا کی نسبت اپنے منصوبوں کے عمل میں لانے کی اجازت ملجائیگی تو وہ بہت زبردست ہوجائیگا) اور اِس وجہ سے دل ہی دل میں بہت پیچ و تاب کھایا۔ لیکن نہایت درجہ اطاعت دکھانیکی غرض سے حکم کی تعمیل کو مقدّم رکھا مگر محاصرہ اُٹھا لینے سے پہلے فوج کشی کے اخراجات کا ایک بڑا معاوضہ اور حرجانہ شاہ گولکنڈا سے وصول کیا اور یہہ عہد و پیمان ٹھہرالیا کہ میر جملہ کو اپنے خاندان اور مال و اسباب اور فوج سمیت صحیح سلامت چلے جانیکی اجازت دیجائے اور گولکنڈا کے روپیہ پر شاہجہاں کا سکّہ لگاکر اِسکے علاوہ محمّد سُلطان[1] کی شادی بادشاہ کی بڑی بیٹی سے کرلی۔ اور جبراً یہہ وعدہ بھی کرالیا کہ شاہزادہ موصوف اَب سے سلطنت گولکنڈا کا ولیعہد[2] سمجھا جائیگا اور جہیر رام گڈھ کا قلعہ بھی مع اُسکے تمام توابع اور متعلّقات کے لے لیا۔

---

[1] اصل کتاب میں غلطی سے جا بجا اسکو سُلطان محمود کرکے لکھا ہے اور صحیح نام محمّد سُلطان ہے۔ س م ح

[2] عاقل خاں اور نعمانی خاں نے اس شرط اور سکّہ جاری کرنیکی شرط کا ذکر نہیں لکھا۔ س م ح

اورنگ زیب کا میر جملہ کو ساتھ لیکر دولت آباد کو واپس جاتے ہوئے راستہ میں بدر کو فتح کرلینا

اورنگ زیب نے دکن کو واپس جاتے ہوئے میر جملہ کے اتفاق سے جو اسکی پناہ میں آچکا تھا اوّل بدر* کے قلعہ کو جو بیجاپور کے ملک میں ایک مستحکم جگہ ہے گھیر کر فتح کرلیا۔ اور پھر دونوں دولت آباد دد آباد پہنچکر اتحاد اور محبت کے ساتھ رہنے اور آیندہ شوکت و عظمت کی بڑی بڑی منصوبے باندھنے لگے۔ چنانچہ ان کے اس اتفاق کو ہندوستان کی تاریخ میں ایک اہم اور قابل یادگار واقعہ سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ اورنگ زیب کو شہرت عظمت اور سلطنت جو کچھ حاصل ہوا وہ سب اسی اتفاق کی بدولت تھا۔

میر جملہ کا حسب الطلب آگرہ آنا۔ اور شاہجہاں کو اپنی بھاری پیشکش میں ایک بے نظیر ہیرا نذر کرنا اور گولکنڈا اور بیجاپور پر چڑھائی کرنیکی ترغیب دینا۔

دولت آباد پہنچتے ہی میر جملہ نے اپنی حسن تدبیر سے ایسے منصوبے دوڑائے کہ شاہجہاں کی طرف سے حاضر دربار ہونیکے لیئے متواتر پیغام آگئے اور آخر کار وہ پائے تخت آگرہ میں جا پہنچا۔ اور بادشاہ کے لیئے نہایت عجیب و غریب پیشکش اپنے ساتھ لایا۔ کیونکہ اسکو امید تھی کہ اس ذریعہ سے شاہجہاں کو گولکنڈا اور بیجاپور اور دوسرے ملکوں سے لڑائی شروع کردینے کی ترغیب دیسکوں گا۔ چنانچہ جب دربار میں حاضر ہوا تو وہ الماس نذر کیا جو مقدار اور خوبصورتی میں عموماً بے نظیر سمجھا جاتا ہے اور گولکنڈا کی فتح کے بہت سے فوائد بیان کیئے اور عرض کیا کہ گولکنڈا کے جواہرات قندھار کے پتھروں اور چٹانوں کی بنسبت جسپر حضور آجکل مہم کرنا چاہتے

* فارسی کتابوں میں اکثر اس قلعہ کا نام بدر (ب نے ذ) لکھا ہے۔ س م ح

ہیں یقیناً زیادہ لحاظ اور شاہانہ توجّہ کے قابل ہیں۔ اور یہہ بھی گزارش کیا کہ حضور کو گولکنڈا کی سمت میں اپنی جنگی تدبیریں اُسوقت تک کہ تمام ملک رأس کماری تک فتح ہو جائے برابر جاری رکھنی چاہئیں *

ہیروں اور اور جواہرات کے لالچ یا داراشکوہ کے دھمکانے ڈرانیکی غرض سے میر جملہ کی تجویز کا منظور ہونا اور اُسی کو سپہ سالار بنایا جا کر بھیجا جانا۔

کچھ بعید نہیں کہ ہیروں کے لالچ نے شاہجہاں کے دل پر یہہ تاثیر کی ہو کہ اُسنے میر جملہ کی تجویزوں کو قبول کر لیا۔ لیکن اکثر لوگوں کی رائے یہہ ہے کہ اصل میں شاہجہاں نے داراشکوہ کی روز افزوں بے ادبیوں کے روکنے کی غرض سے اِس مہم کو نئی فوج بھرتی کر لینے کے لیئے ایک معقول بہانہ سمجھکر میر جملہ کی صلاح کو مان لیا تھا۔ بہرحال شاہجہاں کا کچھ ہی مطلب و مدعا ہو مگر اُسنے مصمم ارادہ کر لیا کہ دکن کی طرف ایک فوج بہ سالاری میر جملہ بھیجی جائے۔

ان دونوں داراشکوہ کی نسبت شاہجہاں کی ناراضی بڑھ جانیکی وجہ

داراشکوہ سے شاہجہاں کے ناراض ہو جانے کی وجہ یہہ تھی کہ اُسنے خودسر اور مختار مطلق بن جانیکے لیئے اندنوں بعض علانیہ کوششیں کی تھیں بلکہ ایک ایسی حرکت ہو گئی تھی کہ جسکے باعث شاہجہاں کو اُس سے سخت نفرت اور خوف ہو گیا تھا۔ اور اُسکی اِس خطا کے معاف کرنے پر مائل نہ تھا۔ یعنی سعد اللہ خاں کو جسے شاہجہاں تمام ممالک ایشیا میں ایک بڑا ہی قابل اور لایق وزیر سمجھتا تھا اور جس سے اِسقدر الفت رکھتا تھا کہ تمام دربار میں اُسکی محبّت ضرب المثل ہو گئی تھی مروا ڈالا تھا۔ معلوم نہیں کہ وہ کیا جرم تھا جسکے سبب سے داراشکوہ نے

* گولکنڈہ اور بیجاپور کے بادشاہوں کا حال اِس کتاب کے خاتمہ کے قریب متن اور حاشیہ میں دیکھنا چاہیئے ۱۲

اُسے واجب القتل تصوّر کیا - شاید یہہ سمجھا ہوگا کہ شاہجہاں کے گزر جانیکی حالت میں اپنے اقتدار کی وجہ سے یہہ امر اُسکے اختیار میں ہوگا کہ جسے چاہے تخت پر بٹھادے - یا بادشاہت کا تاج سُلطان شُجاع کے سر پر رکھدے - کیونکہ وہ اُسکا حامی اور طرفدار معلوم ہوتا تھا - اور یہہ بھی ممکن ہے کہ اُسکے دلمیں لوگونکی بعض افواہوں نے جو سعدُ اللہ خان کے ارادوں کی نسبت مشہور تھیں اثر کیا ہو - مگر اسکے ساتھ یہہ امر بھی غور کے قابل ہے سعدُ اللہ خان جو نسل کے اعتبار سے ایک ہندوی الاصل شخص* تھا اُس سے ایرانی اُمرا

* سعدُ اللہ خان کو عہد شاہجہاں کے مورخوں میں سے بعض نے لاہوری اور بعض نے چَن یُوٹ کا رہنے والا بیان کیا ہے جو پنجاب کے ضلع جھنگ میں ایک پُرانا قصبہ ہے - لیکن میرے ایک دوست جو جھنگ کے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہیں بتحقیق یہہ لکھتے ہیں کہ "اصل میں وہ پتراکی کا رہنے والا تھا - جو چَن یُوٹ سے پانچ کوس شمال کیطرف ایک موضع ہے - مگر اپنے ایام امارت میں اُسنے چَن یُوٹ کو اپنا وطن بنالیا تھا - اور اگرچہ اُس مُلک میں اب اسکی اولاد کا کوئی شخص نہیں ہے - مگر اُسکی بنائی ہوئی ایک بہت عالیشان مسجد اور اُسکے محلوں کے کھنڈر چَنیُوٹ میں موجود ہیں - اُسکے زمانہ کے مورخوں نے اُسکی قومیت کا کچھ ذکر نہیں لکھا البتہ خافی خاں نے اُسکو شیخ سعدُ اللہ کرکے لکھا ہے - جو ہندوستان میں اکثر نومسلم لوگوں کو بھی لکھا اور بولا جاتا ہے - مگر اُسکے وطن داروں کا یہہ بیان ہے کہ وہ تہیلہ تھا جو ایک ایسی قوم ہے کہ وہاں کی مسجدوں اور کتبوں کے مُلّا اکثر اسی ذات کے ہوتے ہیں - اگرچہ میرے نزدیک تو ظن غالب یہی ہے کہ یہ کوئی ہندوی الاصل قوم ہے - مگر چونکہ اِنکے صریح اسی اقوال اِنکے سلسلۂ نسب میں کچھ عجیب و غریب نام بیان کرکے پھر اُسکو کھینچ تان کر ملک عرب تک پہنچاتے ہیں اسلیئے میرے ایک اور دوست جو بالفعل خاص چَنیُوٹ کی منصفی کے عہدہ پر مامور ہیں اور جنھوں نے براہ مہربانی تکلیف فرماکر میری خواہش کے موافق اسکی تحقیق کی تھی یہہ خیال کرتے ہیں کہ "شاید یہہ لفظ تمیم کی خرابی ہو جو عرب کے مشہور قبیلہ بنی تمیم کے نام کا

کو بڑا حسد تھا چنانچہ اُن افواہوں میں سے جو اسکی نسبت اُڑادی گئی تھیں ایک افواہ یہہ تھی کہ اُسنے یہہ منصوبہ باندھ رکھا ہے کہ شاہجہاں کی وفات کے بعد اولاد تیمور کو تخت سے محروم کرکے یا تو پٹھانوں[۵۱] کے شاہی خاندان کو پھر قایم کریگا یا خود تخت نشین ہوجائیگا یا اپنے بیٹے کو بادشاہ بنائیگا۔ اور اس افواہ کی تائید کے لیے یہہ قرینہ تھا کہ سعد اللہ خاں کی بیوی قوم کی پٹھانی تھی اور ایک یہہ بات بھی گھڑی گئی تھی کہ اُسنے پٹھانوں کے کئی مستعد دستے اپنے منصوبہ کی تائید کے واسطے متفرق مقامات میں لگا رکھے ہیں[۵۲]

ایک جزو ہے۔ اور ان گنواروں نے اپنی جہالت اور بے علمی کی وجہ سے جو فی زمانہ اُن اضلاع میں عموماً ہے بگاڑ کر اور اُسمیں سے ایک لفظ حذف کرکے تہیم بنالیا ہو" سعد اللہ خاں جو لاہور میں تحصیل علوم کرنیکے سبب سے ملا سعد اللہ لاہوری کے نام سے معروف تھا۔ سنہ ایکہزار بیس ۱۰۲۰ ہجری میں شاہجہاں کے جلوس کے چودھویں سال کے شروع میں سید موسوی خاں صدر یعنی وزیر اوقاف کی سفارش سے بادشاہ کی حضور میں پہنچا تھا۔ مگر چار ہی برس کے اندر اپنی لیاقت اور کمال کی وجہ سے ہندوستان کا وزیر اعظم بنگیا۔ اور ساتویں برس منصب ہزاری کے منصب پر جس سے بڑا کوئی اُسوقت تک منصب نہ تھا فائز ہوا۔ اور شاہجہاں کے مزاج میں یہاں تک دخل پایا اور اعتماد حاصل کیا کہ کوئی چھوٹا یا بڑا کام اُسکی راے بغیر ہونا دشوار تھا اور مرتے دم تک اِسی اعتماد اور اقتدار کے ساتھ اپنے عہدہ پر قائم رہا۔ س م ح ۱۲

۵۱ شیر شاہ کا خاندان مراد ہے جسنے شاہجہاں کے پردادا ہمایوں کو ہندوستان سے مار کر نکال دیا تھا اور خود بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ س م ح

۵۲ اِن افواہوں اور داراشکوہ کے سعد اللہ خاں کو مرواڈالنے کا ذکر اورنگ زیب کے طرفدار مورخوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا حالانکہ داراشکوہ کی کسی بُرای کا چھپانا اُنکے مدعا کے خلاف تھا بلکہ سب نے سیدھے اور صاف طور سے اُسکا مرنا قولنج کے مرض سے بیان کیا ہے جسمیں وہ کئی مہینے تک مبتلا رہکر سنہ ایکہزار چھیاسٹھ ہجری میں سینتالیس برس کی عمر میں مرا تھا

اورنگ زیب کی طاقت بڑھ جانے کے اندیشہ سے داراشکوہ کا اس مہم کی کارروائی کے متعلق بادشاہ سے چند شرطیں مقرر کرانا۔

چونکہ داراشکوہ خوب جانتا تھا کہ یہہ بڑی فوج جو دکن کو بھیجی جاتی ہے اس سے اورنگ زیب کے زور و طاقت کو تقویت ہو جائیگی

اسلیئے اُسنے اِس معاملہ میں بہت کچھ بحث مباحثہ کیا۔ اور ہر حکمت اور حیلہ سے جو اُس سے بن سکا اس منصوبہ کو روکنا چاہا لیکن جب دیکھا کہ بادشاہ کو اس سے باز رکھنا ناممکن ہے تو آخر کار کچھ سمجھا بوجھا کر یہہ شرطیں مقرر کرادیں

اوّل یہہ کہ اورنگ زیب اس معرکہ میں کسی قسم کا دخل نہ دے۔

دوسری یہہ کہ وہ اپنا قیام بالکل دولت آباد میں رکھے۔

تیسری یہہ کہ جو مُلک اُسکے سپرد ہے اُسکے نظم و نسق کے سوا اورنگ زیب کو اس مہم سے کچھ سروکار نہ ہوگا۔

چوتھی یہہ کہ فوج کی سپہ سالاری و حکومت اور جرّ و کل اختیار صرف میر جملہ کے ہاتھ میں رہے مگر وہ تمام اپنے اہل و عیال کو اپنی

اور حکیم داؤد مخاطب بہ تقرب خاں شاہجہاں کا طبیب جانبس سکا سمایع تھا اور لکھا ہی کہ خود بادشاہ کئی بار اُسکی عیادت کو گیا تھا۔ اور خافی خاں نے اگرچہ اُسکی نسبت داراشکوہ کے نہایت درجہ رشک و حسد اور بیجا کاموں کا ذکر کیا ہی لیکن یہہ صاف لکھا ہی کہ باوجود قرب و عہدی اور اقتیار سلطنت کے سعداللہ خاں کے مرتے دم تک اُسکی جان یا ابرو کو ضرر نہیں پہنچا سکا معلوم ہوتا ہی کہ جسطرح اکثر ایشیائی اہل دربار کی عادت ہی کہ کسی اپنی ناجائز غرض سے کسی بڑے آدمی کی موت کو اکثر بہروپ سے منسوب کرتے ہیں اُسیطرح یہہ شہرت ہوگئی ہوگی جسکو برنی آنے اجنبی ہونے اور اس ملک کی لوگوں کی عادت سے بخوبی واقف نہونیکی وجہ سے صحیح سمجھکر لکھدیا اور غالباً یہی وجہ ہوگی کہ الفنسٹن صاحب نے اپنی تاریخ ہندوستان میں باوجودیکہ جانبس برنی کی تحریر کے حوالہ سے اکثر باتیں درج کی ہیں اُسکی اس حکایت کا ذکر نہیں کیا۔ مرتب

وفاداری کی کفالت کے طور پر دربار میں چھوڑ جاے۔

یہہ پچھلی بات اگرچہ میر جملہ کو نہایت ناگوار تھی لیکن شاہجہاں نے یہہ سمجھا کر راضی کر لیا کہ یہہ صرف دارا شکوہ کی خوشی خاطر اور رفع وسواس کے لیئے ہے۔ اور بخوبی مطمئن کر دیا کہ تمہارے اہل و عیال عنقریب تمسے آملینگے۔ الغرض میر جملہ اس جرار فوج کا سپہ سالار بنکر دکن کی طرف روانہ ہوا۔ اور وہاں سے بلا توقف کوچ کر کے بیجاپور کے ملک میں جا داخل ہوا۔ اور کلیانی کا محاصرہ شروع کر دیا جو ایک بڑی مضبوط اور مستحکم جگہہ ہے۔ *

---

* ان واقعات کو عاقل خاں اور خافی خاں نے جس طرح پر بیان کیا ہے اسکا حاصل یہہ ہے کہ میر جملہ اورنگ زیب کے پاس پہنچگیا تو شاہجہاں نے اسکو دہیں معظم خاں کا خطاب اور بخشیگری کا منصب اور ایک بڑا بھاری خلعت عطا فرما کر حضور میں طلب فرمایا اور سنہ ۶۶ ہجری ایکہزار چھیاسٹھ ہجری میں جب بمقام شاہجہان آباد حاضر ہوا تو اسد خاں بخشی استقبال کر کے حضور میں لایا اور اُسنے ایک خوان اشرفیوں کا اور دو خوان جواہرات کے اور اور عمدہ عمدہ چیزیں نذر گزرانیں اور چونکہ سعد اللہ خاں کے انہیں دنوں میں انتقال کر جانیکے سبب سے وزارت خالی تھی اسلیئے اس عہدہ کا مرصع قلمدان چھ ہزاری چھ ہزار سوار کا منصب اور "خلعت خاص با شمشیر مرصع" اور شاہی گھوڑوں اور ہاتھیوں میں سے دو سو گھوڑے اور ایک ہاتھی اور ایک ہتنی مع سونے چاندی کے ساز کے اور پانچ لاکھ روپیہ عنایت ہوا اور بقول صاحب سیر المتاخرین خطاب میں لفظ عمدۃ الملک بھی بڑہایا گیا۔ مگر چونکہ اسکی دکن میں نشو و نما پائی تھی اور وہاں کی آب و ہوا کا خوگر تھا اور اسکے اور اورنگ زیب کے باہم آیندہ کے منصوبوں کی نسبت بھی کئی طرح کے مخفی عہد و پیمان تھے اسلیئے ہمیشہ اسپر جانے کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا۔ اب حسن اتفاق سے جو بیجاپور کے بادشاہ علی عادل شاہ نے لاولد قضا کی اور اورنگ زیب نے باپ کو اطلاع دی کہ لوگوں نے سکندر نامی ایک مجہول النسب لڑکے کو جسکو عادل شاہ نے فرزند کے طور پر پالا تھا تخت پر بٹھا دیا ہے۔

ایسے نازک اوقات میں عیاشی کی افراط سے شاہجہاں کا سخت بیمار ہو جانا

اِسوقت جبکہ سلطنت کا یہ نقشہ تھا اور شاہجہاں کی عمر ستّر سے تجاوز کر چکی تھی وہ ایسی بیماری[۵۲] میں مبتلا ہو گیا جسکی حقیقت کا بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔ اور صرف اتنا لکھدینا کافی ہے کہ ایک ایسی عمر کے آدمی کو بہت نازیبا ہے کہ احتیاط کے ساتھ حفاظت کرنیکے عوض اپنی طبیعت کی باقیماندہ طاقت اور توانائی کو بھی برباد اور تلف کر دے۔

چاروں شہزادوں کا حصول سلطنت کے ارادہ سے فوجیں جمع کرنا اور طرح طرح کی چالیں چلنا ——

بادشاہ کی اس بیماری سے تمام قلمرو میں ایک سخت پریشانی اور تہلکہ پڑ گیا۔ چنانچہ دہلی اور آگرہ میں جو پائے تخت سلطنت ہیں داراشکوہ نے ایک بڑی زبردست فوج جمع کی اور بنگالہ میں شجاع نے

اور شاہجہاں نے بھی اورنگ زیب کو بیجاپور پر فوج کشی کا حکم دیدیا اور اُسکے مہم سر کرنے تک شائستہ خاں کو دولت آباد بھیجکر صوبہ داری کا کام کرنے کی ہدایت ہوئی تو میر جملہ نے موقع دیکھکر ایک بڑا بھاری پیشکش (جسکی کل قیمت پندرہ لاکھ روپیہ جانچی گئی تھی) اور جسمیں دو سو سولہ رتی وزن اور دو لاکھ سولہ ہزار روپیہ قیمت کا ایک ہیرا اور چار ہتنیاں اور ساٹھ ہاتھی ہونے کے سازکے اور سو ہتنیاں چاندی کے سازکی تھیں پیش کیا۔ اور عرض کیا کہ بیجاپور کیا بلکہ دکن کا تمام ملک آسانی کے ساتھ فتح ہو سکتا ہے۔ اور اسکا ذمہ میں لیتا ہوں۔ اور اسطرح پر معہ مہابت خاں اور راؤ ستر سال و شاہنواز خاں و نجابت خاں وغیرہ "کمکی" افسروں کے "مغلیہ اور راجپوتیہ" بیس ہزار فوج کا سپہ سالار بنا کر رخصت ہوا تاکہ اورنگ زیب

۵۲ مترجم انگریزی نے حاشیہ میں بحوالہ تحریر کرنل ڈوصاحب یہ لکھا ہے کہ "شاہجہاں کی طاقت و توانائی میں بسبب افراط و بے ہنگام شوق عیاشی کے نہایت خلل آگیا تھا چنانچہ اسی سبب سے ستمبر ۱۶۵۷ء سولہ سو ستاون کو ناگہاں اُسے فالج ہو گیا اور اسکے ساتھ

ایسی ہی تیاریاں کیں۔ اُدھر دکن اور گجرات میں اورنگ زیب اور مراد بخش نے ایسی فوجیں بھرتی کیں جنسے ظاہر ہوتا تھا کہ انکا کیا ارادہ ہے۔ اور چاروں نے ہر طرف سے اپنے اپنے رفیق اور مددگار بُلاکر جمع کئے اور اِدھر اُدھر خط لکھ بھیجے اور بڑے بڑے وعدے اور عہد و پیمان کیئے اور طرح طرح کی بندشیں اور سازشیں کرنی شروع کیں۔

دارا شکوہ کا اُسکے بعض سازشی کاغذ پکڑکر باپ کو دکھانا مگر بادشاہ کا اُس سے بدستور متوہم اور مشتبہ رہنا۔

اگرچہ دارا شکوہ نے اِن میں سے کچھ کاغذ پکڑ کر باپ کو دکھائے اور بھائیوں کی سخت شکایتیں کیں۔ اور بیگم صاحب نے بھی موقع دیکھکر بہت سا لگاؤ بجھاؤ کیا۔ لیکن بادشاہ کو دارا شکوہ پر بالکل اعتبار نہ تھا یہانتک کہ اُسے کامل شبہ تھا کہ وہ اُسے زہر دلوانیکی فکر میں ہے اور

کے تحت میں اس مہم کا سر انجام کرے اور محمد امین خاں کو حکم ہوا کہ باپ کی جگہہ وزارت کا کام باتفاق راے رایان رکھتا تھا نائب پیر کے انجام دیتا رہے۔ اور اسطرح سے اورنگ آباد پہنچکر وہاں سے مع اورنگ زیب کے بیجاپور کے ملک پر چڑھائی کردی۔ اور کلیانی وغیرہ اُن کے قلعوں کو جا گھیرا۔ س م ح

سوزاک کا بھی خلل تھا اور کئی دن تک حالت بیہوشی اُسپر طاری رہی تھی" مگر فارسی کتابوں سے فالج کا ہونا غلط معلوم ہوتا ہے۔ اور اِن کتابوں میں یوں لکھا ہے کہ شروع ماہ ذی الحجہ ۱۰۶۶ھ ایکہزار سڑسٹھ ہجری کو بمقام دہلی سڑسٹھ برس کی عمر میں شاہجہاں کا پیشاب بند ہوگیا اور اعضاے اسفل پر ورم ہوکر ایک ہفتہ تک نہایت سخت بیمار رہا اور کچھ تخفیف ہوگئی تھی کہ اُسی حالت میں دارا شکوہ اپنے بھائیوں کے منصوبوں کے روکنے کے لیئے دہلی کی بہ نسبت اکبرآباد کو ایک بہتر مقام سمجھکر بسواری کشتی اُسکو واں لیگیا۔ اور اگرچہ یہہ سفر ایک مہینے میں ختم ہوا مگر مرض کو بھی بہت سا افاقہ ہوگیا۔ س م ح

اس سبب سے کھانے پینے میں بہت ہی احتیاط برتتا تھا - بلکہ یہہ بھی کہتے ہیں کہ اُسنے اورنگ زیب سے بھی کچھ خط وکتابت کی تھی جسکی خبر پاکر اورنگزیب میں اگر دارا شکوہ نے باپ کو بہت سا دھمکایا تھا -

بادشاہ کا زیادہ بیمار ہوجانا اور اُسکے مرنے کی افواہ اُڑجانیکی وجہ سے شہزادہ دربار میں ایک ہولناک کھلبلی پڑجانا -

اس عرصہ میں بادشاہ کی علالت اِسقدر بڑھگئی کہ اُسکے مرنے کی افواہ اُڑگئی - اور تمام دربار درہم وبرہم ہوگیا - اور آگرہ میں یہانتک خوف وخطر پھیلا کہ بازاروں میں کئی روز تک ہڑتال رہی اور چاروں شاہزادے علانیہ کھل کھیلے - اور صاف کہدیا کہ اب اسمقدمہ کا فیصلہ صرف تلوار ہی سے ہوگا اور واقعی اِنکو اپنے اس ارادہ سے دست بردار ہونا مشکل بھی تھا کیونکہ فتحیابی کی حالت میں تو تخت کی اُمید تھی اور شکست کی صورت میں جان کے جانیکا یقین کُلی تھا اور اب صرف دو ہی باتیں تھیں یا موت یا سلطنت - اور جسطرح[1] شاہجہاں خاص اپنے بھائیوں کے خون سے ہاتھ بھرکر تخت نشین ہوا

[1] جب سنہ ایکہزار چھتیس ۱۰۳۶ ہجری میں کشمیر سے واپس آتے ہوئے جہانگیر کا انتقال ہوگیا اور نورجہان بیگم نے جہانگیر کے بھتیجے سلطان شہریار کو جس سے نورجہاں کی بیٹی جو اُسکے پہلے خاوند سے تھی بیاہی ہوئی تھی اور جو بیماری کے سبب سے رخصت لیکر پہلے ہی لاہور میں پہنچگیا تھا سلطنت کے لیئے اُبھارا اور نورجہاں کے بھائی آصف خاں وزیر نے اپنے داماد شاہجہاں کو بنارسی نامے اپنے ایک نہایت معتمد ہندو قاصد کی معرفت جسکو ضیق فرصت کی وجہ سے عریضہ کی جگہہ اپنی مہر حوالہ کردی تھی خفیہ پیغام بھیجکر بُلایا - اور نورجہاں کی سازشوں کی روک تھام کے لیئے شاہجہاں کے دکن سے آگرہ میں پہنچنے تک جہاں وہ باپ سے باغی بنا پھر رہا تھا جہانگیر کے پوتے سُلطان داور بخش عرف مرزا بلاقی خلف سُلطان خسرو کو جو ارادت خاں کے سپرد تھا برائے نام بادشاہ بناکر لاہور کی طرف کوچ کیا - اور نورجہاں کو اپنے خیمہ میں لاکر قابو میں کرلیا - اور لاہور پہنچکر شہریار کو جو بادشاہت

تھا اُسیطرح انکو یقین واثق تھا کہ اگر ہم اپنی امیدوں میں ناکامیاب رہینگے تو غالب اور فتحیاب حریف حسد کے مارے ہمکو ضرور قتل کراویگا۔

سب سے پہلے سلطان شجاع کا فوج لیکر اگرہ کی طرف کوچ کرنا

پس سب سے پہلے سلطان شجاع (جسنے کچھ تو بعض راجاؤں کو برباد کرکے اور کچھ اور لوگوں کو لوٹ کھسوٹ کر اپنے صندوق بھر لیے تھے اور اس سبب سے ایک فوج کثیر کا جمع کرلینا اُسکو کچھ مشکل نہ تھا اسکے علاوہ اپنے ہم مذہب ایرانی اُمرائے دربار کی اعانت اور امداد پر بھی اُسے پورا بھروسہ تھا) فوج و لشکر جمع کرکے نہایت سرعت کے ساتھ آگرہ کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اور یہہ اشتہار دیا کہ "چونکہ بادشاہ کو داراشکوہ نے زہر دیکر مار ڈالا ہے اسلیئے ہم اس خونِ ناحق اور حرکت ناشایستہ کا انتقام لینگے اور تخت سلطنت پر جو خالی ہے جلوس کرینگے" اور اگرچہ شاہجہاں نے داراشکوہ کی صلاح سے بہت جلد اس افواہ کی جو اُسکی موت کی نسبت مشہور ہوگئی تھی تردید

کی ہوس میں لاہور کے بادشاہی خزانہ کا پچہتر لاکھ روپیہ خراب کرکے پندرہ ہزار فوج کی جمعیت سے صرف راوی تک مقابلہ کو آیا تھا گرفتار کرکے قلعہ لاہور میں قید کردیا اور داور بخش کو تخت پر بٹھا دیا تو شاہجہاں کا خاص اُسکے ہاتھ کا لکھا ہوا یہہ حکم آصف خاں کے پاس پہنچا کہ مناسب اور مصلحت وقت یہہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو داور بخش اور اُسکے بھائی گرشاسپ اور مرزا دانیال کے تینوں بیٹوں شہریار اور رطہورث اور ہوشنگ کو اندھا کرکے ہمارے پاس لے آؤ۔ ورنہ پانچوں کے پانچوں کو جلتا کرو۔ تو آصف خاں نے باتفاق ارادت خاں اور خواجہ ابوالحسن وغیرہما اُسکے سکہ و خطبہ شاہجہاں کے نام کا جاری کردیا۔ اور ان بیچارے پانچوں بیگناہوں کو رات کیوقت دنیا سے رخصت کیا۔ اور اُدھر آٹھویں جمادی الثانی ۱۰۴۷ھ ایکہزار ستتیس ہجری کو شاہجہاں نے آگرہ پہنچکر تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ س م ح ۱۲

کی اور صاف لکھا کہ علاج و معالجہ سے بیماری کو افاقہ ہوتا جاتا ہے اور تاکید حکم دیا کہ تم اپنے صوبہ کو فوراً لوٹ جاؤ - لیکن اس سبب سے کہ اُسکے ہوا خواہ برابر یہہ خبریں بھیجتے تھے کہ بادشاہ کی بیماری لا علاج ہے آگرہ کی طرف بدستور بڑھا چلا آیا - اور یہہ حیلہ بنایا کہ مجھے بندگان والا کی سلامتی کی خبر پر یقین نہیں آتا - اور بالفرض اگر وہ زندہ اور سلامت ہیں تو قدمبوسی حاصل کرنی اور ارشاد و احکام سے سرفراز ہونے کی مجھ بڑی تمنّا ہے -

اورنگ زیب کا آگرہ کیطرف کوچ کرنا اور سلطان مراد بخش اور میر جملہ کو ایک عجیب طور سے اپنا شریک حال بنانا -

اورنگ زیب نے بھی اسی طرح اپنے اشتہار جاری کئے اور فوج کو کوچ کا حکم دیا - اور ٹھیک اُنہیں دنوں میں جبکہ سلطان شجاع نے کوچ کیا تھا اسنے بھی آگرہ کیطرف بڑھنے کا عزم کیا اور اگرچہ اسکو بھی دہلی قضاعی احکام بادشاہ اور دارا شکوہ کیطرف سے پہنچے - اور دارا شکوہ نے تو یہانتک لکھدیا تھا کہ اگر تم دکن سے حرکت کروگے تو سزا پاؤگے - مگر شجاع کی طرح اسنے بھی وہی حیلہ بناکر اُسی عذر سے جواب روانہ کیا اور چونکہ اسکی آمدنی بہت زیادہ نہ تھی اور فوج بھی بہ نسبت اوروں کے کم تھی[1] اسلیئے اسنے چالاکی سے اُس چیز کا حاصل کرنا چاہا جو صرف اسکی تلوار اور قوت بازو سے غیر ممکن تھی - اور چونکہ مراد بخش اور میر جملہ ہی دو ایسے شخص تھے جو آسانی کے ساتھ اسکے دم میں آسکتے تھے - اسلیئے اسنے مراد بخش کو اس مضمون کا خط لکھا کہ "بھائی تمکو

[1] عاقل خاں نے لکھا ہے کہ اسوقت اورنگ زیب کے پاس تینتیس ہزار سوار جرار تھے - س م ح ۱۲

اس بات کے یاد دلانیکی کچھ حاجت نہیں کہ اُمور سلطنت کی محنت اُٹھانی میرے
اصلی مزاج اور طبیعت کے کسقدر مخالف ہے اور اسوقت میں بکہ دارا شکوہ
اور شجاع نہایت سرگرمی سے حصول سلطنت کے لیئے کوشش اور سعی کر رہے
ہیں تو میں صرف ایک جان زار ہی کی حفاظت اور فقیرانہ زندگی بسر کرنے
میں متردد ہوں - اور اگرچہ سلطنت کے ہی حقوق اور دعوؤں سے میں بالکل
دست بردار ہوں - مگر تاہم اے میرے قدیمی اور نہایت گرامی عزیز میں
تمکو اس رائے اور خیالات سے مطلع کرنا واجب جانتا ہوں کہ یہی نہیں کہ
دارا شکوہ فرماں روای کے اوصاف سے خالی ہے - بلکہ لامذہب اور کافر
ہونیکی وجہ سے بالکل تاج و تخت کے لایق نہیں اور بڑے بڑے اُمرائے
سلطنت اور ارکان دولت سب اُس سے متنفر ہیں اور علی ہذا القیاس
شجاع بھی سلطنت کے قابل نہیں کیونکہ رافضی مذہب اور ہندوستان کا
دشمن ہے - پس اس صورت میں اس عظیم الشان سلطنت کی فرماں روائی
کے لایق صرف آپ ہی ہیں - اور یہہ رائے صرف میری ہی نہیں - بلکہ
اسمیں پائے تخت کے مشیر اور امیر جو آپ کے بے بدل شجاع ہونے کے
بدل قایل و معترف ہیں سب متفق الرائے اور ہمزبان اور دار الخلافت میں آپکی
رونق بخشی کے منتظر ہیں اور میری بابت تو یہہ تصور کر لیجئے کہ اگر آپکی طرف
سے موثق اور مستحکم طور پر مجھے یہہ وعدہ ملجائیگا کہ جب بفضل خدا آپ بادشاہ
ہوجائینگے تو مجھے اپنی قلمرو میں کوئی خلوت کے موقع کا گوشہ عافیت باطمینان خاطر
عبادت الٰہی بجالانے کو عنایت فرما دیجیگا تو میں فوراً آپکی طرفداری میں خدمت

بجالانے کو آمادہ اور تیار رہوں - اور صلاح و مشورہ سے ! اپنے دوستوں اور رفیقوں سے ! اپنی تمام فوج آپکے تحت حکم کر دینے سے ! غرض کسی قسم کی مدد دینے سے بھی ! مجھے دریغ نہیں ہے ! اسکے علاوہ بالفعل آپکی خدمت میں ایک لاکھ روپیہ بھیجتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ آپ اسکو بطور نذر قبول فرمائیں کہ باعث میری ترقی اخلاص اور خوشی کا ہوگا - اور اب ہنر آزمائی اور جوہر شناسی کا وقت ہے - پس آپ ایک لمحہ بھی ضایع نہ کیجئے اور موقع کو غنیمت سمجھئے اور جلدی سے سورٹ* کے قلعہ پر جہاں مجھے خوب معلوم ہے کہ بہت سے بادشاہی دفاین و خزاین مدفون و مخزون ہیں قبضہ کر لیجئے [۱]

---

* فارسی زبان کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ اُسوقت شاہجہاں کی بڑی بیٹی مہ رخ بیگم صاحب کی جاگیر میں تھی - س م ح ۱۲

[۱] اورنگ زیب کی چالوں اور ہتھکنڈوں پر خیال کرنے سے تو ظاہر اڈاکٹر برنی آر ہی کا لکھنا صحیح پایا جاتا ہے کہ مراد بخش نے جو کچھ کیا وہ اورنگ زیب کی تحریک و ترغیب سے کیا - مگر اُسوقت کی فارسی تاریخوں سے بالاتفاق یوں معلوم ہوتا ہے کہ مراد بخش نے جب باپ کی سخت بیمار ہونے کی خبر پائی تو اُسکا مرجانا فرض کر کے خود بخود شورش کی - اور صوبہ گجرات کے بادشاہی دیوان سید علی نقی کو جو اسکی خرابیوں کی اصلاح کے لیئے مامور تھا اپنا خیر خواہ سمجھکر بے جرم و خطا خود اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالا اور بادشاہ بنکر تخت پر بیٹھا - اور دستور خاندان کے موافق اپنا شاہانہ لقب مرصع الدین مقرر کر کے سکّہ اور خطبہ بھی جاری کر دیا - اور ساز و سامان کی درستی کے لیئے نہ صرف شاہی خزانہ پر تصرف کر لیا بلکہ گجرات کے سوداگروں اور اور دولتمندوں سے بھی بہت سا روپیہ جبراً وصول کیا - اورنگ زیب ان حالات کو دیکھ رہا تھا مگر از راہ احتیاط ایک برس کے قریب تک خاموش تھا - مگر جب شجاع نے بھی بنگالہ سے کوچ کر دیا تو زیادہ توقف مصلحت نہ دیکھکر اسنے بھی اُن پر چڑھائی کرنے کی ٹھان لی - اور بقول عاقل خاں جسکے بیان اکثر ناظرانہ اور ہاف میں یہ خیال کر کے کہ مراد بخش جو

اورنگ زیب کے دم میں آکر مراد بخش کا آمادہ ہو جانا۔ اور شاہی خزانہ لوٹ لینے کے قصد سے قلعہ سورت پر فوج بھیجدینا۔

مراد بخش جسکی دولت اور قوت بہ نسبت اوروں کے کم تھی بھائی کی اس درخواست سے جسکے ساتھ ایک ایسی بڑی رقم بھی آئی تھی بہت ہی خوش ہوا اور اُسکی اُمیدوں کو ایک بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ چنانچہ اس اُمید سے کہ جوان اور سپاہی پیشہ لوگ اِسکے مضمون سے واقف ہوکر فوج میں بھرتی ہونے پر زیادہ راغب اور آمادہ ہونگے اور اس خبر کو سنکر سوداگر لوگ زیادہ رضامندی سے وہ بڑی بڑی رقمیں قرض

تخت نشین ہونے کی بھی حرکت کر چکا ہے ایسے باحوصلہ شخص کا دارالحکومت دکن سے آگرہ کی طرف میرے چلے جانے کی حالت میں ایسے قریب مقام میں رہنا مناسب نہیں ہے اسلیئے سخت سخت قسموں کے ساتھ مراد بخش سے یہہ معاہدہ کیا۔ کہ ہم تم متفق ہوکر آگرہ پر حملہ کریں۔ اور بصورت فتح کُل مال غنیمت میں سے ایک ثلث تمہارا اور دو ثلث میرے۔ اور سلطنت میں سے کابل اور کشمیر اور سندہ اور مُلک پنجاب تمہارے تصرف میں آئیگا۔ اور اُس میں سکّہ وخطبہ اور حکومت شاہانہ تمہاری رہیگی۔

اور سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ سلطنت اور مال و دولت کی تقسیم بالمناصفہ ٹھہری تھی۔

اور منشی محمد ذکاء اللہ صاحب دہلوی سلمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب تاریخ ہند میں مکتوبات عالمگیری سے اس عہدنامہ کا خلاصہ یہہ لکھتے ہیں کہ ہمارا دوست آپکا دوست اور ہمارا دشمن آپکا دشمن اور بعد انفصال تمام جھگڑوں کے صوبجات لاہور۔ کشمیر۔ کابل۔ ملتان ٹھٹہ بھکر۔ اور تمام اضلاع خلیج عمان تک تمکو دیئے جائینگے۔ س م ح ۱۲

دینے پر مائل ہو جائینگے۔ جو اُن سے وہ بسختی طلب کرتا تھا۔ یہہ خط[۱] بجا دیکھا گیا۔ اور اب اسنے سچ مچ سارے کرّ و فرّ اور شان و تزک شاہانہ بنا لیئے اور لوگوں کو بڑے بڑے انعام و اکرام کا متوقع کیا۔ اور حسن اتفاق سے اِن سب باتوں میں اُسکی تدبیریں اور منصوبے ایسے بن پڑے کہ بہت جلد ایک خاصی فوج جمع ہو گئی جسمیں سب کاموں سے پہلے تین ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ زیر حکومت شاہ عباس[۲] خواجہ سرا جو بڑا بہادر اور سپاہی منش تھا قلعۂ سورت کے محاصرہ کیواسطے بھیجدیا گیا۔

اسکے بعد اورنگ زیب کا میر جملہ کی طرف متوجہ ہونا اور اپنے بڑے بیٹے کو اُسکے پاس بھیجنا اور اُسکا آنے سے اِنکار کرنا۔

جب مراد بخش کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو اورنگ زیب نے اپنا بڑا بیٹا محمد سلطان (جسکی شادی شاہ گولکنڈا کی بیٹی سے ہوئی تھی) میر جملہ کے پاس بھیجا کہ "بڑا ہی ضروری کام ہے۔ آپ فوراً یہاں آکر ذرا مجھسے ملجائیں" لیکن میر جملہ اپنی فراست

---

[۱] عاقل خاں نے اِس خط کا مضمون بیان نہیں کیا مگر الفنسٹن صاحب نے اپنی تاریخ ہندوستان میں خافی خاں کے حوالہ سے یہہ لکھا ہے کہ "میں تمہارا خیر خواہ اور برادر مخلص ہوں اور تخت نشینی تمکو مبارک ہو باقی میرا تو یہہ ارادہ ہے کہ میں مکّہ کو جاؤں اور کنج عزلت میں بیٹھکر خدا کی یاد کروں اور دنیا کو چھوڑ دوں اور داراشکوہ اسکے لا مذہب دارا شکوہ کے مقابلہ پر تمہارا ساتھی بھی ہوں اور اب تک کہ ہمارا باپ جیتا جاگتا ہے تو ہمکو چاہیئے کہ اُسکی خدمت میں حاضر ہوں۔ اگر وہ ہمسے بعنایت پیش آئے تو اُسکو اطاعت و تعظیم و ادب سے بجائیں جو داراشکوہ نے اُسپر ڈال رکھا ہے اور اُسکی غلط فہمی کی معافی چاہیں۔ اور اب اسی عرصہ میں تمکو یہہ مناسب ہے کہ ہم اپنی فوجیں اکھٹی کریں اور کافر جسونت سنگھ سے بمقابلہ پیش آئیں جو ہمارے روکنے کے لیئے روانہ کیا گیا ہے۔ س م ح ۱۲

[۲] عاقل خاں کی تاریخ سے صحیح نام شہباز خاں معلوم ہوتا ہے۔ اور یہہ شخص پنج ہزاری کے منصب کا ایک امیر تھا اور آیندہ اس ترجمہ میں شہباز خاں ہی لکھا جائیگا۔ س م ح ۱۲

سے اس ضروری کام کو فوراً تاڑ گیا اور جواب دیا کہ کلیانی کا محاصرہ چھوڑ کر اور فوج سے علیحدہ ہو کر میرا دولت آباد آنا نہیں ہو سکتا اور آپ یقین فرمائیں کہ مینے آگرہ سے ابھی تازہ خبر پائی ہے کہ شاہجہاں ہنوز زندہ ہے۔ اسکے علاوہ یہہ بات ہے کہ جبتک میرے اہل و عیال داراشکوہ کے قابو میں ہیں میں آپکے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا بلکہ میرا اصل منشا تو یہہ ہے کہ مَیں اِس ہنگامہ میں کسیکا بھی طرفدار نہ بنوں۔

اورنگ زیب کا اُسکے پاس سلطان معظم کو کمر پیغام دیکر بھیجنا اور اُس کا چلے آنا اور قید ہو جانا۔

جب محمد سلطان نے دیکھا کہ میر جملہ میرے ساتھ جانا نہیں چاہتا تو وہ نہایت ناراض ہو کر دولت آباد کو چلا گیا۔ لیکن اِس ناکامیابی سے اورنگ زیب کسیطرح ناامید نہوا اور اپنے دوسرے بیٹے سلطان معظم کو پھر اُسکے پاس بھیجا اور اپنی پہلی خواہش کا اعادہ کیا۔ اِس شاہزادہ نے اپنے پیام و سلام کو اس خوبی سے ادا کیا اور سابقہ محبت و اتحاد کو اس قالبیت سے جتایا کہ میر جملہ اُسکی موکّد درخواستوں سے اِنکار نکر سکا اور اُسنے کلیانی کے محاصرہ کو اسقدر سخت اور تنگ پکڑا کہ مخالفوں نے ناچار ہو کر آخر کار قلعہ خالی کر دیا۔ اور بعد اِس فتح کے یہہ اپنی چیدہ فوج ساتھ لیکر نہایت عجلت کے ساتھ دولت آباد کو چلا آیا۔ چنانچہ بوقت ملاقات اورنگ زیب نہایت مہربانی اور گرمجوشی سے پیش آیا اور گفتگو میں بابا اور باباجی وغیرہ بہت بڑے بڑے تعظیمی الفاظ کے ساتھ اُس سے مخاطب ہوا اور اُس مبارک مہمان کو کئی بار گلے لگایا اور پھر خلوت میں لیجاکر یہہ کہا کہ "مجھے معلوم ہے کہ آپنے

جو محمد سلطان سے انکار کیا تھا وہ مجبوری کے باعث سے تھا اور بیشک
میرے سب فہمیدہ اور دور اندیش اہل دربار کی بھی یہی راے ہے
کہ جبتک آپ کے اہل و عیال داراشکوہ کے قابو میں ہیں آپکو علانیہ اور
برملا کوئی ایسی حرکت ہرگز نکرنی چاہیئے جو بظاہر ہمارے حق میں مفید
نظر آتی ہو - لیکن آپ جیسے عقیل شخص کو سمجھانے کی کیا حاجت ہے کہ دنیا
میں ہر مشکل کام کی آخر ایک تدبیر ہے - چنانچہ ایک منصوبہ میرے خیال میں
گزرا ہے جس سے بظاہر اگرچہ آپ حیران ہوں گے - لیکن جب اُسکے
نشیب و فراز پر بخوبی غور کرینگے تو بے شبہ آپ کے اہل و عیال کی سلامتی
کے لیئے ایک یقینی ذریعہ ہوگا - اور وہ یہہ ہے کہ آپ بظاہر قید ہو جانا
گوارا کرلیں اسسے تمام جہان کو میری آپکی دشمنی کا یقین کامل ہو جائیگا اور اس
حکمت سے ہم اپنی تمام خواہشوں میں کامیاب ہو جائینگے - کیونکہ کوئی
شخص ہرگز ایسا گمان بھی نکریگا کہ آپ جیسے رتبہ کا کوئی آدمی اسطرح اپنی خوشی
سے قید ہو جاے - اور اسکے ساتھ ہی میں آپکی فوج کا ایک حصہ جس وضع
اور حیثیت سے آپکو پسند اور مناسب معلوم ہو نوکر رکھلونگا اور مجھے یہہ بھی
یقین ہے کہ جسطرح پہلے آپ بارہا مجھسے وعدے کرتے رہے ہیں
اسوقت کچھ روپیہ دینے سے بھی انکار نکرینگے - کیونکہ روپیہ کی بہت ضرورت
ہے اور آپ کے اس روپیہ اور لشکر سے میں اپنی بخت آزمائی کرونگا
- پس اجازت ہو تو میں آپکو اسیوقت قلعہ دولت آباد میں پہنچادوں اور
اس جگہہ میرا ایک بیٹا آپکا نگران حال رہیگا اور بعد اسکے ہم اور آپ اس مہم

کی درستی کی تدبیروں کی نسبت باہم غور و فکر کر سکینگے اور اس صورت میں ہرگز میرے خیال اور قیاس میں نہیں آتا کہ داراشکوہ کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہوا اور وہ ایسے شخص کے اہل و عیال سے کوئی بدسلوکی کرے جو بظاہر میرا اسقدر دشمن ہو۔

اس امر کی تحقیق کہ میر جملہ حقیقتاً مجبور ہوکر قید ہوگیا تھا یا یہہ صرف ایک حیلہ اور بناوٹ تھی ——

ہم معتبر سند سے بیان کر سکتے ہیں کہ اورنگ زیب کی تقریر کا مدعا یہی تھا۔ اور اگرچہ وہ خیالات اور حالات جنکو سوچ سمجھکر میر جملہ نے ان خواہشوں کا جواب دیا ہوگا بخوبی معلوم نہیں ہیں۔ لیکن یہہ بات بالکل یقینی ہے کہ اُسنے اِن سب باتوں کو قبول کرلیا تھا یعنی وہ اِسپر بھی راضی ہوگیا تھا کہ اپنی فوج کو اورنگ زیب کے زیر حکومت کردے۔ اور روپیہ کا دینا بھی قبول کرلیا۔ اور سب سے زیادہ عجیب بات یہہ تھی کہ اُسکی مرضی کے موافق سچ مچ قید ہوکر قلعہ دولت آباد میں چلا گیا !!

اَب اس معاملہ کی نسبت بعض لوگ تو یہہ کہتے ہیں کہ میر جملہ کو اورنگ زیب نے سمجھا بوجھا کر فی الواقع اس بات کا یقین کرا دیا تھا کہ آپکے برضامندی قید ہوجانے سے بہت فائدے ہونگے۔ اور چونکہ پہلے سے آپسمیں دوستی اور اتحاد تھا۔ اسوجہ سے اورنگ زیب نے اُسے قید ہوجانے پر حقیقتاً راضی کرلیا تھا۔ اور بعض کی یہہ رائے ہے (جو غالباً زیادہ معقول اور قرین قیاس ہے) کہ اُسنے صرف ڈر کے مارے اِن باتوں کو قبول کرلیا تھا۔ کیونکہ اورنگ زیب کے دو حوالی بیٹے ایک سلطان معظم دوسرا سلطان

اس ملاقات اور سوال و جواب کے وقت سر پر کھڑے تھے اور اگرچہ سلطان معظم کا مسلح ہونا بھی زبان حال سے گویا یہی کہہ رہا تھا کہ انکار کی حالت میں بہت ہی بُرا ہوگا مگر محمد سلطان تو سچ مچ تلوار لیئے ہوئے موچھوں کو اس طرح تاؤ دے رہا تھا کہ بس مار ہی ڈالیگا - اور چونکہ اسی ملاقات کے معاملہ میں میر جملہ کی طرف سے اسکی شان و عزت کی حقارت ہوچکی تھی کیونکہ اُسکا چھوٹا بھائی اپنی سفارت میں سرخرو اور کامیاب ہوا تھا - اسلیئے اُسکو اپنی رنجش پوشیدہ کرنے کی کچھ پروا بھی نہ تھی - ٭

٭ فارسی زبان کی تاریخوں سے اسکی گرفتاری کے واقعہ کی تفصیل و تشریح یوں پائی جاتی ہے کہ جب مہابت خاں و میر جملہ وغیرہ بادشاہی امیروں نے جو بیجاپور کی مہم میں اورنگ زیب کے ماتحت کام کر رہے تھے اوّل قلعۂ بیدر (بدر) اور پھر کلیانی کے بھی نہایت مضبوط اور مستحکم قلعہ کو سخت مقابلہ کے بعد بیجاپوریوں سے چھین لیا - اور شاہجہاں نے اورنگ زیب کی عرایض فتح ملاحظہ فرماکر بیدر کا مفتوحہ ملک مع قلعہ رام گڈہ اورنگ زیب کو حسن خدمت کے صلہ میں بخشدیا اور اُسکی تنخواہ بارہ کرور دام یعنی ایک کرور سالانہ علاوہ اور عطیوں کے مقرر کردی اور معظم خاں - شہنواز خاں - مہابت خاں - نجابت خاں وغیرہ امیروں کو بھی جنہوں نے اس مہم میں نمایاں کام کیئے تھے اضافہ مناصب اور عطای خلعت وغیرہ سے سرفراز کیا گیا - اور دلاور حبشی قلعہ دار کلیانی قلعہ چھنوا کر جب بیجاپور پہنچا - اور بیجاپور والوں کو یقین ہوگیا کہ اب بغیر اطاعت کے چارہ نہیں انہوں اپنا ایک معتمد شاہزادہ اورنگ زیب کے پاس بھیجکر امان چاہی - اور آخرالامر یہ ٹھہر گیا کہ ایک ایسا بھاری پیشکش داخل کریں جو جواہرات اور ہاتھی اور نقدی وغیرہ ملاکر ڈیڑھ کرور روپیہ کی تعداد سے کم نہو - اور قلعہ پرینڈا مع مضافات اور ملک کوکن کے نام قلعے اور کچھ اور محالات بھی بادشاہی عہدہ داروں کے حوالہ کریں - اور جب یہ سب حال اورنگ زیب نے بادشاہ کو لکھا اور اُسنے بیجاپوریوں پر رحم کرکے پیشکش کی تعداد میں پچاس لاکھ کی تخفیف کردی اور شاہزادہ کے نام فرمان لکھا گیا کہ قاضی نظاما کو تحصیل کے پیشکش

اورنگ زیب کا میر جملہ کے رفیقوں اور اسکی فوج کو پھسلا کر اپنا رفیق بنانا۔

القصّہ جب میر جملہ کی گرفتاری کی خبر برملا ہوگئی تو اسکی فوج کے اُس دستہ نے جو بیجاپور سے اُسکے ساتھ آیا تھا بڑے زور سے کہا کہ ہمارے سردار کو چھوڑ دینا چاہیے اور اگر اورنگ زیب اپنی حکمت عملی سے فوراً اُنکی تسلی تشفی نکر دیتا تو بے شبہ وہ اپنے سردار کو چھوڑا لیتے۔ چنانچہ اورنگ زیب نے اُن کے بڑے بڑے سرداروں کو تو یہہ سمجھا کر کہ وہ بالکل اپنی خوشی اور مرضی سے نظر بند ہوا ہے اپنا رفیق بنالیا۔ اور اُن کے ذہن نشین کر دیا کہ یہہ محض ایک حکمت اور منصوبہ ہے جو اصل میں ہماری اور امیر کی باہمی صلاح ہی سے تجویز ہوا ہے۔ اور سپاہ کو خوب دل کھول کر انعام واکرام دیئے یعنی سرداروں سے تو آیندہ ترقی کے صرف بڑے بڑے وعدے ہی کیئے مگر سپاہیوں کی تنخواہ حقیقتاً بڑھا دی بلکہ بطور ثبوت

کے لیئے مامور کر کے خود دولت آباد کو چلا جاے۔ اور معظم خان جب ملک مفتوحہ کے قلعوں کے قرار واقعی بند وبست سے فارغ ہو جاے تو بیجاپور کا پیشکش جو قاضی نظاما لیکر آے اُسکو ساتھ لیکر حضور میں حاضر ہو جاے۔ تو ابھی ان شرطوں کی تعمیل نہیں ہوئی تھی اور اورنگ زیب قلعہ گلبرگہ کو گھیرے ہوے تھا کہ اسی اثنا میں بادشاہ بیمار ہوگیا۔ اور داراشکوہ نے ایسے بڑے امیروں کا اورنگ زیب کے پاس اسوقت موجود رہنا اپنے حق میں بہتر نہ سمجھکر مہابت خاں۔ راؤ ستر سال وغیرہ کے نام بادشاہی فرمان جاری کرا دیئے کہ اُسکی اجازت اور عدم اجازت کی مطلق پروا نکر کے بلا توقف آگرہ کو چلے آئیں۔ چنانچہ سواے نجابت خاں اور شاہنواز خاں اور میر جملہ کے سب چلے آے۔ بلکہ میر جملہ کو تو عہدہ وزارت سے معزول کر کے حاضر دربار ہونیکا حکم بھیجا گیا۔ (کیونکہ اورنگ زیب کا متوسل خاص سمجھا جاتا تھا) اور محمد امین خاں کو جو باپ کی جگہہ نیابتاً وزارت کرتا تھا کام سے علیحدہ کیا گیا۔ اور رائے رایان دیوان رکھنا تھ سرانجام کار کے لیئے قائم مقام کے طور پر مامور ہوے۔ داراشکوہ نے اِن امیروں کے واپس بلانیکے لیئے یہہ بہانہ بنایا تھا

صداقت اپنے وعدوں اور اظہار سپہ گری کے فوراً تین مہینے کی تنخواہ بطور پیشگی دیدی اور اس تدبیر سے میر جملہ کی فوج اُس مہم میں شریک ہونیکو راضی ہوگئی جو اورنگ زیب کو مدّنظر تھی اور اب اُسکے پاس لڑنے بھڑنیکے لائق اچھی خاصی جمعیّت ہوگئی۔

کہ شجاع نے بنگالہ سے بارادہ فاسد کوچ کردیا ہے۔ اسلئے اِن کا مع انکی فوجوں کے پائتخت میں حاضر ہوجانا مناسب ہے۔ اِن امیروں کے چلے آنے سے اورنگ زیب کو نہایت دقّت پیش آئی۔ کیونکہ اوّل تو بادشاہ کی سخت بیماری ہی کی خبریں سنکر بیجاپوریوں کے دل بہت بڑھگئے تھے۔ اور اسپر ایسے نامور اور صاحب فوج اُمرا کے چلے جانے سے اُنکو اَور بھی زیادہ دلیری ہوگئی۔ اور اورنگ زیب کے لشکر میں جو ہنوز گلبرگہ کو گھیرے ہوے تھا بہت ابتری اور کمزوری پھیل گئی۔ مگر وہ اپنی معمولی ثابت قدمی اور استقلال طبع سے نہایت متانت اور وقار کے ساتھ جسطرح بن پڑا بندوبست مناسب کرکے عزت اور یکنامی کے ساتھ دولت آباد میں واپس آگیا۔ اور جب اُسنے سُنا کہ میر جملہ بھی جوانبک پیشکش کی تحصیل اور مفتوحہ قلعوں کے نظم و نسق سے فارغ نہیں ہوا تھا۔ مہابت خاں اور ستر سال کی طرح آگرہ کو جانے والا ہے۔ تو اُسے یہہ خوف پیدا ہوا کہ اگر ایسا دولتمند باتدبیر صاحب فوج و لشکر امیر ایسے وقت میں داراشکوہ کے پاس جا پہنچا تو میری ساری اُمیدیں خاک میں ملجائینگی۔ پس اُسکے پھانسنے کے لیئے یہہ تدبیر نکالی کہ اُسکے پاس یہہ پیغام بھیجا کہ چونکہ ہم آپکو اپنا دلی ہوا خواہ اور خیر اندیش جانتے ہیں اگر آپ ہمسے ملکر اور رخصت ہوکر آگرہ کو جائیں تو مناسب ہے۔ اور جب اُسنے آنے سے پہلوتہی کی اور لکھا کہ میرے نام فرمان آچکا ہے اسلیئے مجبور ہوں۔ تو اورنگ زیب نے اُسکے قابو میں لانیکے لیئے اس مرتبہ اپنے بڑے بیٹے محمد سلطان کو بھیجا اور یہہ پیغام دیا کہ چونکہ آپ حضور میں حاضر ہونے کو جاتے ہیں اسلیئے بعض ضروری باتیں تخلیہ میں آپ سے کہنی سُننی واجبات سے ہیں اور اِس صورت میں آپکا ہمسے ملکر جانا ہماری نہایت ہی خوشی کا باعث ہوگا۔ اور محمد سلطان نے باپ کی فہمائش کے موافق ایسی چکنی چپڑی باتیں بنائیں اور ایسا مطمئن کیا کہ وہ بلا دغدغہ خوش خوش ملنے کو چلا آیا۔ اب چونکہ یہاں پہلے ہی سے سب تیاری کی ہوئی تھی اور

اورنگ زیب کا مراد بخش کی امداد کو سورت کی طرف کوچ کرنا اور قلعہ سورت کے فتح ہوجانیکی خبر پاکر اُس سے بالاتفاق اگرہ کیطرف کوچ کرنیکی استدعا کرنا۔

اسکے بعد اورنگ زیب نے سورت کیطرف کوچ کیا کیونکہ اہل قلعہ خلاف توقع ابتک مراد بخش کی فوج سے مغلوب نہوے تھے اور اورنگ زیب کا مدعا یہہ تھا کہ جسقدر جلد ممکن ہو یہہ قلعہ فتح ہوجاے۔ لیکن اُسنے کوچ سے چندروز بعد یہہ خبر پائی کہ وہ فتح ہوگیا۔ پس اُسنے مبارکباد کا خط مراد بخش کو تحریر کیا اور اُسمیں اُن واقعات وحالات سے جو اُسکی اور میر جملہ کے باہم گزرے تھے بذیل مضمون اطلاع دی کہ "مینے ایک جرار فوج جمع کرلی ہے اور خزانہ بھی بافراط موجود ہے اور عمائد واُمراے دربار شاہی سے بھی سب طرح پخت وپز ہوچکی ہے اور برہم پور* اور آگرہ کی طرف چل پڑیں

یارلوگ تواضع کے لیئے منتظر تھے جوہیں اُسنے خلوتخانہ میں قدم رکھا جناب امارت مآب فوراً گرفتار کرلیئے گئے۔ اور اُسکے عمر بھر کے جمع کئے ہوئے خزانے اور مال واسباب اور سامان ثروت وحشمت سب قابو کرلیا گیا۔ اور اُسکے نوکر چاکر اور فوج اپنی نوکر کرلی گئی۔ اور ان خزانوں اور مال اور سپاہ کے ہاتھ آجانے سے اورنگ زیب اس بڑی مہم کے انجام دینے کے بخوبی قابل ہوگیا۔ اور چونکہ اُسنے ابتک پردہ نہیں اُٹھا ڈالا تھا باپ کو یہہ لکھ بھیجا کہ فدوی کو معظم خاں کے اوضاع واطوار سے بیوفائی اور روگردانی کی بو آتی تھی اسلیئے مینے اُسکو پکڑ کر قید کردیا ہے اور اگر ایسا نہ کرتا تو بے شبہ وہ بھاگ کر پھر دکن کے سرداروں سے جاملتا۔ (ماخوذ از سیر المتاخرین وتاریخ عاقل خاں) س م ج ۱۲

---

* اصل کتاب میں جابجا برہم پور لکھا ہے مگر صحیح نام برہان پور ہے۔ اسلیئے آیندہ اس ترجمہ میں برہان پور ہی لکھا جائیگا۔ یہہ شہر اُسوقت صوبہ خاندیس کا دارالحکومت تھا اور دکن کا دروازہ سمجھا جاتا تھا مگر اس زمانہ میں ناگپور کی چیف کمشنری میں ضلع نماڑ کے متعلق ایک تحصیل کا مقام ہے یہہ دریاے تاپتی کے کنارے آباد ہے۔ اور قریب تیس ہزار آدمی کے آہی رہتے ہیں س م ج

اب میری طرف سے کچھ دیر نہیں ہے اور التجا کی کہ آپ کوچ میں دیر نکیجئے اور دونوں لشکروں کے ملجانے کے لیئے کوئی جگہہ قرار دیکر جلد مطلع کیجیئے۔

قلعہ سورت کے خزانہ کا ذکر

قلعہ سورت میں خلاف مراد تھوڑا سا خزانہ ملنے سے مراد بخش بہت نا اُمید ہوا۔ اس کمی کا سبب یا تو یہہ تھا کہ محض مبالغہ آمیز افواہوں سے اُسکی اسقدر کثرت مشہور ہوگئی تھی یا یہہ وجہ تھی (جیساکہ عموماً لوگوں کو شبہ تھا) کہ وہاں کے قلعدار نے بہت سا خورد بُرد کرلیا تھا۔ بہرحال جو روپیہ مراد بخش کے ہاتھ لگا وہ صرف اتنا ہی تھا کہ اُس سے فقط اُن سپاہیوں کی تنخواہ دیسکا جو یہہ طمع دیکر نوکر رکھ لیئے گئے تھے کہ سورت سے بہت سا مال و دولت ہاتھ آئیگا۔

فوج لوگوں سے سُرنگ لگانیکی ترکیب سیکھے بغیر مراد بخش سے اس قلعہ کا فتح ہوسکنا۔

سُورت کے محاصرے اور اُسکے فتح کرنیکی تدبیروں میں مراد بخش کی کوئی جنگی لیاقت ظاہر نہیں ہوئی۔ کیونکہ باوصف اِس کے کہ قلعہ کی فصیلیں جیسی چاہئیں جنگی قاعدہ کے موافق خوب مستحکم نہ تھیں۔ پھر بھی باوجود بہت بڑی کوششوں اور عرق ریزیوں کے اہل قلعہ ایک مہینے تک برابر لڑا کیئے اور جبتک کہ ڈچ قوم کے فرنگیوں نے سُرنگ لگانیکی حکمت نہ سکھلائی محاصرہ وغیرہ سے کچھ فائدہ نہوا البتہ جب اِنکی پہلے[۵۱] ہی پہل کی سکھائی ہوئی تدبیر سے قلعہ کی فصیل کا ایک بڑا حصّہ اُڑا دیا گیا تو محصوروں نے متحیّر ہوکر اور بعض شرطیں لیکر قلعہ حوالہ کردیا۔

---

۵۱ یہہ بات درست نہیں ہے کیونکہ اس واقعہ سے چھبیس ۲۶ برس پہلے ۱۶۳۲ء میں شاہجہاں کے سپہ داروں نے پرتگیزوں پر بمقام ہوگلی سُرنگ ہی اُڑا کر فتح پائی تھی جسکا حال ہم آیندہ ایک مقام پر لکھیں گے۔ مصحح

اس فتح سے مراد بخش کی ناموری

اس فتح سے مراد بخش کا بڑا نام ہو گیا اور جو باتیں اُسکے پیش نہاد خاطر تھیں اب اُنکی درستی میں ایک بڑی آسانی ہو گئی اور چونکہ سُرنگ لگانے کی تدبیر سے یہاں کے لوگ بخوبی واقف نتھے اسلیئے مراد بخش کی اس نئی حکمت نے لوگوں کے دِلوں پر بہت ہی عجیب اثر کیا۔ اسکے علاوہ یہہ بات علی العموم مشہور ہو گئی کہ سُورت کا بہت سا دفینہ مراد بخش کے ہاتھ آگیا ہے۔

شہباز خواجہ سرا کا مراد بخش کو اورنگ زیب کی شقاوت سے منع کرنا اور اُس کا نہ ماننا۔

لیکن باوجود اس تمام شہرت اور ناموری کے جو اس فتح سے حاصل ہوئی تھی اور باوصف اورنگ زیب کے بہت سے خوشامد آمیز اور ابلہ فریب دہ عدوں کے شہباز خواجہ سرا مراد بخش کو یہی سمجھاتا رہا کہ آپ بھائی صاحب کی فضول باتوں پر ہرگز بھروسہ اور اعتبار نکریں اور جلد بازی کر کے اُن کے قابو میں نہ آجائیں اور اس خیر خواہ خواجہ سرا نے صاف کہدیا کہ "آپ اب بھی میری صلاح مان لیں اور اگر آپکی ایسی ہی مرضی ہے تو خیر اورنگ زیب کو چکنی چپڑی باتوں میں پھسلا سے رکھیں لیکن فوج اور لشکر سمیت اُس سے جا کر شامل ہو جانیکا ارادہ ہرگز نفرمائیں اور بالفعل آگرہ کی طرف اُسکو اکیلا ہی جانے دیں رفتہ رفتہ جب ہمکو بادشاہ کی صحت اور مرض کی پختہ خبریں اور صحیح حالات معلوم ہو جائینگے تو اُسوقت جو مصلحت معلوم ہوگا اُسپر عمل کیا جائیگا اور اس عرصہ میں آپ قلعہ سورت کا استحکام کر لیں جو اسطرف میں سب سے زیادہ کارآمد مقام ہے۔ اور اُس جگہہ کے قابو کر لینے سے ایک وسیع سیر حاصل اور

زرخیز ملک کی حکومت آپ کے ہاتھ آجائیگی اور پھر تھوڑی سی تدبیر سے شہر برہان پور بھی جو صوبہ دکن کا دروازہ اور نہایت کارآمد مقام ہے آپکے قبضہ میں آجائیگا" مگر چونکہ مراد بخش کے پاس اورنگ زیب کے خطوط برابر چلے آتے تھے اُنسے اپنے عزم اور کوشش کو سست نہ کیا اور بیچارے شہباز کی صلاح نہ مانی - یہہ دانا اور دور اندیش امیر نہایت ہی سچا ناصح اپنے آقا کا دلی خیر خواہ تھا - پس اس جوان شاہزادہ کے حق میں بہت ہی بہتر ہوتا اگر اُسکی معقول صلاح کو مان لیتا - لیکن اوّل تو بادشاہ بنجانے کے بیحد شوق ہی میں مراد بخش اندھا ہو رہا تھا - اور اسپر اُسکے مکّار بھائی کے خط جو جانفشانی اور ہوا خواہی کے وعدوں کے اظہار میں روز مرّہ چلے آتے تھے بہت بڑے محرک اسکے ارادوں کے تھے - علاوہ بریں اُسنے یہہ بھی سوچا کہ یہہ مہم جسمیں بادشاہی اور سلطنت حاصل ہوجانے کی اُمید ہے مجھسے اکیلے انجام نہو سکیگی - اسلیئے احمد آباد سے جہاں ڈیرے ڈالے پڑا تھا کوچ کردیا - اور گجرات سے روانہ ہوکر پہاڑوں اور جنگلوں کا سیدھا راستہ اختیار کیا تاکہ جلدی سے اُسجگہہ پہنچ سکے جہاں اورنگ زیب چند روز پہلے سے اُسکی انتظار میں ٹھہرا ہوا تھا -

دونوں بھائیوں کا فوجوں سمیت ملجانا اور اورنگ زیب کی نکاریاں

القصّہ جب دونوں لشکر[۵۱] ملگئے تو بڑی خوشیاں اور جشن منائے گئے - اور اورنگ زیب نے اپنی محبت کے پائدار اور مستحکم اقرار از سر نو تازہ کیئے اور اپنی کمال مغرضی اور

[۵۱] فارسی زبان کی تاریخوں میں لکھا ہے کہ شاہجہاں کی بیماری کی شروع سے ایک بیس بعد یکم جمادی الاوّل ۱۰۶۸ھ

بے طمعی کا اظہار کیا - اور دونوں بھائی کبھی ایک دوسرے سے جُدا نہوتے تھے - اور اورنگ زیب بار بار یہی جتاتا تھا کہ بادشاہی اور سلطنت کی تو مجھے ذرا بھی ہوس نہیں اور یہہ فوج کشی میںنے صرف اسواسطے کی ہے کہ جسطرح بن پڑے داراشکوہ سے جو میرا اور آپکا مشہور جانی دشمن ہے لڑ بھڑ کر آپکو تخت سلطنت پر جو خالی پڑا ہے بٹھا دوں - جس زمانہ میں دونوں فوجیں پائے تخت کیطرف جارہی تھیں اورنگ زیب ہمیشہ حاضر و غائب خاص و عام کے روبرو جسطرح پر کہ یہاں کی رعایا کی لوگ بادشاہ کو حضرت کہکر بولتے ہیں مراد بخش کو یہی لفظ کہکر بولتا تھا - اور سب موقعوں پر بڑی تعظیم اور تکریم سے پیش آتا تھا - اور فی الواقع یہہ بات نہایت عجیب ہے کہ مراد بخش نے اورنگ زیب کے خلوص نیّت پر کچھ بھی شبہ نکیا اور وہ علانیہ دغابازی جو گولکنڈا کے معاملہ میں وہ ابھی کرچکا تھا ایسی صریح بات سے بھی اُسکے دل پر ذرا اثر نہوا - بات یہہ ہے کہ یہہ شاہزادہ اپنی خیالی سلطنت کی ہوس میں ایسا اندھا ہورہا تھا اور عقل پر ایسا پردہ پڑگیا تھا کہ اتنی موٹی بات بھی اُسکی سمجھ میں نہ آئی کہ جو شخص کل اسقدر بے ایمانی کے ساتھ ایک سلطنت کے چھین لینے کے لیئے کوشش کرچکا ہے

ایکہزار اڑسٹھ ہجری کو اورنگ زیب نے باپ کی عیادت کے بہانہ سے دولت آباد سے برہان پور کی طرف کوچ کیا تھا اور مراد بخش کو ساتھ لینے کی نسبت یہہ حیلہ بنایا تھا کہ سکّہ اور خطبہ وغیرہ جاری کرنے کی بے ادبی جو اُس سے ہوگئی ہے اسلیئے اُس کو خطا معاف کرانے کی خاطر اپنے ساتھ لیجانا چاہتا ہوں - اور یہہ دونوں شاہزادے بمقام تالاب ڈیال پور اُنتیس سے تقریباً بیس فرسنگ کے فاصلہ پر ملاقی ہوے تھے - س م ح

آج کسطرح ممکن ہے کہ اُسکے خیالات ایسے بدل گئے ہوں کہ بجز فقیرانہ گزران کرنے کے اُسکی کچھ اَور آرزو ہی نہیں ہے۔

آگرہ میں ان خبروں کے پہنچنے سے تہلکہ پڑجانا۔

اَب اِن متفقہ فوجوں نے ایک بڑی شان و شوکت پیدا کی اور اُن کے کوچ کی خبریں سُنکر پائے تخت میں ایک تہلکہ پڑگیا۔ اور دارا شکوہ تو اسقدر متشوش اور مضطرب ہوا کہ جسکی انتہا نہیں۔ اور انجام کار پر نظر کرکے شاہجہاں بھی ڈر گیا۔ اور اگرچہ اپنے خیال میں اس فساد کے حالیہ نتایج کی نسبت اُسنے کچھ ہی اندازہ کیا ہو۔ لیکن اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ وہ اسبات سے بخوبی آگاہ تھا کہ اورنگ زیب کی قابلیت اور دانائی اور مراد بخش کی تہوّر اور شجاعت کے متفق ہوجانیسے ایسا کوئی امر نہیں ہے کہ جو ناممکن الوقوع ہو۔

باوجود مانعتی احکام کے ان شاہزادوں کا آگرہ بڑھے چلے آنا۔

شاہجہاں نے ہرچند اُن کے پاس قاصد پر قاصد یہہ پیغام دیکر روانہ کیئے کہ مابدولت کو اب آرام اور افاقہ ہے۔ اور اگر تم اپنے صوبوں کو لوٹ جاؤ گے تو تمہاری اس حرکت سے چشم پوشی کی جائیگی اور داخل نافرمانی نہ سمجھا جائیگا۔ لیکن یہہ سب تحریریں اور اور احکام بیفائدہ تھے اور متفقہ فوجیں برابر بڑھی چلی آتی تھیں۔ اور چونکہ بادشاہ کی علالت واقعی مہلک سمجھی جاتی تھی۔ اسلیئے یہہ اپنے وہی عذر اور بہانے کیئے جاتے تھے اور یہہ کہتے تھے کہ جو خط خطوط شاہی مہریں لگ کر آتے ہیں وہ جعلی اور بالکل دارا شکوہ کی بناوٹ اور ایجاد ہیں۔ اور "حضرت" یا تو مرچکے یا قریب المرگ ہیں۔ اور بالفرض اگر ہماری خوش نصیبی سے وہ زندہ ہیں تو ہم اُنکی قدبوسی کے

مشتاق ہیں۔ اور داراشکوہ نے جو اُنہیں ہر طرح سے بے بس اور مسلوب الاختیار کر رکھا ہے اِس حالت سے بھی ہم اُنکو نکالنا چاہتے ہیں۔

شاہجہاں کی مجبورانہ اور پراگندہ حالت

اِن دنوں شاہجہاں کا فی الواقع بہت پتلا حال تھا۔ اور علاوہ شدائد اور تکالیف مرض کے وہ حقیقتاً داراشکوہ کے پنجۂ سرکشی میں پھنسا ہوا تھا۔ اور اُدھر تو داراشکوہ کے دل میں قہر و غضب کی آگ بھڑک رہی تھی اور لڑائی کے سوا کچھ خیال ہی نہ تھا اور مستعدی کے ساتھ تیاری کر رہا تھا۔ اور اُدھر شاہجہاں کے دوسرے بیٹے باپ کے تاکیدی اور متواتر احکام پر مطلقاً لحاظ اور التفات نکر کے برابر آگرہ کی طرف بڑھے چلے آرہے تھے۔ اور ایکطرف بیچارے بادشاہ کو یہہ فکر تھی کہ اگر میرے جمع کئے ہوئے دفینے اور خزانے اِن نوجوان شاہزادوں کے ہاتھ آجائینگے تو خدا جانے کس کس طرح اُڑاکر برباد اور تلف کر ڈالینگے۔!

مجبور ہوکر بادشاہ کا بعض اُمراکو لڑائی کے لیئے مامور کرنا

غرضکہ جب اس بڈھے بادشاہ کو کوئی چارہ باقی نرہا تو اُسنے مجبور ہوکر اپنے وفادار جنگ آزمودہ اور کارآگاہ سرداروں کو اپنے پاس طلب کیا۔ اگرچہ یہہ اُمرا داراشکوہ سے اکثر ناموافق تھے اور بادشاہ کو بھی اُسکی بہ نسبت اپنے تینوں حملہ آور بیٹوں سے زیادہ محبت تھی مگر پھر بھی اُسکو اسکے کاموں کی درستی مدنظر تھی اور اُنہیں امیروں سے جو اکثر اُس سے ناراض تھے سرانجام مہم کا کام لینا اور اُنکو اپنے باغی بیٹوں کے مقابلہ پر لشکر بناکر بھیجنا امر ضروری تھا۔ چنانچہ اس بات کا لحاظ کرکے کہ جدھر سے شجاع بڑھا چلا آتا تھا اُدھر کا زیادہ اندیشہ تھا۔ ایک فوج توفوراً

اُسکے مقابلہ کیواسطے روانہ کی گئی اور ایک دوسری فوج اس غرض سے تیار اور جمع کی گئی کہ بشرط ضرورت اورنگ زیب اور مراد بخش کی متفقہ فوج سے جنگ کرے۔ چنانچہ داراشکوہ کا بڑا بیٹا سلیمان شکوہ اُس فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا جو شجاع کے مقابلہ کیواسطے بھیجی گئی تھی۔ اسکی عمر قریب پچیس ۲۵ برس کے تھی اور بڑا خوبصورت اور وجیہ اور سخی شاہزادہ تھا۔ سب لوگ اسے پسند کرتے تھے اور قابلیت ولیاقت میں بھی بہت خاصہ تھا۔ شاہجہاں کو بھی اپنے اِس پوتے سے بہت محبت تھی اور اُسنے کئی بار اسکو بہت سا مال و دولت دیا تھا بلکہ یہہ ارادہ تھا کہ داراشکوہ پر اسکو ترجیح دے اور اپنا ولیعہد مقرر کرے۔

بادشاہ کی مخفی ہدایتیں جے سنگھ کو مگر لڑائی کا نہ ٹالنا اور شجاع کی شکست

چونکہ شاہجہاں کا اصل مطلب یہہ تھا کہ اس غیر طبعی اور ناحق کے فساد میں حتی الامکان خونریزی نہونے پائے اسلیئے اُسنے ایک مُسن راجہ کو جسکا نام جے سنگھ* ہے اور جو اسوقت کے راجاؤں میں سب سے زیادہ دولتمند اور غالباً ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ قابل شخص ہے بطور مشیر خاص اپنے پوتے کے ہمراہ روانہ کیا۔ اور اُسکو پوشیدہ یہہ ہدایت کی کہ حتی الامکان

* راجہ جے سنگھ کچھواہا رئیس جیپور مُراد ہے جسکو بلحاظ راجہ کے علاوہ شاہی خاندان کے شاہزادوں کی طرح میرزا کا معزز خطاب بھی ملا ہوا تھا۔ واضح ہو کہ جیپور کی ریاست ہماری اس زمانہ میں بھی کچھواہا قوم ہی کے راجپوت خاندان میں قائم ہے اور خالصہ آمدنی اس ریاست کی سوا کروڑ روپیہ سالیانہ کی ہے جسمیں تقریباً تیس لاکھ آدمی بستے ہیں

جنگ نہونے دینا اور شجاع کو اس امر کی فہمایش میں کہ وہ اپنے متعلقہ صوبہ کو لوٹ جاے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھنا بلکہ یہانتک کہدیا تھا کہ اُس سے کہدینا کہ ارشاد شاہی کے موافق واپس چلے جانا تمپر صرف فرض و واجب ہی نہیں بلکہ فن حکومت و سلطنت کی رو سے بھی یہہ امر نہایت ضروری ہے کہ تم سر دست اپنی زور و طاقت کا اظہار نکرو اور جبتک کہ ایک ٹھیک اور مناسب موقع اس کام کا نہ آجاے یعنی تاوقتیکہ ہماری بیماری منجر بہلاکت نہو جاے یا اورنگ زیب اور مراد بخش کی متفقہ فوجوں کا کچھ انجام نہ معلوم ہو چکے ایسی جلد بازی تمہاری لیئے مصلحت نہیں ہے"

لیکن جے سنگھہ کی کوششیں انسداد جنگ کے باب میں سب بے سود رہیں۔ کیونکہ اِدھر تو سلیمان شکوہ بلند حوصلگی اور نوجوانی کے نشہ میں جنگ جوئی کی اُمنگ اور ناموری کے شوق سے بیتاب ہو رہا تھا۔ اُدھر شجاع کو یہہ خیال تھا کہ اگر کوچ میں دیر کرونگا تو اغلب ہے کہ اورنگ زیب دارا شکوہ کو مغلوب کر کے دار السلطنت آگرہ اور دہلی پر قابض ہو جاے پس جوہیں دونوں فوجیں ایک دوسرے کو دکھای دینے لگیں فوراً دونوں طرف سے دنادن گولہ اندازی شروع ہو گئی۔

لیکن میں اِس مقام پر ضرورت نہیں سمجھتا کہ اِس لڑای کے حالات بہ تفصیل بیان کروں۔ کیونکہ اُس دوسری لڑای کے واقعات جو اس سے زیادہ اہم ہیں بیان کرنے ہیں اور ناظرین کے لیئے یہاں پر صرف اتنا لکھدینا کافی ہے کہ دونوں طرف سے بڑی سختی اور سرگرمی سے حملے ہوئے اور ایک

بڑی کوشش کے بعد سلطان شجاع کو ایسا مغلوب ہونا پڑا کہ آخر کار سراسیمہ ہوکر بھاگ نکلا۔ اور یقین ہے کہ اگر جے سنگھ اور اُسکا دلی دوست دبیر خاں* پٹھان جو بڑا بہادر سپاہی تھا قصداً پیچھے نہ ہٹے رہتے تو فوج مخالف بالکل تباہ ہوجاتی بلکہ خود شجاع بھی گرفتار ہوجاتا۔ لیکن راجہ نے ازراہ دانائی مناسب نہ جانا کہ شاہی خاندان کے شاہزادے اور اپنے آقا کے بیٹے پر ہاتھ ڈالے اور یہ بھی ہے کہ اُسنے شجاع کو بھاگ جانیکی مہلت دینے میں بادشاہ کی ہدایتوں پر عمل کیا۔ اس شکست میں اگرچہ شجاع کا کچھ زیادہ نقصان نہوا تھا۔ لیکن چونکہ کمیت سلیمان شکوہ کے ہاتھ رہا اور چند توپیں بھی اُسکے قبضہ میں آگئی تھیں اسلیئے دربار شاہی میں یہہ خبر عام ہوگئی کہ سلیمان شکوہ نے کامل فتح پائی اور اس سے سلیمان شکوہ کی نیکنامی اور شجاع کی بڑی بدنامی ہوئی اور اُن ایرانی اُمرا سے دربار کی سرگرمی اور دلسوزی بھی جو شجاع کی طرفداری کرتے تھے بہت ٹھنڈی پڑگئی۔

اورنگ زیب اور مراد بخش کی چڑھائی کی خبر سنکر سلیمان شکوہ کا ارادہ مراجعت کرنا

سلیمان شکوہ ابھی شجاع کے تعاقب میں کسیقدر لگا ہوا تھا کہ خبر ملی کہ اورنگ زیب اور مراد بخش بڑی مستعدی اور استقلال سے آگرہ کی طرف بڑھے آتے ہیں اب چونکہ اسکو اپنے باپ کی عقل و دانش کا اندازہ بخوبی معلوم تھا اور یہہ بھی جانتا تھا کہ اُسکے گرد و پیش پوشیدہ دشمن جمع ہیں اسلیے کمال دُور اندیشی سے

* فارسی زبان کی تاریخوں میں جے سنگھ کے ساتھ دوسرے امیر کا نام بہادر خاں لکھا ہے اور دبیر خاں تو صریح غلط ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دلیر خاں کی جگہ غلطی سے دبیر خاں چھپ گیا ہے کیونکہ انگریزی میں حرف لام اور بے کی شکل قریب قریب ہے۔ میرزا محمد کاظم مصنف عالمگیر نامہ لکھتا ہے کہ باقی بیگ المخاطب بہادر خاں جو دارا شکوہ کے عمدہ نوکروں میں سے تھا اُسکو اس مہم میں

آگرہ کو واپس آنیکا ارادہ کیا۔ کیونکہ ظن غالب یہی تھا کہ دارالسلطنت کے آس پاس ہی کہیں نہ کہیں داراشکوہ اُن سے لڑیگا۔ سب لوگ متفق الرائے ہیں کہ سلیمان شکوہ کی یہہ تجویز بہت ہی دانائی اور ہوشیاری کی تھی اور اگر یہہ نوجوان شہزادہ اپنی فوج سمیت بروقت پہنچ جاتا تو اورنگ زیب اکیلی ایسی بڑی فوجوں سے ٹکر لینے میں کبھی کامیاب نہوتا بلکہ شاید مقابلہ ہی نکرتا۔

اورنگ زیب اور مراد بخش کی راہ روکنے کے لیے قاسم خاں اور مہاراجہ جیونت سنگھ کا مامور ہونا۔

باوجود اس کامیابی کے جو سلیمان شکوہ کی سپاہ کو بمقام الہ آباد (جہاں جمنا اور گنگا باہم ملتی ہیں) حاصل ہو چکی تھی یہاں آگرہ کی طرف معاملات کی کچھ اور ہی صورت تھی۔ یعنی جب دارالسلطنت میں یہہ خبر پہنچی کہ اورنگ زیب برہان پور

داراشکوہ نے سلیمان شکوہ کے ساتھ بطور تالیق کے بھیجا تھا۔ اور اپنی کل فوج کی سرداری بھی اُسیکے حوالہ کی تھی۔ اور اُسی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ دلیر خاں بھی ایک امیر منجملہ اُن نامور امرا کے تھا جو اس مہم میں سلیمان شکوہ کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔ س م ح۔ ۱۲

لہ عالمگیر نامہ میں اس واقعہ کو یوں لکھا ہے اور اسوقت کی اور کتابوں سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ سلیمان شکوہ اور راجہ جے سنگھ کچھوا جو شجاع کے مقابلہ کو چوتھی ربیع الاول ۱۰۶۸ھ اکیسار اٹھ ہجری کو آگرہ سے روانہ ہوئے تھے انہوں نے کوچ بکوچ بہادر پور میں پہنچکر جو بنارس سے ڈھائی کوس گنگا کے کنارہ پر ایک گانو ہے شجاع کے لشکر سے ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر ڈیرہ کیا تھا۔ جو بنگالہ کے نواڑے یعنی کشتیوں کے بیڑہ کو ساتھ لیئے ہوئے دریا کی کنارے ٹھہرا ہوا تھا اور فوج کو ذرا آرام دے لینے کے بعد دھوکا دینے کی غرض سے یہہ مشہور کر کے کہ لشکر کی جاے قیام بدلنا چاہتے ہیں اکیسویں جمادی الاول کو علی الصباح شجاع کے لشکر پر ناگہاں حملہ کر دیا اور چونکہ اُنسے غفلت کے سبب سے اپنی فوج کی صف بندی بھی نہ کی تھی خفیف سے مقابلہ کے بعد لڑائی ہار گیا۔ اور نواڑے میں بیٹھکر ڈھاکے کو بھاگا اور تمام مال و اسباب لٹ گیا۔ اور اسکے بعد سلیمان شکوہ نے اوّل پٹنہ اور پھر مونگیر سے نکال دیا اور وہ مجبور ہوکر

کے پاس دریا کے وار اُتر آیا ہے۔ اور اُن دشوار گزار پہاڑوں کی گھاٹیونکو بھی بزور طے کر چکا ہے جنپر ہر طرح سے مزاحمت اور بچاؤ کا بہت بڑا بھروسہ تھا تو دربار میں بڑی گھبراہٹ اور حیرانی پیدا ہوئی اور فوج کی تیاریاں شروع ہوئیں مگر بڑی جلدبازی کے ساتھ سب سے پہلے فوراً ایک دستہ اس مُراد سے اُجّین کو بھیجا گیا کہ جلدی سے پہنچکر دریا کے گھاٹ[1] کو روک لیں اور مخالفونکو پار اُترنے سے روکیں اور اس پیش رَو دستہ کی سرداری کیواسطے دو امیر جو نہایت باقتدار اور لایق و فایق تھے انتخاب کیئے گئے۔ اِن میں سے ایک کا نام قاسم خاں تھا جو بڑا ہی مشہور و معروف سپاہی اور شاہجہاں کا دلی خیرخواہ تھا۔ لیکن یہہ چونکہ داراشکوہ سے متنفر اور بیزار تھا اسلیئے اُسنے یہہ سرداری بخوشی اختیار نہیں کی تھی۔ بلکہ محض شاہجہاں کے حکم کی تعمیل تھی۔ دوسرا سردار راجہ جسونت سنگھہ تھا جو درجہ اور اقتدار میں جے سنگھہ سے کم تھا۔ یہہ راجہ اُس زبردست[2] رانا کا داماد تھا جو اکبر کے زمانہ میں سب راجاؤں کا مہاراجہ گنا جاتا تھا۔ داراشکوہ نے اِن دونوں سرداروں سے نہایت تملّق اور شیریں زبانی سے گفتگو کی اور جب وہ لشکر میں جانے لگے تو

---

[1] یہہ اصلی صوبہ یعنی بنگالہ کو چلا گیا۔ اور مونگیر سے پٹنہ تک داراشکوہ کا قبضہ ہو گیا۔ لکھا ہے کہ ان لڑائیوں میں شجاع کے نوکروں میں سے جو لوگ قید ہو گئے تھے داراشکوہ نے اُنکو اگرہ میں منگوا کر اوّل تشہیر وغیرہ سے بیعزت کیا اور پھر اُن کے ہاتھ قلم کرا دیئے جسکی باعث سے کتنے ہی بیچارے اپنی جانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ س م ح

[2] اس دریا سے شیپرا ندی مُراد ہے جسکا اصل سنسکرت زبان کا نام گھشیپرا ہے۔ س م ح ۱۲ گھش ہی اب رہا

[3] اودے پور کا رانا مراد ہے۔ س م ح ۱۲

بڑے بڑے بہاری خلعت اُنکو دیئے مگر شاہجہاں نے جو ہدایتیں شجاع کے بارہ میں راجہ جے سنگھہ اور دلیر خاں کو کی تھیں ویسے ہی احتیاط سے کام کرنے کی بابت اِنکو بھی کہیں۔

قاسم خاں اور مہاراجہ جسونت سنگھ کو اورنگ زیب کا یکایک آپہنچنے کی خبر ملنا اور اُن کا دریا کے گھاٹ کو روکنا۔

لیکن جبکہ اِس طرف سے اِس قسم کے تامل و تذبذب ہو رہے تھے۔ اورنگ زیب کی جانب کمال مستعدی کے ساتھ لڑائی کی پوری تیاری تھی چنانچہ بادشاہ کی نصیحت اور ہدایت کے موافق جو قاصد متواتر یہہ پیام دیکر اُسکے پاس بھیجے جاتے رہے کہ آپکو دکن کو لوٹ جانا چاہیئے اُنمیں سے کوئی بھی واپس آنے نپایا۔ بلکہ واپسی کی جگہہ اُسکی فوج یکایک ایک بلند ٹیلہ پر جو دریا[۱] سے تھوڑے فاصلہ پر تھا نمودار ہوئی۔ چونکہ گرمی کا موسم تھا اور سخت دھوپ پڑتی تھی اور اسوجہ سے دریا پایاب ہو رہا تھا۔ قاسم خاں اور راجہ نے یہہ خیال کرکے کہ اورنگ زیب پار اُترا چاہتا ہے لڑائی کی تیاری کردی۔ لیکن واقع میں اورنگ زیب کی پوری فوج ابھی پیچھے تھی۔ اور اس تھوڑی سی سپاہ کو آگے بھیجدینا بالکل ایک دھوکا تھا۔ کیونکہ اورنگ زیب کو یہہ اندیشہ تھا کہ کہیں بادشاہی فوج دریا کے پار نہ اُتر آئے جس سے ہمارا پانی بند ہوجاے اور وہ ہماری تھکی ماندی فوج پر حملہ کردے اور اس طرح پر جنگ کا مفید موقع ہمارے ہاتھ سے جاتا رہے۔ اور اُسکا یہہ اندیشہ حقیقت میں درست تھا۔ کیونکہ اُسوقت

---

[۱] مصنف نے دریا کا نام نہیں لکھا مگر مترجم انگریزی نے حاشیہ میں نربدا لکھدیا ہے جو صریح غلط ہے کیونکہ اُجین کے پاس تو وہی شپرا ندی ہے۔ جسکا ذکر ہم ابھی ایک حاشیہ میں کرچکے ہیں۔ س م ح ۱۲

اُسکی فوج مقابلہ کے لایق نتھی اور اگر قاسم خاں اور راجہ حملہ کر دیتے تو بآسانی غالب ہو سکتے تھے۔

مَیں اس موقع پر بذات خود موجود نتھا۔ لیکن جن لوگوں نے اس لڑائی کو دیکھا ہے خصوصاً وہ فرانسیس افسر جو اورنگ زیب کے توپخانہ میں ملازم تھے اُن سب کی یہی راے ہے۔ مگر یہہ سردار ایسا کسطرح کرتے کیونکہ بادشاہ کے مخفی احکام کے باعث صرف اتنا ہی کر سکتے تھے کہ دریا کے وار اپنا مورچہ جمائیں اور اگر اورنگ زیب دریا سے بزور اُترنا چاہے تو روکیں۔

اورنگ زیب کی فتح۔ قاسم خاں کی نسبت دغابازی کا شبہ اور جسونت سنگھ کا شکست کھاکر اپنی ریاست گاہ جودھپور کو چلا جانا۔

القصّہ جب اورنگ زیب کی فوج نے دو تین روز دم لے لیا تو دریا سے بزور اُترنیکی تیاری کر دی۔ چنانچہ پہلے تو اُسنے اپنا توپخانہ ایک بلند جگہہ پر قائم کیا۔ اور پھر فوج کو حکم دیا کہ توپوں کی پناہ میں آگے بڑھے۔ مگر اِن کی پیشقدمی روکنے لیئے اسطرف سے بھی توپیں چلنی شروع ہوئیں۔ اور اگرچہ ابتدا میں سخت جوش و خروش اور سرگرمی سے مزاحمت کی گئی۔ اور جسونت سنگھ نہایت ہی شجاعت اور دانائی کے ساتھ حملہ آوروں کو ہر ہر قدم پر روکتا رہا مگر قاسم خاں نے باوجودیکہ اُسکی سپاہگری اور بہادری میں کسیکو کلام نہیں اس موقع پر نہ تو کچھ بہادری ہی دکھائی اور نہ کچھ سپاہیانہ دانائی ہی ظاہر کی بلکہ اُسپر دغابازی اور سازش کا شبہ* ہے۔ کیونکہ اُسنے لڑائی سے پہلے ہی رات کیوقت اپنا بہت سا بارود گولہ ریت میں چھپا دیا تھا جسکے سبب

* خافی خاں کے بیان سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ س۔م۔ح ۱۲

سے صرف چند باڑیں چلانیکے بعد فوج کے پاس یہہ سامان نرہا۔ خیر اسکی اصل خواہ کچھ ہی ہو مگر لڑائی بہرحال بہت سخت ہوئی اور گھاٹ کے روکنے میں سپاہ نے بڑی شجاعت دکھائی۔ اُدھر اورنگ زیب کی فوج کا یہہ حال تھا کہ بڑے بڑے پتھروں کی وجہ سے جو دریا کے پاٹ میں تھے اُسکو سخت تکلیف پہنچی اور کناروں کی کُڈھب بلندی کے باعث سے اُوپر چڑھنا سخت مشکل تھا۔ مگر مراد بخش کی تیزی اور شجاعت اِن سب دشواریوں پر غالب آئی۔ اور وہ اپنی خاص فوج کے ساتھ دریا کو عبور کر آیا اور آخرکار باقی سپاہ بھی پیچھے سے بہت جلد آپہنچی۔ اِسوقت قاسم خاں بڑی بدنامی کے ساتھ میدان سے بھاگ نکلا۔ اور جسونت سنگھہ کو صریح جان جوکھوں میں چھوڑ گیا۔ اب اگرچہ اس بہادر راجہ پر چاروں طرف سے دشمن کی فوج ٹوٹ پڑی۔ مگر اُسکے شجاع اور بہادر راجپوتوں نے اپنی جانیں لڑاکر بچالیا۔ اور ایسی جان توڑکر لڑے کہ آٹھ ہزار میں سے لڑائی کے خاتمہ پر صرف پانسو کے قریب باقی رہگئے۔

اِس واقعہ کے بعد راجہ نے آگرہ جانا مناسب نہ جانا اور اِن بچے کھُچے وفادار سپاہیوں کے سیدھا اپنی ریاست گاہ کو چلا گیا۔ *

---

* ہندوستانی مورخوں نے اِن واقعات کو یوں بیان کیا ہے کہ جب مراد بخش کے بادشاہ بن بیٹھنے کی خبر آگرہ میں پہنچی تو اُسکو گجرات کی صوبہ داری سے معزول کیے جانے اور مُلک برار میں جو پہلے سے اورنگ زیب کی جاگیر میں تھا (غالباً دونوں کے بھڑانے کی خاطر) جاگیر دیکر صرف اُسپر قناعت کرنیکا حکم دیا۔ اسکو نے بادشاہ سے دلوادیا تھا۔ اور اسکے ساتھ ہی قاسم خاں میر آتش اُسکی جگہ گجرات کی صوبہ داری پر نامزد کیا گیا تھا۔ اور چونکہ مالوہ کا صوبہ دار شائستہ خاں

راجپوتوں کی سپاہگری کے متعلق اُنکی بعض عادتوں اور رسموں کا اور اُنکی شجاعت کے باعث مسلمان بادشاہوں کے نزدیک اُنکے محل اعتماد ہونے کا ذکر ——

لفظ راجپوت کے معنی ہیں راجہ کا بیٹا - یہہ لوگ پشت ہا پشت سے سپاہی پیشہ ہیں اور ابتدائے عمر سے یہی تعلیم پاتے ہیں اور ان کے راجہ معاش کے لیئے اس شرط پر انکو جاگیریں دیا کرتے ہیں کہ جنگی ضرورت کیوقت اپنے آقا کی خدمت کے لیئے حاضر ہو جائیں لارڈ وغیرہ موروثی اُمرائے فرنگستان کی طرح ان راجپوت ٹھاکروں کو بھی اس مُلک کے خاندانی سردار کہا جا سکتا ہے - بشرطیکہ اُنکی جاگیریں ناقابل ضبطی اور موروثی ہوں - یہہ لوگ ابتدائے عمر سے افیون کھانیکے عادی ہوتے ہیں - چنانچہ انکو افیون کے

(وہی جوان چاروں شاہزادوں کا حقیقی ماموں تھا) اورنگ زیب کے ساتھ زیادہ موافقت رکھتا تھا اُسکا بھی اُجین میں دکن کے راستہ پر رہنا مناسب جانکر اُسکی جگہہ اپنے دلی خیر خواہ مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور جودھپور والہ کو اس مُراد سے بھجوا دیا تھا کہ اورنگ زیب جو اُسوقت تک بظاہر خاموش تھا اگر وہ بھی (جیسے کہ دارا شکوہ کو اُس سے توقع تھی) کچھہ کرے تو راجہ قاسم خاں کی مدد سے اُسکا سدّ راہ ہو - اور اگر بدستور خاموش رہے تو قاسم خاں مراد بخش کو گجرات سے برار کیطرف نکالے اور جسونت سنگھ بشرط ضرورت اُسکی مدد کرے - چنانچہ ان دونوں کو ابتک یہی خبر تھی کہ مراد بخش گجرات سے مالوہ کے راستہ آگرہ کی طرف بڑھا آ رہا ہے اور اس خیال میں اُجین سے بالنسٹ[1] برلہ کے راستہ روانہ ہو کر بمقام کاچرودہ[2] بزعم خود اُسکا راستہ روکے پڑے تھے - اور اگرچہ اورنگ زیب خاندیس کی دار الحکومت برہان پور سے بھی چلکر اور اکبر پور کے گھاٹ نربدا سے پایاب اُتر کر مالوہ میں داخل ہو گیا - اور دیالپور کے قریب مراد بخش بھی اُس سے آملا مگر راستوں اور گھاٹوں کو جو اُسنے نہایت ہوشیاری سے روک رکھا تھا اسلیئے انکو مطلقاً اُسکے ایسے نزدیک پہنچ جانے کی خبر تک نہ ہوئی - بلکہ اُسنے بادشاہی سپاہ کی کثرت کے اندیشہ سے جو مراد بخش کو لکھہ بھیجا تھا کہ میرے آنے تک جلدی کر کے اُسنے بڑھ جانا - اور وہ اسوجہ سے کاچرودہ سے

[1] ب ان ب ر ل ۰ [2] ک ا چ رودہ

بڑے بڑے انٹے کھاتے دیکھکر مجھے سخت حیرت ہوئی - اور لڑائی کے دن تو یہہ معمول سے دوگنی افیون کھاکر ایسے بیہوش سے ہوجاتے ہیں کہ بغیر کسی اندیشہ اپنے آپ کو ہر ایک جان جوکھوں میں ڈالدیتے ہیں - اگر کوئی راجہ خود بھی بہادر ہو تو اُسکے دل میں کبھی یہہ خیال بھی نہیں گزرتا کہ میرے راجپوت کبھی کسی مشکل میں میرا ساتھ چھوڑ دینگے - لڑائی کیوقت یہہ لوگ شاید اتنی بات کے تو محتاج ہیں کہ کوئی انکا پیش رَو اور لڑانے والا ہو - مگر اسمیں کچھ شک نہیں کہ وہ اپنے رئیس کے سامنے جان دیدینا اپنا فخر سمجھتے ہیں اور اُسکو دشمن کے ہاتھ میں کبھی نہیں چھوڑ دیتے - میدان جنگ میں جانیسے پہلے جب

صرف اٹھارہ کوس کے فاصلہ پر پہنچ جانیکے بعد پیچھے کو شکر دیال پور کیطرف چلا گیا تھا تو انہوں نے اپنے خیال میں اسکو اُسکے بھاگ جانے پر محمول کرکے بادشاہ کو مبارکباد کی عرضی کردی تھی اور بادشاہ بھی کسیقدر مطمئن ہوکر اٹھارہویں رجب سنہ ایکہزار اڑسٹھ ہجری کو مع دارا شکوہ تبدیل آب وہوا اور آگرہ کی گرمی سے بچنے کے لیئے اپنے طبیبوں کی صلاح کے موافق (مگر دارا شکوہ کی مرضی کے برخلاف) دہلی کو چلا گیا تھا - مگر جب یہہ دونوں لشکر آکر باہم ملگئے اور راجہ شیورام گوڑ نے جو قلعہ مانڈو میں تھا اور دارا شکوہ کے اُن نوکروں نے جو دھار کے قلعہ سے اورنگ زیب کے نزدیک آپہنچنے سے خوف زدہ ہوکر مہاراجہ کے لشکر میں بھاگ آئے تھے - جسونت سنگھ کو اطلاع دی تو اُسوقت اسکی آنکھیں کھلیں اور کاچرودہ سے پیچھے ہٹ کر دھرمات پور کے متصل جو اُجین سے سات کوس کے قریب ہے اورنگ زیب کے لشکر سے ایک کوس کے فاصلہ پر اُسکا راستہ آروکا - اَب چونکہ اورنگ زیب کا اصل مقصود یہہ تھا کہ اگر ہوسکے تو راجہ کو بھی اپنے ساتھ ملالے - اور پیغام سلام کے حیلہ سے اپنے تھکے ماندے لشکر کو ذرا ارام دے لے - اسلیئے کب راے کو جو ایک ہوشیار اور فہیم برہمن تھا اُسکے پاس بھیجکر پیغام سلام شروع کیئے اور وہی معمولی حیلہ کہ ہم بادشاہ کی خدمت میں صرف عیادت

یہہ افیون کے نشہ میں جھومتے ہوے مرنیکے یقین سے ایکدوسرے سے بغلگیر ہوکر رخصت ہوا کرتے ہیں تو یہہ تماشا عجیب دلچسپ اور قابل دید ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں محل تعجب نہیں ہے کہ یہہ مغل بادشاہ اگرچہ مسلمان اور بُت پرستوں کے مخالفِ مذہب ہیں۔ لیکن بہت سے راجاؤں کو ہمیشہ اپنی ملازمت میں اور اکثر اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور اُن کے ساتھ ویسے ہی سلوک کرتے ہیں جیسے کہ اپنے مسلمان امیروں اور سرداروں کے ساتھ! اور مسلمان امیروں کی مانند انکو بھی فوج کی حکومتوں اور سرداریوں پر مقرر اور مامور کرتے ہیں۔

اور حضور ملازمت کی خاطر جاتے ہیں اور ظاہر کیا کہ اوّل تو مناسب یہہ ہے کہ تم ہماری پاس حاضر ہو جاؤ اور اگر یہہ نہیں ہو سکتا تو راستہ چھوڑ کر اپنے وطن جودھپور کو چلے جاؤ" مگر جب راجہ نے کوئی بات نہ مانی اور لشکر نے بھی ذرا دم لے لیا تو ۱۶۷۹ء میں جب ۱۰۹۰ھ ایکہزار ننانوے ہجری مطابق اپریل ۱۶۷۹ء سولہ سو چھیاسی عیسوی کو لڑائی کے قصد سے چڑھ آیا اور سخت لڑائی ہوئی جسمیں اس شمار کے موافق جو اورنگ زیب نے فتح کے بعد کرایا تھا قریب چھ ہزار کے سپاہی جو زیادہ تر راجپوت ہی تھے کام آئے اور بہت سے بڑے بڑے نامی راجپوت سردار مارے گئے اور جسونت سنگھ خود بھی زخمی ہوا بلکہ لکھا ہے کہ کچھ خفیف زخم قاسم خاں کے بھی آیا۔ مگر ان مورخوں نے باوجود راجپوتوں کی بہادری کی تعریف و توصیف کرنیکے اس شکست کو زیادہ تر راجہ کی سوے تدبیری اور ناقابلیت فوجی سے منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُسنے اپنے لشکر کو ایسی اونچی نیچی جگہ میں قائم کیا تھا۔ اور ندی سے کچھ پانی کاٹ کر لشکر کے ارد گرد کیچڑ کر دی تھی جس سے اُسکی سوار فوج لڑائی کیوقت اچھی طرح کام نہ دیسکی۔

خافی خاں نے اس لڑائی کا ہونا شیپرا نامے ندی کے کنارے بیان کیا ہے اور جغرافیہ کے نقشوں میں بھی اس ندی کا نام شیپرا ہی لکھا ہے۔ مگر عالمگیر کے خاص مورخ میرزا محمد کاظم نے عالمگیر نامہ میں اسکا نام نالہ چودنا لکھا ہے۔ فقط سم ح

گھر پہنچنے پر جسونت سنگھ کے ساتھ اُسکی رانی کا ایک عجیب و غریب طور سے پیش آنا

اِس موقع پر جسونت سنگ۔ کی رانی جس سلوک سے اپنے شوہر کے ساتھ پیش آئی وہ بھی سُننے کے لائق ہے۔ یعنی رانی نے جب سُنا کہ راجہ پانسو سپاہیوں کے ساتھ معرکہ سے جان بچا کر نکل آیا ہے تو اُسنے بجائے اِسکے کہ اس آفت سے بچنے کی مبارکباد دیتی اور تسلّی کرتی فوراً حکم دیا کہ "قلعہ کے دروازے بند کردو ایسے بغیرت نامرد کو میں قلعہ میں ہرگز نہ آنے دونگی! ایسا شخص اور میرا شوہر! میرے باپ کا داماد اور ایسا بغیرت! میں ہرگز اسکا مونہہ دیکھنا نہیں چاہتی! جو شخص ایسے امور رانا کا رشتہ دار ہو چاہیئے کہ اُسکی شجاعت اور نیکنامی کی تقلید اور پیروی کرے۔ اور اگر فتح نہ پاسکے تو بہادری سے جان دیدے" اور اِس سے تھوڑی دیر بعد اُسکے دل میں کچھ اور خیالات گزرے اور کہا کہ میرے لیئے ابھی چتا تیار کرو مجھے دھوکا ہوا۔ میرا شوہر حقیقت میں مارا گیا۔ اور یہی سچ ہے پس اب میں زندہ رہنا نہیں چاہتی! اور تھوڑے عرصہ بعد پھر غصہ میں آکر بدستور لعن طعن کرنے لگی اور اسی حالت میں اُسکو آٹھ دن گزر گئے اور شوہر کا مونہہ نہ دیکھا۔ لیکن آخر جب اُسکی ماں اُسکے پاس آئی تب کچھ تسلّی تشفی کرکے سمجھایا کہ گھبراؤ نہیں راجہ ذرا دم لیکر اور از سر نو فوج جمع کرکے اورنگ زیب پر پھر حملہ کریگا۔ اور اپنی شجاعت اور بہادری کا نام کو بدستور قائم رکھیگا۔

ہندوستان کی باغیرت عورتوں کی نسبت مصنف کی رائے

اِس حکایت سے یہہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اِس ملک کی عورتوں کے دل میں حفظِ

ننگ و ناموس اور عزّت کا کسقدر خیال ہے - چنانچہ میں اس قسم کی مثالیں اَور بھی بیان کر سکتا ہوں کیونکہ میںنے بہت سی بیبیوں کو اپنے خاوندوں کی لاش کے ساتھ جلتے ہوئے بچشم خود دیکھا ہے - لیکن اُن واقعات کو میں کسی اَور مقام پر لکھونگا جہاں بیان کرونگا کہ انسان کے دل پر اپنی اُمیدوں اور کثرت رائے اور کسی عام عقیدے اور عزت و حرمت کے خیالات کا کیسا زبردست اور قوی اثر ہوتا ہے -

شکست کی خبر سنکر مشتعل لوگوں کی طرف سے داراشکوہ کا طیش میں آنا اور بادشاہ کا سمجھا بوجھا کر اسکو ٹھنڈا کرنا

جسوقت دَاراشِکوہ اُجّین کی اِس نامبارک اور غمناک واردات سے مُطّلع ہوا تو غیظ و غضب کے مارے یہہ حالت تھی کہ اگر نصیحت اور فہمائش سے شاہجہاں ذرا ٹھنڈا نکرتا تو خدا جانے اس وحشت اور جلدبازی میں کیا کر بیٹھتا اور کچھ شک نہیں ہے کہ اگر قاسم خاں اُسکے قابو میں آجاتا تو اُسکا سر ضرور کٹوا دیا جاتا اور چونکہ میر جملہ* کی نسبت بھی اُسکو یہہ گمان تھا کہ

* فارسی تاریخوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ داراشکوہ میر جملہ کا سخت مخالف تھا - مگر شاہجہاں کو اُسکے حال پر توجہ تھی - چنانچہ پیچھے لکھا جا چکا ہے کہ شاہجہاں کے شروع مرض کے دنوں میں جب داراشکوہ نے مہابت خاں اور راد ستر سال وغیرہ اُمرا کو بیجاپور کی مہم سے آگرہ میں واپس بُلایا تو میر جملہ کو بھی اورنگ زیب کے ساتھ سازش رکھنے کے شبہ میں عہدہ وزارت سے معزول کراکر دکن سے طلب کیا تھا - اور اسکے بیٹے محمد امین خاں کو بھی ممانعت کر دی تھی کہ باپ کی جگہہ کام نکرے اور اوّل ہی کی مانند راجہ رگھناتھ قایم مقام وزیر مقرر ہوکر بعد ازاں جعفر خاں مستقل وزیر مقرر ہوگیا تھا - مگر شاہجہاں نے پھر بھی محمد امین خاں کو دانشمند خاں کی جگہہ جسنے میر بخشی کے نہایت بڑے عہدہ سے انہیں دنوں استعفا دیدیا تھا مقرر کر دیا تھا اور جب جسونت سنگھ کی شکست

اورنگ زیب کو اپنی فوج اور روپیہ دیکر دہی اصل اصول اور بانی مبانی اس تمام فتنہ و فساد کا ہوا ہے اسلیئے قریب تھا کہ اُسکے بیٹے محمد امین خاں کو بھی مروا ڈالے اور اُسکی بیوی اور بیٹی کو بازاری عورتوں کے چکلہ میں بھیجدے مگر بادشاہ کی فہمایش بلیغ کے باعث آخرکار اُسکا جوش غضب فرو ہوا اور میر جملہ کے اہل و عیال کی عزت اور جان بچگئی - یعنی بادشاہ نے اُسکو سمجھایا کہ یہہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ میر جملہ اورنگ زیب سے سازش رکھتا ہو اور یہہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایسا دور اندیش اور دانا آدمی ایسے شخص کے فائدہ کیواسطے جس سے وہ کچھ الفت و محبت نہیں رکھتا اپنے اہل و عیال کو ایسے شدید خطرہ میں ڈالدے بلکہ برخلاف اسکے یہہ امر ظاہر ہے کہ وہ خود اورنگ زیب کے دام فریب میں پھنسا ہوا ہے -

فتح کے بعد اورنگ زیب اور مراد بخش کی چال ڈھال

اِدھر حملہ آوروں کا یہہ حال تھا کہ خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے اور یہہ گھمنڈ ہو گیا تھا کہ ہم کسی سے مغلوب نہیں ہو سکتے - اور کوئی ایسا مشکل کام نہیں جسکو ہم انجام نہ دیسکیں اور فوج کی ہمت و جرات بڑھانے کو اورنگ زیب علانیہ کہتا تھا کہ داراشکوہ کی فوج میں تیس ہزار مغل ہمارے لیئے اپنی جانیں لڑا دینے کو تیار ہیں - اور اُسکی یہہ لاف زنی چنداں بے اصل بھی نتھی کیونکہ

کی خبر اُسکو پہنچی تو محمد امین خاں کو اپنے مکان پر بلا کر قید کر لیا - اور اگرچہ دو چار روز کے بعد شاہجہاں کے سمجھانے سے قید سے چھوڑ دیا - مگر میر بخشی کے عہدہ پر نہ رہنے دیا - چنانچہ داراشکوہ اور اورنگ زیب کی لڑائی کے وقت بادشاہی فوج کا میر بخشی عمدۃ الملک خلیل اللہ خاں تھا -

س م ح - ۱۲

ناظرین کتاب جلد معلوم کرینگے کہ داراشکوہ سے فی الواقع بعض اُمرا نے دغابازی کی۔ اَب مُراد بخش اگرچہ تیز مزاجی سے قیام کا متحمل نہ تھا۔ اور اُسکا شوق یہی چاہتا تھا کہ آگے بڑھے چلیئے۔ لیکن اورنگ زیب نے روکا اور کہا کہ اس خوشنما دریا (نربدا*) کی کنارے ٹھہر کر ذرا دم لینا اور آرام کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ہمکو اپنے دوستوں اور خیرخواہوں سے خط و کتابت کرکے دارالسلطنت کے حالات جانچنے اور معلوم کرنیکا موقع ملیگا۔ غرضکہ اَب اِن کا کوچ آہستہ آہستہ ہوتا تھا۔ اور آگرہ سے جو خبریں آتی تھیں اُنپر غور کرکے آگے کو بڑھتے تھے۔

شاہجہاں کی مجبوری اور داراشکوہ کی خودرائی

اِسوقت شاہجہاں ایک عجیب ناامیدی اور غم میں مبتلا تھا۔ کیونکہ ایکطرف تو یہہ دیکھتا تھا کہ اَب یہہ دونوں کسیطرح دارالسلطنت میں داخل ہوئے بغیر نہ رہینگے۔ دوسری جانب داراشکوہ کو لڑائی کی بڑی بڑی تیاریاں کرتے دیکھکر اُسے سخت اضطراب ہوتا تھا۔ کیونکہ خوب جانتا تھا کہ جن آفتوں کو وہ طرح طرح تدبیروں سے ٹالنا چاہتا تھا اَب اس خاندان پر آنے والی ہیں۔ مگر داراشکوہ کی خواہشوں کو روک بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اوّل تو بیماری کی سختیوں ہی سے چھٹکارا نہیں ہوا تھا اسکے علاوہ داراشکوہ کی موہنہ زوریوں سے مجبور ہوکر فوج اور مُلک کے کام سے ہاتھ اُٹھا بیٹھا تھا اور اُمرا اور وزرا کو کہہ چکا تھا کہ اُسکی اطاعت اور فرمانبرداری کریں۔ غرضکہ اِن دنوں اُسکی یہہ حالت تھی کہ گویا داراشکوہ

* انگریزی میں نربدا ہی لکھا ہے مگر یہہ ترجم کی غلطی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ آئے ہیں۔ ۱۲

تو بادشاہ اور حاکم تھا اور وہ نوکر اور محکوم۔

داراشکوہ نے جو فوج جمع کی تھی اُسکی تعداد۔

اسلیئے یہہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ داراشکوہ نے بآسانی اسقدر فوج جمع کرلی جو ہندوستان میں کسی لڑائی کے موقع پر شائد ہی کبھی ہوئی ہو چنانچہ ایک لاکھ سوار* اور بتیس ہزار پیدل اور اسّی توپیں اور بے انتہا نوکر چاکر اور بنیئے بقال اور مزدور اور حمّال جو رسد رسانی اور اَور کاموں اور خدمتوں کے لیئے صلح ہو یا جنگ بہرحال درکار ہوتے ہیں جمع ہو گئے۔ پس اکثر مؤرّخ جو یہہ لکھدیا کرتے ہیں کہ فلاں جگہہ تین چار لاکھ آدمی کا لشکر تھا مجھے شک ہے کہ وہ غلطی سے بہیر کے لوگوں کو بھی لڑنے والے سپاہیوں کے شمار میں داخل کرلیتے ہیں

باوجود کثرت فوج کے داراشکوہ کی ناکامیابی کے آثار نمایاں ہونے

اگرچہ یہہ بات مسلّم ہے کہ داراشکوہ کی فوج اسقدر زیادہ تھی کہ بحسب ظاہر اورنگ زیب کی سی دو تین فوجوں پر غالب آسکتی تھی (کیونکہ اوّل تو اُسکی سب قسم کی فوج چالیس ہزار سے کسی طرح زیادہ نتھی۔ اور پھر تیز دھوپ اور گرمی میں کڑے کڑے کوچ کیئے چلے آنیسے اکثر تھکی ماندی تھی) مگر اسپر بھی کسیکو اُسکی کامیابی کا یقین نہ تھا اسلیئے کہ جن سپاہیوں اور سرداروں کی نسبت یہہ بھروسا ہو سکتا تھا کہ نمک حلال اور وفادار رہینگے وہ صرف وہ لوگ تھے جو سلیمان شکوہ کے ساتھ گیئے ہوئے تھے۔ اور دربار کے جتنے بڑے

---

* عاقل خاں لکھتا ہے کہ "قریب صد ہزار سوار کرار از اُمرائے نامدار و دیگر بندہائے سرکار عالم مدار و ملازمان سرکار خویش فراہم آوردہ" س م ع ۱۲۔

بڑے امیر تھے اُنکی طرف سے ایسے آثار ظاہر تھے کہ اُنکو نہ تو کچھ اُس سے محبّت ہی ہے اور نہ کچھ اُسکا فائدہ ہی چاہتے ہیں۔

داراشکوہ کے خیرخواہوں اور خود بادشاہ کا اُسکو لڑائی سے منع کرنا اور اُسکا نہ ماننا۔

اسلیئے اُسکے خالص خیرخواہوں نے نہایت منّت اور سماجت سے یہہ صلاح دی کہ آپ اس خطرناک لڑائی کی سلسلہ جنبانی نکریں اور خود شاہجہاں کی بھی نہایت مضبوطی کے ساتھ یہی رائے تھی بلکہ باوجود ضعف و نقاہت کے اُسنے یہانتک کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ اورنگ زیب کے مقابلہ کو بذات خود جاؤں اور فی الواقع یہہ تدبیر نہایت ہی عمدہ اور معقول تھی اور ضرور لڑائی ٹل جاتی اور اورنگ زیب جو نہایت ہی مغرور ہو رہا تھا اس طریق سے اُسکی کامیابی بیشک رُک جاتی اور اوّل تو اورنگ زیب اور مراد بخش باپ کے ساتھ غالباً مقابلہ سے پیش ہی نہ آتے۔ اور اگر ایسی حرکت کر بھی بیٹھتے تو یقیناً تباہ اور برباد ہو جاتے۔ کیونکہ اورنگ زیب اور مراد بخش کے سب سردار اور اہل فوج بادشاہ سے بدلے ہوئے تھے اور جب اُسنے کسی طرح سے بھی اُن کی اِس صلاح کو نہ مانا تو بنا چار کئی نہوں نے یہہ سمجھایا کہ سلیمان شکوہ جو آپ کی امداد کے لیئے بہت جلد چلا آرہا ہے اُسکے آجانے تک توقف کیجیئے۔ اور فی الواقع یہہ بھی ایک اچھی اور مفید صلاح تھی کیونکہ اس نوجوان شاہزادہ سے اکثر لوگ راضی تھے اور محبت رکھتے تھے اور وہ اپنے ساتھ ایک ایسی فوج لیئے آتا تھا جسمیں اکثر داراشکوہ کے ذاتی ملازم تھے اور سلطان شجاع پر ابھی فتح پاچکی تھی

لیکن اسکو بھی نمانا کیونکہ اُسنے یہی ایک بات ٹھان لی تھی کہ اپنے اس ارادہ پر قائم رہکر جسطرح بن پڑے اورنگ زیب سے سبقت لیجانا چاہیئے۔ اگر داراشکوہ خوش نصیب ہوتا اور موقع شناسی سے کام کرتا تو غالباً بازی لیجاتا۔ [1]

داراشکوہ نے جن خیالات سے ان مشوروں کو نمانا اُنکی تشریح

جن خیالوں سے اُسنے اِن تجویزوں کو نمانا اور جلدی سے بھڑ جانا ہی پسند کیا اُنمیں سے ایک تو یہہ تھا کہ اُسنے سوچا کہ اسوقت بادشاہ یہانتک میرے قابو میں ہے کہ اُسکی ذات خاص پر بھی مجھے اختیار کُلّی حاصل ہے۔ دوسرا یہہ کہ بادشاہی خزانہ سب میرے قبضہ میں ہے۔ تیسرا یہہ کہ کُل بادشاہی فوج میرے تحت حکومت ہے۔ چوتھا یہہ کہ سلطان شجاع نے ایسی شکست کھائی ہے کہ گویا تباہ ہی ہوچکا ہے اور اورنگ زیب اور مراد بخش جو ایک کمزور اور تھکی ماندی فوج لیکر آئے ہیں گویا "بپا سے خود بگور آمد" کا مصداق بنّے کو آتے ہیں اور اس حالت میں اگر اِنکو ایکبار شکست ملجائیگی تو پھر کہیں اِنکا ٹھور ٹھکانا

عاقل خاں لکھتا ہے کہ چونکہ داراشکوہ کو ناتجربہ کاری کی وجہ سے لڑائی بھڑائی کے کام کی بالکل لیاقت نہ تھی اور اُسکی اکثر تدبیریں نامناسب اور خلاف عقل ہوتی تھیں اسلیئے اس خاندان کے خیرخواہوں نے ہرچند عرض کیا کہ یہہ آگ جو بھڑکی ہے آب تدبیر کے بغیر بجھنی مشکل ہے اور حضرت (بادشاہ) کو ایک فریق بنانا مناسب نہیں اورنگ زیب اور مراد بخش کو آنے دینا چاہیئے اور جب حضرت کے ارشاد سے بادشاہی اُمرا اُن سے علٰحدہ ہوجائینگے تو اُن میں خود ہی مقابلہ کی طاقت نرہیگی اور جو کچھ حضور فرمائینگے اورنگ زیب کو اُسکی مخالفت ناممکن ہوگی۔ مگر جبتک بادشاہی اُمرا اُنکی رفاقت میں ہیں کوئی تدبیر پیش نہیں جاسکتی۔ چنانچہ بادشاہ نے بھی اُس رائے کو نہایت پسند کیا۔ مگر داراشکوہ نے راؤ ستر سال اور رام سنگھ کے اغواسے منظور نہ کیا بلکہ

نہ ہیگا اور اس طرح سے روز روز کا قصّہ ایک ہی دفعہ پاک ہوکر بلا شریک و سہیم سلطنت کا مالک اور بادشاہ بن جاؤنگا۔ اور یہہ بھی خیال کیا کہ اگر خود بادشاہ کو مقابلہ کے لیئے جانے دونگا تو ضرور صُلح ہوجائیگی اور سب بھائی اپنے اپنے صوبوں کو واپس چلے جائینگے۔ اور بادشاہ جو پہلے کی نسبت تندرست ہوتا جاتا ہے عنان حکومت پھر اپنے ہاتھ میں لے لیگا۔ اور اُمور سلطنت جس صورت پر پہلے تھے اُسی شکل پر پھر ہوجائینگے اور سلیمان شکوہ کے انتظار کرنے کی نسبت اسنے یہہ سوچا کہ کہیں ایسا نہو کہ اُسکے آنے تک بادشاہ میری خرابی کے لیئے کوئی منصوبہ باندھ لے یا اورنگ زیب ہی سے کوئی ایسا عہد و پیمان کرلے جو میرے حق میں مضر ہو اور یہہ بھی خیال کیا کہ اگر اُسکے آنے تک صبر کیا جائے اور بفرض اسکے کہ اُسوقت لڑائی ہوکر فتح ہوجائے تو لوگ اُسکو سلیمان شکوہ ہی سے منسوب کرینگے جسکی بہادری کی پہلے ہی بہت کچھ دھاک پڑگئی ہے اور اس حالت میں کون کہہ سکتا ہے کہ اس دل چلے اور نوجوان لڑکے کی طبیعت پر لوگوں کی تعریف و توصیف سے کس قسم کا اثر پیدا ہوگا۔ اور جبکہ خاص دادا اور اُمرائے دربار تحسین و آفرین کرینگے تو کیا معلوم ہے کہ اُسکے خیالات کہانتک بلند پروازی کریں اور باپ کی محبت اور ادب کا کچھ لحاظ باقی رہے یا نہ رہے۔

نفاق پر محمول کرکے علانیہ کہہ اُٹھا کہ "من عنقریب ایں کوتہ پایچہ ہارا (یعنی شہزادی پایچوں والے مسلمان امیروں کو) در جلیب (اردلی) ستر سال خواہم دوانید" اورنگ زیب کے سُنتے ہی سب اُمرا کیا تورانی اور کیا ایرانی بیدل ہوکر پردہ عرفانی کے جانب دار ہوگئے۔ سر اج

داراشکوہ کا آگرہ سے کوچ کرکے دریاے چنبل کے گھاٹوں کو جا روکنا

غرضکہ ان توہّمات سے داراشکوہ بہک گیا۔ اور اپنے خیرخواہوں اور دوستوں کی نیک اور عاقلانہ صلاح بالکل نمانی اور فوج کو لڑائی کے لیئے تیار ہوکر کوچ کرنیکا حکم دیا اور رخصت ہونیکو قلعہ میں بادشاہ کے پاس آیا۔ اور یہہ بوڑھا باپ اوّل تو بیٹے سے بغلگیر ہوکر بے اختیار رونے لگا مگر پھر ذرا سنبھل کر بولا کہ "خیر بیٹا تمنے اپنی مرضی کا کام کیا۔ خدا تمکو ہمیں سرخرو اور کامیاب کرے۔ لیکن یاد رکھو کہ اگر لڑائی بگڑ گئی تو پھر آکر مجھے کیا مونہہ دکھاؤ گے"، مگر اُسنے ان باتوں کی کچھ پروا نہ کی اور جھٹ پٹ رخصت ہوکر چنبل کی طرف جو آگرہ سے قریب بیس فرسنگ کے ہے کوچ کردیا اور اس خیال سے کہ مخالف فوج یہیں سے گزر کریگی دریا کے گھاٹ روک کر مورچے جما دیئے *

---

* داراشکوہ نے اگرچہ اس دریا کے معروف گھاٹ سبھی روک لیئے تھے۔ مگر دھولپور کے گھاٹ کو جہاں سے گوالیار اور دکن کا عام راستہ ہے خصوصیت کے ساتھ روکا تھا۔ یہہ مقام اُس زمانہ میں خاص بادشاہی عملداری میں تھا۔ مگر ہمارے اِس وقت میں بمُرادِ دلیا گوت کے جاٹ قوم کے اُن رئیسوں کا دارالحکومت ہے جو بزمانہ سابق گوہد کے رانا کہلاتے تھے۔ اور گوالیار بھی انہیں کی عملداری میں تھا۔ مگر مرھٹوں کے زور کے زمانہ میں وہ ریاست انکے ہاتھ سے نکلگئی اور اسکے عوض سرکار انگریزی کی اعانت سے دھولپور کی نئی ریاست قائم ہوگئی جسکا رقبہ ایکسو ساٹھ میل مربع اور آبادی قریب دو لاکھ اور آمدنی دس اور گیارہ لاکھ کے اندر ہے۔ نوجوان رئیس حال مہاراج رانا نہال سنگھ صاحب بہادر عالیشان خاندان پنوار کے نواسہ ہیں۔ اور یہہ با اختیار ریاست ہے اور گورنمنٹ قیصرہ کی طرف سے رئیس کے لیئے پندرہ توپ کی سلامی مقرر ہے۔ س م ح

اورنگ زیب کا داراشکوہ کو دھوکے میں رکھکر ایک غیر معروف گھاٹ سے آگرہ کی طرف آپہنچنا

لیکن وہ تیز نظر اور چالاک "فقیر"[۱] جسنے ہر جگہہ جاسوس اور مخبر لگا رکھے تھے اس بات کو خوب سمجھے ہوئے تھا کہ اسقدر مخالف فوج کی موجودگی میں دریا سے اُترنا کسقدر دشوار ہے۔ مگر بہرحال اُسنے اپنے ڈیرے خیمے اُس پار آن لگائے۔ اور عمداً ایسے نزدیک قائم کیئے کہ داراشکوہ اُنکو دیکھ سکے اور اسکے ساتھ ہی یہہ تدبیر کی کہ چمپت[۲] نامے ایک راجہ کو کچھ انعام واکرام اور وعدے وعید دیکر یہہ بندوبست کرلیا کہ فوج اُسکے علاقہ میں سے گزر کر فوراً اُس گھاٹ کو جاے جو پایاب تھا۔ اور اس راجہ نے اُس بن اور کوہستان کے مشکل راستہ سے جسکی نسبت داراشکوہ کو شاید یہہ گمان تھا کہ اسطرف سے اورنگ زیب نہ آسکیگا خود ساتھ ہوکر عبور کرادینے کا ذمہ کرلیا۔ اور اس تجویز کے موافق مخالفوںکو دھوکا دینے

---

[۱] چونکہ شاہزادگی کے زمانہ میں اورنگ زیب ریاکاری سے اپنی نسبت اکثر فقیر کا لفظ استعمال کیا کرتا تھا اسلیے مصنف کہیں کہیں طنزاً اس لفظ کا اعادہ کرتا ہے۔ س م ح ۱۲

[۲] یہہ بھد اور کا راجہ تھا جو باشندوں کی قوم کے نام کی مناسبت سے آگرہ کے قریب جنبل کے دونوں طرف کے اُس قطعہ ملک کو کہتے ہیں جسمیں بھدوریہ گوت کے راجپوتوں کی آبادی ہے۔ اِس خاندان میں ریاست کی صورت کسیقدر ابتک بھی قائم ہے اور گورنمنٹ عالیہ قیصریہ کی طرف سے کچھ تو کانونمعاف ہیں اور کئی ہزار روپیہ نقد عنایت ہوتا ہے موضل جلکر قریب ایک لاکھ روپیہ سال کے آمدنی ہوجاتی ہے۔ اور موضع پچوڑا جسکو عموماً گھاٹ کا گانو کہتے ہیں آجکل اِنکا ریاست گاہ ہے جو دریاے جمنا کے کنارے پر گنہ باہ پناہٹ ضلع آگرہ میں واقع ہے۔ اور اگرچہ اختیار فرمانروائی حاصل نہیں ہے مگر رئیس کو مہاراجہ کا خطاب ہے اور عزت و آبرو اب بھی بہت خاصی ہے۔ چنانچہ ایک بڑے دربار میں جو نومبر ۱۸۶۶ء اظہار سوگ میں ۶۶ھ ہجری

کے لیئے ڈیرے خیمے بدستور کھڑے چھوڑ دیئے اور خود مع فوج چلدیا۔ اور دشمن کو خبر ہونے سے پہلے چنبل سے اُتر آیا *

میں لارڈ کلائو صاحب بہادر و سپراے و گورنر جنرل کشور ہند نے بمقام آگرہ نہایت شان و شوکت سے کیا تھا اور جسمیں میں خود بھی موجود تھا مہاراجہ بھداور کی کرسی سینکڑوں جیپور۔ جودھپور وغیرہ بڑے چھوٹے چونتیس فرمانروا رئیسوں اور چھ مغلیہ خاندان کے شاہزادوں۔ اور مہاراجہ وزیا نگرام (رئیس بے اختیار متعلقہ احاطہ مدراس) اور مہاراجہ بلرام پور اودھ کے تعلقدار اعلیٰ کے بعد تینتیسویں نمبر پر اور بہت سے دیگر اختیار راجاؤں اور سرداروں سے اوپر تھے۔ اورنگ زیب چنبل کے جس گھاٹ سے پایاب اُترا تھا۔ باوجود کوشش کے اُسکا پتہ نہیں لگ سکا مگر عاقل خاں کی تاریخ اور عالمگیرنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بھداور کے راجہ نے نواح گوالیار میں حاضر ہوکر اس خدمت کے بجالانیکا ذمہ کرلیا تھا اور اورنگ زیب نے کارخانجات شاہی کو گوادی کی سرائے میں چھوڑ کر اُس ملک کے پچیس کوس کی مسافت کو دو منزلوں میں طے کرکے ماہ رمضان کی پہلی تاریخ ۱۰۶۸ ایکہزار اڑسٹھ ہجری کو ایک غیر مشہور گھاٹ سے جو گوالیار سے دھولپور کی طرف آتے ہوے داہنے ہاتھ عبور کیا تھا

* اس موقع پر بیگم صاحب نے جو خط اورنگ زیب کو لکھا تھا (جسکو نمود شاہجہاں کیطرف سے سمجھا جاتا ہے) اور اُسکے جواب میں جو عریضہ اُسنے باپ کی خدمت میں بھیجا تھا وہ دلچسپ سمجھکر تاریخ عالمگیر سے یہاں نقل کیے جاتے ہیں "لله الحمد والمنت کہ ذات مقدس شاہنشاہ معدلت پژوہ دقیقہ رس اعلیٰ حضرت ظل سبحانی منظور انظار عنایات ربانی صاحبقران ثانی از سایر عوارض و امراض جسمانی کہ لازمہ نشائہ بشریت و طبیعت انسانی است منزہ و مبرا است و توجہ عالم آراء و رباب فاہمیت برایا کہ ودایع بدایع الہی اند و امنیت ملک بہ وجہ اتم مبذول و بہ مقتضای طبع نصفت آگین اشرف ہیچ تنفسے را نمی پسندند کہ معدد حرکتے و مظہر امرے کہ مستلزم بے چینی خلایق و متضمن ضرر و ضمیر طوائف انام باشد گردد خاصۃ از فرزندان نامدار و ابناے کامگار سیما در ایام کہ خاطر مقدس بتدارک و تلافی دقیقہ و فتوے کہ بسبب بیماری آن برگزیدۂ انفس و آفاق بحال کافہ برایا و عامہ رعایا راہ یافتہ باقصی غایت

داراشکوہ کا چنبل کے کنارے سے مورچے اُٹھا کر اورنگ زیب کی فوج کے مقابلہ میں لشکر لڑانا اور بادشاہ کی رائے کے برخلاف لڑائی میں عجلت کرنا

آپ داراشکوہ کو بھی مجبوراً اپنے مورچے چھوڑ کر اُسکا تعاقب کرنا پڑا جو چنبل سے اُتر کر بڑی سرعت کے ساتھ جمنا کے کنارے پہنچگیا

اور فوج کو آرام دینے کی غرض سے مورچے جمائے دیکھ رہا تھا کہ داراشکوہ

متوجہ دفع حق ہست الہاب نوایر فتنہ و فساد و اشتعال آتش کین و عناد کہ موجب ویرانی بلاد و خرابی عباد ہست معاذ اللہ موجب مزید آزار خاطر ہمایوں و سبب کثرت حزن و ملال طبع مقدس خواہد بود بہ تخصیص ظہور این نشانہا پسندیدہ و وقوع این امر نامرغوب ازآں برادر ہوشمند بیدار مغز کہ آراستہ بہ زیور ہائے لطیف و اخلاق کریمہ و صاحب آداب حمیدہ و طبع سلیمہ ہست بغایت زشت و ناروا ہست۔ لاجرم بنا بر خیر طلبی این چند کلمہ کہ ہر آئینہ متضمن فوائد عظیمہ و موجب تنزیہ و تقدیس ساحت باطن و تصفیہ طریق معاد از خس و خاشاک امور رذیلہ و شیون ذمیمہ ہست حسن نگارش پذیرفت اگر غرض آن برادر والا گہر ازیں توجہ تہیج عباد فساد و عناد و التہاب نوایر حرب و قتال نیست خود انصاف فرمایند کہ در برابر مرشد و قبلہ حقیقی کہ رضاے او موجب خوشنودی خداے عزوجل و رضامندی رسول اوست۔ ہنگامہ جنگ و جدال حرب و قتال آراستن و بر سفک دماے بے گناہان ہمت گماشتن و بر روے آنحضرت تیر و تفنگ انداختن بچہ مایۂ ناشایان ہست و ثمرہ آن در دین نشاۓ جز بدنامی و در آن نشا غیر بدسرانجامی نیست و اگر آرائش ہنگامہ مخاصمہ و مقاتلہ از برہشاہ بلند اقبال (داراشکوہ) ہست نیز در آئین دین و خرد صواب گزین پسندیدہ نباشد زیرا کہ برادر بزرگ شرعاً و عرفاً حکم پدر دارد و این معنی را با مرضیات خاطر مقدس حضرت ظل الٰہی و مستحسنات طبع والاے شہنشاہی مباینت تامہ متحقق ہست۔ بالجملہ انبعاث عباد بیجا و القاے نوایر عناد و ترتیب اسباب رزم و خونریزی و تصمیم عزیمت حرب و فتنہ انگیزی ازاں برادر ہوشمند والا گہر کہ مجامد اوضاع و محاسن اطوار و مکارم اخلاق موصوف و معروف جہاں گشتہ پیوستہ در استرضاے خاطر اقدس خاقان خجستہ منظر و شاہنشاہ فرشتہ سیر میکوشند ہیچ وجہ و بابیچ کس پسندیدہ نیست پس توقف چند روزہ درین وادیے ثبات و قرار و مستلذات ایں فریب ایں سراے مستعار کہ باعث ارتکاب چنیں امر مذموم و ناپسندیدہ باشد موجب ملالت نشاۓ ابد و طراز ساحت سراے

کب آتا ہے (یہ جگہہ جہاں اُسنے اپنے مورچے قایم کیے تھے آگرہ سے قریب پندرہ میل کے ہی اور اس کا نام پہلے سموگڈھ تھا اور اب اسی سے کہ اورنگ زیب نے یہاں فتح پائی تھی فتح آباد کہا جاتا ہے) پس وہ بھی جھٹ پٹ آن پہنچا اور اورنگ زیب کے لشکر اور آگرہ کے مابین

مخلد است ۶ کمن کمن کہ نکو گو ہراں چنیں نکنند۔ مناسب آنست کہ آں برادر نامدار ازیں امور ردیہ و افعال شنیعہ کہ منتج سوی خاتمت و شمر وخامت عاقبت ست اجتناب لازم شمردہ در استرضای خاطر قدسی مناظر شاہنشاہ دیں پرور دخاقان معدلت گستر تا ممکن و مقدور سعی نماید خوشنودی آنحضرت را از موجبات حصول سعادت دارین دانگرفتہ ازاراقہ دم متابعان حضرت خاتم النبیین در ماہ مبارک رمضان محترز باشد و احکام مرشد وولی نعمت و والی سلطنت را بجان و دل امتثال نماید کہ فی الحقیقت بمقتضای اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ امتثال امر شاہنشاہ حقیقی ست و قدم در راہ خلاف خلیفۃ اللہی سپردن مخالفت فرمان مالک الملک نمودن ست و اگر مطلبے و غرضے غیر ازیں مرکوز خاطر عزیز بودہ باشد۔ پس سپندیدہ عالم خرد آنست کہ در سر سینے کہ منصب خیام شدہ باشد توقف انتیا ننمودہ ہر مطلبے کہ مکنون خاطر گرامی ست مرقوم گردانند تا بعرض اقدس وارفع رسانیدہ مطابق ابتغای خاطر عزیز و تمنای طبع گرامی سرانجام دادہ آید و در اسعاف و انجاح مقاصد و مآرب آن قرۃ ناصرہ سلطنت و جہانبانی سعی و اجتہاد وافی بہ تقدیم رسانیدہ شود۔"

اورنگ زیب نے کسی مصلحت سے بہن کو تو اسکا جواب نہ لکھا مگر خود باپ کے نام مندرجہ ذیل عرضی بیگم صاحب کے بخشی محمد فاروق کو جو یہ خط لایا تھا دیدی اور آگرہ کی جانب کوچ کر دیا۔

"دریں ایام زمام مہام سلطنت و دارائی و عنان امور ملکی و مالی از قبضہ اختیار حضرت بیروں رفتہ و اعلام تغلب و اقتدار شاہزادہ کلاں (داراشکوہ) در قبض و بسط امور سلطنت و فرماں دہی بنائج ارتفاع پذیرفتہ کہ اندازہ آن بحوصلہ تقریر و تحریر نمی آید

جمنا کے کنارے ڈیرے آن لگائے۔ مگر تین چار روز تک دونوں لشکر آمنے سامنے اسیطرح چپ چاپ پڑے رہے اور اس عرصہ میں اگرچہ شاہجہاں نے خط پر خط بھیجے اور لکھا کہ سلیمان شکوہ قریب پہنچگیا ہے خبردار سوے تدبیری سے بے موقع جلدی نہ کر بیٹھنا بلکہ

داد بنا بر قدرت و کفایت خویش ہمت باستیصال نہال وجود اخوان متصور گردانیدہ روز بروز سعی و اہتمام دش در ریں باب سمت تزاید مے پذیرد۔ چنانچہ سلیمان شکوہ را با فواج گران بسر شاہ شجاع کہ پسر رشید آن حضرت ست تعین کردہ ناموس دنام سی و دو سالہ را (کیونکہ یہ واقعہ شاہجہاں کے بتیسویں سال جلوس میں ہوا تھا) بباد فنا دادہ و انتخاب (شاہ شجاع) پہ مایۂ مذلت و خفت از نواسہ پرویز (شاہجہاں کے ایک سوتیلے بھائی کا نام تھا جسکی بیٹی سلیمان شکوہ کی ماں تھی) کشیدہ و پیش اہل جہاں شرسار و خجل گردیدہ و ہمچنیں ہوسے نفس و خواہش طبع خویش بنای کار بر آں نہادہ پیوستہ در تنقیص و تفسیق احوال و تقبیح و تخریب مہام ایں نیازمند بذل جہد مینماید و ہمیشہ کار ہای مبین دین و ملت کہ متلزم فساد امور بلاد و عباد باشد از و بظہور میرسد و ابواب منافع و مداخل بر رے روزگار ایں خیر خواہ مسدود گردانیدہ انواع منقصت و اقسام مضرت رسانیدہ در ایامے کہ حسب الاشارہ اقدس بر ولایت بیجاپور لشکر کشیدہ بتسخیر بعضے از قلاع آں ولایت مے پرداخت و امرا و سپاہ بہ محاصرہ اشتغال ورزیدہ داد جانفشانی میدادند و مخالفان از اطراف و جوانب ہجوم آوردہ در صدد ممانعت و مدافعت بودند و اخبار موحشہ بیماری ذات مقدس شیوع یافتہ باعث تحیر و تفکر اولیاء دخیر گی و شوخی اعدا شدہ بود و محصوران گلبرگہ کہ جانبازان موکب اقبال بعد از تسخیر قلعہ بیدر دکلیانی بمحاصرۂ بلدۂ مذکور پرداختہ بودند در ضیق محاصرہ دلتنگ تر از غنچہ شدہ کاربداں قریب گشتہ بود کہ صورت افتتاح رو نماید و سنداے بیجاپور از تر کتاز بہادراں اقلیم ستاں مستولہ آمدہ در فکر آں فرو افتادہ بود کہ پیشکشے لائق سرانجام دادہ ولایت خود را از صدمہ سپاہ فیروزی دستگاہ مصون گرداند و الا تیغ آن داشت کہ دلاوران موکب اقبال او را عنقریب مناصل ساختہ ولایتش را ضمیمہ ممالک

مناسب یہہ ہے کہ آگرہ سے کسیقدر اَور قریب ہوجاؤ اور سُلیمان شکوہ کے آجانے تک لشکر کو کسی مناسب جگہہ ٹھہراکر اردگرد خندق کھُدوالو اور مورچے باندہ لو مگر اُسسے انکے جواب میں صرف اتنا ہی لکھہ بھیجا کہ حضور کچھہ اندیشہ نفرمائیں انشاءاللہ تین دن گزرنے نہ پائینگے کہ اورنگ زیب اور مراد بخش

محروسہ گردانند در خلال ایں حال شاہزادہ کلاں ملازمان خود را بطلب امرائے بادشاہی و تسلّی و استمالت حاکم بیجاپور تعین نمود۔ آنہا پیغامہاے غایت آمیز و مہربانی انگیز بوالی بیجاپور رسانیدہ اورا در وادی لجاج و عناد نسبت باین مُرید دلیر تر ساختند و سرداران بادشاہی را بمبالغہ و اہتمام تمام از پیرامون بلدہ گلبرگہ کہ کارش نزدیک بکشایش رسیدہ بود برداشتہ در رواں کردن و بردن آنہا بداں غایت مراقب تاکید و اجتہاد بظہور رسانیدند کہ فرصت رخصت و مجال وداع نیافتہ دایں خیرخواہ را ندیدہ برجناح استعجال عازم درگاہ جہاں پناہ شدند ازینجہت قافیۂ وقت برین نیازمند بغایت تنگ گشتہ بورطۂ تحیّر و تفکّر در افتاد و بحکم ضرورت کار صورت یافتہ و بانجام رسیدہ را بہم زدہ محض بنیروے اقبال بے زوال خود را ازاں سہ چال خطرناک برآوردہ و بہزاراں جرّ و تحیل و اصابت تدابیر از میان انبوہ غنیم برآمدہ سالماً باینجا رسید۔ عیاذاً باللہ اگر چشم زخمے رسیدہ راکناف و اطراف جہاں شہرت یافتہ لکہ بدنامی و خال خفت و مذلت بسالہاے دراز بر روے دولت پائدارے ماند و برجراید روزگار ثبت مے گردید و پیداست کہ تدارک تلافی آن بواسطہ عدم دوربینی و ناعاقبت اندیشی شہزادۂ کلاں کہ محض روائی کار خویش مطمح نظر داشتہ اگر عالمی را آب فرو برد دمے ندارد و از دائرۂ امکان و حیز قدرت بندہاے بادشاہی بیرون بود ایں مرید از بس ممارست در امر جانبازی و مہارت در کار نبرد و پیکار و آشنائی باشیوہ شیزہ وراں ایں دیار از ہجوم واردحام اعدا حسابی نگرفتہ بچقاق جلاوت فرق مخالفان کوفتہ باستظہار اقبال شکوہ ازاں گرداب شورش و فساد در خمان سلامت بیروں آورد و غریب تر آنکہ باین بے مددی و خساست و کارشکنی و خصومت کہ در ایران و توران انتشار پذیرفتہ اکتفا نمودہ محال بزار را (یعنی بڑا رجوفی زمانہا ریاست حیدرآباد دکن کا ایک جزو گورنمنٹ انگریزی کے زیر انتظام ہے) بے سابقۂ تقصیر و کوتاہی از جاگیر ایں خیرخواہ رضا طلب کہ جزا رادت و اعتقاد امرے دیگر را بخاطر راہ

کو ہاتھ پانو باندھکر حاضر کردونگا اُسوقت حضور کو اختیار ہے کہ جو مناسب ہو انکو سزا دیں
اور یہہ جواب روانہ کرکے لڑای کی تیاری کردی *

داراشکوہ کی صف آرائی

چنانچہ سب سے آگے توپخانہ قایم کیا اور آہنی زنجیروں سے توپوں کو اسطرح باہم جکڑ دیا کہ دشمن کے سواروں کو حملہ کرکے گھس آنیکی

زیادہ تغیر کردہ آنچناں ناخلفی زیادہ سرے (مراد بخش) کہ باز حد پیروں نہادہ مرتکب انواع گستاخی و مصدر تقصیرات عظیم گشت ولو اے بے اعتدالی و افساد در عرصہ بغی و عناد برافراشتہ تتحوا نمود وکیفیت حال داعی را بواسطہ خواہش نفس خویش بخلاف واقع بعرض اشرف رسانیدہ محض بہتان و افترا و ایال حال ایں خیر اندیش را غبار آلود جرائم دلوث آمود نائم دانمود و باصلاح تمام جسوت مشکل را با لشکر گراں بر سر ایں داعی گماشت و مطمع نظر انداشت کہ دریں ضمن دلایتے مختصر (یعنی دہ داری دکن) کہ از پیشگاہ عاطفت و اشفاق حضرت بایں مرید مرحمت شدہ بہر بہانہ کہ میسر آید انتزاع نماید و این فندوی را آوارہ فیافی بیکسی و غربت و آسیمہ سر صحوائے محن و کربت گرداند و لبکہ از راہ دیدہ دوستان در مزاج اقدس تصرف کردہ حضرت قول او را تصدیق فرمودہ سائر فرزندان اخلاص طینت را دشمن دولت فراگرفتہ در حق ایں سرگردانان سراب گاہ چیرت ہر چہ او تجویز مے نماید بے تامل حکم مے فرمایند و قطعاً تفحص و تفتیش حال ایں بے گناہان توجہ و غور در امور ملکی و مالی نفرمودہ زمام رتق و فتق مہام جزئی و کلی کیف اختیار و قبضہ اقتدارش باز گذاشتہ اند و او خود بے غائلہ شک شائبہ ریب تشنہ خون ایں بیگناہان ست۔ چوں کار بایں حد رسیدہ و صورت حال بدیں منوال انجامیدہ خطا جان و پاس ناموس خود از تسمات عالم عقل و تتمات نشاۂ خرد دانستہ عازم استلام سدہ سدہ نسرلت سپہر رتبہ شتام گردید تا صورت حال بہ تہج و براہین معقولہ در خدمت عاکفان پایۂ اورنگ جہانبانی

* شاہجہاں نے جو حتی الامکان لڑای کو روکنا چاہتا تھا باوجود ضعف و نقاہت اور سخت گرمی کے موسم کے یہہ چاہا تھا کہ خود جاکر دونوں لشکروں کے بیچ میں اتر پڑے یہانتک کہ پیش خیمہ بھی بھیجدیا تھا۔ اور بیماری و کمزوری کی وجہ سے بسواری کشتی موقع فساد پر پہنچنا چاہا تھا۔ مگر اُسوقت کے مورخوں نے لکھا ہے کہ داراشکوہ نے اس تجویز کو اپنے مدعا کے برخلاف سمجھکر عمل میں نہ آنے دیا۔

گنجایش نرہی اور اُسکے پیچھے زنبورخانہ کے رسالوں کا پرا جایا جنکے اونٹوں کی پیٹھ پر زنبورک جو ہماری جہازی جزائلوں سے مشابہ ہیں کسے ہوئی ہوتی ہیں اور یہہ لوگ اُنکو اُونٹ پر چڑھے چڑھاے بآسانی بھر کر چلا سکتے ہیں اور ان کے پیچھے بہت سی صفیں پیدل بندوقچیوں کی تھیں اور باقی فوج سواروں

کشوف گرداند فرح عدل سلطاں گر نپرسد حال مظلوماں عشق ؛ گوشہ گیراں را زآسایش طمع باید برید - چوں ایں خیر خواہ قطع مسافت نمودہ بحوالی آنجنین فایز گردید جسونت سنگھ باستقبال شاہزادہ کلاں بایداد آزار ایں خیر خواہ مامور بود بسلسلۂ جنبانی جہل و نادانی سنگ راہ گشتہ بقدم ملامت پیش آمد و بے ملاحظۂ آداب و حقوق دلیرانہ تحکم نمود چندانکہ مردم ہوشمند سخنداں فرستادہ بعنوان معقول آن جہول را بارادۂ خود آگاہی بخشید و تصریح نمود کہ محرز سعادت حضور فایض النور و محرم طواف کعبہ آمانی و آمال بندگان نزدیک و دورست چرا مانع سعادت میشود - آن ناعاقبت اندیش اصلا بمعقولیت آشنا نشدہ بتکلیف جہالت و غرور بیشتر در مراتب منع افزود لاجرم نبہ جہل و پندار بوج از گوش ہوش او در کردن و آن ظلوم جہول را از پیش راہ برداشتن بحکم ضرورت بر ذمۂ ہمت عقیدت ہمت واجب گردید و اگر غیر از تحصیل سعادت زمیں بوس اشرف و اعلی امرے دیگر مرکوز خاطرے بود بر ضمیر خورشید تنویر ہمایوں روشن و ہویداست کہ اسیر کردن او در نقاش کجنیں شکست فاش یافتہ بحال منکر سر اسیمہ گرد وادی انہزام گشتہ بودند چنداں تعذری نداشت و اکنوں کہ شاہزادۂ کلاں خود باسپاہ گراں تا دھولپور تشریف آوردہ معابر چنبل و مسالک راہ مسدود و ساختہ و جابجا مردم خود گماشتہ باعتقاد خویش از راہ عبور بریں خیر اندیش بستہ بودند - چوں ایں مرید را غیر از ادراک دولت حضور پرنور باہیچ کس سر مقابلہ و پیکار نبود و نیست - از راہ بھدادر از آب چنبل عبور نمودہ عازم زمیں بوس افتد گشت و چنیں شنیدہ میشود کہ آنجناب (داراشکوہ) حرمان ایں ارادت سرشت اخلاص کیش از سعادت خاک بوس ہمایوں خواستہ قصد اشتعال نایرۂ قتال پیش نہاد ہمت دارند - چوں آنجناب را باچوں من مریدارادت پرست بمقابلہ و ممانعت پیش آمدن و ہنگامۂ حرب و مصاف آراستن عقلاً و نقلاً سنجیدۂ میزان استحسان نیست لازم کہ از سلوک مسالک عناد و اعتساف انحراف نمودہ از اقدام بر امرے کہ

کی تھی جنکے پاس یا تو تلواریں اور برچھیاں تھیں یا تلواریں اور تیر کمان۔ چنانچہ برچھی راجپوتوں کا ہتھیار ہے۔ اور تیر و کمان عموماً مغلوں کا۔ اور یہہ بات میں پہلے لکھ ہی چکا ہوں کہ آجکل ہندوستان میں گورے رنگ کے سب نو وارد مسلمانوں کو خواہ عرب ہوں خواہ رومی۔ ایرانی ہوں خواہ تورانی مغل ہی کہتے ہیں۔

اِسکے بعد داراشکوہ نے فوج کے تین حصے قرار دیئے چنانچہ دائیں پرے کا سردار خلیل اللہ خاں کو بنایا جسکے تحت میں تیس ہزار مغل تھے اور بائیں پرے کی سرداری رستم خاں دکھنی کو جو بڑا شجاع اور نامور سردار تھا تفویض ہوئی اور راو ستر سال (ہاڑہ) اور رام سنگھ (راٹھور معروف رٹھلہ) کو اُسکے شامل کر دیا۔ خلیل اللہ خاں کو دانشمند خاں کی جگہہ (جسکی کچھ دنوں بعد میںنے ملازمت اختیار کر لی تھی) سواروں کی فوج کا "بخشی" یعنی سپہ سالار بنایا گیا تھا۔ اور اسکی یہہ وجہ تھی کہ دانشمند خاں کو یہہ بات ہرگز گوارا نتھی کہ کوئی شخص شاہجہاں کے شاہانہ اختیارات میں مداخلت کرے اور چونکہ یہہ امر داراشکوہ کی ناراضی کا باعث تھا اسلیئے اُسنے اپنے منصب سے استعفا دیدیا تھا۔

منتج اختلال احوال خلائق باشد اجتناب و احتراز نماید۔ اگر بنا بر توغل در لجہ غرور و استکبار و نظر بر کثرت اعوان و بسیاری انصار خواہ مخواہ با فروختن آتش کارزار و گرم نمودن بازار پیکار ہمت گمارند۔ فندوی عقیدت گزین نیز بحکم الضرورت تبیح المحظورات مرد نخواہد کرد پسندیدہ عالم سواب آنست کہ بزرگی را کار فرمودہ بساط کرد فرود نورند و بالفعل صوب ولایت پنجاب کہ در جاگیر آنجناب مقرر است شتافتہ چندی خدمت حضور ہمایوں را بایں نیہ خواہ سراپا اعتقاد و اگزارند بعد ازاں ہر چہ در مرآت روزگار جہاں آرا جلوہ ظہور فرماید شرف بزور خواہد یافت" سلام ح

اورنگ زیب اور مراد بخش کے لشکر کی صف بندی

اورنگ زیب اور مُراد بخش نے بھی قریباً اِسی قاعدہ سے اپنی فوج کو میدان میں کھڑا کیا البتہ یہہ بات زیادہ کی کہ اُمرا کی فوجوں میں جو دونوں طرف یعنی دائیں بائیں تھیں کچھ ہلکی توپیں پوشیدہ طور پر لگادیں۔ کہتے ہیں کہ یہہ حکمت میر جملہ کی بتائی ہوئی تھی جسکا نتیجہ کسیقدر اچھّا ہی نکلا۔

ہندوستان کے فن جنگ کی نسبت مصنّف کی راے

مجھے معلوم نہیں کہ اس لڑائی میں کوئی اَور جنگی حکمت بھی کی گئی ہو بجز اسکے کہ مقابل کی صف کے اکثر حصّوں سے ایک قسم کے بان دونوں طرف کے سواروں پر چلائے جاتے تھے۔ جنسے اکثر گھوڑے بھڑک جاتے تھے اور کبھی کبھی کچھ آدمیوں کا بھی نقصان ہو جاتا تھا۔ مگر میں اسبات سے اِنکار نہیں کرسکتا کہ یہاں کے سواروں کی چلت پھرت بہت اچھّی ہے۔ اور لڑائی کے وقت گھوڑوں کو بآسانی پھرانے اور چکّر وغیرہ دینے میں بہت مشّاق ہیں۔ اور تیراندازی تو ایسی عجیب سرعت کے ساتھ کرتے ہیں کہ جتنی دیر میں برقندار دو بندوقیں چھوڑے سوار کچھ تیر چلا سکتا ہے۔ اور یہہ بات اچھّی طرح سے صف بندی قائم رکھتے اور بخوبی مجتمع رہتے ہیں۔ خصوصاً حملہ کے وقت دشمن پر خوب اکٹھے ہوکر گرتے ہیں۔ مگر باینہمہ میں اِنکو لڑائی کے فن میں فرنگستان کی فوج سوار کے مانند قابل اور ہوشیار نہیں سمجھتا۔ اور اس کا سبب میں اس کتاب کے ایک اَور مقام میں بیان کرونگا

لڑائی کا بیان

اَب لڑائی کی کیفیّت سُنیئے کہ جسوقت دونوں طرف بخوبی

تیاریاں ہو چکیں تو یہاں کے دستور کے موافق اوّل گولہ چلنا شروع ہوا اور پھر تیر اس کثرت سے برسنے لگے کہ گویا بادل چھا گیا مگر لڑائی کی گرما گرمی میں یکایک مینہ کا ایک ایسا چھینٹا پڑا کہ لڑائی جو خوب سرگرمی سے ہو رہی تھی تھوڑی دیر کے لیئے ذرا ٹھنڈی پڑ گئی۔ مگر بارش کے رُکتے ہی پھر توپیں چلنے لگیں اور داراشکوہ اِسوقت سرآندیپ کے ایک خوبصورت ہاتھی پر سوار ہو کر نکلا اور سب طرف سے دھاوا کرنیکا حکم دیتا ہوا بذات خود سواروں کی ایک فوج کے ساتھ دشمن کی توپیں چھین لینے کو بڑی جرات سے بڑھا۔ مگر مخالفوں نے ایسی مستعدی اور استقلال سے مقابلہ کیا کہ داراشکوہ کے اِرد گرد آن کی آن میں کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور نہ صرف وہ فوج جو اسکے ساتھ تھی بلکہ بہت سی اور بھی جو پیچھے سے آن ملی تھی سب تتر بتر کر دی لیکن داراشکوہ ایک عجیب استقلال کے ساتھ میدان میں قائم اور ہاتھی پر بیٹھا چاروں طرف بڑی دلیری اور بیباکی سے برابر نظر ڈالتا ہوا لڑائی کی درستی میں مصروف تھا۔ چنانچہ اُسکی دیکھا دیکھی اہل فوج بھی دلیر ہو گئے اور نامستقل مزاج اور تھوڑے سپاہی جو جگہہ چھوڑ گئے تھے پھر اپنے اپنے موقع پر آن جمے اور داراشکوہ نے اگرچہ پھر کئی متواتر حملے کیئے مگر اورنگ زیب تک نہ پہنچ سکا کیونکہ دشمن کے توپخانہ نے اسقدر نقصان پہنچایا اور ایسا زور باندھا کہ بعض سپاہیوں کے دل چھوٹ گئے بلکہ کچھ بھاگ بھی نکلے لیکن داراشکوہ کی شجاعت و دلیری نے ایسا اثر کیا کہ اکثر سپاہیوں نے منہہ نہ موڑا اور اپنے بہادر سپہ سالار کی رکاب میں اس تیزی سے بڑھے کہ

آخر کار توپوں تک جا ہی پہنچے اور اُنکی زنجیریں کھول ڈالیں اور دشمن کی خیمہ گاہ میں جا گھسے اور زنبورخانہ کے رسالوں اور پیادوں کی فوج کو مار کر بالکل بھگا دیا۔ مگر اسوقت سواروں کی فوجوں کے باہم نہایت ہی زور شور سے لڑائی ہوئی اور اس کثرت سے تیر برسے کہ آسمان کا دیکھائی دینا دشوار ہوگیا یہانتک کہ خود داراشکوہ نے اپنا ترکش خالی کرڈالا۔ مگر اِن تیروں سے فریقین کا چنداں نقصان نہیں ہوا کیونکہ دس میں سے نو تیر یا تو نشانہ تک پہنچتے ہی نتھے یا ادھر اُدھر جا گرتے تھے جب ترکش خالی ہو چکے تو تلواروں کی نوبت آئی اور فریقین اس شدّت سے لڑے کہ جسقدر سپاہی مارے جاتے تھے اُسیقدر جوش بڑھتا جاتا تھا اور داراشکوہ بڑی شجاعت سے پکار پکار کر اہل فوج کو برابر تسلّی اور بڑھاوے دیئے جاتا اور حملہ پر حملہ کیئے جاتا تھا جسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ آخر کار دشمن کے سواروں کو بھی بھگا دیا اور اورنگ زیب نے جو ہاتھی پر سوار اور نزدیک ہی تھا چند سپاہ کے قائم رکھنے میں بہت کوشش کی لیکن کچھ فائدہ نہوا اور اگرچہ اپنے خاص الخاص سواروں سے بھی چاہا کہ داراشکوہ کو روکیں لیکن اُنکو بھی میدان جنگ سے نہایت ابتری کے ساتھ بھاگنا ہی پڑا۔ مگر واہ رے اورنگ زیب تیری دلاوری۔! جب دیکھا کہ تمام فوج بھاگ گئی اور جو لوگ ابتک صحیح وسالم اور حاضر رکاب ہیں وہ بھی ایکہزار سے زیادہ نہیں! (بلکہ مینے سُنا ہی کہ قریب پانسو ہی کے تھے) اور اِس حالت پر بھی غور کی کہ بلا لحاظ زمین کی ناہمواری اور نشیب و فراز کے (جو دونوں لشکروں میں

حائل تھی) داراشکوہ اب ہماری اس تھوڑی سی باقیماندہ فوج پر ضرور حملہ کریگا تو ذرا بھی نہیں ڈرا بلکہ اپنے سرداروں کو نام لے لیکر پکارا کہ بہادرو خدا پر نظر رکھو بھاگنے سے کیا ہوگا خدا سب جگہہ ہے! کیا تم نہیں جانتے کہ ملک دکن کسقدر دُور ہے۔!

اورنگ زیب کا اپنے ہاتھی کے پاؤں میں زنجیر ڈالدینے کا حکم دینا اور راجپوتوں کے نہایت سخت حملوں میں اُسکا اور مُراد بخش کا ثابت قدم رہنا۔

اور اپنا یہہ عزم جتانے کو کہ خواہ کچھہ ہی ہو میدان سے ہرگز نہ ٹلونگا یہہ عجیب* حکم دیا کہ "ہماری ہاتھی کے پانو میں زنجیر ڈالدو" حقیقت یہہ ہے کہ اگر اُسکے حاضر رکاب رفقا اور جاں نثار سپہ دار اس نازک وقت میں وفاداری اور ہمت میں کچھہ کمی کرتے تو ہاتھی کے پانو میں ضرور زنجیر ڈالدی جاتی مگر ان لوگوں نے بالاتفاق اپنی جان نثاری اور وفاداری کے مضبوط وعدوں سے اورنگ زیب کو ایسا کرنے دیا اور داراشکوہ نے اگرچہ نہایت کوشش کی کہ جسطرح ممکن ہو اورنگ زیب کو جائے۔ لیکن زمین کے نشیب و فراز اور دشمن کے شکست یافتہ سواروں کی وجہ سے جو ابتک میدان میں اوٹپٹانگ پر ادھر اُدھر موجود تھے (گو بے ترتیب طور پر پھر رہے تھے) اُن تک پہنچ سکا داراشکوہ کا یہہ خیال بیشک صحیح تھا کہ اورنگ زیب کے مارے یا پکڑے جانیکے بغیر فتح ناقص ہے اور چونکہ اورنگ زیب اب مقابلہ کے قابل نرہا تھا اسلیئے اُسکو فی الواقع ایسا ہی کرنا واجب تھا۔ فوراً حملہ کرکے اپنے اس خوفناک رقیب

* ہندوستان کے بہادر سردار کڑے وقت میں بھاگنے کی بہ نسبت جان دیدینے کو بہتر سمجھتے ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ س م ح ۱۲

کو بآسانی پامال کر دیتا - لیکن بعض واقعات کے سبب سے جنکا ذکر میں ابھی کرتا ہوں دارا شکوہ کا خیال ایک آنے طرف رجوع ہوگیا اور اورنگ زیب جوکھوں سے بچگیا - یعنی دارا شکوہ کو اس خطرناک موقع پر اپنی فوج کے بائیں پرے میں بڑی ہل چل نظر آئی - اور اُسکا ایک مصاحب یہ خبر لایا کہ رُستم خاں اور ستر سال کام آئے اور رام سنگھ روٹھلہ جو بڑی شجاعت کے ساتھ دھاوا کرکے دشمن کی فوج میں جا گھسا تھا گھر گیا ہے - پس اورنگ زیب پر دھاوا کرنے کا ارادہ چھوڑ کر اُسے اپنے بائیں پرے کی مدد کو نہایت جلدی کے ساتھ جانا پڑا اور دارا شکوہ کے بذات خود پہنچ جانیکی وجہ سے ایک سخت چپقلش کے بعد لڑائی کا رنگ پھر بدل گیا - اور چاروں طرف سے فوج مخالف کو پیچھے ہٹا دیا گیا - لیکن اُنہوں نے ابھی ایسی شکست نہیں کھائی تھی کہ دارا شکوہ کو بالکل بیفکری ہو جاتی - اس مار دھاڑ میں رام سنگھ روٹھلہ نے ایک بے نظیر شجاعت کے ساتھ مُراد بخش کو جا زخمی کیا اور کمال دلیری سے اُسکی عماری کے چند رسّوں* کو کاٹ ڈالا اور قریب تھا کہ حریف کو ہاتھی سے گرا لے - مگر مُراد بخش کی پھرتی اور شجاعت کے باعث ناکامیاب رہا

* رام سنگھ کا مراد بخش پر حملہ کرنا اور مراد بخش کے تیر سے اُسکا مارا جانا تو صحیح ہے مگر اُسکے ہاتھی کے کچھار بند کو کاٹنے کے لیئے کوشش کرنا درست نہیں کیونکہ فارسی تاریخوں سے بالاتفاق ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دلیرانہ حملہ خود اورنگ زیب کے ہاتھی پر ہوا تھا اور جسنے یہ حملہ کیا تھا وہ مہاراجہ جسونت سنگھ جودھپوریہ کا جگیر بھائی راجہ دیپ سنگھ راٹھور تھا - جو اورنگ زیب کے منع کرتے کرتے جو اُسکی اس ہمیشل بہادری کی وجہ سے اُسکو بچانا چاہتا تھا لڑائی کی ہڑبونگ میں اورنگ زیب کے سپاہیوں کے ہاتھ سے وہیں مارا گیا - س م ح

مراد بخش اگرچہ زخمی* اور راجپوتوں کے نرغہ میں تھا لیکن ڈھال سے اپنے ساتھ برس کے بچے کو جو پہلو میں بیٹھا ہوا تھا بچائے ہوئے بڑے استقلال سے بدستور لڑتا رہا اور تاک کر ایسا تیر مارا کہ یہہ بہادر راجہ وہیں کھیت رہا دارا شکوہ کو اگرچہ اس خبر سے بہت رنج ہوا۔ مگر چونکہ اُسنے سُنا کہ اپنے مالک کے مارے جانیکی وجہ سے راجپوتوں نے نہایت غیظ و غضب کے ساتھ مُراد بخش کو گھیرا ہوا ہے۔ اسلیئے باوجود چند طرحکی مشکلوں کے اُسنے یہی مناسب سمجھا کہ مراد بخش پر حملہ کیا جائے۔ اور اس صورت میں اگرچہ اورنگ زیب گرفتاری سے بچ جاتا تھا۔ اور یہہ ایک غلطی تھی مگر مُراد بخش کے ہاتھ آجانیکو بھی وہ اورنگ زیب کے پکڑے جانیسے کچھ کم نہیں سمجھتا تھا۔

خلیل اللہ خاں کی دغابازی اور داراشکوہ کی شکست

لیکن خلیل اللہ خاں کے دغا دینے سے بازی بگڑ گئی اور یہہ دغابازی ایسی عجیب تھی کہ ایک آن کی آن میں دارا شکوہ کی دایمی بربادی کا سبب ہوگئی۔ یہہ شخص دائیں پرے کا سردار تھا جسمیں تیس ہزار مغل تھے۔ اور یہہ ایسی اچھی فوج تھی کہ اورنگ زیب کی تمام سپاہ کے شکست دینے کو صرف یہی کافی تھی۔ مگر جبکہ داراشکوہ بذات خود بائیں پرے کی فوج کو بڑی شجاعت اور کامیابی سے لڑا رہا تھا یہہ مطلقاً اُسکا شریک نہوا۔ اور یہہ بہانہ بنائے رکھا کہ ہماری فوج کے لیئے تو یہہ حکم ہے کہ بطور کمک اپنی جگہہ قائم رہے۔ اور جبتک کوئی شدید ضرورت پیش نہ آئے ایک قدم آگے بڑھنے اور ایک تیر تک کے چلانے کا حکم نہیں

* تیروں کے زخم سونہ پر لگے تھے۔ س م ح

مگر اصل یہہ ہے کہ اُسکا اسطرح پر الگ تھلگ رہنا پرلے سرے کی بدایمانی اور دغابازی پر مبنی تھا۔ وجہ یہہ تھی کہ اب سے چند سال پیشتر داراشکوہ نے اُسکی کچھ بے عزتی کر ڈالی تھی۔ اور اس کینہ کی آگ اُسکے دل کو جلاے رکھتی تھی۔ پس اُسنے خیال کیا کہ بدلا لینے کا اب وقت ہی۔ مگر داراشکوہ کا جو نقصان اِسنے اپنے الگ رہنے میں سوچا تھا وہ نہوا۔ کیونکہ دائیں پرے والوں کی مدد کے بغیر ہی وہ دشمن پر غالب آگیا تھا۔ مگر اس دغاباز نے اب ایک اَور چال چلی یعنی جبکہ داراشکوہ مُراد بخش کے دبانے کو اپنی سپاہ کی امداد کے لیئے جارہا تھا یہہ مکّار! مع اپنے چند رفیقوں کے گھوڑا دوڑاسے آیا۔ اور دُور سے پکار کر کہا "مبارک باد حضرت سلامت! الحمدللہ! الحمدللہ! حضور کو بخیر و سلامتی بادشاہی اور فتح مبارک ہو! لیکن حضور یہہ تو فرمائیں کہ ایسے خطرناک موقع میں جبکہ عماری کے سائبان سے کئی گولیاں اور تیر پار ہو چکے ہیں اتنے بڑے ہاتھی پر کیوں سوار ہیں۔ اگر خدانخواستہ اِن بیشمار تیروں اور گولیوں میں سے کوئی جسم مقدّس کو چھو جائے تو ہم لوگوں کا کہاں ٹھکانا ہے! خدا کیواسطے جلد اُتریئے اور گھوڑے پر سوار ہو لیجیئے! اور اب کیا رہگیا ہے! صرف اتنی ہی بات باقی ہے کہ اِن چند بھگوڑوں کا زیادہ تر چستی اور مستعدی سے تعاقب کیا جاے! اور میں پھر عرض کرتا ہوں کہ اب حضور انکو اسقدر مہلت نہ دیں کہ بھاگ سکیں" اگر داراشکوہ ہاتھی پر سے اُترنے کو نقصان سمجھتا اور یہہ سوچتا کہ اس ہاتھی ہی کی بدولت آج میں کیسے کیسے کام کرسکا ہوں اور فوج کو میرے دکھائی دیتے رہنے سے کیسا کچھ

فائدہ ہوا ہے تو وہی تمام بادشاہت کا مالک ہوتا۔ لیکن زود اعتقاد اور سادہ دل شاہزادہ فریب میں آگیا۔ اور ہاتھی سے اُتر کر گھوڑی پر سوار ہوگیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اُسکو شک ہوا۔ اور پوچھا کہ خلیل اللہ خاں کہاں ہے۔ مگر وہ اَب کہاں تھا۔ اور کب اُسکے ہاتھ آتا تھا۔ اور دارا شکوہ اگرچہ اُسکو بہت بُرا بھلا کہتا رہا اور یہہ بھی کہا کہ میں اُسے زندہ نچھوڑوں گا۔ لیکن اُسکا یہہ غصہ اور دھمکیاں سب بیکار اور بیفائدہ تھیں! کیونکہ سپاہ نے جب دیکھا کہ ہمارا مالک ہاتھی پر نہیں ہے تو فوراً اُسکے مارے جانے کی افواہ اُڑ گئی! اور تمام فوج اس دھوکے میں پڑکر حواس باختہ ہوگئی۔ اور عام تہلکہ پڑگیا! اور سب کو اورنگ زیب کے قہر و غضب کے اندیشہ سے اپنی اپنی جان کی پڑگئی! اور چند لمحہ میں تمام فوج تتر بتر ہوگئی۔ اور عجب انقلاب ہوا کہ غالب مغلوب اور مغلوب غالب ہوگیا۔ اور عجیب ماجرا ہے کہ اورنگ زیب نے صرف پاؤ گھنٹہ ہاتھی پر سوار رہنے سے یہہ نتیجہ پایا کہ تمام ہندوستان کا بادشاہ ہوگیا۔ اور دارا شکوہ کو چند لمحہ قبل از وقت اپنے ہاتھی پر سے اُترنے کا یہہ پھل ملا کہ ہاتھی سے کیا اُترا گویا اوج سلطنت سے گرگیا۔ اور بدبخت بادشاہوں اور شہزادوں کی فہرست میں داخل ہوگیا۔! دیکھئے انسان کیا کوتہ اندیش ہے۔ اور ایک چھوٹی سی بات سے اس دنیا میں کیسے کیسے بڑے نتیجے پیدا ہوجاتے ہیں!

اگرچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے لشکروں سے بڑے بڑے نمایاں کام بن پڑتے ہیں۔ لیکن فوج کی کثرت میں یہہ بڑی خرابی ہے کہ ایکبارا ابتر ہوجاتے

اثنت کی بنسبت فوج کے قلیل مگر باقاعدہ ہونے کا فائدہ اور ہندوستانی اور فرانسیسی فوج کی حالت کا مقابلہ

تو پھر اُسکو حالت سابقہ پر لانا مشکل ہوجاتا ہے - اور جیسے کوئی بڑا دریا اُچھلکر کناروں سے باہر بہہ نکلتا اور اُسکا پانی پھیل جاتا ہے - اِسی طرح ابتری کے بعد بڑے لشکروں کو قابو میں لانا ناممکن ہوتا ہے - چنانچہ میں جب اِن بے انتظام فوجوں کو دیکھتا تھا کہ حیوانوں کے گلّوں کی مانند چلتی ہیں تو ہمیشہ یہہ خیال آتا تھا کہ ہمارے صرف پچیس ہزار کارآزمودہ سپاہی زیر حکم پرنس کانڈی یا مارشل تورین ہندوستان کی فوج پر جو کتنی ہی کیوں نہو غالب آسکتے ہیں اور جب مَیں کتابوں میں پڑھتا ہوں کہ یونانیوں کی دس ہزار سپاہ نے کیا کچھ کر دکھایا تھا - اور مقدونیہ کے پچاس ہزار سپاہیوں نے جو سِکندر کے ساتھ تھے ایران کے بادشاہ دارا کے چھ سات لاکھ آدمیوں کے لشکر کو شکست دی تھی (بشرطیکہ یہہ بات سچ بھی ہو کہ دارا کی فوج بہیر کے سوا فی الواقع اتنی ہی تھی) تو باقاعدہ اور بے قاعدہ فوجوں کی حالت پر لحاظ کرنیکے بعد مجھے ان روایتوں کی صحت پر کچھ تعجب نہیں ہوتا - اور میری دانست میں فرانسیسی سپاہ دشمن کے حملے کو اپنے معمولی استقلال سے رد کرکے ہر ایک ہندوستانی فوج کو سخت تہلکہ میں ڈال سکتی یا سِکندر کی طرح دشمن کی صف کے ایک خاص حصّہ پر اپنا تمام زور ڈالکر باقی سپاہ میں اپنا سخت خوف اور عام بدنظمی اور انتشار پھیلا سکتی ہے -

---

پ ر ن س ک ا ن ڈ ی ۔ م ا ر ش ل - ت و ر ی ن

Marshal Turenne. Prince Conde.

فتح کے بعد امرائے سلطنت کے ساتھ اورنگ زیب کے توڑ جوڑ اور سب سے پہلے خلیل اللہ خاں کا اُسکی پاس حاضر ہونا اور اورنگ زیب کا مراد بخش کو بھلا کے کہنا

اورنگ زیب جو اپنی مطلب براری کے واسطے ہر ایک کمینہ حرکت اور فن و فریب کی ارتکاب کے لیئے ہمیشہ ہی تیار رہتا تھا۔ یہہ غیر متر قب اور خداداد فتح پاکر اور یہہ سمجھکر کہ میرے معمولی ہتکھنڈوں کے کام میں آنیکا اب موقع ہی اپنی مکّاری کی چالوں اور توڑ جوڑوں میں مصروف ہوا۔ چنانچہ سب سے پہلے دغاباز خلیل اللہ خاں آن موجود ہوا اور تسلیم بجالاکر عرض کیا کہ بجا آوری خدمات کے لیئے حاضر ہوں۔ اور جسقدر فوج سردست اُسطرف سے پھٹ کر میرے ساتھ آسکی ہے وہ بھی حاضر ہے چنانچہ شہزادہ (اورنگ زیب) نے بیحد اظہار عنایت کیا اور بڑے بڑے وعدے دیئے۔ مگر احتیاطاً سب وعدے مراد بخش کیطرف سے کرتا رہا۔ اور اُسکے پاس لیگیا۔ اور موقع وقت کے موافق اُسنے بھی بہت ہی کچھ آؤ بھگت اور خاطر داری کی اور اورنگ زیب اگرچہ بظاہر مراد بخش کو برابر شاہ ہندوستان کہکر گفتگو کرتا رہا اور خلیل اللہ سے کہا کہ صرف حضرت ہی تخت نشینی کے لایق ہیں۔ اور یہہ فتح محض انہیں کی قابلیت اور شجاعت سے حاصل ہوئی ہے۔ مگر باطن کا یہہ حال تھا کہ شب و روز اُمرائے سلطنت کو تحریریں بھیج بھیجکر بتدریج اپنی طرف متوجّہ اور رجوع کرتا جاتا تھا۔

شایستہ خاں کی کوششوں سے اورنگ زیب کو نفع کثیر پہنچنا۔

اُدھر شایستہ خاں اورنگ زیب کا ماموں بھی اپنے اس بھانجے کے حق میں بہت کچھ کوشش کرتا تھا۔ اور فی الحقیقت اُسکی مدد سے اورنگ زیب کو فائدہ بھی بہت ہی پہنچا۔ کیونکہ شایستہ خاں ایک چست و چالاک اور نہایت مدبّر اور

ذی اقتدار امیر تھا اور تمام ہندوستان میں اُسکے یہہ اوصاف مشہور تھے کہ حُسنِ تقریر اور خوبی انشا و تحریر و فصاحت بیانی اور شیریں زبانی سے بڑے بڑے کام نکال سکتا ہے۔ اور مشہور ہے کہ بباعث کسی اصلی یا خیالی تحقیر کے جو داراشکوہ کی طرف سے اُسکی نسبت ظہور میں آئی تھی یہہ اُس سے نہایت نفرت رکھتا تھا اور اسی وجہ سے داراشکوہ کی بربادی کے لیئے اِس موقع کو اِسنے بھی غنیمت سمجھ لیا تھا۔ *

اورنگ زیب کا بظاہر یہہ کہنے رہنا کہ مَیں تو ایک فقیر ہوں اور مراد بخش بادشاہ ہے

باوجود اِس فتح کے حضرت اورنگ زیب بہادر اپنی وہی معمولی چال چلے جاتے تھے۔ یعنی بیغرضی اور خلوص نیت کے لباس میں حصول سلطنت کے منصوبہ کو پوشیدہ کئے ہوئے تھے اور جو کچھ پیام و سلام اور وعدے وعید اور کارروائیاں کیجاتی تھیں وہ سب مُراد بخش کے نام سے ہوتی تھیں۔ اور اُسکو بادشاہ بنا رکھا تھا اور اپنے تئیں صرف اُسکا نائب اور ایک فرمانبردار خیرخواہ بیان کرتا اور ایسی باتیں بناتا تھا کہ سلطنت کی شان و شوکت اور کروفر گویا اُسے مرغوب ہی نہیں بلکہ فقیرانہ گزران کرنا اور حالت فقیری ہی میں مرجانا اُسکی دلی مُراد اور عین تمنا ہے

داراشکوہ کی نا اُمیدی اور بادشاہ کیطرف سے تسلی و تشفی کے پیغام اور اُسکا دہلی کو بھاگ جانا

اِسوقت داراشکوہ خوف و خطر کے دریا میں ڈوبا ہوا اور محض نا اُمید تھا۔ اور اگرچہ

* اورنگ زیب سے سازش رکھنے کی تہمت میں مالوہ کی صوبہ داری سے تو یہہ پہلے ہی معزول ہو چکا تھا۔ جیسا کہ ایک حاشیہ میں ہم لکھ آئے ہیں۔ مگر اسکے بعد جاگیر بھی ضبط ہو گئی تھی۔ بلکہ دو چار روز قید رہنے کی بیعزتی کا بھی صدمہ اُٹھا چکا تھا۔ س م ح ۱۲

فوراً آگرہ چلا آیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ الفاظ اُسکو یاد تھے جو شاہجہاں نے لڑائی پر جاتے کو کہے تھے۔ اسلیئے بادشاہ کے سامنے نہو سکا مگر شاہجہاں نے بہرحال ایک وفادار خواجہ سرا کی زبانی اس بدنصیب شہزادہ کی تسلی اور تسکین کے لیئے یہہ کہلا بھیجا کہ "میں اَب بھی تمکو ویسا ہی چاہتا ہوں اور تمہاری اس مصیبت کا مجھے بہت رنج ہے! بلکہ یہہ بھی کہہ بھیجا کہ ابھی سُلیمان شکوہ کی فوج اور لشکر سب صحیح و سلامت ہے ناامید ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اور ہماری صلاح یہہ ہے کہ بالفعل تم دہلی کو چلے جاؤ صوبہ دار کو حکم بھیجدیا گیا ہے وہ تمکو بادشاہی اصطبل میں سے ایکہزار گھوڑا اور خزانہ اور ہاتھی دیگا۔ اور آگرہ سے دُور نجانا چاہیئے۔ بلکہ ایک ایسے معقول فاصلہ پر ٹھہرنا مناسب ہے کہ جہاں ہماری تحریریں تمکو بآسانی ملتی رہیں۔ اور ہمکو تک یہہ امید ہے کہ ہم اَورنگ زیب کو قابو میں لاسکیں بلکہ سزا دیسکینگے"۔ مگر دارا شکوہ ایسا شکستہ خاطر اور اسقدر غمگین تھا کہ ان محبت آمیز باتونکا کچھ جواب نہ دیسکا بلکہ معقول طور پر اتنا بھی نہ کہہ سکا کہ آپکا پیغام میرے پاس پہنچگیا۔ اور اسکے بعد بیگم صاحب کے پاس چند پیغام بھیجکر آدھی رات کیوقت مع اپنی بیگم اور بیٹیوں اور اپنے فرزند سپہر شکوہ اور قریب تین چار سو آدمیوں کے دِھلی کی طرف چلدیا۔

اورنگ زیب کا سُلیمان شکوہ کے ہمراہی سرداروں کو اپنی طرف کرلینیکی کوشش کرنا

اَب ہم دارا شکوہ کے دِھلی جانیکے احوال کو کہ وہ کس غمگینی اور شکستہ دلی سے روانہ ہوا یہیں چھوڑتے ہیں۔ اور اَورنگ زیب کے اُن توڑ جوڑوں

کا حال لکھتے ہیں جو اُنسے بڑی دور اندیشی اور حسن تدبیر سے آگرہ پہنچکر کیے۔ چنانچہ سب سے پہلے یہہ تدبیر کی کہ سلیمان شکوہ کے لشکر میں نااتفاقی کا بیج بویا بلکہ بعض سرداروں کو اپنی طرف کر بھی لیا۔ اور اس تدبیر سے داراشکوہ کی امیدوں کا بالکل خاتمہ کر دیا یعنی راجہ جیسنگھ اور دلیر خاں جو سلیمان شکوہ کے لشکر کے سب سے بڑے سردار تھے۔ اُنکو لکھا کہ داراشکوہ بالکل تباہ اور وہ بڑا لشکر جسپر اُسکو اسقدر گھمنڈ تھا شکست فاش کھاکر ہمارا مطیع ہو گیا ہے اور وہ ایسی بے سروسامانی سے بھاگا جاتا ہے کہ سواروں کا ایک رسالہ تک ساتھ نہیں۔ اور امید ہے کہ ہم بہت جلد اُسکو گرفتار کر لینگے۔ اور حضرت (شاہجہان) اسقدر علیل ہیں کہ صرف چند روز کے مہمان اور چراغ سحری ہیں پس اس حالت میں اگر تم ہم سے مقابلہ کروگے تو نتیجہ بجز خرابی اور ہلاکت کے کچھ نہوگا۔ اور داراشکوہ کی اس ابتر حالت میں اُسکی طرفداری کرنا نہایت ہی نادانی ہے۔ اور تمہارے حق میں اب یہی بہتر ہے کہ ہماری پاس حاضر ہو جاؤ۔ اور سلیمان شکوہ کو جو بآسانی گرفتار ہو سکتا ہے پکڑ کر ساتھ لیتے آؤ

راجہ جیسنگھ اور دلیر خاں کا سلیمان شکوہ سے برگشتہ ہو جانا اور جیسنگھ کا اُسکو میرنگر کے راجہ کے پاس چلے جانے کی صلاح دینا

جیسنگھ اور دلیر خاں اگرچہ چندی متامل اور متردد رہے۔ کیونکہ اب تک شاہجہان اور داراشکوہ سے ڈرتے تھے اور شاہزادہ پر ہاتھ ڈالنے سے بھی اسوجہ سے خوف کرتے تھے کہ ایسی حرکت بالفعل یا آیندہ کسی دن ہمارے حق میں مضر اور موجب سزا ہو سکتی ہے

اور عجب نہیں کہ خود اورنگ زیب ہی کے ہاتھ سے سزا ملجاے - اور یہہ بھی خوب معلوم تھا کہ سلیمان شکوہ کیسا عالی دماغ وغیور اور بلند حوصلہ و دلیر شاہزادہ ہے اور بیشک جان دیدیگا مگر قید کبھی نہوگا - مگر آخر کار دونوں نے یہہ ٹھہرایا کہ راجہ جیسنگھ سلیمان شکوہ کے خیمہ میں جاے اور اورنگ زیب کی تحریریں دکھا کر اپنی راے سے اسکو مفصل اور پوست کندہ مطلع کردے - چنانچہ راجہ نے شہزادہ سے جاکر کہا کہ جس خطرناک حالت میں آپ پڑے ہوے ہیں مناسب نہیں کہ میں اسکو آپ سے پوشیدہ رکھوں - اور معاملات کی حالت ایسی ٹل گئی ہے کہ اب آپکو نہ تو دلیرخاں ہی پر اعتماد کرنا چاہیے اور نہ داؤد خاں اور اپنی فوج ہی پر - اور اگر آپ اپنے باپ کی امداد کے ارادہ سے ذرا بھی آگے بڑھینگے تو بیشک تباہ اور برباد ہوجائینگے - پس مناسب یہہ ہے کہ آپ سرینگر کے پہاڑوں کو چلے جائیں - وہاں کا راجہ یقیناً آپکو بہت خاطرداری سے رکھیگا اور ملک کے دشوارگزار ہونیکے باعث اورنگ زیب سے اسکو کچھ ڈر نہیں ہے - اور اس محفوظ جگہہ میں کچھ دنوں ٹھہر کر آپ حالات اور واقعات پر نظر رکھیں اور جب موقع معلوم ہو تو بآسانی وہاں سے نیچے اگر مقتضاے وقت کے موافق عمل کرسکتے ہیں -

سلیمان شکوہ کا سرینگر کو روانہ ہونا اور جیسنگھ اور دلیرخاں کا اسکو مال اسباب کو لوٹ لینا اور اسکے فریقوں کی تباہی مگر شہزادہ کا سرینگر پہنچ جانا -

شہزادہ یہہ گفتگو سنتے ہی سمجھ گیا کہ اب تو جیسنگھ ہی اپنا ہے اور نہ لشکر ہی اور سب برگشتہ ہیں - اور یہاں ٹھہرنا جان جوکھوں میں پڑنا ہے پس ناچار فوج و لشکر کو وہیں چھوڑ کر اپنے چند نمک حلال اور خالص فریقوں کے ساتھ

جو اکثر منصبدار اور ذات کے سیّد تھے۔ اور جنہوں نے اُسکی رفاقت کا ترک کرنا خلاف شرافت سمجھا کوہستان کیطرف چلدیا۔ مگر جیسنگھ اور دلیرخاں ایسے کمینے نکلے کہ کچھ سپاہی بھیجکر اس بیچارہ کا مال واسباب لوٹ منگایا جسمیں افسرفیوں سے لدا ہوا ایک ہاتھی بھی تھا۔ اور اِنکی اس نالائق حرکت کے باعث سُلیمان شکوہ کے بہت سے ہمراہی شکستہ خاطر ہوکر اُس سے جُدا ہو گئے۔ اور جو باقی رہے اُنکو اکثر دیہاتی گنواروں نے لوٹ کھسوٹ کر تباہ کردیا بلکہ اِن کے ہاتھوں سے بہتیرے مارے بھی گئے مگر جسطرح بن پڑا یہہ مرتا بھرتا اپنی بیگم اور اہل وعیال کو ساتھ لیئے ہوئے سرینگر پہنچا اور وہاں کا راجہ اُسکے رتبہ کے لائق تعظیم وتکریم سے پیش آیا اور تسلّی کی کہ جبتک آپ اِس ملک میں ہیں میری تمام سپاہ آپکی مدد کے لیئے حاضر ہے اور آپ کو کچھ خوف وخطر نہیں ہے۔ *

* عالمگیرنامہ میں سلیمان شکوہ کے سرینگر جانیکے حالات کو بہت طوالت سے لکھا ہے مگر ہم اُسکا خلاصہ یہاں لکھتے ہیں کہ "جب سلیمان شکوہ الہ آباد سے تین منزل اِس طرف آپہنچا۔ تو لڑائی کے چوتھے دن باپ کی شکست کی خبر ملی۔ اور اِس تشویش کی حالت میں جو راجہ جیسنگھ سے صلاح پوچھی تو اُسنے یہہ مشورہ دیا کہ اوّل تو جسطرح بنے دہلی پہنچکر اپنے باپ کے ساتھ شامل ہوجایئے۔ اور اگر یہہ نہیں ہوسکتا تو ہٹ کر الہ آباد جا ٹھہریئے اور موقع وقت کا انتظار کیجئے۔ اور جب وہ الہ آباد جانیکو تیار ہوا تو رفاقت سے جواب دیدیا۔ بلکہ عین روانگی کیوقت اپنے دوست دلیرخاں کو بھی اونچ نیچ سمجھا کر ساتھ جانے سے روک لیا۔ اور اِس حالت کو دیکھکر اور سرداروں نے بھی اُسکی پیروی کی۔ اور اگرچہ شہزادہ کی ذاتی رائے دہلی پہنچنے کی تھی مگر اُسکا اتالیق بہادرخاں اُسکو الہ آباد لے گیا۔ کیونکہ یہاں کا مستحکم قلعہ دارا شکوہ

اورنگ زیب کا اگرہ میں آنا اور باپ بیٹے کے باہم مناقشا سلام و پیام اور آخرکار شاہجہاں کا قید ہو جانا۔

اب ہم اُن واقعات کا ذکر پھر شروع کرتے ہیں جو آگرہ کی طرف وقوع میں آئے سموگڈہ کی لڑائی کے تین چار روز بعد دونوں شاہزادوں نے ایک باغ میں جو آگرہ کے سامنے قریب تین میل کے ہے ڈیرے آن لگائے اور ایک خواجہ سرا کو جو اورنگ زیب کا نہایت معتمد علیہ اور دلالی

کے ایک معتمد ملازم سَیِّدْ قَاسِمْ عرف سَیِّدْ کَاسُو بَارَہ وَالْ کے قبضہ میں تھا اور چند روز ٹھہر کر لکھنو کی راہ سے قصبہ بِلگِرَامْ کی طرف (جو داراشکوہ کی بڑی ہی معروف بیگم صاحب کی جاگیر میں تھا اور جسکو اس کتاب میں مذینہ چاندپور کر کے لکھا ہے) روانہ ہوا تاکہ گنگا کے کسی گھاٹ سے اُتر کر اور پھر سہارنپور کے قریب بوڑیہ کے گھاٹ سے دریائے جمنا کو عبور کر کے پنجاب کو باپ کے پاس چلا جائے۔ مگر جب دشمن کے مقرر کیے ہوئے سرداروں کی مزاحمت کے باعث اس طرف سے گنگا کو عبور نکر سکا تو مراد آباد کی نواح سے ہوتے ہوئے ہردوار کے قریب وہاں کے راجاؤں خصوصاً راجہ سری نگر کی مدد سے اس دریا سے اُترنا چاہا۔ اور اس ارادہ سے بمقام چاندی پہنچکر (جسکو صاحب عالمگیر نامہ نے "محاذی ہردوار و متصل ولایت سری نگر" لکھا ہے) بھوانی داس نامے اپنے دیوان "بیوتات" کو جو پہلے بھی داراشکوہ کا بھیجا ہوا وہاں ہو آیا تھا کچھ تحائف دیکر سری نگر کے راجہ کے پاس کشتیوں کے بہم پہنچانے میں مدد کرنیکے لیے بھیجا۔ مگر اتنے میں جو امیر الامرا شایستہ خاں اور فدائی خاں بہت سی فوج کے ساتھ سامنے آموجود ہوئے اور بجز سری نگر جانیکے کچھ چارہ نرہا تو چاندی سے اُٹھکر بمقام کاناتال جو سری نگر کی حد میں داخل تھا جا ڈیرہ کیا۔ اور یہاں سے راجہ کے اہلکار پہاڑ پر لیگئے اور چار منزل راجہ خود آگے آیا اور سری نگر لیگیا۔ اور کہا کہ آپ مختصر طور پر یہاں تشریف رکھ سکتے ہیں۔ مگر ان ہاتھی گھوڑوں اور فوج و لشکر کی میرے اس پہاڑی اور چھوٹے سے ملک میں گنجایش نہیں۔ اب بھادر خاں تو مرض الموت کے سبب اجازت

وعیاری میں گویا خود اورنگ زیب ہی تھا شاہجہاں کے حضور میں بھیجا اور اُسنے اِس بڈھے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوکر ادائے تسلیمات کے بعد اپنے آقا کی طرف سے بیحد ادب و تعظیم اور محبت و فرمانبرداری کا اظہار کیا اور عرض کی کہ یہہ جو کچھ گزرا صرف داراشکوہ کی کج رائی اور بیجا جاہ طلبی کے خیالات کے باعث ہوا۔ اورنگ زیب نے حضور کی خدمت میں حصولِ صحت کی مبارکباد

لیکر شہزادہ سے کیا بلکہ پہاڑ سے اُترتے ہی دنیا سے رخصت ہوا۔ اور باقیماندہ سردار جو نا امیدیوں کے باعث اِدھر اُدھر کھسک جانا چاہتے تھے مگر شہزادہ کی مرضی اور راجہ کے ملازمونکی رہنمائی کے بغیر اِس پہاڑی مُلک میں سے نکل نہیں سکتے تھے اُنہوں نے کچھ جھوٹ سچ بول کر اُسکو پھر الہ آباد جانیکے لیئے آمادہ کیا تاکہ شجاع کے ساتھ شامل ہوجاے (کیونکہ اپنی شکست کے بعد داراشکوہ نے بذریعہ خط و کتابت مصالحہ کرکے اُسکو اگرہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی) الغرض شہزادہ راجہ کا شکریہ ادا کرکے اور کچھ تحفے تحایف دیکر رخصت ہوا۔ مگر نگینہ میں واپس پہنچتے ہی یہہ دغاباز اور خودغرض خیرخواہ اسکو چھوڑکر اِدھر اُدھر چلدیئے۔ اور بناچاری پھر سیری نگر کی طرف لوٹنا پڑا۔ اور اب سواے سَیِّد اَحْمَدْ کے جسکا بھائی سَیِّد قَاسِمْ ابتک قلعہ الہ آباد کو تھامے ہوئے تھا۔ اور اُسکے کوکے مُحَمَّدْ شَاہ اور دو تین اور سرداروں اور بیچاری مصیبت زدہ بیگم اور چند اور عورتوں اور ستّرہ نوکر چاکروں اور ہمراہیوں کے اُس تمام فوج و لشکر میں سے کوئی بھی ساتھ نرہا۔ اور چونکہ اسکے پہاڑ سے اُترنے کی خبر سنکر اورنگ زیب کے بعض سردار پھر اسکا راستہ روکنے کے لیئے آپہنچے تھے۔ اسلیئے یہہ خوف زدہ شہزادہ گھبراہٹ میں جسقدر جواہرات اور اشرفیاں ساتھ لے سکا لیکر راتوں رات نگینہ سے چل کھڑا ہوا اور خوف کے سبب معمولی راستہ چھوڑکر راجہ کے آدمیونکی رہنمائی سے ایک اور راستہ سے سری نگر کو چلا گیا جہاں شہر سے نیچے اُترکر راجہ اُسے اپنے ہاں لے گیا۔

واضح ہو کہ شہر سری نگر مع اُن پہاڑی علاقوں کے ایک حصہ کثیر کے جو اِسوقت کُمایوں اور سری نگر کے راجاؤنکی خودسر حکومتوں میں تھے۔ اِس زمانہ میں گورنمنٹ

عرض کی ہے۔ اور ان واقعات کے وقوع میں آنیکا اُسکو نہایت ہی رنج و افسوس ہے۔ اور اُسکا آگرہ آنا محض اِس غرض سے ہے کہ جو کچھ ارشاد ہو وہ بسر و چشم اُسکی تعمیل کرے" جسکے جواب میں شاہجہاں نے بھی اپنے فرزند سعادتمند کے طور و طریق کی نسبت ایسی ہی ظاہرداری اور تملق کے ساتھ اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ اُسکی سعادتمندی اور ایسی فرمانبرداری

انگلشیہ کے ماتحت اور کشمیری کمانوں کا جسکا صدر مقام الموڑہ ہے ایک جز اور اُن کی برفستانی نالوں میں سے جو کوہستان ہمالہ سے نکلنے کے بعد دریاے گنگا کہلاتے ہیں الکھنندا نامے ایک نالہ کے کنارہ سطح سمندر سے سترہ سو انچاس فٹ بلند اور ایک یورپین اسسٹنٹ کمشنر کا جاے قیام ہے۔ اِس عیسوی صدی کے شروع میں جو کوہستان نیپال کے رہنے والے گورکھا لوگ ہندوستان کے مغربی اور شمالی پہاڑوں پر بہت دور تک قابض ہوگئے تھے۔ تو اُنہوں نے یہاں کے راجہ کو بھی حکومت سے خارج کر دیا تھا۔ مگر جب سرکار انگریزی نے اُن کو اِن سب پہاڑوں سے نکال دیا تو ۱۸۱۵ء اٹھارہ سو پندرہ میں وہاں کے خارج شدہ راجہ سودرشن شاہ کو گڑھوال کا علاقہ دیکر ریاست پر بحال کر دیا۔ لیکن اُسکے قدیمی مُلک میں سے وہ حصہ جو الکھنندا اور منڈاکنی کے مقام اتصال سے اوپر کی جانب شرق کی طرف تھا مع علاقہ دیرہ دون اور پرگنہ رام گڈھ کے اپنے قبضہ میں رہنے دیا۔ چنانچہ ریاست مذکور کا صدر مقام اب ٹیہری نامے ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ جو بتیس درجے تیئیس دقیقے عرض شمالی اور اٹھتر درجے اکتیس دقیقے طول شرقی پر سمندر سے دو ہزار فٹ بلند گنگا کی ایک شاخ بھاگیرتھی نامے کے بائیں کنارے سری نگر کے سامنے قریب دو منزل کے فاصلہ پر آباد ہے اور راجہ سودرشن بنسی راجپوت خاندان کے قوم سے ہے۔ اور اُسکے نام کے اخیر میں نیپال کے فرمانروا خاندان کے راجاؤں کی طرح شاہ کا لفظ لگایا جاتا ہے۔ مثلاً رئیس حال جسکا نام پرتاب شاہ ہے بھوانی شاہ کا بیٹا اور سودرشن شاہ کا پوتا ہے

سے ہم نہایت راضی اور خوش ہیں" اگرچہ شاہجہاں اورنگ زیب کی مکاری اور شوق جہانداری سے بخوبی واقف تھا۔ اور اُسکی اِن ظاہری باتوں پر اُسکو ہرگز اعتماد نہ تھا۔ مگر باوجود اسکے اُسنے صفائی کے ساتھ معاملہ کو یکسو نہ کیا یعنی اگرچہ یہہ واجب تھا کہ دربار میں امرا اور ارکان دولت کو جمع کرکے خود اُسکے مقابلہ نکلتا اور اسطرح خلایق کی نظر میں اُسکو علانیہ باغی ثابت کرتا حالانکہ ان اُمور کے لیئے ابتک موقع تھا۔ مگر کچھ نکیا اور اسکے عوض صرف چالاکی اور دمبازی سے اورنگ زیب جیسے شخص پر جو ایسی باتوں میں دنیا بھر کے مکاروں کا اُستاد ہے غالب آنا چاہا۔ پس اُسکا خود اُس جال میں پھس جانا جو بیٹے کے

اور بقول مسٹر ٹالبائے وھیلر مؤلف تاریخ جشن قیصری دہلی واقع یکم جنوری ۱۸۷۷ء رقبہ چار ہزار ایکسو اسی میل مربع اور آمدنی اسّی ہزار اور آبادی ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کی ہے۔ اُس راجہ کا نام جسنے سلیماں شکوہ کو پناہ دی تھی فارسی زبان کی تاریخوں میں پرتھی منگھ اور پرتھی پت لکھا ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ کا لفظ سلاطین غزنیہ کے اوب کے ضافی سمجھکر لفظ سنگھ اور پت کے ساتھ دانستہ بدل دیا ہے۔ جیساکہ گولکنڈا اور بیجاپور کے بادشاہوں کو بجائے قطب شاہ قطب الملک اور بجائے عادل شاہ علی خاں لکھتے تھے۔ اور ناظرین تاریخ کے لیئے یہہ امر بھی قابل غور ہے کہ سلاطین غزنیہ کے زمانہ میں جو مقامات ایسے دشوار گزار اور گڈھب سمجھے جاتے تھے کہ اُن کے دشمن اور باغی وہاں کے آزاد مطلق راجاؤں کے پاس جاکر بے تکلف پناہ لیتے تھے سرکار عالیہ انگریزی کی کوششوں سے وہی مقامات بلکہ اُن سے بھی بہت آگے اور دور تک عمدہ سڑکوں اور پلوں کے بن جانے کی وجہ سے ایسے سہل العبور ہوگئے ہیں کہ ہندوستان کے ہر ایک حصّہ سے ہر سال ہزاروں جاتری مرد اور عورت بدری نارائن وغیرہ تیرتھوں کے درشن کو جو ہمالہ کے برفانی اور سربفلک پہاڑوں میں واقع ہیں اسی سرحد انگریزی اور ٹیہری کے راستہ سے بہت آرام کے ساتھ آتے جاتے ہیں۔ س م ع"

لیئے بچھایا تھا کچھ تعجب کی بات نہیں اور اسکی تفصیل اس طرح پر ہے کہ
شاہجہاں نے ایک معتبر خواجہ سرا کو اورنگ زیب کے پاس یہ پیغام دیکر
بھیجا کہ بیشک دارا شکوہ نے جو کچھ کیا وہ سب نامناسب تھا اور اُسکی بے سمجھی
اور نالائقی کی باتیں یاد دلاکر کہا کہ تمپر تو ہم ابتداہی سے دلی شفقت رکھتے ہیں پر
تمکو ہمارے پاس جلد آنا چاہیئے تاکہ تمہارے مشورہ سے اُن اُمور کا انتظام
کیا جاے جو اس افراتفری کے باعث خراب اور ابتر پڑے ہوئے ہیں۔ مگر
اس محتاط شہزادہ نے بدگمانی سے بادشاہ پر اعتماد کرکے قلعہ میں چلے جانیکی دلیری
نہ کی کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ بیگم صاحب کسیوقت بادشاہ سے جُدا نہیں ہوتی
اور اُسکے مزاج پر اسقدر حاوی ہے کہ جو کچھ وہ چاہتی ہے وہی ہوتا ہے۔
اور یہہ پیغام اُسیکا ایک چکر ہے۔ اور اُسنے قلماق نیون* میں سے جو
محلسرا میں چوکی پہرہ کے کام پر متعین رہتی ہیں کچھ قوی ہیکل اور مضبوط اور
مسلح عورتیں اس قصد سے لگا رکھی ہیں کہ جب وہ قلعہ میں داخل ہو تو فوراً
اُسپر آن پڑیں۔ اور اگرچہ اُسنے بارہا اپنی حاضری کی تاریخیں اور دن معیّن
کیئے لیکن کوئی نہ کوئی بہانہ بناکر ٹالتا ہی رہا۔ اور اِدھر اپنی معمولی کارروائیاں
کرتا رہا یہانتک کہ اکثر بڑے بڑے ذی اقتدار امیروں کا عندیہ دریافت
کرلیا۔ اور جب سب بندوبست ہوگیا تو یکایک اُسکا بیٹا محمد سلطان آکر قلعہ پر
قابض ہوگیا جس سے سب لوگ ہکے بکے رہ گئے۔ اِس جانباز اور عالی ہمت

* اصل کتاب میں "تاتاری عورتیں" ہے مگر چونکہ وہ ترک قوم کی عورتیں ہیں محل کے چوکی پہرہ کا کام دیتی ہیں اُن کو
قلماقنیاں کہتے تھے اسلئے ترجمہ میں وہی لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قلماق بھی ایک تاتاری ہی قوم ہے۔ سید

جوان نے کچھ سپاہی پہلے سے قلعہ کے آس پاس لگا رکھے تھے۔
پس اس بہانہ سے کہ بادشاہ کی خدمت میں کچھ پیغام لیکر جاتا ہی یکایک
اُن سپاہیوں پر آپڑا جو قلعہ کے دروازہ پر متعین تھے اور جو سپاہی اِدھر
اُدھر گھات میں لگائے ہوئے تھے جھٹ پٹ آپہنچے اور اہل قلعہ کو
مغلوب کرکے جنکو اِسکا کچھ وہم وگمان بھی نتھا قلعہ پر قبضہ کرلیا۔
اِسوقت شاہجہاں کو جسقدر خوف واضطراب ہوا ہوگا وہ ظاہر ہے
پس جس شخص کے پکڑ لینے کے لیئے وہ اتنے دنوں سے گھاتیں لگا
رہا تھا اَب خود ہی اُسکا قیدی بنگیا۔

شاہجہاں کا محمد سلطان کو سلطنت کی ترغیب دینا اور ڈورنگ زیب اور شاہجہاں اور محمد سلطان کی تدبیروں کی نسبت مصنف اور اَور لوگوں کی رائیں۔

کہتے ہیں کہ اِس بدنصیب بادشاہ نے قید ہوتے ہی محمد سلطان کو یہہ پیغام بھیجا کہ میں تمسے تخت* کی قسم کرتا ہوں اور قرآن مجید میرے تمہارے درمیان ہے کہ اگر تم اِسوقت مجھسے ایمانداری برتو تو میں تمہیں کو بادشاہ بنا دیتا ہوں۔ اور اس موقع کو غنیمت جانکر ہاتھ سے ندو اور فوراً چلے آو اور دادا کو قید سے چھڑادو اور یاد رکھو کہ اِس سے تمکو ثواب آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ایک دائمی نیکنامی حاصل ہیگی۔

* اصل کتاب میں تاج کا لفظ ہی جسکی جگہہ ہمنے ہندوستان کے محاورہ کے بموجب تخت کا لفظ اختیار کیا ہے۔ کیونکہ ہمکو یاد ہے کہ دہلی کے خاندان شاہی کے اکثر لوگ غدر ۱۸۵۷ء تک بھی (جس میں اس خاندان کا نام ونشان ہی مٹ گیا) بات بات پر تخت ہی کی قسم کھایا کرتے تھے۔ حالانکہ کچھ تخت ہی رہا تھا نہ تاج۔ مطلب یہہ کہ تخت کی قسم اس خاندان میں بہت ہی متوکد اور مقدس سمجھی جاتی تھی۔ س ح

لوگوں کا قول ہے کہ اگر محمّد سُلطان ذرا جرأت کر کے شاہجہاں کہنے کو مان لیتا تو غالباً وہی سب کچھ ہو جاتا - کیونکہ ابتک بھی لوگوں کے دل میں شاہجہاں کا ادب اور لحاظ بہت کچھ باقی تھا - اور اگر یہہ شہزادہ اُسے قلعہ سے نکلنے دیتا اور یہہ بڈھا بادشاہ کچھ فوج لیکر بذات خود اورنگ زیب پر حملہ کرتا تو غالباً کُل فوج اُسکی فرمانبرداری کرتی اور ذی اقتدار امیر بھی علالی اور وفاداری سے پیش آتے - اور اس بات پر بھی سب لوگ متفق الرائے ہیں کہ اس موقع پر محمّد سُلطان سے ویسی ہی غلطی سرزد ہوئی جیسی کہ سموگڈھ کی لڑائی کے بعد شاہجہاں سے ہوئی تھی -

اَب چونکہ اس جگہہ بادشاہ کی غلطی رائے کا پھر ذکر آگیا ہے تو انصاف یہہ چاہتا ہے کہ میں اسکی نسبت یہہ بھی ظاہر کر دوں کہ تمام حالات پر نظر کر کے بہت سے ذی رتبہ مدبّر لوگوں کی بالاتفاق یہہ رائے تھی کہ داراشکوہ کی شکست کے بعد اس بوڑھے بادشاہ کو قلعہ ہی میں رہنا اور اورنگ زیب کو فریب ہی سے گرفتار کرنا مناسب تھا - اور اُن کا قول تھا کہ خلایق کا یہہ قاعدہ ہی ہے کہ نتیجہ کے ظہور کے بعد کسی تدبیر کو بُرا یا بھلا بتلایا کرتے ہیں اور اکثر اوقات جبکہ نہایت ہی کچّے منصوبے چل جاتے ہیں تو لوگ اُنکی بھی تعریف و توصیف کیا کرتے ہیں - پس شاہجہاں کا الفت و محبّت اور صفاے نیّت جتا کر اورنگ زیب کو گرفتار کر لینا کچھ ناممکن نہ تھا اور اس صورت میں اسکے فہم و فراست کی ویسی ہی تعریف اور ناموری ہو جاتی جیسے کہ اَب سب بُرا کہتے اور یہہ الزام لگاتے ہیں کہ یہہ عقل سے خارج بڈھا ایک ایسی عورت (بیگم صاحبہ)

کے کہنے پر چلنے سے اِس حال کو پہنچا جو صرف کینہ اور عداوت کے جوش سے اندھی ہو رہی تھی اور بیعقلی سے یہہ سمجھے بیٹھی تھی کہ وہ سیانا کوّا ! (اورنگ زیب) قلعہ میں ہمسے ملنے کو آئیگا اور اُس جانور کی طرح جو خود بخود پنجرہ میں آن پھسے گرفتار ہو جائیگا۔

اَب مُحمّد سُلطان[1] کی سنیئے۔ اُسکی نسبت عموماً اِس مُلک کے مدبر لوگ یہہ کہتے ہیں کہ تاج شاہی اِسکو مفت ہاتھ آتا تھا۔ مگر اس سے لیا نہ گیا حالانکہ اسمیں بموجب قول مشہور "ہم خرما و ہم ثواب" سلطنت اور دادا کے قید سے چھڑا دینے کی نیکنامی دونوں حاصل ہوتی تھیں۔ پس اگر وہ ایسا کرتا تو اسکا لازمی نتیجہ یہہ تھا کہ یہہ نوجوان شہزادہ بجائے اِسکے کہ قلعہ گوالیار میں بڑا زندگی کے دِن گنا کرتا ہے کُل اُمور سلطنت کا وہی مالک و مختار ہو جاتا۔ اور اگرچہ چند شخص یہہ بھی خیال کرتے ہیں کہ اسنے باپ کی اطاعت اور حق پدری پر نظر کرکے بادشاہ کی درخواست کو قبول نہ کیا۔ مگر ظن غالب یہہ ہے کہ اُسکو شاہجہاں کے عہد و پیمان پر سچائی کا بھروسہ نہوا اور اُسنے یہہ بھی سوچا کہ ایسے عقلمند اور شجاع شخص سے جیسا کہ اورنگ زیب ہے لڑائی خریدنا محض بیفائدہ اور سراسر خطرناک ہے۔ بہرحال شہزادہ کا خیال خواہ کچھ ہی ہو مگر خلاصہ یہہ ہے کہ اُسنے اِس بدنصیب بادشاہ کی تجویز نہ مانی بلکہ پاس جانے سے بھی یہہ عذر پیش کرکے انکار کر دیا کہ مجھے اورنگ زیب کی طرف سے حضور میں حاضر ہونیکی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ تاکیدی حکم یہہ ہے

[1] یہہ محمد سلطان کے قید میں ڈالے جانے پر اشارہ ہے جسکا ذکر آیندہ آئیگا۔ س م ح

کہ قلعہ کے کل دروازوں کی کنجیاں خود اپنی سپردگی میں لیکر میں یہاں سے نہایت جلد واپس جاؤں کیونکہ وہ حضور کی قدمبوسی کے از بس مشتاق ہو رہے ہیں اور صرف اتنی ہی دیر ہے کہ اس امر سے اطمینان ہو جائے تو فوراً حاضر ہو جائیں۔

شاہجہاں کا محمد سلطان کو قلعہ کی کنجیاں حوالہ کر دینا۔

اب دو دن تک تو شاہجہاں کنجیوں کے دینے میں ہیر پھیر کرتا رہا۔ لیکن جب دیکھ لیا کہ سب لوگ اُسے چھوڑے جاتے ہیں خصوصاً یہ سُنکر کہ تھوڑی سی فوج جو دربچہ خاص کی محافظ تھی وہ بھی چلدی۔ اور اب بچاؤ کی کوئی اُمید باقی نہیں ناچار قلعہ کی کنجیاں حوالے کر دیں اور تاکید کہلا بھیجا کہ اورنگ زیب کو اب تو آنا ہی چاہیئے۔ اور لازمہ دانائی یہی ہے کہ وہ جلد ہمسے ملنے کو آئے۔ کیونکہ سلطنت کے بعض ضروری اسرار ہم اُسکو سمجھانا چاہتے ہیں۔

اعتبار خاں خواجہ سرا کا قلعدار آگرہ مقرر ہونا اور بادشاہ کی سخت قید۔

لیکن "وہ مکار فقیر" اب بھی بدستور شاہی اور اپنی چال سے چوکنے والا نہ تھا۔ چنانچہ بجائے اسکے کہ اس ارشاد کی تعمیل کرے فوراً اعتبار خان نامے اپنے ایک معتمد خواجہ سرا کو قلعدار مقرر کر دیا* جسنے پہنچتے ہی سب بیگمات اور بیگم صاحب اور خود شاہجہاں کو قید کر دیا۔ بلکہ قلعہ کے اکثر دروازے تک چنوا دیئے۔ اور بادشاہ اور اُسکے خیر خواہوں کے باہم آمد و رفت نوکیسی

* عالمگیر نامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعتبار خاں دکن میں تھا۔ اسکے بجائے ذوالفقار خاں کو قلعہ دار بنایا گیا تھا۔ س م ح ۱۲

خط کتابت اور سلام پیام کے ذریعے بھی سب مسدود کر دیئے ! اور شاہجہاں کو اتنی بھی اجازت نرہی کہ قلعدار کی اطلاع کے بغیر اپنے کمرے سے باہر نکل سکے۔

قید کرنیکے عذر میں اورنگ زیب کا باپ کی خدمت میں عریضہ بھیجنا۔

اب اورنگ زیب نے باپ کو ایک عریضہ لکھا جو روانہ کرنے سے پہلے قصداً سب لوگوں کو سُنایا گیا جسکا مضمون یہہ تھا کہ "یہہ بے ادبی مجھسے اسلیئے سرزد ہوئی ہے کہ حضور ظاہر امیری نسبت اظہار الفت و مہربانی فرماتے تھے اور ارشاد ہوتا تھا کہ ہم داراشکوہ کے طور و طریق سے سخت ناراض ہیں مگر مجھے پختہ خبر ملی ہے کہ حضور نے اشرفیوں سے لدے ہوئے دو ہاتھی اُسکے پاس بھیجے ہیں۔ جنسے وہ نئی فوج تیار کرلیگا۔ اور اِس خوں ریز لڑائی کو طوالت دیگا۔ پس حضور ہی غور فرمائیں کہ یہہ حرکتیں جو فرزندوں کی معمولی طریق کے برخلاف اور سخت معلوم ہوتی ہیں مجھ سے اِن کے سرزد ہوجانے کا باعث کیا صرف داراشکوہ کی خودسری اور عناد ہی نہیں ہے ؟ بلکہ فی الواقع حضور کی اسیری اور اتنی دیر تک شرف قدمبوسی سے میری محرومی اور حضور کے خلاف توقع فرزندانہ خدمات کی بجاآوری میں اسقدر دیر کا باعث محض وہی ہے۔ اور میں حضور سے بکمال معذرت یہہ التجا کرتا ہوں کہ میری اِس حرکت کی تعجب انگیز ظاہری صورت پر لحاظ نفرما کر اس زوال آزادی کو جو صرف چند روز کے لیئے ہے تحمل کے ساتھ گوارا فرمالیں اور جب داراشکوہ امن و امان میں خلل انداز ہونے اور حضور کو اور مجھکو ایذا دینے کے قابل نہ رہیگا

تو میں فوراً قلعہ کیطرف از خود دوڑا چلا آؤنگا اور حاضر ہوکر دست بستہ عرض کرونگا کہ اب کچھ روک ٹوک نہیں ہے۔

اورنگ زیب نے باپ کی نسبت جو الزام لگایا تھا اسکی تحقیق

اگرچہ میں نے سُنا ہے کہ شاہجہاں نے فی الواقع یہہ اشرفیاں اُسی رات کو داراشکوہ کے پاس بھیجی تھیں جبکہ وہ پنجاب کیطرف روانہ ہوا تھا اور اسکی خبر روشن آرا بیگم نے اورنگ زیب کو پہنچائی تھی اور یہہ خبر بھی اُسی نے دی تھی کہ قلعہ میں آؤگے تو قلماقنیاں تمپر حملہ کرینگی اور یہہ بھی کہتے ہیں کہ شاہجہاں کے کئی خط جو اُسنے داراشکوہ کے نام روانہ کیئے تھے اورنگ زیب کے ہاتھ لگ گئے تھے۔ مگر اکثر دانشمند اور فہمیدہ لوگ ان باتوں کی صحت سے انکار کرتے اور یہہ کہتے ہیں کہ وہ کاغذ جو سرعام سنایا گیا تھا محض بے اصل اور صرف لوگوں کے دھوکا دینے اور شاہجہاں کے خیرخواہوں اور طرفداروں کی طفل تسلی اور زباں بندی کے لیئے تھا جو بطور واجب اورنگ زیب کی اس ناشایستہ حرکت کا چرچا کرتے تھے۔

بادشاہ کے قید ہوجانیکے بعد چند لوگوں کے سوا کل اُمرا کا اورنگ زیب اور مراد بخش کو جا سلام کرنا۔ اور اُن کے اس رویہ کی نسبت مصنف کی رائے۔

خیر یہہ باتیں صحیح ہوں یا غلط لیکن یہہ بات بالکل سچ ہے کہ جب بادشاہ ایسے سخت طور سے قید ہوگیا تو قریباً تمام اُمرا اورنگ زیب اور مُراد بخش کے دربار میں تسلیمات کے لیئے جا حاضر ہوئے۔ اور میں جب یہہ سوچتا ہوں کہ اس بیچارے بڈھے اور مظلوم بادشاہ کی حمایت میں کسی امیر نے ذرا بھی ہاتھ پانوں نہ ہلائے۔ اور کسی کے چھوٹے منہہ سے

بات تک بھی نہ نکلی! تو مجھے نہایت ہی رنج ہوتا اور غصّہ آتا ہے! افسوس! یہہ لوگ اُن ظالموں کے آگے سر جھکانے کو جاتے تھے جنہوں نے اُنکے آقا اور مالک پر ایسی سختی کی۔ حالانکہ اِن کے موجودہ مرتبے اور درجے اور دولت و حشمت سب کچھ صرف اُسی کی مہربانی کا نتیجہ تھا۔ اور اُس دربار کی رسم کے موافق اُسنے اُنکو ادنے ادنے درجوں سے مراتب اعلیٰ پر پہنچایا تھا۔ یہانتک کہ بہت سے اِن میں سے ایسے تھے جو غلامی کی حالت سے امارت کے درجہ کو پہنچے تھے۔ مگر یہاں چند شخص ایسے بھی تھے مثلاً دارا شکوہ[1] شیخ جی جنہوں نے کسی کی بھی جانب داری اختیار نہیں کی تھی۔ لیکن اُن کے سوا اور سب کا عموماً یہہ حال تھا کہ اَب اورنگ زیب ہی کا دم بھرتے تھے مگر اُن اُمرا کی خاص طور کی حالت پر جب میں خیال کرتا ہوں تو اِن کے اس کفرانِ نعمت اور احسان فراموشی کی نسبت میرا لعن طعن کرنے کا جوش کچھ ٹھنڈا ہو جاتا ہے یعنی ہندوستان کے اُمرا چونکہ فرانس وغیرہ ممالک یورپ کے اُمرا کی طرح مستقل املاک کسی جاگیر داری زمینداری وغیرہ کے نہیں ہیں۔ اسوجہ سے اِن کی آمدنیوں کا کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے۔ جسکو بادشاہ وقت سے کچھ تعلق نہو۔ بلکہ جیسا میں پہلے لکھ چکا ہوں اِنکی آمدنیاں صرف وہ روزینے ہوتے ہیں جنکا تقرر محض بادشاہ کی مرضی پر موقوف ہے۔ اور اُن کا جاری رکھنا

---

[1] دارا شکوہ کی مخالفت کے باعث میر بخشی کے عہدہ سے استعفا دیکر اس وقت تک یہ دہلی ہی میں خانہ نشین تھا اور عالمگیر نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اورنگ زیب دارا شکوہ کو تعاقب میں آگرہ سے دہلی کے قریب پہنچا تو یہہ خضر آباد کو مقام اجمیر پرانی دہلی کے پاس تھا اُسکی مدد میں حاضر ہوا تھا۔ سم ح

یا بند کرنا صرف اُسی کے اختیار میں ہے اور جب یہہ وظائف بند ہو جاتے ہیں تو یہہ لوگ بالکل تباہی میں آجاتے ہیں یہانتک کہ تھوڑا سا قرض بھی کہیں سے انکو نہیں مل سکتا۔ *

* باپ بیٹے کی منافقانہ کارروائیاں۔ اُمرا کا اورنگ زیب کے پاس حاضر ہو جانا۔ اور آخرکار شاہجہاں کا قید ہونا۔ ان سب واقعات کو عالمگیر نامہ۔ تاریخ عاقل خاں۔ عمل صالح۔ اور سیر المتاخرین میں جس تفصیل و ترتیب سے لکھا ہے اُسکا خلاصہ مع پوری نقل اُس خط و کتابت کے جو باپ بیٹے کے باہم ہوتی رہی مفید اور دلچسپ سمجھکر اُسی ترتیب سے اس جگہہ درج کیا جاتا ہے اس خط و کتابت کی نقلیں جو عمل صالح اور تاریخ عاقل خاں میں درج ہیں اُنکے الفاظ مختلف اور مطلب واحد ہے۔ مگر عاقل خاں جو اورنگ زیب کے خاص امیروں میں سے تھا اُسکی تحریروں کو زیادہ سند سمجھکر سب نقلیں اُسی کتاب سے لی گئی ہیں بجز ایک عرضی کے جو اُسمیں نہ تھی اور عمل صالح سے لی گئی۔

اگرچہ اورنگ زیب کی وہ تحریر جسکو برنیر نے نقل کیا ہے ان دونوں کتابوں میں نہیں ہے مگر عالمگیر نامہ میں (جسکے مسودات خود اورنگ زیب کے ملاحظہ کے بعد صاف ہوتے تھے) داراشکوہ پر فتح پاکر اس سے دوسرے دن بمقام عماد پور عرف ستروگڈہ اورنگ زیب کے ڈیرہ کرنے کا ذکر لکھ کر یہہ عبارت تحریر کی ہے کہ

" دریں روز نجستہ معذرت نامہ مشتمل بر صورت حال۔ واعتذار و وقوع صف آرائی و قتال کہ باعث و بادی آن داراشکوہ بے خرد مغرور بود۔ و خود منصور بحکم شرع و فتوائے عقل در اقدام بر آن معذور۔ گاشتہ کاکب ادب دانی ساختہ بخدمت اعلی حضرت فرستادند"

اور لڑائی سے تیسرے دن شہر اگرہ کے قریب جب باغ نور منزل معروف باغ دھرم میں ڈیرہ ہوا تو اُسکے اس معذرت نامہ کے جواب میں شاہجہاں نے جو نقشہ اپنے تمام خاص سے لکھا تھا اُسکا خلاصہ بقول عاقل خاں یہہ ہے

" چوں بمقتضائے مشیت ہیچونی و سبحان آن فرو ماندہ سلطنت و جہانبانی و غرناصیہ عظمت و کامرانی و شاہ بلند اقبال صحبت بکدورت و ملال انجامید و آنچہ در پردہ غیب و حجاب تقدیر مستور بود بروز افتاد و از انجاکہ در زبان قضا و قدر و ارادت خالق خیر و شر

چون وچرائے بشر را مدخلے نیست اغماض عین ازاں از مقتضیات نشاء خود شناسی خدادانی دانستہ باظہار امرے کہ اکنوں انشراح خاطر وانبساط طبع اقدس بداں متعلق ومنوط آمدہ بذل توجہ والا ناگزیر شرف وقوع پذیرفت وغرض از تمہید این مقولہ آنکہ تقاضائے باطن وتمنائے خاطر بہ تماشائے جمال لقائے فرحت انتمائے آن فرزند ہوشمند پیدا خرد کہ چراغ ضیا بخش و فروغ افزائے این دودمان دولت واقبال است بنایتی ہست کہ حوصلہ تقریر وبیان اندازہ آن را برنمیتابد خاصۃً کہ آن دُرۃ التاج خلافت ودارائی وتمین فریدۂ زینت افزائے اکلیل فرمان روائی را بنابر ارادت لم یزلی پس از روزگار دراز وزمان طویل با این ہمہ قرب مکان ومحل قریب اتفاق نزول افتادہ وما را پس ازاں چناں امراض متضادہ شدیدہ کہ رشتۂ امید توقف دریں نشار اہل سوز حوادث اندوز قطعاً مقصور ومنقطع بود از شفا خانۂ عنایت حکیم علی الاطلاق شربت گوارائے صحت کرامت وصول پذیرفتہ فی الحقیقت حیات تازہ وزندگی دوبارہ عطا گردید الحمد للہ شوق وانواع اشتیاق باقصائے نہایت رسیدہ یقین کہ خواہش قلبی آرزوی باطنی آں فرزند نیک اختر والا گہر نیز دریں باب از ارباب غلیان نشاء محبت و کیفیت طلب عزیز مصر لقائے بزرگ کنعان خواہد بود چوں زیادہ بریں حوصلۂ طاقت بار انتظار را برنمی تابد پدیدۂ عالم استحسان آنست کہ آں ادب دان خرد ورسم شناس عقل بزردی ہر ہیبۃ تمامتر مرہم راحت بر جراحت ترصدنہادہ خاطر اقدس را بمشاہدۂ جمال لقائے بہجت افزائے خود فرحت آگین ومسرت آمود سازد ع زود آ ودلِ تنگ ما مونسِ جاں باش"

اس شقہ کے پہنچنے پر اورنگ زیب نے تملق کی راہ سے نہایت ہی ادب اور فرمان برداری کا اظہار کیا اور فاضل خاں میر سامان اور سید ہدایت اللہ صدر یعنی منتظم اوقاف کو جو یہ شقہ اور الفت ومحبت اور شوق ملاقات کے پیغام لائے تھے بڑے بھاری خلعت عنایت کیئے اور جواب میں یہ عرضی حوالہ کر کے بہت خاطر ومدارات کے ساتھ رخصت کیا۔

"مراسم سجدہ وسلام ولوازم تعظیم وتکریم بجا آوردہ بعرض میرساند کہ فرمان فرخندہ عنوان مشتمل بر کیفیت آرزومندی خاطر فیض مظاہر فروز رسیدن این پرورردۂ نعمت بہ آوردہ تربیت بزہیں بوصول فائض النور شرف صدور وعز ورود یافتہ۔ از دریافت مضمون اشتیاق مشحون آں جریدۂ فیض کہ ہر کلمہ اش سرمایہ دہ انوار برکات وہر فقرہ اش

پیرایہ پیرائے حیات بود سرتا سر صنعِ خاطر زینتِ جمعیت و طرازِ شگفتگی یافتہ و کشنِ نخۂ رنگین بہار گردید و فروغ ایں آیات رحمت و شموسِ سماے عاطفت از سہر نو پرتو بر بام و طارم و ماۓ گستردہ سرشارِ مسرت و طراوت ساخت۔ شکرِ ایں عنایاتِ تازہ و مرحمت بے اندازہ کہ از حیطۂ طاقتِ تحریر و تقریر بیروں ست از تنگیِ دستگاہِ لفظ و معنی چگونہ بتقریر زبان کز مقرِ بیان راست آید ع ہم مگر لطف شما پیش نہد گامے چند۔ الحمد للہ والمنۃ کہ خاصیتِ صدقِ ارادت و خلوصِ عقیدت کمنوں در ضمیرِ منیرِ آن حضرت کار خود کردہ تازگی فروغِ نہاد از نہان کدۂ باطن بر روۓ بروز انداخت و سلسلہ جنبانی اقبال آسمانی و فیضِ فیاضِ احسن سعی و جانی بفزود کمالِ عنایت حضرت غل سبحانی رسیدہ گلشنِ امید و مراد را شگفتہ و خنداں ساخت اکنوں کار از انہا گذشتہ سہی، مراحم ظاہری کہ بسنتہ بخواہش حقیقت رسید و ریحۂ التفاتِ معنوی بمشامِ آرزو فایز گشتہ باعثِ مزید حیات گردید امیدوار است کہ اسباب موہبت ایں دو در آفتادہ در وقت سعود و ساعت سعادت آمود دست ہم دہد و از فیضِ قدمبوسِ مبارک آن حضرت کہ فی الحقیقت برکت روزگار و آیۂ رحمت پروردگار و زندگانی انتظار ایں وقت و آرزوۓ روزی شدن ایں روز دولت بر مراد خاطر فیروز گشتہ۔ تجلیِ دیدار فایض الانوار بر زنگ منظر دیدہ را روشن و ریچہ شرقِ مہر نور ساز و۔ زیادہ ازیں دراز نفسی کوتہ اندیشی ست۔ ایدا اللہ۔"

اگرچہ اورنگ زیب کے تیوروں سے یہ گمان ہوتا ہے کہ تعین وقت سعود و ساعت سعادت آمود کا اظہار اس وقت میں اپنے بندوبستوں کے پورا کرنے کے لیے محض ایک حیلہ تھا کیونکہ اس عرصہ میں بادشاہی سردار اور امیر روز بروز اسکے پاس حاضر ہوتے جاتے تھے اور اس حالت میں بادشاہ کے پاس جانے سے بجز نفرت کے کوئی فائدہ متصور نہ تھا۔ اور بقول صاحب سیر المتاخرین حاضر ہونے کا ارادہ ظاہر کرنے کی وجہ صرف اتنی ہی تھی کہ لوگوں کی زبان طعن دراز نہ رہے۔ مگر عاقل خاں اور صاحب عمل صالح کے بیان سے (جو اورنگ زیب کے خوشامدی موخ نہیں ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ اسکا ارادہ فی الحقیقت باپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا تھا۔ مگر فاضل خاں کے چلے جانیکے بعد بعض امرا نے اسے خوب بہکایا اور شاہجہاں کے پاس جانے سے ڈرا دیا۔ چنانچہ فاضل خاں جب اگلے روز اس امید میں کہ باپ بیٹے کی ملاقات اب جلد ہونے والی ہے خوش خوش پھر آیا اور بادشاہ کی طرف سے بطور علامت اسکی نیامندی اور خوشنودی کے بعض عمدہ تحایف مع ایک مشہور تلوار کے جسکا نام عالمگیر تھا اور (جسکی نسبت مؤرخ

سکتے ہیں کہ اورنگ زیب اور اُسکے رفیقوں نے اسے ایک ایسی فال مبارک سمجھا تھا کہ آخر کار تخت نشینی کے وقت اس لفظ کو اپنے القاب شاہی کا اُسنے ایک جز بنالیا) لایا اگرچہ اورنگ زیب نے ادب اور اطاعت کی ظاہری باتیں تو اُب بھی بہت سی بنائیں مگر شاہجہاں کے پاس حاضر ہونے کی اصل بات پر نہ آیا جسکو فاضل خاں نے بھی تاڑ لیا اور بادشاہ سے جا کر صاف کہدیا۔ ناچار شاہجہاں نے دوسرے روز پھر ایک رقعہ لکھا بلکہ اورنگ زیب کی بدگمانی رفع کرنیکے خیال سے خلیل اللہ خاں کو بھی فاضل خاں کے ساتھ بھیجا اور وہ یہہ تھا۔ نقل شقہ ثانی

"باوجود حقوق پرورش بناز و نعیم و ترتیب و تلقین و تعلیم و بنوازشات بیکراں و عنایات بے پایاں اختصاص بخشیدن و بمناصب بلند و مراتب ارجمند فائز گردانیدن و با ایں ہمہ حقوق ثابت داد ولوالامری کہ بفرمان شاہنشاہ علی الاطلاق اطاعت و امتثال حکم لازم و واجب است و کلام ربانی در کتاب آسمانی بیان ناطق۔ ازاں فرزند سعادت مند کہ آراستہ مزایاے حسن اعتقاد و معجونہ دانش و بینش خداداد است و پیوستہ عمر گرامی را بر نشاجوئی و نیکنامی و حق شناسی و خداوانی صرف کردہ بسیار بعید می نماید کہ قدم عصیان و رتبہ شوق و خواہش خلاف اقدس را بدریافت دیدار فرحت آثار خیر ندانستہ بنا بر اغوا و اضلال صاحب اغراض فاسدہ چند بعیت دو دشوندار بدماغے رسند + باد شوندار بچراغے رسند + از احراز سعادت حضور باز ایستند و بواسطہ دوست کامی مشتی خاکسار بهیئت مار و دشمن کام پسند و خفت مار در فرمان فرمایان جہان و اہل روزگار تجویز کردہ از وخامت عاقبت نیندیشند و برائے دو روزہ زندگی ایں سرائے دنا پائیدار ساری و خجالت ابد در پیشگاہ خلود رسول بخود گوارا و آسان گیرد۔ زنہارائے فرزند بکارے جرات منما کہ اخر منتج ندامت و پشیمانی گردد۔ و ندامت سود ندارد۔

ابیات

اے خلف از راہ مخالف متاب — تیغ بیفگن کہ منم آفتاب
گر ز خود ایں نقش گرفتی بدست — سوے خدا بین و مشو خود پرست
ور ز بد آموزے ایں رہ بدید — گفتہ بد آموز نباید شنید
گرچہ کنی دعوی دانش ولیک — نیک بدانم کہ ندانی تو نیک
چوں تو شب و روز ہوا فزوں کنی — بے ادبی با چو منے چوں کنی
گرچہ جوانی ہمہ فرزانگی ست — ایں نہ جوانی ست کہ دیوانگی ست

اے پسر اگرچہ بسری در نوری — لیک کمن با پدراں سروری
بر سر خوان آئے کہ ہم تو شئ — یاد نمک کن کہ جگر گوشئ
خون منی و دل من مہر جست — جوشش بسیار کمن زیر پوست "

چنانچہ جب یہ دونوں امیر اورنگ زیب کی ڈیوڑھی پر پہنچے تو صرف خلیل اللہ خاں جو پہلے سے کٹھا ہوا تھا اندر بلایا گیا جسنے جاکر یہ کہدیا کہ آپ ہرگز نجائیے وہاں آپکی نسبت ارادہ برا ہے - بلکہ بادشاہ کو قید کر لینے کی صلاح دیکر اور رفع بدنامی کے لیئے خود اپنی درخواست سے نظر بند ہو کر وہیں رہگیا - اورنگ زیب نے فاضل خاں کی زبانی بادشاہ کو کہا بھیجا کہ مجھے وہاں جانے میں کسی طرح کا خوف اور اندیشہ ہے اسلیئے بالفعل حاضر ہونے سے معذور ہوں - بادشاہ نے جب فاضل خاں سے یہ سب ماجرا سنا اور دیکھا کہ میرے ہی امرا اُسے بہکاتے ہیں تو اس اندیشہ سے کہ ایسا نہو کہ یکایک مجھ سے کچھ اُور سلوک کریں قلعہ کے دروازے بند کرا دیئے جسکی خبر پہنچتے ہی ذوالفقار خاں اور بہادر خاں - اورنگ زیب کے سرداروں نے آکر قلعہ کا محاصرہ کر لیا - اگرچہ انہوں نے رات کو قلعہ کی فصیل کے نزدیک پہنچکر بقول عاقل خاں بہت سا لشکر و فر دیکھا مگر یہ سلسلہ ایسا نہ تھا کہ وہ ایسی آسانی سے اس پر قابض ہو جاتے اس باعث سے اورنگ زیب کے سوار اور سپاہی قلعہ کے نزدیک کے مکانوں اور درختوں اور دیواروں کی آڑ میں اُتر پڑے اور دونوں طرف سے توپ اور بندوق کی لڑائی شروع ہو گئی - اگرچہ بادشاہ کی طرف سے بعض چھوٹے سردار اور بندوقچی پیادے نمک حلالی اور بہادری سے بخوبی مقابلہ اور مدافعت کرتے رہے - مگر اکثر بڑے امرا اور منصب دار پہلے ہی روز یہ بہانہ بنا کر چھپٹ ہوئے کہ دریچہ کے راستہ دریا سے پانی لانے والوں کی مدد کو جاتے ہیں -

چونکہ گرد اگرد کی عمیق نشیب کی وجہ سے اس قلعہ میں نہ تو سرنگ ہی لگ سکتی تھی اور نہ مارہی ہو سکتا تھا - اسلیئے اہل قلعہ کو پیاسا مار کر مغلوب کرنیکے قصد سے دوسرے دن اورنگ زیب کے لوگ ذرا جرأت کر کے حضری دروازہ تک جا پہنچے اور قلعہ میں پانی پہنچنے کا راستہ بند کر دیا - وہ تو کاموسہ اور آگرہ کی سخت گرمی بیچارے اہل قلعہ لاچار ہو گئے - پس اس بیچارے بڈھے بادشاہ نے یہ حادثہ دیکھکر بجز خیر مشروط اطاعت کے (جسکو ان فارسی تاریخوں میں صلح لکھا ہے) اور کوئی صورت نہ دیکھی اور پھر اپنے اسی دلی خیر خواہ بیچارے

فاضل خاں کو فرزند بلند اقبال کی خدمت میں ایک اور تحریر دیگر روانہ کیا جسکا مضمون یہ تھا

" مالک الملک تعالی شانہ کہ مملکتش از تغیر و زوال مصون است کوکب اقبال فرزند برومند قوی طالع راجوں کوکب جہاں فروز فروغ بخش شبستان دولت وضیا افزائے ساحت جہاں دارد - از کجبازی سپہر نیرنگ ساز و ناسازی روزگار شعبدہ باز امر یکہ اصلاً بحیطہ تصور و حیز تعقل در نمی آید بعین الیقین مشاہدہ فتاد - آن فرزند اقبال مند طالع بلند بیکبارگی مہر فرزندی بریدہ بر آتش شوق کہ در کانون دروں اقدس سمت التہاب پذیرفتہ نظرے نیفگندہ چشم از ثمرات آبوت و تربیت عمرے پوشیدہ ما را دشمن کام پسندیدہ و ایذا و آزار ما را کہ موجب بدنامی دنیا و دوش ناکامی عقبے است سہل و آسان انگاشتہ از بازپرس روز شمار غافل و بیخبر افتادہ اما دریوم یقوم الناس ازیں جرات و ارتکاب حق شکنی چہ جواب خواہد داد

نظم

پیش کہ گویم ز خودت شرم باد — کز پئے خون خودم اندر فتاد
بندہ کہ با شاہ بود کینہ جو — خلق چہ گویند تو ہم خود بگو
در ز تو در قلب من آمد غبار — ہم تو شوی در رخ خود شرمسار
باش بکامم کہ بکام تو ام — زندہ و نازندہ بنام تو ام
بہر خدا صورت خویشم نما — روئے مگردان و بترس از خدا

لایق آنست کہ آن ترہ باصرہ دولت و دارائی بر صفحہ شکنی و کشورکشائی خود مغرور نبودہ کہ بہ وعدہ و عہد بر سازگاری زمانہ و رفاقت روزگار نکند کہ ایں چرخ پر نیرنگ و جہاں دو رنگ اصلا اعتماد را نشاید و ازیں پیماں شکن بد عہد قطعا وفا نیاید و دریں صورت شایستہ خرد آنست کہ کارے کہ موجب ذہن و فتور ایں دودمان عالیشان گردد از ارتکاب آن اجتناب واجب شمردہ و حفظ ناموس سلطنت چندیں سالہ کہ طنطنہ عظمت و شکوہ حشمت و اقتدار ایں دولت در ساحت زمین و زمان پیچیدہ و سائر فرماں روایان روئے زمیں ازان شمارے بر میگیرند کوشیدہ آنچہ از فرزندان قابل توقع باشد بظہور آرد کہ نام نیک و اسم قابلیت آن نوبادہ گلشن جاہ و جلال در صفحہ روزگار و صفحہ لیل و نہار ثابت و پایدار بماند -"

جسکے جواب میں اورنگ زیب نے یہ عریضہ لکھا -

" للہ الحمد و المنۃ کہ ایں نیازمند درگاہ شاہنشاہ بے مثل و مانند از بد و اہتزاز رواج عقل و تمیز الی الآن باندازہ امکان بشری و طاقت انسانی در تمہید قواعد ارادت و اعتقاد

دلنشیں بیانی صدق و سداد خود را مقصر نساختہ و در ضبط سررشتہ امتر ضمای خاطر ہمایوں کوشیدہ از صراط مستقیم عبودیت و جانفشانی انحراف جائز نداشتہ و نمی دارد و در راہ بندگی و عقیدت ثابت و راسخ ہست۔ لیکن از مُہر ظہور این مقدمات کہ بنا بر ارادت ازلی و مشیت لم یزلی در میان آمدہ بمقتضائے طبیعت بشری مغلوب واہمہ و ہراس گشتہ جرأت آن نمانده کہ باطمینان قلب و ہیئت باطن عازم احراز سعادت حضور پُر نور تواند شد والّا آرزوئے خاطر فاتر این ستمند ہمرا ارادت و اخلاص بہ نیل دولت استلام سدہ سپہر التیام زیادہ از انست کہ حوصلہ تقریر و تبیین آن را بر تابد و زبان از شکر عنایات سرشار و مراحم و اشفاق بے شمار اقدس قاصر۔ اگر آئین مریدنوازی مرعی فرمودہ حکم والا بشرف نفاذ رسانند کہ بعضے از مردم این مُرید نخست اتباعہ بار یافتہ بجائے جمعے از ملازمان سرکار عالم مدار کہ بجا فطنت مداخل و مخارج ماموراند فرا گیرند و از پیشگاہ عنایت خسروانی بجراست ابواب قلعہ امتیاز و اختصاص یابند این فدوی جان سپار بخاطر جمع و سکون باطن و اطمینان دل بحضور اقدس رسیدہ سعادت زمین بوس اشرف حاصل نمایہ و از زبان عقیدت بیان بعذر تقصیرات بکشاید غایت مریدنوازی خواہد بود۔"

اس کاغذ کے پہنچنے پر شاہجہاں نے ناچار یہ حکم بھی دیدیا کہ سب بادشاہی ملازم قلعہ سے باہر چلے جائیں اور قلعہ کے دروازے کھول دیئے اور شاہزادہ محمد سلطان مع ذوالفقار خاں اور شیخ میر اور بہادر خاں اور اسلام خاں کے روز جمعہ گیارہویں رمضان ۱۰۶۸ھ ایکہزار اڑسٹھ ہجری کو داخل قلعہ ہو گئے۔ اور جب سب جگہ اپنا بندوبست کر چکے اُسوقت محمد سلطان اسلام خاں کے ساتھ کورنش کے لیئے دادا جان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اگرچہ اب بیچارہ بادشاہ قلعہ بھی حوالہ کر چکا۔ مگر جب اس نے بھی حضرت اورنگ زیب ملاقات کو نہ آئے تو اگلے روز شاہجہاں کی بڑی بیٹی معروف بیگم صاحب باپ کیطرف سے ملاقات وغیرہ کے پیغام لیکر اورنگ زیب کے لشکر کو خود گئی۔ مگر اُسلوف سے اُسکے اعزاز و احترام کے معمولی دستور کے برخلاف اُسکا استقبال وغیرہ نہ کیا گیا۔ اور یہہ کہلا بھیجا کہ آپ محلسرا میں چلیں ہم وہیں آتا ہوں۔ اور جب وہ محلسرا میں پہنچگئی تو اورنگ زیب نے کسیقدر اعزاز و اکرام سے ملاقات کی۔ بیگم صاحب نے پہلے تو باپ کی طرف سے اپنے متحمد بھائی کی نسبت اظہار عنایت اور شوق دیدار بیان کیا

بعد اسکے یہہ بموقع پیام دیا کہ حضرت ظل سبحانی کی شاہانہ مرضی اسطرح پر ہے کہ ملک پنجاب مع اسطرف کے اور اضلاع کے داراشکوہ کو عنایت فرمائیں اور گجرات پر مراد بخش اور بنگالہ پر شجاع کا بدستور تصرف رہے اور ملک دکن محمد سلطان کو عطا ہو اور شاہ بلند اقبال کا خطاب اور باقی کل ممالک محروسہ کی ولیعہدی کا منصب عالی آپکو مبارک ہو۔ پس آپ قبول کیجیے۔ اور غرضمند لوگوں کی باتوں پر نہ جایئے۔ بغیر وغدغہ اور وسواس کے حضرت کی خدمت میں چلکر اپنے دیدار سے انکی خاطر مشتاق کو مسرور کیجیے۔

اورنگ زیب نے اسکے جواب میں داراشکوہ کی خصومت کی سخت شکایتیں کر کے ان باتوں کی قبولیت سے انکار کیا اور صاف کہدیا کہ داراشکوہ کا معاملہ کیسو ہونے تک حضور میں حاضر ہونے کی جرات نہیں کرسکتا۔ بیگم صاحب یہہ جواب لیکر نہایت رنج و افسوس کے ساتھ واپس ہوئیں۔ اور سب اندوہناک ماجرا بادشاہ سے عرض کیا۔ اسکے بعد پھر اسی طرح پیام وسلام ہوتے رہے۔ اور جب آخر کار بہت سی گفت وشنید کے بعد اورنگ زیب تیسرے دن شاہجہاں کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کر کے باغ نور منزل سے سوار ہوکر چل پڑا تو یکایک شایستہ خاں اور شیخ میر نے سامنے سے آکر عرض کیا کہ "حضور کہاں جاتے ہیں! یہہ ارادہ عقل اور دوراندیشی کے برخلاف ہے۔ خدا کیواسطے اس سے احتراز فرمایئے۔ اور جب خدا کے فضل سے قلعہ میں حضور کا عمل دخل خاطرخواہ ہوچکا ہے اور اعلیٰ حضرت کا اختیار واقتدار کچھ بھی نہیں تو بلاضرورت اندیشے اور خطر کی جگہہ میں جانے سے اب کیا حاصل"

ان باتوں سے اورنگ زیب کی طبیعت میں پھر ایک تذبذب سا پیدا ہوگیا اور وہ اپنے ڈیرہ کو چلا آیا۔ اور بادشاہ کے پاس جانے نہ جانے کی نسبت ابھی گفتگو میں درمیان ہی تھیں کہ اسی اثنا میں ناھر دل نامے ایک چیلے نے شاہجہاں کا ایک رقعہ جو اسنے داراشکوہ کے نام اپنے ہاتھ سے لکھکر بڑے اعتماد اور احتیاط سے اسکو سپرد کر کے یہہ ہدایت کی تھی کہ نہایت جلد دہلی پہنچکر اسکا جواب لائے پیش کیا۔ خلاصہ اس کاغذ کا عاقل خاں نے یہہ لکھا ہے کہ "داراشکوہ در شاہجہان آباد ثبات قدم ورزد۔ کمی خزانہ لشکر در انجا نیست۔ زینہار از انجا پیشتر نگذرد کہ ما بدولت وہنجا ہم رافیصل میفرمائیم" اس آخر فقرہ کا پڑھنا تھا کہ اورنگ زیب کو اپنے خیرخواہوں کی

باتوں کا یقین ہوگیا۔ اور اُسنے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ بالکل ترک کردیا۔ اور چونکہ بیگم صاحب کے آنیکے بعد جعفرخاں وزیر۔ حکیم تقرب خاں (جو قرب ومنزلت میں یہہ بھی وزیر سے کم نتھا) اور رائے رایان راجہ رگھناتھ دیوان سلطنت بھی مع عدہ فعلہ وبوانی حاضر ہو چکے تھے اُب اِسنے ایک نہایت شان دار دربار عام (مگر شاہزادوں کے دستور کے موافق پنشست مند) منعقد کرکے سب اُمرا اور منصبداروں کی نذریں (شاہانہ طور پر) لیں اور بعدازاں بڑے طمطراق اور کروفر کے ساتھ بسواری فیل قلعہ کے دروازہ کے آگے سے !! گزر کر داراشکوہ کی حویلی میں جا ڈیرہ کیا اور محمد سلطان نے باپ کے حکم سے تمام بادشاہی خزانوں کارخانوں توشہ خانوں کو ضبط کرکے سربمہر کردیا۔ اور آکیسویں رمضان سنہ مذکور سے شاہجہاں ایسا سخت قیدی ہوگیا کہ حرم سرا سے باہر نکلنے کی بھی اجازت نرہی۔ بلکہ بقول مصنف عمل صالح مدت تک بجز چند خادمہ عورتوں کے کوئی خدمتگار تک پاس پھٹکنے نہ پاتا تھا۔

ذوالفقارخاں آگرہ کا قلعدار اور شاہجہاں کا محافظ مقرر ہوا۔ اسلام خاں کو آگرہ کی صوبہداری دیگئی اور آپ صرف تین روز داراشکوہ کی حویلی میں ٹھہر کر دلی کو کوچ کردیا اور اگرچہ پولیٹکل مصلحتوں کے لحاظ سے اپنی غیبت میں محمد سلطان کو بھی آگرہ رہنے کا حکم دیا مگر نہ تو اُسکو فوج وغیرہ برائے نام کلی ہی دیا نہ قلعہ میں رہنے کی گنجایش دی بلکہ اسلام خاں کو اسپر لائق مقرر کرکے یہہ حکم دیا کہ داراشکوہ کی حویلی میں ڈیرہ رکھے۔ اور اگرچہ بادشاہ کے قید اور بے بس کردینے کے لیئے ایکطرف تو مذکورہ بالا اہتمام وانتظام تھے مگر اپنی معمولی مکاری سے اِن حرکتوں پر پردہ ڈالنے اور لوگونکی طعن وتشنیع سے بچنے کی خاطر دلی کو کوچ کرنے سے پہلے فاضل خاں میرسامان کو بادشاہ کی خدمتگذاری اور "برداشت مہمات بیوتات وانتظام کارخانجات خاصہ شریفہ" کے لیئے (جو اکثر وہیں تھے) مقرر کیا۔ اور تقرب خاں کو شاہجہاں کا مزاج داں معالج تھا دوسطے علاج بقیہ مرض کو مقرر کرکے تین ہزار اشرفیوں کے انعام اور عنایات خلعت خاصہ وجیھہ مرصع باعلاقہ مردارید سے سرفراز کیا۔ اور جب آگرہ سے چلکر پہلا ڈیرہ بہادرپور میں ہوا تو اپنے فرزند ثالث محمد اعظم کو بھی سلام کو لیئے روانہ کیا جسنے جدامجد کو پانچسو مہریں اور چار ہزار روپیہ نقد نذر کیا اور بادشاہ نے بھی تملق اور ظاہری پیار محبت کے بعد بہت کچھ دعا دلاکر رخصت کیا۔ شاہجہاں کی قید کی یہہ عبرت واقعہ کا مادہ تاریخ جو نہایت ہی حسب حال ہے عاقل خاں نے یہہ کہا ہے۔ واعتبروا یا اولی الابصار۔ س م ح

۱۰۶۸

اورنگ زیب اور مراد بخش کا داراشکوہ کے تعاقب میں روانہ ہونا اور اورنگ زیب کا دغابازی سے مراد بخش کو قید کر لینا۔

القصّہ دونوں شاہزادوں نے باپ کے معاملہ سے فارغ ہو کر اُمرا کی نذریں لیں اور اپنے ماموں شائستہ خاں* کو آگرہ کا صوبہ دار بنا کر اور خزانہ شاہی سے اخراجات ضروری کا انصرام کر کے داراشکوہ کے تعاقب میں کوچ کیا۔ اور جب فوج کا آگرہ سے کوچ ہونے کو تھا تو مراد بخش کے خالص ہواخواہوں خصوصاً شہباز خواجہ سرا نے اُسکو بہت سمجھایا کہ آپکو مع اپنے لشکر کے آگرہ یا دھلی سے دور جانا نہیں چاہیئے اور غایت درجہ کا ادب و آداب اور بیحد میٹھی باتیں جو اورنگ زیب کر رہا ہے فریب اور دغابازی کا نشان ہے۔ اور جبکہ خاص و عام بلکہ خود وہ بھی اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ اب بادشاہ آپ ہیں تو پھر یہ کیونکر مناسب ہے کہ آپ آگرہ اور دھلی کے نزدیک نہ رہیں اور کہیں دور چلے جائیں۔ پس آپ اُسکو داراشکوہ کے تعاقب میں جانے دیجیئے"

چنانچہ میری دانست میں اگر وہ یہ معقول صلاح مان لیتا تو اورنگ زیب کو بہت مشکل پڑ جاتی لیکن اُسنے ایک نہ مانی اور بھائی کے ساتھ دھلی کو چل کھڑا ہوا کیونکہ اُسکے موکّد اور مستحکم وعدوں اور اُن بیہودہ قسموں پر جو بارہا قرآن درمیان رکھکر کھائی ہوئی تھیں اُسکو پورا بھروسہ تھا۔ لیکن جب دونوں نے متھرا پہنچکر مقام کیا جو آگرہ سے قریب تین چار منزل کے ہے تو مراد بخش

* پچھلے حاشیہ میں لکھا جا چکا ہے کہ سرکار اسلام خاں کو آگرہ کا صوبہ دار بنایا گیا تھا۔ البتہ شائستہ خاں بھی آگرہ کا صوبہ دار مقرر ہوا تھا مگر اس سے کچھ عرصہ بعد۔ س م ع

کے خیر خواہوں نے جو اس عرصہ میں بہت کچھ دیکھ اور سُن چکے تھے ماچار ہو کر
آپسمیں یہہ صلاح کی کہ ایک دفعہ تو اسکو پھر سمجھانا چاہیئے آگے وہ جانے
مانے یا نہ مانے۔ چنانچہ اُنہوں نے اُس سے کہا کہ ہمکو کئی جگہہ سے پختہ خبریں
ملی ہیں کہ اورنگ زیب کا بیشک کچھ بُرا ارادہ ہے اور کسی خوفناک منصوبہ کے
لیئے بہت کچھ بندشیں ہو چکی ہیں اسواسطے اُسکی ملاقات کو خاص اُسکے لشکر
میں آپکا جانا مناسب نہیں اور زیادہ نہیں تو آج کی رات تو ہرگز نجایئے۔
اور اس آفت کے ٹال دینے کی بہت آسان سبیل یہہ ہے کہ ناسازی طبیعت کا
بہانہ کر لیجیئے اور وہاں نہ جایئے یہہ سُنکر جیسا کہ معمول ہے اورنگ زیب خود ہی
چند آدمیوں کے ساتھ آپ کے پاس آجائیگا۔ لیکن نہ تو ان تقریروں اور
دلیلوں ہی نے کچھ اثر کیا اور نہ منت و سماجت ہی کچھ کارگر ہوئی۔ کیونکہ وہ
ایک ایسی حالت میں تھا گویا کسی نے اُسپر جادو کیا ہوا ہے۔ چنانچہ اورنگ زیب
کی ظاہری اطاعت اور دکھاوے کی محبت سے فریب میں آکر باوجود ممانعت
اپنے رفیقوں اور خیر خواہوں کے اُسکے ہاں جو میر خاں وغیرہ اپنے تین چار
محرم راز مصاحبوں کے مشورہ سے گھات میں لگا ہوا اسکے آنے کا منتظر تھا
ضیافت کھانے چلا گیا۔ اور جب یہہ سادہ لوح شہزادہ وہاں پہنچا تو اورنگ زیب
نے معمول سے زیادہ اور بہت ہی بڑھکر تعظیم و تکریم کی اور اسقدر خوشی کا اظہار کیا
کہ آنکھوں سے چند آنسو بھی نکال دیئے اور خاص اپنے ہاتھ سے مُراد بخش کے
چہرہ کی گرد صاف کی اور پسینہ پونچھا اور جب کھانا کھانے کو بیٹھے تو نہایت ہی
گرم جوشی دکھائی اور اظہار مسرت کے لیئے ہنسی اور مذاق کی بیحد باتیں بنائیں

اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب عمدہ کابلی اور شیرازی شراب پیش ہوئی تو آہستہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور مُسکرا کر بولا "حضرت کو معلوم ہے کہ مَیں اپنے مذہبی خیالات کے باعث اس صحبت عیش و نشاط میں حاضر رہنے سے مقصّر ہوں اور اگرچہ مَیں مرخص ہوتا ہوں لیکن یہہ سب لوگ جو اس پُر لطف جلسہ کے شریک ہیں اور میر[1] صاحب اور اُور میرے مصاحب آپکی خدمتگذاری کے لیئے حاضر ہیں" پس مُراد بخش شراب دوست تو تھا ہی اُسپر یہہ طرہ کہ ایسی عمدہ صحبت اور ایسی لطیف شراب! غرض خوب پی اور یہانتک پی کہ بالکل غُنُّو ہو گیا اور اورنگ زیب کا جو یہہ مدّعا تھا کہ وہ مدہوش ہو کر سو جائے پورا ہو گیا۔ پس اوّل تو مُراد بخش کے نوکروں کو اس حیلہ سے رخصت کر دیا گیا کہ اُسکے خواب راحت میں خلل نہ آئے! اور اسکے بعد میر خاں نے اُسکی تلوار اور جمدھر کو اپنے قبضہ میں کر لیا! اور تھوڑی ہی دیر بعد اورنگ زیب اُسکو اس نازیبا خواب سے جگانے کے بہانہ سے خیمہ میں آیا اور اُس تمام مصنوعی ادب و لحاظ سے ہاتھ اُٹھا کر اس خفتہ بخت کے اوّل تو چند ٹھوکریں ماریں! اور جب اُسنے ذرا آنکھیں کھولیں تو یہہ ذو فنون! ملامت کی راہ سے بولا کہ بڑی شرم کی بات ہے کہ تم بادشاہ ہو کر ایسے غافل اور بیخبر ہو جاؤ۔ بھلا دُنیا کے لوگ تمکو بلکہ مجھکو بھی کیا کہینگے! اور لوگوں کو اشارتاً کہا کہ اس بدمست و مخمور کے ہاتھ پانوں باندھکر خلوت خانہ میں لیجاؤ کہ نشہ کے اُترنے تک اس بے شرمی کا سونا وہاں سوئے" پس تعمیل حکم میں کیا دیر تھی فوراً پانچ چھ مسلّح شخصوں نے

[1] شیخ میر اور سید میر دونوں بھائی تھے ان میں سے سید میر اورنگ زیب کا بے تکلف مصاحب تھا اور غالباً اس جگہ وہی مراد ہے۔ س م ح

آن دبایا اور ہر چند چلاتا اور زور کرتا رہا لیکن پانوں میں بیڑی اور ہاتھوں میں ہتکڑی ڈال ہی دی اور قیدی بناکر ایک علیحدہ جگہہ میں ڈال دیا۔!

مراد بخش کا قید ہوجانا سنکر اسکے ملازموں کا آمادۂ فساد ہونا اور اورنگ زیب کا انکو کانٹھ لینا۔

یہہ سختی اور بدسلوکی خواہ کیسی ہی مخفی طور پر کی گئی تھی مگر مراد بخش کے اُن ملازموں پر ظاہر ہوے بغیر نہیں رہ سکتی تھی جو باہر بھیجدیے گئے تھے پس جب اُنہوں نے اِسکی بھنک سُنی تو کسی قدر شور و غوغا مچایا اور چاہا کہ زور اندر گھُس آئیں لیکن مراد بخش کے میر آتش علی قلی نے جسکو اورنگ زیب نے کچھ دیکر پہلے سے گانٹھا ہوا تھا سمجھا اور دھمکا کر خاموش کرادیا۔ اسی طرح اُسکے لشکر میں بھی اگرچہ کچھ شور و شر شروع ہوگیا تھا اور اندیشہ تھا کہ کہیں وہ یکایک چڑھ نہ آئے لیکن رات ہی کو کچھ لوگ بھیجدیے گئے جنہوں نے جاکر یہہ مشہور کردیا کہ اورنگ زیب کے ڈیرہ میں جو ماجرا گزرا ہے وہ کچھ بڑی بات نہیں ہے۔ کیونکہ ہم بھی وہیں تھے اور صرف اِسقدر ہے کہ مراد بخش شراب ذرا زیادہ پی گیا تھا اور یہانتک بدکلامی کرنے لگ گیا تھا کہ اَور تو کوئی کیا خود اورنگ زیب کو بھی مغلظات گالیاں دیں اور ایسا اودھم مچایا کہ ناچار خلوتخانہ میں بند کرنے کی ضرورت پڑی۔ سو یہہ کچھ بات نہیں صبحکو جب نشہ اُتر جائیگا تو چڑھکر صحیح وسلامت اپنے لشکر میں آجائیگا۔

اَب اِدھر تو اہل سپاہ کو یہہ دم دیکر چُپ کرایا گیا اور اُدھر راتوں رات بڑی بڑی رشوتیں اور بڑے بڑے وعدے دیکر لشکر کے بڑے بڑے سرداروں کو اپنے ساتھ ملا لیا گیا اور معاً تمام فوج کی تنخواہ بڑھادی گئی غرضکہ وہ شورش اور ہنگامہ

جو برپا ہوا تھا صبح ہوتے کو اُسکا نام و نشان بھی نہ تھا۔ کیونکہ ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے تھے جو یہہ نہ سمجھتے ہوں کہ مُراد بخش کسی بلا میں پھنسنے والا ہے ورنہ اُسکے سب سردار اور سپاہی اس بات کو بخوبی جانے ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی دن یہہ ضرور پس جائیگا۔

مراد بخش کو قلعہ سلیم گڈھ میں بھیجنا

جب یہہ سب بندوبست ہو چکا اور اطمینان ہو گیا کہ اب کچھ جائے اندیشہ نہیں ہے تو اس اُمراد کو ایک زنانی عماری میں بند کرکے دھلی کو چلتا کیا اور قلعہ سلیم گڈھ میں جو جمنا میں بنا ہوا ہے قید کیا گیا*

---

* مسٹر اِرونگ بِرَاک صاحب اصل کتاب کے مترجم انگریزی نے کرنل ڈوم صاحب کی تاریخ ہندوستان سے اِس موقع پر مندرجہ ذیل حاشیہ لکھا ہے۔

قولہ "جب مُراد بخش کیمپ میں جو متھرا کے قریب تھا آپہنچا تو اُس سے اگلے دن سُلطان مراد بخش نے اورنگ زیب کو ضیافت کا پیغام بھیجا اور چونکہ وہ طبعاً کشادہ مزاج اور رنگین طبع شخص تھا اسوجہ سے اورنگ زیب نے بغیر کسی طرح کے شک و شبہ کے اُسکی دعوت کو قبول کر لیا مگر جب دونوں بھائی دسترخوان پر بیٹھ گئے اور شہباز نے جو مراد بخش کے محلات کا ناظر اور اس دعوت کے اصلی خصوصیہ کا رازدار تھا یکایک کان میں آکر کہا کہ "عمدہ پوشاک میں چاک کرنیکا اب وقت ہے" یعنی اورنگ زیب سے یہیں سمجھ لینا چاہیئے تو اورنگ زیب جو لوگوں کی صورتوں اور چہروں سے دلوں کے بھید سمجھ لیتا تھا اس سرگوشی اور بھائی کی بناوٹی رنگینیوں سے جو اُسوقت دکھائی تھا اصل مدعا کو تاڑ گیا مگر تحمل اور متانت کی راہ سے خاموش ہو رہا اور جب مراد بخش نے سمجھا کر شہباز کو رخصت کر دیا کہ فلاں علامت اور اشارہ کا منتظر رہے تو اورنگ زیب نے یہہ سمجھکر کہ اسوقت میرے قتل کا منصوبہ ہے یکایک یہہ ظاہر کیا کہ میرے پیٹ میں سخت درد ہے اور مجلس سے اٹھکر جھٹ پٹ باہر چلا آیا اور اپنے اہالی موالی اور ہمرکاب سپاہیوں کے پاس جو ڈیوڑھی پر حاضر تھے آپہنچا اور وہاں سے سیدھا اپنے لشکر میں آگیا۔ اور اس تناقض کی حال کو ایسی خوبصورتی سے چلایا کہ مراد بخش یہی خیال کرتا رہا کہ وہ فی الواقع

بیمار ہے اسکو گمان بھی نہ ہوا کہ وہ اس منصوبہ کو سمجھ گیا ہے۔ چنانچہ آخر تین روز کے بعد جب اورنگ زیب کا مصنوعی درد شکم جاتا رہا تو مراد بخش نے بہت خوشیاں منائیں اور بڑے تپاک سے مبارکباد دیں اور اس سے آٹھویں دن اورنگ زیب نے دعوت کی تیاری کی اور پیغام دیا کہ آپکی تفریح طبع کے لیئے ایسی حسین و جمیل ارباب نشاط بلائی گئی ہیں جو اپنے حسن و جمال اور لطافت و نزاکت اور گانے بجانے کے فن میں ایسی بے نظیر ہیں کہ ایسے کمالات کی رنڈیاں اس سے پہلے کبھی ہندوستان بھر میں نہیں دیکھی سنی گئیں۔ اور اس مضمون کو ایسی آب و تاب سے بیان کیا گیا کہ مراد بخش جو بالطبع عیش و عشرت کا پتلا اور راگ رنگ کا شیدا تھا ہزار جان سے اسکا مشتاق ہو گیا اور اپنے تمام خیر خواہوں میں سے کسی کی بھی نہ سنی اور اپنے مکان۔ بھائی کے خیمہ گاہ میں چلا ہی گیا۔ چنانچہ جب بادشاہ سلامت (جیسا کہ اورنگ زیب اسکے بیوقوف بنانے کو کہا کرتا تھا) خیمہ گاہ میں داخل ہوئے تو وہ نازنینیں اسکو ایک اور اندر کے خیمہ میں لیگئیں اور یہ خلوب النفس شہزادہ اُن کے حیرت افزا حسن و جمال کو دیکھکر جو فی الواقع بیمثال تھا بالکل لٹو ہو گیا۔ غرض ناچ رنگ شروع ہوا اور عیش و نشاط کا وہ سماں بندھا کہ مراد بخش نے مزے میں آکر شراب شیرازی منگائی۔ اب دور چل رہا ہے اور "بادشاہ سلامت" پریوں کے اکھاڑے میں راجہ اندر بنے بیٹھے ہیں اور اورنگ زیب بھی اپنے معمولی تقوی و طہارت سے ہاتھ دھوے اس بزم شراب میں شریک ہے۔ آخر جب حضرت کے ہوش و حواس خیست ہونے لگے تو اورنگ زیب نے شیراز کی خام شراب کی جگہ تیز شراب کے پیالوں کی اور بھی بھرنا شروع کر دی۔ جس سے وہ تھوڑی ہی دیر میں بیہوش ہو کر ایک نازنین کی بغل میں سر دیکر سو گیا۔ اور چونکہ اورنگ زیب نے اپنے سرداروں کو حکم دے رکھا تھا کہ جو امرا وغیرہ مراد بخش کے ساتھ آئے ہیں انکی تواضع بھی اسی تکلف سے کیجائے اسلیئے اسکے ہاوی گارڈ کے لوگوں تک کو بھی شراب پلا پلا کر مدہوش کر دیا گیا۔ اور اس تدبیر سے وہ بدبخت شہزادہ بالکل بے حفاظت رہگیا۔ اور اورنگ زیب نے موقع پاکر ظفر جنگ آتین اور امیر دنکو حکم دیا کہ خیمہ میں جاکر اسکے ہاتھ پانوں باندھ لیں۔ چنانچہ وہ عورت تو اسکو آتے دیکھکر کھسک گئی اور انہوں نے آکر مراد بخش کو جو پلنگ پر پڑا ہوا تھا۔ اور جسکے ہتھیار تلوار اور خنجر وغیرہ اورنگ زیب نے چالاکی سے پہلے ہی اٹھوا لیئے تھے آن گھیرا۔ اور آہستہ آہستہ اسکے ہاتھ باندھنے شروع کر دیئے۔ پس اس حرکت سے مراد بخش چونک پڑا۔

اور جھنجلا کر باندھنے والوں کے کچھ لاتیں وغیرہ مارنے لگا۔ جس سے وہ ذرا ڈر گئے اور شہزادہ پکار پکار کر اپنی تلوار مانگنے لگا۔ اب اورنگ زیب نے جو اس کارروائی کیوقت خیمہ کے دروازہ پر کھڑا تھا پردہ کے پیچھے سے سر نکالا اور اپنے امیروں کو خوب ڈانٹ کر کہا کہ اگر یہ کچھ ہاتھ پانوں ہلائے تو ابھی قتل کر ڈالو۔ جسکو سنکر مراد بخش نے کچھ برا بھلا تو کہا۔ مگر آخر کار چپ ہو کر ہاتھ پانوں بندھوا لیئے۔ اور ناظر شہباز جو اسکا دلی رفیق اور خیرخواہ اور عمدہ مشیر تدبیر تھا اُسکو بھی اسیوقت اس طرح سے قید کر لیا گیا۔ کہ وہ شامیانہ جو میر بخشی کے ڈیرہ کے آگے لگا ہوا اور یہ اُسکے نیچے بیٹھا ہوا تھا اشارہ ہوتے ہی اُسکی چاروں چوبوں کی طنابیں یک لخت کاٹ کر گرا دیا۔ اور قبل اسکے کہ وہ اس ناگہانی اُلجھیڑے سے اپنے تئیں نکال سکے پکڑ لیا گیا۔ اور باقی اُمرا کو مسلح آدمیوں نے گھیر لیا۔ اور اورنگ زیب کے حضور میں حاضر کیئے گئے جنہوں نے فرمانبرداری قبول کر لی۔

اس واقعہ سے اگرچہ خفیف سا چرچا مُراد بخش کے لشکر میں پھیلا مگر اُس سے کوئی عذر پیدا نہیں ہوا۔ اور اہل فوج تھوڑی دیر کے بعد اس طرح سے چپ چاپ ہو گئے جیسے کوئی شخص خواب پریشاں سے ذرا چونک کر پھر سو جاتا ہے۔

جب سُلطان مُراد بخش کو قید کیا گیا تھا۔ اُسوقت کچھ زیادہ رات نہیں گئی تھی اور دن نکلنے سے پہلے ہی اُسکو اور اُسکے رفیق کو ایک ہاتھی پر زنانی عماری میں بند کر کے بحفاظت کامل آگرہ کو روانہ کر دیا گیا تھا۔ (انتہے کلامہ)

مگر واقعات کی ترتیب اور اُن چالوں اور منصوبوں کی تفصیل جو دارا شکوہ پر فتح پانے سے مُراد بخش کے قید ہونے اور اُسکے سلیم گڈھ میں بھیجے جانے تک اورنگ زیب اپنے اس سادہ لوح بھائی کی نسبت عمل میں لاتا رہا جس طرح پر کتاب عالمگیرنامہ۔ عمل صالح۔ اور سیر المتاخرین میں بطور مجمل اور عاقل خاں کی تاریخ میں مفصل درج ہے (اور ڈو صاحب کی تحریر سے زیادہ اعتماد کے لائق ہے) خلاصہ اُسکا یہ ہے کہ جب اورنگ زیب دارا شکوہ پر فتح پا چکا تو مراد بخش کے ساتھ بہت ہی چرب زبانی اور ملائمت سے پیش آیا۔ اور چونکہ اس لڑائی میں اُسنے زخم کھائے تھے اسلیئے "اطبایان حاذق وجراحان ماہر" اسکے علاج کیواسطے مامور کیے۔ اور جب دونوں بھائی آگرہ کے قریب پہنچکر باغ نور منزل میں ڈیرہ کر چکے تو اب اورنگ زیب نے یہہ چاہا کہ بغیر مراد بخش کی

شرکت کے شہر آگرہ (یعنی دار السلطنت) پر خاص اپنا قبضہ کرے اسلیئے اس بہانہ سے کہ اہل شہر اس ہنگامہ اور شور و شر کے باعث بہت خوف زدہ ہو رہے ہیں اور مراد بخش کی سپاہ کے لوگ اپنے آقا کی بے پروائی کے سبب سے بماہ خود سری برخلاف حکم شہر میں داخل ہوکر دست درازیاں اور بے اعتدالیاں کرتے ہیں رعایا کی تسلی اور انتظام کا حیلہ بناکر اپنے بیٹے محمد سلطان کو مع اپنی سپاہ کے شہر میں بھیجکر اپنا عمل دخل کرلیا اور جب بادشاہ کے قید کر لینے کے بعد بڑی شان و شوکت کے ساتھ شہر میں خود داخل ہوا تو اُس روز بھی مراد بخش کو اس حیلہ سے کہ آپ کے زخم ابھی آئے ہیں اسواری وغیرہ کی حرکت مناسب نہیں ہے دیں باغ نور منزل میں پڑا رہنے دیا اور خود داراشکوہ کی حویلی میں (جو ولیعہد سلطنت اور مدعی بادشاہت کی حویلی تھی) آ ڈیرہ کیا۔ مگر میاں مراد بخش باوجود ان تمام حالتوں کے اپنے خیال میں بدستور بادشاہ بنے ہوئے تھے اور تخت و چتر وغیرہ سلطنت کا سارا سامان گجرات سے لیکر اب تک اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

مذکورہ بالا موخوں کا قول ہے کہ اب اسکے دل میں اورنگ زیب کا یہ عروج دیکھکر کچھ تو خود ہی حسد ہوتا تھا اور کچھ اسکے سردار اور امیر خواہ از راہ خیر خواہی خواہ از راہ خود غرضی اسکو سمجھاتے تھے کہ اورنگ زیب کے قول قسم اور عہد و پیمان پر بھروسہ نکرکے اپنا بندوبست کرنا چاہیئے۔ چنانچہ کچھ نئے سپاہی بھی بھرتی کیئے جاتے تھے اور سرداروں اور امیروں کو بھی خفیہ رعایتیں کرکے اپنی طرف ملانے میں کوششیں کیجاتی تھیں یہانتک کہ قریب بیس ہزار سوار کے مراد بخش کے لشکر میں جمع ہوگئے۔ بلکہ بعض سردار اور سپاہی عالمگیر کے ساتھ سے بھی جدا ہوکر اسکے لشکر میں جا شامل ہوئے۔

جب اورنگ زیب نے آگرہ سے بائیسویں رمضان سنہ ایکہزار اڑسٹھ ہجری کو کوچ کرکے پہلا ڈیرہ بہادرپور میں کیا اور وہاں سے چوبیسویں کو سامی گھاٹ پہنچکر وہاں بھی دو روز مقام کیا تو اسکو خبر ملی کہ مراد بخش جسنے ابتک آگرہ سے کوچ نہیں کیا تھا اس مہم میں شامل ہونا چاہتا۔ پس اورنگ زیب کو نہایت اندیشہ ہوا اور اُسنے اس امر کو اپنے مدعا کی خرابی کا باعث سمجھکر معتمدوں کی زبانی مراد بخش سے ترک رفاقت کا سبب دریافت کیا اور جب اُسنے اسکے جواب میں اپنی ناداری اور اسوجہ سے فوج کی پریشان حالی کا اظہار کیا تو ایک لاکھ روپیہ بھیجدیا اور یہ کہلا بھیجا کہ بالفعل اسکو اپنی اور اپنی فوج کی ضروریات

میں خرچ کیجئے۔ اور جیسا کہ آپ کے ساتھ قرار پا چکا ہے کہ تیسرا حصہ خزانہ اور لوٹ کا آپکو دیا جائیگا وہ بھی جلد پہنچ جائیگا۔ اور خدا نے چاہا تو بعد اتمام مہم داراشکوہ کے ملک پنجاب اور کابل اور کشمیر اور ملتان بیشک آپکو ملے گا۔ پس اس معاملہ کی طرف سے مطمئن رہیئے اور جلد تشریف لائیے۔ تاکہ بالاتفاق اس مہم عظیم کو درپیش ہے حسب دلخواہ انجام کو پہنچایا جاوے۔ اور جب تک داراشکوہ کا معاملہ درمیان ہے اس تکرار کا موقع نہیں ہے۔ خلاصہ یہہ کہ مراد بخش دم میں آکر آگرہ سے سوار ہو آیا مگر اب بھی اورنگ زیب کے لشکر سے ایک کوس پیچھے ڈیرہ کیا اور اسی طرح آگے پیچھے اترتے ہوئے جب متھرا پہنچے تو اس سے بھی کچھ زیادہ فاصلہ پر قیام کیا۔

پس اُسکے ان اوضاع و اطوار کو دیکھکر یہہ صلاح ٹھہری کہ مراد بخش کو قید کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ پہلے تو طرح طرح کے لالچ اور وعدے دیکر اُسکی مقربوں اور بڑے بڑے امیروں کو گانٹھ لیا اور پھر مشورہ اور صلاح کے بہانہ سے مراد بخش کو اپنے ہاں بلانا چاہا مگر وہ اپنے بعض خیراندیش اور ہواخواہوں کے منع کرنے سے کچھ بہانہ بناکر اُس روز نہ آیا۔ چونکہ اورنگ زیب اُسکا کھٹکا مٹانے میں زیادہ دیر لگانا مناسب نہیں جانتا تھا اسلئے متھرا میں (کہ جہاں حسن اتفاق سے عید الفطر کا بنا بنایا عمدہ حیلہ بھی موجود تھا) مقام کر دیا اور اسکے پچھلانے کی غرض سے کبھی تو نہایت ہی شوقلاقات ظاہر کیا جاتا تھا اور کبھی معاملات ملکی میں صلاح مشورہ کا حیلہ پیش کیا جاتا تھا۔ غرضکہ جب مراد بخش اپنی صاف دلی سے جانے کو تیار ہوا تو اُسکے ہواخواہوں اور خیراندیشوں نے جو اس فریب کی بھنک پا چکے تھے پھر روکا اور کہا کہ ہمکو اورنگ زیب کی طرف سے بہت کھٹکا ہے ایسا ہو کہ وفا کرے اور پھر پچھتانا کچھ کام نہ آوے۔ مگر بدقسمتی سے مراد بخش نے اُنکی بات پر یقین نہ کیا بلکہ یہہ جواب دیا کہ "ایں محض واہمہ است کہ بر طبیعت شما غالب گشتہ و باوجود عہد و پیمان موکد بہ غلاظ و اَیمان ازاں حضرت (اورنگ زیب) ایں واہمہ را بمحاظ راہ دون از طریقہ مسلمانی نباشد" مختصر یہہ کہ وہ دن بھی یوں ہی گزر گیا۔ اور اورنگ زیب نے اسمعاملہ کو ادھورا چھوڑکر آگے کو کوچ کرنا کسی طرح سے مناسب جانا۔ اور ہر روز کئی کئی دفعہ یہہ کہکر بھیجتا رہا کہ چونکہ بڑے بڑے معاملات درپیش ہیں اور تمہاری صلاح و مشورہ کے آگے کو کوچ نہیں کیا جا سکتا۔ اور آپ کے تشریف لانیکا انتظار ہے

زیادہ گزر گیا ہے پس اگر تشریف لائیں تو ملاقات کی خوشی کے علاوہ امر مرجوعہ کی درستی کی تدبیر بھی ہو جائے مُراد بخش سادہ لوحی سے اسکے ان فقروں کو سچ مانکر ملاقات کرنے پر رضامند تو ہو ہی گیا تھا پس علی الصباح سیر و شکار کے ارادہ سے جب باہر گیا تو واپس آتے ہوئے نورالدین نامے اُسی کا ایک ملازم خاص! جو اورنگ زیب سے گھٹا ہوا تھا! سامنے سے گھوڑا دوڑاتے آیا! اور عرض کیا کہ اورنگ زیب کے پیٹ میں یکایک سخت درد پیدا ہو گیا ہے! اور وہ بستر پر پڑا لوٹ رہا ہے! اور محبت کے سبب سے بار بار آپکو یاد کرتا ہے! پس ایسی حالت میں اب تو بہت جلد اُسکے پاس تشریف لیجانا ہی مناسب ہے! مراد بخش جو بیچارہ ایک سیدھا سادا اور مکر و فریب سے محض ناآشنا تھا اسکے قول کو سچ سمجھ کر وہیں سے اورنگ زیب کے لشکر کی طرف چل پڑا۔ اور چھڑی سواری صرف چند خدمتگاروں اور خاص خاص لوگوں کے ساتھ گھوڑا دوڑائے چلا خود بکور آمد کا مصداق بنگیا۔ اور اورنگ زیب کے چالاک ملازم جو خصوصیت سے واقف تھے نہایت اچھی طرح سے استقبال کرکے اسکے خیام خاص میں لے گئے (جو کئی ڈیوڑھیوں کے اندر خلوت کے قریب سواری کا پیادہ بنائے پڑا تھا) لیگئے۔ اور بیگمہ کی ننگی کے عذر سے اُسکے ملازموں کو باہر ٹھہرا گئے۔ اور اندر پہنچنے پر خود اورنگ زیب نہایت ہی شوق و اشتیاق اور تعظیم و احترام سے پیش آیا۔ اور حد سے زیادہ مسرت اور خوشدلی کا اظہار کیا۔ کیونکہ ہمہ گڈھ کی لڑائی کے بعد اس تمام عرصہ میں مراد بخش کا اُسکے پاس آنا نہیں ہوا تھا۔ غرض کہ بہت سے تکلفات کے بعد اپنی خلوت گاہ خاص میں لیجا کر بہت زیادہ دیر لگیا۔ اور کہا کہ اب تو حاضری تناول فرمانے کا وقت ہو گیا ہے اول کچھ حاضر نوش فرما کر قیلولہ اور استراحت فرمائیے اور قیلولہ سے فارغ ہو کر سب ملاقات سلطنت میں فراغ خاطر سے گفتگو اور مشورہ کیا جائیگا۔ چنانچہ مراد بخش کچھ کھا کر پلنگ پر لیٹ گیا اور اورنگ زیب بھی اب یہ دیکھکر کہ سب کام ٹھیک ہو گیا استراحت کے بہانہ سے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ اور اورنگ زیب کے خدمتگار مراد بخش کی چمپی وغیرہ کرنے لگے۔ اور اورنگ زیب کا جو اس تمام تدبیر سے یہ مدعا تھا کہ مراد بخش اپنے ہتھیار کھول ڈالے وہ پورا ہو گیا۔ یعنی اُس بیوقوف نے نہایت بے تکلفی سے ہتھیار بھی کھول کر رکھدیئے اور اپنے نصیب کو رو گیا۔ جوں ہی مراد بخش کی ذرا آنکھ لگی اورنگ زیب کے اشارہ سے خدمتگار نے باہر چلے گئے اور ایک لونڈی اندر سے آکر اسکی تلوار اور ہتھیار اٹھا کر لیگئی اور شمشیر بردار اور بعض اور لوگ جو اسی امر کے

منتظر تھے فوراً خوابگاہ میں آن گھسے" اُن کی باتوں کی آہٹ اور شمشیر میر کی ڈھال کے اتفاقاً ٹکرنے جانیکی آواز سے جو آنکھ کھلی تو عجب بحبت دیکھی متحیر ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور جب ہتھیاروں کا پتہ نہ پایا تو سمجھا کہ معاملہ کیا ہے! پس ناامیدی سے ٹھنڈی سانس بھر کر بولا کہ "آخر باہمچو منے درست اخلاص صاف باطن چنیں کردید۔ وحق عہد و پیمان درست کہ قرآن مجید ضامن طرفین بود چنیں بجا آوردید" جسکو حضرت اورنگ زیب نے پردہ کے پیچھے سے فرمایا کہ "برادر عزیز چونکہ تم سے اندنوں میں کچھ ایسی باتیں سرزد ہوئیں جن سے فتنہ و فساد اور خلقت اور مُلک کی بربادی کا گمان ہوتا تھا اور چند احمق اور شریر لوگوں کے بہکانے سے جو تمہارے گرد و پیش جمع تھے تمہارے دماغ میں کچھ ایسا غرور اور نخوت سما گئی تھی کہ عقلمند اور سمجھدار لوگوں کو ملک کی امن و امان میں خلل پڑنے اور سلطنت کے انتظام میں فتور آجانیکا یقین ہو گیا اسلیئے تمہارے مزاج کی اصلاح اور ملک و سلطنت کی مصلحت کے لیئے کچھ دنوں تمکو گوشۂ عافیت میں بٹھانا اور زمانہ کی گردش سے چھوڑنا لازم ہوا ورنہ خدانخواستہ کوئی ایسا امر کہ جو اپکی پیاری جان کے اندیشہ کا باعث ہو ہمارے دل میں نہیں ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اُس عہد و پیمان میں جو آپکے ساتھ کیا گیا ہے کسی طرح کا خلل و فتور نہیں آیا۔ اور تمہاری جان عزیز خدا کے حفظ و حمایت میں ہے پس مقتضائے عقل یہی ہے کہ اسکو اپنے لیئے موجب بہتری سمجھ کر حزن و ملال کو بطبیعت میں جگہ نہ دیجیے ع در طریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست"

غرضکہ یہ بیچارہ سیدھا سادا شہزادہ متھرا کے مقام شوال کی چوتھی ۱۰۶۸ھ ایکہزار اڑسٹھ ہجری کو اپنے مکار بھائی کے دام تزویر میں پھنس گیا۔ اور اُسی وقت دلیر خاں اور شمشیر میر کی حفاظت میں ہاتھی پر بٹھا کر شاہجہان آباد کو ایسی جلدی اور سرعت کے ساتھ چلتا کیا کہ اُسکی فوج کو جو قریب بیس ہزار سوار جرار کے تھی اُس روز مطلقاً خبر نہ ہوئی۔ اور صرف اُسوقت معلوم ہوا جبکہ موقع ہاتھ سے جاتا رہا۔ اور یہ قصہ مشہور عام ہو گیا۔ پس بناچاری فوج نے بھی اورنگ زیب کی اطاعت اور نوکری قبول کر لی اور اُسکے بعض ملازم جو ساتھ آئے تھے مثل شہباز خاں خواجہ سرا کے جو بخشیگری کا منصب رکھتا تھا۔ اور دو تین اور سردار وہ بھی اُسوقت گرفتار کر لیئے گئے۔ فقط

کرنل ڈو صاحب کی منقولہ بالا تحریر میں اکثر باتیں تو صریحاً غلط ہیں مگر کہا نہیں کہ وقت جلد غافل کرنے کے لیئے شراب پلانے اور خوابگاہ میں کسی عورت کے پہنچا دینے کا مضمون خواہ وہ رنڈی ہو یا لونڈی قریب القیاس اور صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ شراب کے بغیر اُسکو جلد غافل بنانا مشکل تھا۔ اور کسی عورت کے بغیر اُس کے مصاحب اور خدمتگار بلا اندیشہ بدگمانی الگ کرکے باہر نہیں بھیجے جا سکتے تھے۔

س م ح

اورنگ زیب کا داراشکوہ کے تعاقب میں لاہور اور ملتان جانا

اب بجز شہباز خواجہ سرا کے جسکے ساتھ اورنگ زیب کو کسیقدر وقت اُٹھانی پڑی مراد بخش کے ہمراہیوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جسنے اورنگ زیب کی ملازمت اور اطاعت قبول نکرلی ہو۔ پس اُسکی فوج کو بھی اپنی سپاہ میں شامل کرکے داراشکوہ کے تعاقب میں جو نہایت جلدی کے ساتھ لاہور کو بھاگا جارہا تھا روانہ ہوا۔ کیونکہ داراشکوہ کا یہہ ارادہ تھا کہ اس شہر کی مورچہ بندی کرکے اپنے رفیقوں اور خیرخواہوں کو وہاں جمع کرے۔ لیکن اُسکا یہہ مستعد دشمن ایسی چستی سے پیچھے لگا چلا آتا تھا کہ اُسکے مستحکم کرنے کی مہلت نہ ملی اور اُسنے وہاں سے مُلتان کا راستہ لیا۔ مگر اورنگ زیب کے مستعدانہ تعاقب نے وہاں بھی بانو جنبی نہ دیے اورنگ زیب جس چستی اور چالاکی سے اس مہم میں کام کرتا تھا اُسکی کچھ تعریف نہیں ہوسکتی۔ یعنی اگرچہ موسم نہایت گرم تھا لیکن اُسکی فوج رات دن برابر کوچ کرتی تھی اور وہ خود سپاہ کی جرأت اور ہمت بڑھانیکے لیئے صرف چند آدمیوں کے ساتھ اکثر چار پانچ کوس فوج سے آگے رہتا تھا اور ایک ادنی سپاہی کی مانند بُرے بھلے پانی اور روکھی سوکھی روٹی پر قناعت کرکے رات کو پلنگ اور امیرانہ فرش فروش کے بغیر صرف زمین پر بستر جاکر لیٹ رہتا تھا۔

داراشکوہ کا قلعہ ٹھٹہہ میں جاکر پناہ لینا اور اورنگ زیب کا مطمئن ہوکر دارالسلطنت کو لوٹ آنا

ہندوستان کے دانالوگوں کی یہہ رائے ہے کہ داراشکوہ کو لاہور سے کابل جانا مناسب تھا لیکن اُسکے خیرخواہوں نے ہرچند اُسکو وہاں جانیکے لیئے کہا مگر یہہ معما کسی پر نہ کھُلا کہ اُسنے ایسی دانشمندانہ

صلاح کیوں نہ دی۔ کیونکہ مہابت خاں جو اُمرائے ہندوستان میں ایک بڑا پُرانا اور زبردست امیر تھا اور جسکی اورنگ زیب کے ساتھ ہمیشہ سے اَن بَن چلی آتی تھی وہاں کا صوبہ دار تھا۔ اور افغانوں اور اُزبکوں اور ایرانیوں کے مقابلہ کے لیئے دس ہزار سے زیادہ فوج موجود تھی۔ اور چونکہ اُسکے پاس روپیہ بہتیرا تھا۔ یہہ تمام فوج اور خود مہابت خاں بخوشی مدد دینے کو تیار ہو جاتا اور اِن فوایدکے علاوہ سرحدایران اور مُلک اُزبک سے بھی نزدیک ہو جاتا۔ اور اغلب تھا کہ وہاں کے فرمانروا بہت کچھ مدد دے سکتے اور اُسکو یاد کرنا چاہیئے تھا کہ ہمایوں نے باوجود شیرخاں کی مخالفت کے جو پٹھان قوم کا بادشاہ تھا۔ اور جسنے اُسے ہندوستان سے نکال دیا تھا۔ ایرانیوں ہی کی مدد سے پھر اپنی سلطنت حاصل کرلی تھی* لیکن بدنصیب داراشکوہ کی قسمت میں ہمیشہ یہی لکھا ہوا تھا کہ خواہ کیسی ہی نیک صلاح اُسکو بجاتی وہ اُسپر التفات ہی نکرتا تھا۔ چنانچہ اب بھی اُسنے ایسا ہی کیا کہ کابل کی عوض سندھ کو چلا گیا اور قلعہ ٹھٹھہ میں جا کر پناہ لی جو دریاے سندھ کے وسط میں ایک مشہور مستحکم مقام ہے۔

جب اورنگ زیب کو معلوم ہو گیا کہ داراشکوہ کا ارادہ کابل جانیکا نہیں ہے اور اطمینان ہو گیا کہ اب معاملہ چنداں مشکل نہیں تو خود اُسکے تعاقب

---

* شیرشاہ سے ہمایوں کا شکست کھاکر ہند سے ایران جانا اور شاہ طہماسپ صفوی فرمانروا سے ایران کی امداد سے پھر ہند کو آنا۔ اور دوبارہ متسلط ہونا نہایت مشہور واقعہ ہے۔ (س م ع)

میں جانا غیر ضروری خیال کیا اور سات آٹھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ اپنے کو کہ میر بابا (شیخ میر) کو داراشکوہ کی نقل و حرکت کی دیکھ بھال کے لیئے مامور کر دیا اور اس اندیشہ سے کہ نہ معلوم پیچھے کیا کیا فتور برپا ہو جائیں ویسی ہی جلدی سے جیسی کہ داراشکوہ کے تعاقب میں کی تھی آگرہ کو لوٹ آیا۔ [1]

---

[1] ان واقعات کو جس طرح عالمگیر نامہ میں لکھا ہے اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے روانہ ہونے سے پہلے خلیل اللہ خان اور بہادر خان کو داراشکوہ کے تعاقب میں روانہ کر دیا تھا۔ بعد ازاں مقرر ہے دلی پہنچکر باغ اعتماد آباد متصل شہر دلی سے ذیقعدہ کی ساتویں شنبہ ایکہزار اڑسٹھ ہجری کو مطابق ستروئیں امرداد (بھادوں) کے پنجاب کو خود روانہ ہوا۔ داراشکوہ ڈکمال انبالہ کے معمولی راستے سے تلونڈی کے گھاٹ جو اس زمانہ میں پھلور کی طرح ستلج کا مشہور گھاٹ تھا عبور کر کے تعاقب کرنے والوں کے روکنے کو لیکن چونکہ یہ بندوبست کر دیا تھا کہ اسکا حامی سردار داؤد خان پٹنی تلونڈی کے اس پار اور اسیطرح بیچھ شکوہ بیاس کے دوسرے کنارے کچھ عرصہ تک ٹھہر کر کشتیوں کو جلوا کر اور غرق کر کر بعد ازاں لاہور میں شامل ہو جائیں اسلیئے جب اورنگ زیب کو کرنال کے مقام خلیل اللہ خان کی عرضی سے یہ حال معلوم ہوا تو اس سردار کو جو پار کشتیوں کی قلت کی وجہ سے کئی دن میں لشکر کو ستلج سے پار اتار کر ماچھی واڑہ - راہوں - گڈھ شنکر کو ہوتا ہوا گوبند وال کے گھاٹ دریائے بیاس سے بھی پار ہو گیا۔ اور پچیسویں ذی الحجہ کو قصور جا پہنچا۔ چونکہ داراشکوہ لاہور کو ملتان کو بھاگ گیا تھا۔ اور وہ سردار جو تعاقب میں مامور تھا کچھ سستی کر کے رک گئے تھے۔ اسلیئے "بلغار" کے طور پر یعنی بہت کڑی اور بلا توقف کوچ کرتا ہوا ملتان کو روانہ ہوا اور ساتویں محرم کو جبکہ داراشکوہ ملتان سے سندھ کی طرف بھاگ چکا تھا ملتان جا پہنچا اور وہاں سے اول صفشکن خاں کو چند سواروں کے ساتھ بھیجا کہ اب بھی داراشکوہ کا پیچھا کرے بارہ چودہ ہزار سوار اور ایک اچھا توپخانہ اور بہت سا مال دولت موجود تھا۔ شیخ میر کو بھی جو اورنگ زیب کے نہایت محل اعتماد ہونے کے علاوہ بڑا صاحب تدبر اور شجاع امیر سمجھا جاتا تھا اور جسکو برنیر اڈ میر بابا لکھا ہے واپس بھیجدیا کہ خود واپس ہو پڑا۔ اور معمولی منزلیں کرتا ہوا چوتھی ربیع الاول سنہ ایکہزار اٹھہتر ہجری کو دلی پہنچ گیا۔ بقیہ نویسی عمدہ عیسوی جیسی اور جہانگشی کی برنیر اڈ نے تعریف کی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس "البلغار" سے مراد ہے جو اُسنے قصور سے کی تھی۔ س م ح

اُسکو یہہ خدشہ تھا کہ مبادا جسونت سنگھ یا جے سنگھ ساکوئی زبردست راجہ شاہجہاں کو قید سے چھڑا دے یا سری نگر کے راجہ کی مدد سے سلیمان شکوہ سیلاب کی طرح پہاڑوں سے یکایک اُتر آئے یا موقع دیکھکر سلطان شجاع ہی پھر آگرہ کی طرف چڑھائی کردے۔

اس سفر کے متعلق اورنگ زیب کے استقلال طبع اور حسن تدبیر کی ایک مثال۔

اَب میں ایک مختصر سے واقعہ کا جو اورنگ زیب کو اسی سفر میں پیش آیا تھا ذکر کرتا ہوں جس سے اس کتاب کے پڑھنے والے یہہ اندازہ کرسکینگے کہ وہ کسی ناگہانی مشکل کے پیش آجانے پر کیسی چستی سے اُسکا فی الفور انتظام کرلینے کی لیاقت رکھتا تھا یعنی ملتان سے واپسی کے وقت جبکہ وہ اپنی معمولی سُرعت کے ساتھ کوچ کرتا چلا آتا تھا راجہ جے سنگھ کو چار پانچ ہزار جنگار راجپوتوں کو اپنی طرف لیئے آتا دیکھکر حیرت میں آگیا۔ یہہ اسوقت حسب معمول تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ اپنی فوج سے آگے تھا اور راجہ کو شاہجہاں کے ساتھ جو مضبوط تعلق تھا وہ اِس سے مخفی نہ تھا۔ پس تاسانی خیال میں آسکتا ہے کہ اُسنے اپنے کو سخت خطر کی حالت میں پایا اور طبعاً اُسکو یہہ ہی اندیشہ پیدا ہونا چاہیئے تھا کہ جے سنگھ اپنے محترم آقا کے اِس قید بیجا کی تکلیف سے جھٹ پٹ چھڑا لینے اور ایسے بیرحم اور ناخلف فرزند کے سزا دینے کے اس عمدہ موقع کو جسکے ہاتھ سے اُسپر بلا وجہ ظلم وستم ہوا ہرگز ہاتھ سے نجانے دیگا اور یہہ قیاس کیا جاتا ہے کہ فی الواقع راجہ کا آنا صرف اِسی ارادہ سے تھا کہ اورنگ زیب کو گرفتار کرے اور اس رائے کے قرار دیئے جانے کی وجہ یہہ تھی کہ اورنگ زیب

کو تھوڑی ہی دیر پہلے خبر لگ چکی تھی اور وہ اُسکے موافق یقین کیئے ہوئے تھا
کہ راجہ دھلی میں ہے مگر اُسنے ایسی عجیب سُرعت سے ایسی بعید مسافت
طے کی کہ لاہور اور مُلتان کے راستہ میں آملا۔ لیکن اورنگ زیب کی
ہوشیاری اور متانت نے اُسے اس بڑی جوکھوں سے بچالیا۔ چنانچہ
اُسنے مطلق کچھ خوف و اضطراب ظاہر نکیا بلکہ یہہ دکھانے کو کہ اُسکا آنا اسکی بڑی
ہی خوشی کا باعث ہے گھوڑا دوڑاکر نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ ہاتھ سے
جلد آیئے! جلد آیئے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھا اور پکار کر کہا "سلامت باشید
راجہ جی سلامت باشید باباجی!" اور جب دونوں ذرا نزدیک پہنچے تو پھر کہا خوش
آمدید! خوش آمدید۔ میں بیان نہیں کرسکتا کہ مجھے آپکے آنیکا کسقدر انتظار تھا۔!
بہت ہی خوب ہوا کہ آپ آگئے مگر لڑائی ختم ہوگئی اور دارا شکوہ تباہ و برباد
خاک چھانتا پھرتا ہے اور میرے میر بابا کو اُسکے پیچھے بھیجدیا ہے اور اغلب ہے
کہ جلد گرفتار ہوجائیگا۔ اور نہایت مہربانی اور التفات کے اظہار کی غرض سے
موتیوں کی مالا جو پہنے ہوئے تھا اُتار کر راجہ کے گلے میں ڈالدی اور کہا کہ
ہماری فوج بہت تھکی ہوئی ہے اسلیئے آپکو بہت جلد لاہور پہنچ جانا چاہیئے
مبادا وہاں کچھ بے انتظامی اور شورش ہوجائے اور میں آپکو لاہور کا صوبہ
مقرر کرتا ہوں اور کل اختیارنامہ و سند دیتا ہوں اور میں بھی جلد آپکے پاس پہنچتا ہوں
لیکن رخصت کرنے سے پہلے مجھکو واجب ہے کہ سلیمان شکوہ کے معاملہ میں
جو آپ نے کارگزاری کی ہے اُسکا شکریہ ادا کروں۔ مگر آپ نے دلیرخان
کو کہاں چھوڑا؟ میں اُس کو خوب سزا دونگا اور آپ جلدی لاہور

کو تشریف لیجائیے اور اچھا خدا حافظ۔ *

داراشکوہ کا قلعہ ٹھٹھہ کی حفاظت کیواسطے کچھ پٹھانوں اور فرنگیوں کو چھوڑ کر کچھ عرصہ میں گجرات پر حملہ اور ہونا اور وہاں کے صوبہ دار شاہنواز خاں کا باطاعت پیش آنا۔

جب داراشکوہ ٹھٹھہ میں پہنچا تو اُسنے ایک خواجہ سرا کو جو دانشمندی اور شجاعت دونوں میں مشہور تھا وہاں کا قلعہ دار بنایا اور بہت سے پٹھان اور پرتگیز اور انگریز اور فرانسیس اور ملک جرمنی کے رہنے والے فرنگی توپخانہ میں نوکر رکھ لیئے اور اُن سے وعدہ کیا کہ اگر ہم بادشاہ ہو جائینگے تو تمکو امارت کے درجے دیئے جائینگے۔ اور اس طرح پر قلعہ کا بندوبست کر کے اپنا خزانہ وہاں چھوڑ دیا کیونکہ ابتک اُسکے پاس اشرفی اور روپیہ بہت تھا اور تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ دریائے سندھ کے کنارے کنارے شان و شوکت سے کوچ کرتا ہوا راجہ کچھ کی عملداری سے گزر کر گجرات میں پہنچگیا اور احمدآباد کے باہر جا ڈیرہ کیا۔ یہاں کا صوبہ دار شاہنواز خاں جو اورنگ زیب کا خسر تھا اگرچہ مسقط کے سلاطین سابق کے خاندان سے تھا اور بہت مہذب اور نہایت ذی لیاقت شخص تھا مگر سپاہی منش تھا بلکہ عیش دوست تھا۔ پس اگرچہ احمدآباد میں شاہی فوج بتعداد کثیر موجود تھی اور خوب مقابلہ کر سکتی تھی لیکن اسکی کم ہمتی یا داراشکوہ کے ناگہاں آ پہنچنے سے شہر کے دروازے کھولدیئے

* خدا جانے مصنف نے یہ کیا بے سروپا قصہ لکھدیا ہے کیونکہ عالمگیرنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان شکوہ کی رفاقت چھوڑکر اوّل دلیرخاں متھرا کے قریب بمقام سلیم پور اور پھر چار پانچ روز بعد راجہ جے سنگھ کچھواہ اور نگ زیب کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا بلکہ مترجم کو بھی بعد ہزیمت داراشکوہ کے دہلی پہنچنے اور خلیل اللہ خاں کی مدد کے لیئے جو اورنگ زیب کی سپاہ خاص کے آگے آگے

گئے اور شاہ نواز خاں بڑی تعظیم و تکریم اور نہایت ادب سے پیش آیا[1] اور معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے اسکی اسقدر خاطرداری اور تعظیم و تکریم کی کہ اُسنے اسکو اپنا خیرخواہ اور طرفدار سمجھ لیا اور اگرچہ لوگوں نے اُسکی خیانت سے آگاہ کر دیا تھا لیکن شہزادہ نے دھوکہ میں آکر بے احتیاطی سے بھروسہ کر لیا اور اپنے تمام منصوبے اور ارادے اور راز اُس سے ظاہر کر دیئے اور جسونت سنگھ اور اور خیرخواہ لوگ جو سپاہ جمع کر کے مدد کی طیاریاں کر رہے تھے اُن کے خط وغیرہ سب اُسکو دیدئے

[1] دارا شکوہ کے تعاقب میں لاہور کو جاتے تھے بھیجے گئے تھے۔ س۔ م۔ ح

[1] شاہ نواز خاں جسکا نام میرزا بدیع الزمان تھا ایران کے بوشاہ شاہ سلیمان صفوی کی اولاد سے تھا اور اسکا باپ میرزا رستم جو بہت خوش سلیقہ اور شاعر شہزادہ تھا قندھار سے آکر شاہ جہاں کا ملازم ہو گیا تھا۔ اور شرافت اور علو خاندان کی وجہ سے شاہجہاں نے اپنے بیٹے سلطان شجاع کی شادی اسکی بیٹی اور اورنگ زیب اور مراد بخش کی شادی اسکی دو پوتیوں یعنی شاہ نواز خاں کی بیٹیوں سے کر دی۔ چنانچہ اورنگ زیب کا تیسرا بیٹا محمد اعظم اور مشہور و معروف بیٹی زیب النساء بیگم اسی بیگم سے تھی جسکا نام دلرس بانو بیگم تھا پس مصنف کی یہ غلطی ہے کہ اسکو سلاطین مسقط کے خاندان میں سے بتایا ہے۔ کیونکہ خاندان صفوی کا مسقط سے کچھ تعلق نہ تھا بلکہ اسکا نشو و نما اردبیل سے ہوا جو ملک ایران کا ایک مشہور شہر ہے اور اپنے بزرگ شاہ صفی کے نام کی مناسبت سے جو قوم کا سید اور صوفی مشرب تھا صفوی مشہور ہوا۔ اور اسوقت کی فارسی تاریخوں میں اُسکے دارا شکوہ کو مل جانیکی بھی اصل وجہ یہ لکھی ہے۔ کہ جب اورنگ زیب دکن سے چڑھائی کر کے برہانپور سے آگرہ کیطرف چلنے کو تھا تو شاہنواز خاں خیال کر کے خدا جانے انجام اس مہم کا کیا ہو اُسکی فاقت سے بچا چاہتا تھا۔ اسوجہ سے اورنگ زیب نے ماضی ہو کر قلعہ برہانپور فتح کر لیا تھا گو جب ہمدگڈھ کی لڑائی میں دارا شکوہ فتح پائی تو قید سے چھوٹ کر گجرات کا صوبہ دار کر دیا۔ مگر وہ بھی اس بیعزتی کو ہضم نہ لا سکا تھا۔ اور اسوجہ کر علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ فوج بھی اُسکو بس کچھ زیادہ نہ تھی کہ جس سے دارا شکوہ کا مقابلہ کر سکتا۔ س۔ م۔ ح

اورنگ زیب کی تردد آمیز حالت اور سلطان شجاع کے ساتھ لڑائی اور راجہ جسونت سنگھ کی دغابازی اور شجاع کی شکست

اورنگ زیب کو جب یہہ خبر لگی کہ داراشکوہ نے احمد آباد لیلیا تو وہ نہایت حیران اور مضطرب ہوا کیونکہ جانتا تھا کہ داراشکوہ کے پاس روپیہ پیسہ ابھی بہت ہے اور ایسی جگہہ میں اگر اُسکے پانو جم گئے تو صرف اُسکے متوسل اور خیرخواہ بلکہ وہ لوگ بھی جو کسی سبب سے مجھ سے ناراضمند ہیں سب کے سب ہندوستان کی تمام اطراف سے آن کر اُسکے پاس جمع ہوجائینگے اور اگرچہ اس بات کو خوب سمجھے ہوئے تھا کہ بذات خود جانا اور ایسے مقام سے اُسکے پانوں اُکھیڑ دینے ایک ضروری امر ہے لیکن اُسنے سوچا کہ شاہجہاں کو آگرہ میں پیچھے چھوڑکر اسقدر دور چلے جانا اور اپنے لشکر کو ایسے صوبہ (راجپوتانہ) میں سے لیجانا جہاں جیسنگھ اور جسونت سنگھ جیسے بڑے بڑے راجاؤں کے علاقے ہیں کسی طرح مصلحت نہیں بلکہ محل خطر ہے اسکے علاوہ شجاع کی طرف سے بھی جو ایک بڑی فوج ساتھ لیے ہوئے جلد جلد بڑھا چلا آتا تھا اُسکو سخت تردد تھا اور سلیمان شکوہ کی طرف سے بھی کھٹکا تھا جو سری نگر کے راجہ کے اتفاق اور مدد سے مہم کی تیاریاں کر رہا تھا غرضکہ وہ اسوقت ایک بہت مشکل اور خطرناک حالت میں تھا۔ لیکن اُسنے سوچ سمجھکر سب سے بہتر تجویز یہہ ٹھہرائی کہ سرِدست داراشکوہ اور شاہنواز خاں کے معاملہ کو بحال خود چھوڑکر شجاع کی خبر لینی چاہیئے جو الہ آباد کی طرف دریائے گنگا کے وار اُتر آیا تھا۔ سلطان شجاع نے اپنا کیمپ موضع کھجوہ* میں جو بسبب

* فارسی تاریخوں میں اسجگہہ کا نام کھجوہ کا تالاب لکھا ہے جو قصبۂ کوڑا اور جہان آباد کے

موجود ہونے ایک بڑے تالاب کے اچھا موقع تھا قائم کیا تھا اور اپنے نزدیک اِس بات کو مناسب سمجھا تھا کہ یہیں ٹھہر کر اورنگ زیب کے حملہ کا انتظار کیا جائے۔ پس اورنگ زیب نے آکر اپنا لشکر دریا کی شاخ کی ایک کنارے مخالف فوج سے ساڑھے چار میل کے فاصلہ پر قائم کیا۔ چنانچہ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک بہت وسیع میدان تھا جسمیں دونوں طرف کی توپیں لڑائی کیوقت بخوبی دوڑ دھوپ کرسکتی تھیں۔ اور چونکہ اورنگ زیب یہہ چاہتا تھا کہ جسقدر جلد ممکن ہو لڑائی کا خاتمہ کیا جائے اسلیئے لشکر گاہ میں پہنچتے ہی بہیر وغیرہ کو دریا کے اسی کنارے چھوڑکر خود حملہ کے ارادہ سے اُس پار جا اُترا اور اسکے دوسرے دن لڑائی شروع ہونے سے پہلے صبح کیوقت میر جملہ بھی دولت آباد سے آکر شامل ہوگیا تھا۔ کیونکہ داراشکوہ کے بھاگ جانیکے بعد اُسکے اہل و عیال تو قید سے رہائی پاہی چکے تھے۔ اور اورنگ زیب کے مطلب کی خاطر اب خود اُسکا بھی زیادہ قید رہنا کچھ ضرور نتھا۔ غرضکہ لڑائی بڑے جوش و خروش سے شروع ہوئی اور اگرچہ اورنگ زیب کی فوج نے بیحد شجاعت اور سرگرمی سے حملے کیئے لیکن شجاع اپنے مورچوں سے ہرگز آگے نہ بڑھا اور اپنی ہی جگہ

پانچ کوس کے فاصلہ پر ضلع فتحپور تحصیل الہ آباد میں ہے۔ یہاں جمنا اور گنگا کا ایک بہت ہی تنگ دوآبہ ہے اور یہہ سب مقامات اُسی میں ہیں۔ س م ع

---

۵۱ داراشکوہ کی شکست کے چند روز بعد میر جملہ کو اورنگ زیب کے احکام کے بموجب سلطان محمد معظم نے جواب کی تنبیہ میں دکن کا منتظم بھیجا کر دیا اور تمام امراء شاہجہانی واپس دیدیئے اور رفتہ رفتہ خاندیس کی سرداری کا عہدہ بڑھاتے بڑھاتے اب بالکل اُس کے اختیار میں سونپ دیا جسکی تفصیل اوپر ہوچکی ہے۔ س م ع

قائم رہکر حملہ آوروں کو بڑے نقصان کے ساتھ پسپا کرتا رہا اور اسکی اس تدبیر نے اورنگ زیب کو نہایت ہی پریشان کیا۔

شجاع کی اس تدبیر کا اصل مدعا یہ تھا کہ اگر ہم بدستور اپنے مورچوں میں قائم رہکر لڑتے جائینگے تو گرمی[1] کے مارے تھوڑی دیر کے بعد اورنگ زیب خود ہی دریا کی طرف ہٹنے پر مجبور ہوگا اور اُسوقت ہمکو اُسکی فوج کے پچھلے حصہ پر حملہ کرنے کا موقع ملیگا۔ اورنگ زیب بھی بھائی کی اس حکمت کو خوب سمجھے ہوئے تھا اور اسلیئے وہ برابر آگے بڑھے جانے پر زور دے رہا تھا لیکن ایسے نازک وقت میں یہ ناگہانی حادثہ پیش آیا کہ راجہ جسونت سنگھ نے جو بظاہر بڑے خلوص کے ساتھ اُس سے آن ملا تھا اُسکی پچھلی فوج پر یکایک ایسا حملہ کر دیا کہ وہ سب شکست کھاکر بھاگ گئی اور اُسنے تمام خزانہ اور اسباب کو لوٹنا شروع کر دیا اور چونکہ یہ خبر بہت جلد تمام لشکر میں پھیل گئی اسلیئے ایشیائی فوجوں کے دستور کے موافق اورنگ زیب کی سپاہ بہت ہی ہراساں اور بیدل ہوگئی اور اگرچہ اس سب سے اورنگ زیب کے خطرات اور بھی زیادہ ہوگئے لیکن اُسکی مستقل مزاجی میں ذرا بھی فرق نہ آیا۔ اور چونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ اگر پیچھے ہٹا تو سب اُمیدیں خاک میں مل جائینگی اسلیئے اُسنے جس طرح کہ داراشکوہ کے مقابلہ میں یہ ٹھان لی تھی کہ خواہ کچھ ہی ہو میدان جنگ میں قائم رہکر نتیجہ کو دیکھنا چاہیئے اُسی طرح اب بھی جمے رہنے کا پکا ارادہ کرلیا اور اگرچہ اُسکی فوج میں دمبدم پریشانی بڑھتی جاتی تھی

---

[1] پانچویں جنوری ۱۶۵۹ء سنہ ۱۰۶۹ھ سنہ ۱۰۶۹ھ کہ یہ لڑائی ہوئی تھی جو عین جاڑے کا موسم تھا۔ پھر معلوم نہیں ہوتا کہ مصنف نے گرمی کا ذکر کیوں کیا ہے شاید یہ وجہ ہو کہ لڑائی لڑنے والوں کو بارش کی بہ نسبت گرمی کا موسم میں ہوتی ہے۔ سماج

اور شجاع نے اس حالت کو غنیمت سمجھکر ایک بڑا سخت حملہ کیا اور اتفاقاً ایک تیر لگکے مہاوت کے مارے جانے سے اورنگ زیب کا ہاتھی ایسا بے قابو ہوگیا کہ وہ گھبراکر اسپر سے اُترنا چاہتا تھا مگر میر جملہ نے جو نزدیک تھا اور جسکی جرأت اور بہادریوں کو دیکھکر سب اہل فوج دنگ ہو رہے تھے پکارکر کہا "دکن کو! دکن کو!" یعنی خیال کرو کہ دکن کہاں ہے اور کیا غضب کرتے ہو کیا اب بھاگ کر دکن جاؤگے؟ اور اس بہادرانہ نصیحت سے اُسکو تباہ ہوتے ہوتے بچالیا۔

اگرچہ اورنگ زیب کی تباہی میں اسوقت کوئی دقیقہ باقی نرہا تھا اور اُسکی حالت لاعلاج نظر آتی تھی بلکہ اُسکو خود اندیشہ تھا کہ اب کوئی دم میں دشمن کے پنجہ میں پھنس جاؤنگا۔ مگر قسمت کا پھیر بھی ایک عجیب چیز ہے کہ بجائے اِس فکر و تردد کے یہ تو فتحیاب ہوگیا اور جس طرح سموگڈھ کی لڑائی میں ایک ادنیٰ حرکت کے باعث دارا شکوہ کو صرف جان لیکر میدان سے بھاگنا پڑا تھا شجاع کو بھی وہی حادثہ پیش آیا یعنی یہہ بھی اورنگ زیب کی بھاگی ہوئی فوج پر زیادہ چستی کے ساتھ حملہ کرنیکے لیے اپنے ہاتھی سے اُتر پڑا اور اگرچہ یہہ تحقیق نہیں ہے کہ اسکو بھی یہہ صلاح بدقسمتی سے دیگئی تھی یا کہ خیرخواہی سے۔ مگر اسمیں شک نہیں ہے کہ اَلہ دِیو دی خاں نے جو اسکا ایک بڑا سردار تھا اسوقت بڑی ہی التجا سے کہا کہ گھوڑے پر سوار ہو جائیے اور جو لفظ خلیل اللہ خاں نے سموگڈھ کی لڑائی میں کہے تھے اسکے لفظ بھی بعینہٖ ویسے ہی تھے یعنی دست بستہ ہوکر بڑی منت سے یہہ کہا کہ "حضور! اس بڑے ہاتھی پر ایسی جان جوکھوں میں کیوں بیٹھے ہیں کیا ملاحظہ نہیں فرماتے کہ دشمن بھاگے جاتے ہیں اور آپ چستی سے اُن کا

تعاقب کرنا سخت غلطی ہے پس جلدی گھوڑے پر سوار ہو کر انکا پیچھا کیجیے! اور پھر دیکھ لیجیے کہ ہندوستان کا تخت آپ کے قدموں کے نیچے ہے اور آپ ہندوستان کے بادشاہ ہیں" چنانچہ اس حرکت سے جو حادثہ داراشکوہ کو پیش آیا تھا وہی شجاع کو پیش آیا یعنی جو ہنیں وہ فوج کی نظر سے غائب ہوا سکے دل میں شبہ گزر گیا کہ یا تو مارا گیا یا کہیں فریب سے پکڑا گیا اور اسکی فوج فوراً ایسی بے انتظام اور تتر بتر ہوگئی کہ دوبارہ جمع کرنا ناممکن تھا۔ *

---

* شاہجہان کی بیماری کی خبر پاکر جب شجاع نے بنگالہ سے فوج کشی کی تھی اُسوقت الہ دیوردی خاں بہار کا صوبہ دار تھا۔ پس جب شجاع پٹنہ پہنچا اسنے ڈٹ بھڑ کے بغیر ہی اُسکی اطاعت کرلی اور اُسوقت سے یہ اُسکا پاس بجائے وزیر کے تھا اور وہ اسکی بہت عزت کرتا تھا کہ ہمیشہ اسکو "خان بھائی" کہتا تھا عالمگیرنامہ میں لکھا ہے کہ سنجر نامے اسکا بڑا بیٹا کھجوہ کی شکست کے بعد شجاع سے جُدا ہو کر اورنگزیب کے پاس حاضر ہوگیا تھا۔ اور جب اِن واقعات کے بعد شجاع نے میر جملہ اور محمد سُلطان کے قریب پہنچ جانیکی وجہ سے مونگیر سے پیچھے راج محل کیطرف کوچ کردیا تو الہ دیوردی خاں فوج مخالف میں آملنے کی نیت سے مونگیر میں ٹھہر گیا۔ اور بعض اور روہیلے لوگ بھی اُسکے شامل ہوگئے۔ اور چونکہ ایسے بڑے سردار کے علیحدہ ہوجانے سے نہایت اندیشہ تھا۔ اسلئے شجاع واپس آکر مونگیر کے باہر اپنے باغ میں آن اُترا اور بعض سردار اور کچھ سپاہ الہ دیوردی خاں کے حاضر کرنے کو جو مقابلہ کو آمادہ ہو بیٹھا تھا مامور کی جو ڈرا دھمکا کر اُسکو پکڑ لائے اور شجاع نے اُس کو مع سیف اللہ نامے اُس کے بیٹے کے تہ تیغ کرادیا۔

پس اِن حالات پر خیال کرنے سے تعجب نہیں معلوم ہوتا کہ اسنے بھی ہاتھی سے اُتر پڑنے کی صلاح خیانت ہی سے دی ہو۔

سُلطان شجاع کی شکست کے بعد جسونت سنگھ کا آگرہ میں سے گزر کر اپنے وطن کو جانا اور اورنگ زیب کی شکست کے گمان میں شائستہ خاں کا خود کشی کے لیئے تیار ہونا

جسونت سنگھ نے جب دیکھا کہ معاملہ برعکس ہوگیا تو لوٹ کا مال سمیٹ کرنی الفور اس ارادہ سے آگرہ کو چلدیا کہ وہاں سے اپنے وطن کو چلا جائے اور چونکہ آگرہ میں یہہ افواہ اُڑگئی تھی کہ اورنگ زیب شکست کھاکر قید ہوگیا ہے اور شجاع مع فوج کثیر آگرہ کو آتا ہے اور یہانتک اس بات نے شہرت پکڑی تھی کہ شائستہ خاں نے بھی اسکو سچ جان لیا پس جسونت سنگھ کا شہر کے قریب پہنچ جانا سنکر جسکی دغابازیوں سے وہ خوب واقف تھا مایوسی کی حالت میں زہر کا پیالہ پیکر مرجانے پر آمادہ ہوگیا اور بیشک پی ہی لیتا اگر اُسکی مستورات اُسپر نہ آگرتیں اور پیالہ چھین کر نہ پھینک دیتیں اور لڑائی کے اصلی حال سے دو دن تک آگرہ والے اسقدر بے خبر تھے کہ اگر جسونت سنگھ ذرا جرأت کرکے لوگوں کو کچھ تو دھمکاتا اور کچھ بڑے بڑے وعدے دیکر آیندہ کی بہتری کا متوقع کرتا تو بے شبہ شاہجہاں کو قید سے چھوڑا دیتا۔ لیکن معاملات کی حالت جو تھی وہ اُسکو معلوم ہی تھی اسلیئے آگرہ میں زیادہ ٹھہرنا یا ایسے بکھیڑوں میں پڑنا اُسنے مناسب نہ جانا اور صرف شہر میں سے ہوتا ہوا اپنے اصلی ارادہ کے موافق اپنے مُلک کو چلاگیا۔ *

* جب اورنگ زیب دارا شکوہ کو مغلوب کرکے شاہجہاں کو قابو میں لاچکا تو سب سے پہلے یہہ کام کیا کہ شجاع کے ساتھ اپنا قدیمی حسن سلوک جتانے کو بادشاہ سے بڑے اصرار کے ساتھ اس مضمون کا فرمان حاصل کیا کہ صوبہ بنگالہ کے علاوہ صوبہ بہار بھی جسکا سلطان شجاع نہایت خواہشمند تھا اور اُسکے سلیمان شکوہ سے شکست کھانیکے بعد دارا شکوہ نے بادشاہ سے اپنے نام کرالیا تھا شجاع کو دیا گیا اور اُسکو اپنے ایک نہایت پُرتپاک اور محبت آمیز

اورنگ زیب کا محمد سلطان اور میر جملہ کو سلطان شجاع کے تعاقب میں بھیجنا اور خود آگرہ کو لوٹ آنا۔

اورنگ زیب کو بھی جسونت سنگھ کی کرتوتوں کا بڑا کھٹکا تھا اور خیال تھا کہ آگرہ سے شورش کی کوئی جلد خبر آئیگی اسلیئے شجاع کا کچھ زیادہ پیچھا نہ کیا اور مع کُل لشکر کے جلدی سے دارالسلطنت کی طرف کوچ کر دیا۔ مگر یہہ مشکل پیش آئی کہ اُسکو جلد ہی معلوم ہوگیا کہ غنیم کے لشکر کا اس لڑائی میں کچھ زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ بلکہ شجاع کی دولتمندی اور فیاضی کی شہرت کے باعث وہ سب راجے جنکی ریاستیں گنگا کے دونوں کناروں پر ہیں اُسکی مدد کے لیئے اپنی

خطا میں معاف کرکے جسمیں داراشکوہ کی شکست اور تباہی اور اپنے قدیمی اتحاد کی یاددہانی کے علاوہ یہہ جملہ بھی درج تھا کہ بالفعل آپ اس طرح پر اپنے اُس نقصان کا تدارک کیجئے جو سلیمان شکوہ کے مقابلہ میں اُٹھا چکے ہیں۔ اور جب داراشکوہ کے معاملہ سے فارغ ہوکر میں پنجاب سے واپس آؤنگا تو ملک اور مال دونوں سے آپ کے ساتھ امداد بھی فرماؤنگا۔ اُسکے اس بھیجا جسکو بیکار وہ بہت ہی شکر گزار ہوا۔ مگر پٹنہ میں تھا جب دیکھا کہ اورنگ زیب داراشکوہ کے پیچھے پنجاب کی طرف بہت دور نکل گیا ہے تو آگرہ پہنچنے اور سلطنت پر ہاتھ مارنے کے قصد سے بنارس اور الہ آباد کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اور چونکہ داراشکوہ نے پنجاب کو بھاگنے سے پہلے بذریعہ خط و کتابت شجاع سے صلح کر لی تھی۔ اور اورنگ زیب کی چال بگاڑنے کے لیئے پٹنہ سے الہ آباد تک اپنے تمام قلعداروں کے نام اُسکی اطاعت کرنے کے احکام بھیجدیئے تھے۔ اس سبب سے وہ بلا مزاحمت الہ آباد پر قابض ہوگیا۔ اِدھر اورنگ زیب کا یہہ حال تھا کہ دور تک لڑائی ڈالنا مناسب نہ سمجھکر یہہ چاہتا تھا کہ کسی طرح شجاع لڑے بھڑے بغیر ہی آگرہ چلا جائے اور آگے نہ بڑھے۔ اسلیئے پنجاب سے جلد دلی پہنچکر اوّل شاہزادہ محمد سلطان کو آگرہ سے جو ابتک وہیں امور تھا اُسکی راہ روکنے کو روانہ کیا۔ اور بعد ازاں موقع سے قریب رہنے کی خاطر شکار کھیلنے کا حیلہ کرکے خود بھی معسودن

فوجیں بھیج رہے ہیں اور اُسکی طاقت بڑھتی جاتی ہے - اور یہہ بھی اطلاع پہنچی ہے کہ الہ آباد میں اپنے پانوں جمانا چاہتا ہے تاکہ گنگا کے اس مشہور گھاٹ کو جو واقع میں صوبہ بنگالہ کا دروازہ سمجھا جاتا ہے ہاتھ سے نہ جانے دے پس اُسنے سوچا کہ صرف دو شخص اس قابل ہیں جو ان مشکلات میں مجھے مدد دے سکتے ہیں ایک محمد سلطان دوسرا میر جملہ - لیکن اسکے ساتھ ہی یہہ تردد بھی تھا کہ جو شخص کوئی نمایاں خدمت بجالاتا ہے تو اکثر ایسا اتفاق ہو جاتا ہے کہ خواہ اُسکو کیسا ہی صلہ کیوں نہ دیا جاے مگر وہ اُسے اپنی خدمت کے مقابلہ

میں جو الہ آباد کے رخ گنگا کے کنارے ایک جگہ ہے جا پہنچا - اور اس عرصہ میں شجاع کے پاس کئی بار نصایح آمیز خط اور پیغام بھیجے مگر جب اُسنے نہ مانا - اور الہ آباد سے بھی آگے کجوہا تک بڑھ آیا تو شہر ہوس ربیع الاول ۱۰۶۹ھ یکہزار اُنہتر ہجری مطابق نومبری جنوری ۱۶۵۸ء سورہ اُنسٹھ کو محمد سلطان کے لشکر سے کوڑہ میں جا ملا - جو شجاع کے لشکر سے قریب چار کوس کے تھا - اور اُنیسوہیں ربیع الاول کو خیمہ گاہ اور کارخانجات شاہی کو کسی جگہ چھوڑ کر نوّے ہزار سواروں کے ساتھ لڑنے کو روانہ ہوا - اگرچہ طرفین سے لڑائی ہوتی رہی لیکن دور دور سے صرف توپوں کی تھی - اور جب شام کو لڑائی بند ہوئی تو شجاع نے یہہ غلطی کی کہ اُسکا توپخانہ جو اونچی جگہ پر تھا - اور اس وجہ سے اچھا کام دیتا رہا تھا اپنے لشکر گاہ کے قریب بُلا لیا اور میر جملہ نے موقع پاکر اُسکی جگہ اپنی توپیں جا جمائیں - اور چونکہ شجاع کی سیاہ اور توپخانہ کے پیچھے ہٹ جانے سے اس طرف والوں کو شب خون کا اندیشہ ہو گیا تھا - اسلئے اورنگ زیب پیچھے ہٹ کر اپنے لشکر گاہ کو گیا بلکہ اُسکی کُل فوج اور تمام اسپ ترتیب سے سیدان جنگ میں قائم رہتے دہیں اُتر پڑے - اور حکم دیا گیا کہ گھوڑوں کے زین اور سپاہیوں کی کمریں اسطرح بندھی رہیں - علاوہ بریں ہوشیار اور چوکس رہنے کے لیئے میر جملہ اُمرا اور سرداروں کو بہت تاکید کرتا پھرا - اور جو نماز عشا جب اورنگ زیب اپنے مختصر سے خیمہ گاہ میں جو میدان جنگ ہی میں لگا دیا گیا تھا جاکر سویا تو آدھی شب کو ایک عجیب ہنگامہ برپا ہوا جس سے اُسکے لشکر کو بڑا نقصان پہنچا - یعنی ہمارا بہادر جسونت سنگھ جسکی تقصیر معاف کرکے اورنگ زیب دہلی

نقل کا نسخہ صفحہ گذشتہ

میں بے حقیقت ہی سمجھتا ہے۔ چنانچہ وہ دیکھتا تھا کہ محمد سلطان کو میری اطاعت ابھی سے ناگوار ہے۔ اور قلعہ آگرہ پر قابض ہو جانے اور شاہجہان کو قید کر لینے کی وجہ سے بڑی تعلّی کی لیتا ہے۔ اَب رہا میر جملہ سو اگرچہ وہ اسکی کمال دانائی اور سنجیدگی اور دلاوری کا قائل تھا لیکن اُسکے اُنہیں اوصاف سے ڈرتا بھی تھا۔ کیونکہ ایک تو دولتمندی کا بہت ہی شہرہ تھا اسکے علاوہ تمام ہندوستان میں ایک ایسا دانا اور اندیش اور کامل وزیر سمجھا جاتا تھا کہ مشکل سے مشکل معاملات کو اپنے حسن تدبیر سے

سے اپنے ہمراہ لے آیا تھا۔ اور اسوقت اُسکے لشکر کے دائیں پرہ کا سردار تھا۔ شجاع کو بیخبر بھیجکر کہ اِدھر میں فساد اور شور و شر برپا کرتا ہوں اُدھر آپ آئیں اور اس تدبیر سے اورنگ زیب کو تباہ کر ڈالیں۔ بڑے بڑے راجپوت امیروں کو جو اُس پرہ میں تھے ساتھ لیکر میدان جنگ سے پیچھے کو نکل بھاگا۔ اور اوّل محمد سلطان کے کمپ کو جو سر راہ تھا۔ اور بعد ازاں اور امیروں اور خود اورنگ زیب کے لشکر گاہ اور کارخانجات شاہی کو خوب بیدھڑک لوٹتا ہوا چلا گیا۔ اس حادثہ سے ایک عجیب پریشانی اور ابتری پیدا ہوئی۔ اور بہت سے لوگ رات ہی کو شجاع سے جا ملے مگر ابھی کچھ رات باقی تھی کہ اورنگ زیب اِس حال کی خبر پاکر تخت رواں پر سوار ہو کر کمال استقلال سے اپنے خیمہ کے باہر آن کھڑا ہوا۔ اور ہنس ہنس کر اپنے فریقوں اور امیروں کو اس طرح پر تسلّی دیتا رہا۔ کہ خوب ہوا کہ ہمارا لشکر منافقوں کے خس و خاشاک سے پاک ہو گیا۔ اور اگرچہ اس ناگہانی فساد کے سبب سے نصف فوج رہگئی تھی۔ مگر بڑے استقلال سے باقیماندہ سپاہ کو از سر نو جا بجا جنگی ترتیب سے پھر مامور کیا۔ اور اس غرض سے کہ فوج اسکو اور یہ فوج کو دیکھا رہے اپنے معمول کے موافق صبح کو ایک بڑے ہاتھی پر سوار ہو کر اور شہزادہ محمد اعظم کو ساتھ بٹھا کر لڑائی کے لیئے نکلا۔ چنانچہ اوّل توپوں اور بانوں کی لڑائی شروع ہوئی۔ پھر دونوں لشکر آہم لپٹ گئے۔ اور شجاع کے لشکر نے اسکی فوج کے دائیں بازو کو شکست دیکر ہٹا دیا جس سے

سرانجام کرسکتا ہے۔ اور ان وجوہ سے اورنگ زیب اس عجیب شخص کو بھی لحاظ اسکے بلند ارادوں اور خیالات جاہ طلبی کے محمد سلطان سے کچھ کم نہیں سمجھتا تھا پس اگرچہ یہہ شکلیں ایسی تھیں جو ایک معمولی عقل کے آدمی کو سرور وقتوں میں پھنسا دیتیں لیکن اورنگ زیب نے ایسی حکمت اور ہوشیاری سے کام کیا کہ انکو دار السلطنت سے دھکیل بھی دیا اور دونوں میں سے کوئی شاکی بھی نہونے پایا۔ یعنی ایک بڑی فوج سپرد کرکے شجاع کے مقابلہ کو روانہ کردیا اور رخصت کیوقت میر جملہ کو تو یہہ سمجھا کر راضی کردیا کہ فتح کے بعد بنگالہ کے زرخیز صوبہ کی حکومت مدت العمر کے لیئے آپ ہی کیواسطے ہے بلکہ آپ کے بعد آپکا بیٹا بھی مستحق اس صوبہ داری کا سمجھا جائیگا۔ اور اگرچہ آپ کی خدمتیں بہت

بڑی پریشانی ہوئی۔ اور بہت سے سپاہی دشمنوں سے جاملے اور بعد ازاں انہوں نے فوج کو قلب کو جہاں یہہ خود موجود تھا خوب دبایا اور کئی دفعہ یہہ جان جوکھوں میں پڑا۔ چنانچہ ایک جنگی ہاتھی تو اسکے ایسا قریب پہنچگیا کہ گویا آن ہی بیٹھا تھا۔ اور اگر اورنگ زیب کا ایک بندوقچی جو ساتھ کے ہاتھیوں کے ایک ہودے میں بیٹھا ہوا تھا اُسکے فیلبان کو گولی سے اُڑا دیتا تو خدا جانے اورنگ زیب پر کیا گزرتی غرض اورنگ زیب اپنی استقلال سے ہر خطرناک محل میں غالب آیا اور دشمنوں کے پانوں اکھڑ گئے۔ اور ایک سنہ ۱۰۶۸ھ دہ نومیں اوربہت سے ہاتھی ہاتھ آئے۔ اور تالاب کھجوہ پر جہاں شجاع کا لشکر مقیم تھا جاکر ڈیرہ کیا۔ اور اسی روز محمد سلطان کو شجاع کے تعاقب میں روانہ کیا۔ اور پھر میر جملہ کو "ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار" کا منصب دیکر اُسکی مدد کو بھیجا۔ اور خود آگرہ ہوتا ہوا اجمیر کو چلا گیا۔ کیونکہ داراشکوہ گجرات سے اور مہاراجہ جسونت سنگھ اپنے وطن جودھپور سے بالاتفاق اجمیر پر چڑھکر آنے والے تھے

(ماخوذ از عالمگیرنامہ وغیرہ)

س م ح

سی عنایتوں کے قابل ہیں مگر اُن میں سے بالفعل یہہ ایک ہی۔ اور جب آپ شجاع پر فتح پاینگے تو "امیر الامرا" کا خطاب جو ہندوستان میں سب سے بڑا خطاب ہے آپکو عطا کیا جائیگا۔ اور محمد سلطان سے یہہ کہا کہ بیٹا خیال کرو کہ میری اولاد میں تم سب سے بڑے ہو اور اپنے ہی کام پر جاتے ہو اور بیشک تمنے تمنے بڑے بڑے کام کیے ہیں۔ مگر سچ پوچھو تو ابھی کچھ بھی نہیں کیا کیونکہ تاوقتیکہ شجاع کو جو ہمارے مخالفوں میں ایک بہت بڑا شخص ہے شکست دیکر پکڑ نہ لاؤ سارے ہی کام ادھورے ہیں۔ بعد اس فہمایش کے اورنگ زیب نے دونوں کو حسب معمول بڑے بڑے "سروپا" یعنی خلعت دیئے۔ اور چند گھوڑے اور ہاتھی عمدہ ساز و سامان سمیت عنایت کیئے۔ اور جس طرح سے ہوسکا محمد سلطان کی بیگم اور میر جملہ کے بیٹے محمد امین کو اُن کے ساتھ نہ جانے دیا یعنی محمد سلطان کی بیگم کو تو جو شاہ گولکنڈا کی بیٹی تھی اس حیلہ سے ٹھہرالیا کہ ایسی عالی خاندان شہزادی کا لڑائی کے وقت لشکر کے ساتھ جانا کسی طرح زیبا اور مناسب نہیں۔ اور محمد امین خان کو اس بہانے سے روک لیا کہ ابھی یہہ بہت کم سن ہے اور ازراہ شفقت ہم چاہتے ہیں کہ خاص اپنے زیر نظر رکھکر اسکو تعلیم و تربیت کرائیں لیکن اصل یہہ ہے کہ دونوں کو اُول کے طور پر رکھا تھا تاکہ شہزادے اور میر جملہ سے کسی بیوفائی کا اندیشہ نہ رہے

* فارسی تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شجاع کی بربادی کے بعد اسکو خانخاناں سپہدار کے خطاب سے لکھا جاتا تھا اور امیر الامرا کا خطاب شائستہ خاں کو تھا۔ س م ح

شجاع کا الہ آباد سے اول مونگیر اور پھر راجمحل جانا اور میر جملہ اور محمد سلطان کا فتح کے بعد وہیں توقف کرنا۔

اب شجاع کا حال سنیئے کہ چونکہ اسکو برابر یہہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ مبادا بنگالہ کے نیچے کے حصہ کے وہ راجہ جو میری چھینا جھپٹیوں اور زیادہ ستانیوں سے دل میں ناراض ہیں کسی کے بہکانے سے پیچھے فساد کر بیٹھیں اسوجہ سے جب اورنگ زیب کے ان بندوبستوں سے مطلع ہوا تو فوراً الہ آباد سے ڈیرہ ڈانڈا اٹھا کر بنارس اور پٹنہ کی طرف کوچ کر گیا۔ کیونکہ اسے یہہ اندیشہ تھا کہ غالباً میر جملہ بجائے الہ آباد کے کسی اور گھاٹ سے گنگا کو عبور کر کے میرے بنگالہ کے واپس جانے کے راستہ کو روکنا چاہیگا۔ چنانچہ انہیں اندیشوں سے بنارس اور پٹنہ سے بھی پیچھے مونگیر کو چلا گیا جو گنگا کے کنارے ایک چھوٹا سا شہر ہے اور ایک طرف پہاڑ اور دوسری جانب جنگل اور دریا ہونے کی وجہ سے ایک کارآمد مقام اور بنگالہ کا دروازہ سمجھا جاتا ہے۔ اور یہاں پہنچکر مورچہ بندی کر لی اور شہر اور دریا کے کنارے سے لیکر پہاڑ تک ایک بڑی گہری خندق کھدوالی۔ چنانچہ اس واقعہ کے کئی سال بعد اس خندق[1] کو میں نے بھی دیکھا تھا اور اس مستحکم مقام میں گنگا کے گھاٹ کو روکے ہوئے فوج مخالف کے

[1] عالمگیرنامہ میں لکھا ہے کہ مونگیر کے ایک طرف جو قدرتی پہاڑ اور دوسری جانب دریائے گنگا ہے افغانوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں پہاڑ سے لیکر دریا تک سوا کوس لمبی دیوار کھینچ کر اسکے مقابل کی سمت میں خندق کھدوا دی تھی۔ شجاع نے ان بنی بنائی کے دونوں میں اس دیوار کی مرمت کر کر برابر فصیل گز پر ایک ایک برج بنوا دیا تھا اور خندق کو پانی تک گہرا کرا دیا تھا۔ س ح ت

کے حملہ کا منتظر تھا۔ کہ یکایک اُسے یہہ افسوسناک خبر ملی کہ وہ لشکر جو بتدریج دریا کے کنارے کنارے بڑھا آتا تھا صرف دھوکا دینے کی غرض سے تھا اور میر محمد اُسمیں نہیں ہے بلکہ وہ اُن راجاؤں کو جنکی ریاستیں دریا کے دائیں کنارے کوہستان میں ہیں گانٹھ کر پہاڑوں سے عبور کرتا ہوا مع محمد سلطان اور کسیقدر اپنی چیدہ اور منتخب سپاہ کے راج محل کی طرف اس غرض سے جا رہا ہے کہ ہمارا پیچھے ہٹنے کا راستہ روک کر ہمکو بنگالہ کے اندر کی طرف نہ جانے دے۔ پس یہہ خندق اور مورچے جو ایسے بڑے اہتمام سے تیار ہوئے تھے یونہیں چھوڑ دینے پڑے۔ اور چونکہ مونگیر اور راج محل کے درمیان گنگا اسطرح حایل ہے کہ کئی چکر اور پھیر کھاکر گزری ہے اس سبب سے اگرچہ بہت سی تکلیفیں اُٹھانی پڑیں مگر پھر بھی میر جملہ سے کئی روز پہلے راج محل* میں جا پہنچا بلکہ کچھ مورچے باندھ لینے کی بھی فرصت ملگئی۔ کیونکہ میر محمد اور محمد سلطان یہہ دیکھکر کہ اُسکو اب راج محل پہنچنے سے روکنا ناممکن ہے اپنے ہاتھی بعض بہت دشوار گزار راستوں سے گزرتے ہوئے اس غرض سے گنگا کے رخ ہوگئے کہ اپنے بھاری توپخانہ اور ماتحت فوج اور بہیر وغیرہ کو جو دریا کے راستہ سے آرہی تھی اپنے ساتھ شامل کرلیں اور جب اُنکا یہہ مدعا حاصل ہوگیا تو راج محل پہنچکر لڑائی شروع کردی اور اگرچہ پانچ روز تک شجاع خوب لڑا مگر جب دیکھا کہ

* جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ سے پہلے وہاں اکثر اُن لگنے رہنے کے سبب سے عوام الناس اس جگہ کو اُن محل کہنے لگ گئے تھے۔ جب راجہ مان سنگھ بنگالہ کا صوبہ دار ہوا اُسنے اپنے رہنے کے لئے وہاں اینٹ چونے سے ایک مستحکم حصار تیار کراکر اُسکا نام راج محل رکھدیا بعد ازاں اس جگہ کا نام بادشاہی دفتروں میں اکبر نگر لکھا جاتا رہا اور اب بدستور راج محل مشہور ہے۔ س م ح

میر محمد کے توپخانہ کی متواتر مار میرے مورچوں کو (جو درختوں کی شاخوں اور لکڑیوں سے برج کی صورت کے مٹی اور ریت بھر کر بنا لیے گئے تھے) برباد کیے جاتی ہے۔ اور یہہ بھی خیال کیا کہ برسات کا موسم قریب آگیا ہے اسوقت انکو اور بھی زیادہ نقصان پہنچیگا تو رات کے پردہ میں وہاں سے نکلگیا مگر توپیں جو بہت بھاری تھیں یہیں چھوڑ گیا۔ اور میر محمد اس خوف سے اسکا پیچھا نکر سکا کہ شب خون کے ارادہ سے کہیں وہ ہماری گھات میں لگا ہوا ہو اور شجاع کی خوش نصیبی سے صبح ہونے سے پہلے اس زور کا مینہہ برسا کہ اسکے تعاقب کے لیئے راج محل سے کوچ کا خیال تک کرنا ناممکن ہوگیا یہہ بارش نہایت ہی شدید اور برسات کا آغاز تھی جو بنگالہ میں جولائی سے اکتوبر تک بہت ہی کثرت سے ہوا کرتی ہے۔ اور راستے ایسے خراب ہوجاتے ہیں کہ کسی حملہ آور فوج کے سفر کے قابل نہیں رہتے۔ پس میر محمد کو واجب ہوا کہ برسات کے ختم ہونے تک راج محل میں ٹھہر کر اپنی فوج کو شجاع کی سپاہ کے مکانوں میں آرام دے۔

شجاع کا لشکر فوج بھرتی کرنا جسمیں بہت سے پرتگیز بھی تھے

اس مہلت سے شجاع کو بخوبی گنجایش ملگئی کہ جس جگہہ مناسب سمجھا وہاں ٹھہر کر اپنے حسب حال تدبیریں کرتا رہا اور بہت سی نئی فوج نوکر رکھ لی جسمیں بہت سے پرتگیز بھی تھے جو مع چند توپوں کے بنگالہ کے اُن ضلعوں سے آگئے تھے جو نیچے کیطرف ہیں۔ کیونکہ ملک کی کمال زرخیزی کے باعث اکثر اہل فرنگ اس نواح میں آجاتے ہیں۔ اور ایسے وقت میں فی الحقیقت یہہ امر شجاع کی خوش تدبیری

اور دانائی میں داخل تھا کہ اُسنے اِن اجنبی لوگوں کو دل فزائی اور خاطرداری سے اپنی سپاہ میں بھرتی کرلیا۔ کیونکہ پرتگیز اصیل اور دوغلے سب ملاکر اسوقت کم سے کم نو دس ہزار یہاں موجود تھے۔ اور فی الواقع اُسکو بہت مدد دیسکتے تھے۔ اُسنے اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ اُن کے پادریوں کی بہت دلداری اور تالیف قلوب کی تھی اور انعام واکرام کے وعدوں کے علاوہ یہہ وعدہ بھی کیا تھا کہ اپنی مرضی کے موافق جہاں چاہو اپنے گرجا بنالینا۔

محمد سلطان اور میر جملہ میں نا اتفاقی کا پیدا ہونا اور شہزادہ کا سلطان شجاع کے پاس چلا جانا اور شجاع کا اُسکو منصب نہ لگانا اور اورنگ زیب کے حکم سے قلعہ گوالیار میں مُسکا قید کیا جانا۔

اِس عرصہ میں میر جملہ کو یہہ عجیب مخمصہ پیش آیا کہ اُسمیں اور محمد سلطان میں سخت نا اتفاقی پیدا ہوگئی۔ وجہ یہہ ہوئی کہ ایک تو اُسکی یہہ نہایت آرزو تھی کہ کُل لشکر کی حکمرانی میرے اختیار میں ہو۔ دوسرے میر جملہ کے ساتھ تو ہیں وتحقیر سے پیش آتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات باپ کی نسبت بھی کچھ ایسے الفاظ کہہ اُٹھتا تھا جو نہ فرزندانہ اطاعت اور ادب ہی کے شایاں تھے اور نہ باپ کے شاہانہ منصب ہی کے اور علانیہ کہدیا کرتا تھا کہ آگرہ کی تسخیر میں مینے وہ کام کیے ہیں کہ حضرت کو واجب ہے کہ اپنی کامیابی میں میرے ممنون ہوں۔ پس آخر کار نتیجہ اِن حرکتوں کا یہہ ہوا کہ باپ کو سخت ناراض کرلیا اور پھر جب اسکی ناراضی کی خبریں سنیں تو اس ڈر کے مارے کہ مبادا میر جملہ کے پاس میری گرفتاری کا حکم آجاے اور وہ مجھے قید کرے صرف گنتی کے آدمیوں کے ساتھ راج محل سے چلدیا[1] اور سلطان شجاع کی خدمت میں اطاعت ظاہر

[1] یہہ عجیب اتفاق تھا کہ چھبیس رمضان ۱۰۶۸ھ اکیس اُنتیس جنوری کو ادھر تو یہہ شہزادہ باغی ہوا اُدھر

کرکے بجا آوری خدمات کے لیئے اپنی آمادگی ظاہر کی۔ لیکن شجاع کو ان باتوں پر کچھ یقین نہ آیا بلکہ یہہ شبہ کرتا رہا کہ شائد اورنگ زیب، اور میر جملہ نے مجھے بیوقوف بنانے کو یہہ ایک حکمت کی ہے اور اُسکے بڑے بڑے وعدوں اور قسموں پر اعتبار کرکے اپنی فوج کی کوی بڑی حکومت اُسے سپرد نہ کی بلکہ ہمیشہ اُسکا نگران حال رہا۔ اور اس طرز سلوک کا انجام یہہ ہوا کہ تھوڑی ہی دیر میں شجاع سے بھی متنفر ہو گیا اور آخر کار چند مہینوں کے بعد نا اُمید ہو کر پھر میر جملہ کے پاس چلا آیا اور میر جملہ نے خاطرداری اور کسیقدر اعزاز و اکرام کے ساتھ لشکر میں اُتار لیا۔ اور کہا کہ اگرچہ آپ نے بہت بڑا قصور کیا ہے مگر خیر میں بادشاہ سے سفارش کرکے معافی کی درخواست کرونگا۔

مینے بہت لوگوں سے سُنا ہے کہ یہہ عجیب حرکت جو محمد سلطان سے ظہور میں آئی تھی حقیقت میں اورنگ زیب کا ایک منصوبہ تھا جو یہہ چاہتا تھا کہ میرا بیٹا خواہ اپنے کو کسی خطرناک کام ہی میں کیوں نہ ڈال دے مگر سلطان شجاع تباہ ہو جاے۔* بہرحال اصل حقیقت خواہ کچھ ہی ہو مگر جب اُسکا یہہ معلوم ہوا

[1] داراشکوہ اور سپہر شکوہ ٹھیک ہی تاریخ داد و ستد میں ملک جیون کے ہاتھوں گرفتار ہوئے تھے ۱۲

* فارسی تاریخوں سے محمد سلطان کی بغاوت کا سبب یہہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسکو شہزادگی اور ریاست کا غرور تو تھا ہی اسپر میر جملہ کی باتوں اور بھی ناکو بھی اور کوئہ اندیش مصاحبوں کی ترغیبیں اور سلطان شجاع کے دربار سے اور اپنی لڑکی کی شادی کر دینے کا وعدہ بسکا ذکر تو مجھے ایک حاشیہ میں لکھا جا چکا ہے سب ملکر اس حرکت پر آمادہ ہوئی تھی چنانچہ جب یہہ شجاع کے پاس جا پہنچا تو بمقام ٹانڈہ جہاں مونگیر اور راجمحل کے بیچ شجاع نے دربار کا بندوبست کر رکھا تھا اُس لڑکی سے اسکی شادی کر دی۔ اور اس کے واپس آنیکا سبب شجاع کی بیوفائی ہی نہ تھی بلکہ بدقسمتی کی شکستوں سے جب اسنے دیکھ لیا کہ شجاع کی بہبودی کی کوئی اُمید نہیں ہے تو مایوس اور نادم ہو کر آٹھ مہینے سے کچھ زیادہ اُسکے پاس رہکر واپس چلا آیا۔ س م ح

کہ وہ داج محل کو لوٹ آیا ہے تو موقع دیکھکر اب محمد سلطان کو بھی کسی حراست کی جگہہ بھیجدینے کا خاصہ بہانہ ہاتھ آگیا ہے واقعی یا بناوٹی خفگی کے ساتھ اُسکو ایک تاکیدی فرمان بھیجا کہ فوراً بلا توقف دھلی کو چلا آئے۔ اب بدنصیب شاہزادہ تعمیل حکم سے سرتابی کر ہی نہیں سکتا تھا پس جوہیں گنگا کے اِس پار اُترا لوگوں کے ایک مسلح گروہ نے گرفتار کرلیا اور زبردستی ایک عماری میں بٹھاکر گوالیار کو لیگئے اور یقین ہے کہ اسکی عمر کا خاتمہ اب اُسیجگہہ ہوگا۔ *

---

* عالمگیرنامہ میں لکھا ہے کہ محمد سلطان اول پانچویں شعبان ۱۰۶۹ھ ایکہزار اُنہتر ہجری کو سلیم گڈھ میں قید کیا گیا اور پچیسویں جمادی الاول ۱۰۷۰ھ ایکہزار ستر کو یہہ اور سلیمان شکوہ جو سرمنگر سے گرفتار ہوکر آیا تھا دونوں گوالیار بھیجدیئے گئے تھے۔ مگر ۱۰۷۱ھ ایکہزار اکیاسی ہجری میں مُلتفت خان کو بھیجکر محمد سلطان اور دارا شکوہ کے دوسرے بیٹے پھر شکوہ کو وہاں سے بُلالیا اور کچھ دنوں پھر سلیم گڈھ میں زیرحراست رکھکر تقریباً چودہ برس کی قید کے بعد شروع ۱۰۸۴ھ ایکہزار تراسی ہجری میں خلعت وغیرہ دیکر چھوڑدیا۔ اور مراد بخش کی بیٹی دستدار بانو بیگم سے نکاح کردیا اور اپنے ہاتھ سے موتیوں کا سہرا باندھکر قلعہ کے اندر کی مسجد میں سلام کرانے لیگیا۔ اور بارہ ہزار روپیہ سالانہ مقرر کردیا۔ اور جشن عید الضحیٰ کے موقع پر ایک گوسفند کو تو خود قربانی کیا اور ایک اونٹ محمد سلطان سے نحر کرایا اور ۱۰۸۶ھ ایکہزار چھیاسی ہجری میں کشنواڑ کے راجہ کی بیٹی بائی جُوب دیبجی نامے سے اس کا نکاح کیا گیا اور ساٹھ لاکھ روپیہ کا زیور عطا ہوا۔ اور کتاب ماثر عالمگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۸۸ھ ایکہزار پچاسی ہجری میں درۂ خیبر کے پٹھانوں کی بغاوت کی وجہ سے جب اورنگزیب کو ایک عرصہ تک بنام حسن ابدال رہنا پڑا تھا محمد سلطان کو بست ہزاری ذات ہزار سوار کا منصب مع خلعت کے اور ایک لاکھ روپیہ نقد اور نقارہ و نشان وغیرہ عطا ہوگیا تھا۔ اور وہاں سے معاودت کے بعد اگلے برس ساٹھ لاکھ روپیہ نقد عنایت ہوا۔ مگر باوجود اس کے یہہ نہیں معلوم ہوتا کہ قید سے چھوٹنیکے بعد کسی جگہہ کی صوبہ داری ملی ہو یا اسکے اور بھائیوں کی طرح اسکو کسی مہم میں سرلشکر بناکر بھیجا گیا ہو بلکہ ایسا پایا جاتا ہے کہ بادشاہ کی سرد مہری اپنے اس بیٹے کی نسبت چلی ہی جاتی تھی کیونکہ جب یہہ شہزادہ اڑتیس برس دو مہینے کا ہوکر ۱۱۰۸ھ ایکہزار ستاسی ہجری میں مرا ہے اسکی نسبت اسی کتاب ماثر عالمگیری میں

اورنگ زیب کا سلطان محمد معظم کو بھائی کی حالت سے عبرت دلانا اور محمد معظم کے چلن کی نسبت لوگوں اور خود مصنف کی رائے۔

اس طرح پر اپنے بڑے بیٹے کا خرخشہ مٹا کر اورنگ زیب نے شہزادہ محمد معظم سے فرمایا کہ "ایسا نہو کہ کہیں تم بھی سرکشی اور بلند پروازی کے خیالات میں بھائی کی تقلید کر بیٹھو اور وہی معاملہ تمکو بھی پیش آئے جو اُسکو پیش آیا ہے۔ یاد رکھو کہ سلطنت ایک ایسا نازک معاملہ ہے کہ بادشاہوں کو اپنے سایہ سے بھی حسد اور بدگمانی ہو جاتی ہے پس یہ خیال کبھی نکرنا کہ اورنگ زیب بھی بیٹوں کے ہاتھ سے وہی کچھ دیکھ سکتا ہے جو جہاں گیر نے شاہجہاں* کے ہاتھوں دیکھا تھا یا جس طرح شاہجہاں نے تخت و تاج کھو دیا اورنگ زیب بھی اُسی طرح کھو سکتا ہے" لیکن سلطان محمد معظم کے تمام طور و طریق پر لحاظ

* جہانگیر سے اسکی اکثر ان بن ہی رہتی تھی اور جب وہ مرا ہے تو یہ دکن میں علانیہ باغی تھا۔ س م ع

یہ عبارت لکھی ہے کہ "بادشاہزادہ را مرض شدید عارض شد۔ مدتے بستر گرانبار بیتابی بود و در مقام خاص شکار خبر علالت اثر رسید کہ مرض فلان نخل باغ مجد و علا را از باغ دنیا بر داشتہ بجدہ عقبیٰ نشاند باوجود قوت موصلہ حضرت را از استماع ایں واقعہ ناگزیر پائے قرار از جا نماند دل پُر غم و دیدہ پُر نم شد و بروح اللہ خاں خانساماں و سیادت خاں و حمید الرحیم خاں و شیخ نظام و ملا محمد یعقوب فرمان رفت کہ در روضہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی برحمت حق بپیوندد" جس سے یہ حال پیدا ہوتا ہے کہ باوجود اسکے مرض الموت میں مبتلا ہونے کے بھی اورنگ زیب نے اسکو جانشین نہیں کیا۔ بلکہ یہ شکایت صرف ساڈ اور اسی کتاب میں عالمگیر کی اولاد کے ذکر میں مصنف نے اس شہزادہ کی حیات اور قابلیت کی نسبت یہ عبارت لکھی ہے "آوازۂ فروغ و دوران محمد معظم پادشاہزادہ محمد سلطان و اولاد امجاد ایشان از بلاد ایران تا چہار دانگ جہان شنیدہ امیدہا و امیلہا و تمنیہا و تولہا بآنحضرت بہم رسانیدند مصنف بحفظ کلام مجید و اکثر کمالات و خواندن دو فن شعر عربی و فارسی و ترکی بہرہ وافی داشتہ۔ ممالک و آنحضرت را پیش از جلوس بکمال عاقلی و دانائی و حسن تدبیر و استمالت و شجاعت و غیرہ و اوصاف حمیدہ نسبت دیگر برادران حضرت اعلیٰ خاقانی بسیار بالا و فزونتر یافتہ۔ س م ع

کرکے میری یہہ راے ہے کہ اورنگ زیب کا اُسکی طرف سے کسی بُرے ارادہ کا شبہ کرنا بیوجہ ہے۔ کیونکہ وہ تو ایک ادنی غلام سے بھی زیادہ فرمانبرداری کرتا ہے اور مطیع سے مطیع شخص سے بھی یہہ ممکن نہیں کہ غیر قانع اور حریص طبیعت کے جوش پر اپنے اقوال و افعال سے کسیقدر پردہ ڈال سکے۔ چنانچہ خود اورنگ زیب بھی حصول اختیار و اقتدار کی جانب سے کبھی اسقدر بے پروا نہیں نظر آیا۔ اور نہ خیرات اور دینیات ہی میں اتنا مصروف دکھائی دیا۔ مگر بانیہہ اکثر ہوشیار لوگوں کی یہہ راے ہے کہ بمقتضاے (اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ) یہہ اُسکی بناوٹ ہو اور حصول سلطنت کے خیالات اُسیطرح دل میں چھپاے ہوے ہے جس طرح اِسکا باپ چھپاے ہوے تھا۔ *

---

* محمد سلطان اور محمد معظم دونوں ایک ہی ماں سے تھے اور محمد معظم قریب چار سال کے اس سے چھوٹا تھا اور اورنگ زیب کے بعد یہی بادشاہ ہوا تھا۔ اور اپنی چند سالہ بادشاہی کے مختصر زمانہ میں ایک نیک سیرت بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ لکھا ہے کہ یہہ چھٹپن ہی میں قرآن مجید کا حافظ ہوگیا تھا اور فن قرأت اور تجوید سے خوب واقف تھا اور علم حدیث و فقہ میں تو ایسا کامل تھا کہ ہمعصر علما بھی مانتے تھے اور مسایل فقہیہ کا استنباط و استخراج خود قرآن و حدیث سے کرسکتا تھا عربی ایسی بولتا تھا کہ فصحاے عرب پسند کرتے تھے اور ترکی اور فارسی تو گویا اُسکے گھر کی زبانیں تھیں خوشنویسی میں بھی کامل تھا اور کئی طرح کے خط لکھنے جانتا تھا۔ نیک اوقات ایسا تھا کہ راتیں نماز و وظائف اور تلاوت قرآن مجید اور مطالعہ کتب تفسیر حدیث و فقہ و تصوف میں بسر کرتا تھا۔ اور صبح کی نماز ہمیشہ اول وقت ادا کرکے کچھ دن چڑھے تک اوراد اور وظیفے پڑھتا۔ اور اس کے بعد منظران دیدار کے لیے جھروکہ درشن میں بیٹھتا۔ اور سنتیوں اور فریادیوں کی داد دیتا۔ پھر وہاں سے اٹھکر دیوان خاص یا عام میں بیٹھکر ملکی و مالی معاملات سنتا اور نماز ظہر کے بعد محل میں جاکر کھانا کھاتا۔ اور کسیقدر سوتا۔ اور نماز عصر پڑھکر پھر فریادیوں کی داد رسی کرتا۔ اور لوگوں کا سلام عجز لیتا۔ اور نماز مغرب کے بعد درود و وظایف میں مصروف رہتا۔ اور قریب ڈیڑھ پہر

بنگالہ کی طرف لڑائی کا جاری رہنا اور اورنگ زیب کا تخت سلطنت پر جلوس کرنا

اَب بنگالہ کا حال سُنیئے کہ اگرچہ لڑائی بدستور جاری تھی مگر کسیقدر سُستی کے ساتھ تھی اور شجاع حتی المقدور مقابلہ کیئے جاتا تھا اور اُسکا ہوشیار دشمن میر جُملہ گنگا سے اُترنے اور بیشمار ندی نالوں کے طے کرنے میں جو اُس مُلک میں بکثرت ہیں جس جس طرح سے مناسب اور مصلحت وقت جانتا تھا عمل کرتا تھا اور اس عرصہ میں اورنگ زیب اگرہ کے نواح میں مقیم تھا۔ مگر آخر کار جب مُراد بخش کو قلعہ گوالیار میں بھیج چکا تو دھلی جاکر اُن سب دھوکے کی ٹٹیوں کو جو اب تک لوگوں کے فریب دینے کو بنا رکھی تھیں اُٹھا ڈالا اور تخت سلطنت پر جلوس کرکے اچھی خاصی طرح

رات گزرے نماز عشا پڑھکر محلسرا میں چلا جاتا تھا۔ مگر باوجود ان تمام صفات حمیدہ اور کمال اطاعت کے آخر کار اسکو بھی بدگمان باپ کے قہر و غضب کا نشانہ بننا ہی پڑا۔ یعنی جب اورنگ زیب اپنے سکندر عادل شاہ نابالغ والی بیجاپور کی بربادی کے لیئے محمد معظم کے سوتیلے بھائی محمد اعظم شاہ کو اور ابوالحسن تاناشاہ والی حیدرآباد دکن کی بیخ کنی کے لیئے اسکو مامور کیا تو اعظم شاہ اور اور لوگوں کی دراندازی سے یہ شبہ ہوگیا کہ والی دکن سے اسکی سازش ہے۔ اور باوجودیکہ بادشاہ کے بعض معتمد خاص نے اسکی بے جُرمی کی شہادت دی مگر گمانی رفع نہوئی اور ۱۰۹۱ھ اکیسرا شانوی ہجری میں بیوی بچوں اور متوسلوں سمیت نہایت ذلت اور سختی سے قید کر دیا اور پانچ برس سے زیادہ تک قید رکھا اور تمام مال اسباب اور جاگیر وغیرہ ضبط کی گئی یہانتک کہ اسکی زوجہ نور النسا بیگم کے کانوں اور گلے کے زیور تک چھین لیئے گئے اور اسکو اور اس کے بیٹوں کو حجامت بنوانے۔ ناخن کٹوانے۔ ٹھنڈا پانی پینے۔ گرم روٹی کھانے اور مناسب حال لباس پہننے سے مدتوں ممانعت اور محرومی رہی اور لطف یہ ہے کہ مآثر عالمگیری میں (جسکا مصنف الزام کے ساتھ بڑے ادب اور اعتقاد سے ہمیشہ اورنگ زیب کی تعریف لکھتا ہے) لکھا ہے کہ اگرچہ حضرت اورنگ زیب کو اُسکی قید کے زمانہ میں اس امر کا بھی اقرار تھا کہ ہمارے ہاتھ سے اسپر ظلم ہوگیا ہے۔ مگر فرماتے تھے کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ خداوند کریم ہمارے دل کو اُس کے حال پر مہربان کردے!!! (ماخوذ از مآثر عالمگیری و سیر المتاخرین) س م ح

بادشاہ بن بیٹھا [1]

داراشکوہ کا گجرات سے اجمیر آنا اور جسونت سنگھ اور شاہنواز خاں کی دغابازی اور شاہنواز خان کا قتل اور داراشکوہ کی تباہی۔

اَب اورنگ زیب کی تمام توجہ داراشکوہ کے گجرات سے نکالنے کی تدبیروں میں مصروف تھی لیکن اُن وجوہ سے جو پہلے بیان کیجا چکی ہیں اِس دلی مدعا کا حاصل ہونا آسان نتھا مگر اخر کار اُسکی عجیب وغریب ہنرمندی اور روزافزوں خوش اقبالی سب مشکلوں پر غالب آگئی تفصیل اِسکی

---

[1] داراشکوہ کے تعاقب میں پنجاب کو جاتے ہوئے اگرچہ سرسری طور پر تخت نشینی کی رسم بمقام باغ آغرآباد جو شاہجہان آباد کے قریب لاہور کے راستہ پر تھا پہلی بقعدہ ۱۰۶۸ھ اکہزار اڑسٹھ ہجری کو عمل میں آچکی تھی مگر باقاعدہ جلوس اُسوقت کیا گیا تھا جبکہ شجاع کو بمقام کجوہ شکست دینے کے بعد مراد بخش کو قلعہ گوالیار میں بھیجدیا گیا۔ اور داراشکوہ کو بمقام اجمیر اُنتیسویں جمادی الثانی ۱۰۶۹ھ اکہزار اُنہتر ہجری کو دوبارہ بھی شکست ہوچکی اور وہ اُلٹے پانوں احمد آباد کی طرف نہایت بے سروسامانی کے ساتھ بھاگ گیا۔ اس تخت نشینی کو مصنف نے داراشکوہ کی شکست کے واقعہ سے پہلے خدا جانے کس طرح لکھدیا ہے اور یہہ جلوس چوبیسویں رمضان سنہ مذکور کو قلعہ شاہجہان آباد میں (جسمیں ابتک یہہ داخل نہیں ہوا تھا) ہندو اور مسلمان نجومیوں کے مجوزہ مہورت کے موافق جبکہ شمسی حساب سے اسکو اکاونسواں برس تھا معمولی تکلفات کے ساتھ کیا گیا۔ اور اورنگ زیب نے اپنا لقب حسب ذیل قرار دیا۔ "ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی" اور بے ادبی کے خیال سے سکہ میں تکمہ طیبا و رخلفائے اربعہ کے ناموں کی جگہ ہونے اور چاندی کی مناسبت سے باختلاف فقط مہر و تبدیہہ بیت تجویز ہوئی "سکہ زد در جہاں چو مہر منیر + شاہ اورنگ زیب عالمگیر" اور اگرچہ کسی کتاب تاریخ میں نہیں دیکھا گیا مگر مشہور ہے کہ جب خطیب دستور کے موافق اسکے بزرگوں کو کسیکو جنت آشیانی اور کسیکو خلد مکانی وغیرہ وغیرہ کہکر گننے لگا اور جہانگیر کے نام پر پہنچا تو اورنگ زیب نے فراست سے معلوم کیا کہ یہہ اس امر میں حیران ہے کہ جیتے جاگتے شاہجہان کا کیا کہکر نام لے۔ فوراً اُسکی طرف مخاطب ہوکر قیدی باپ کے لیے یہہ حسب حال اور لطیف لقب تجویز کردیا اور کہا کہ خطیب بگو (تارک تاج و تخت ثانی سلطان ابراہیم شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ غازی صاحبقران ثانی) س م ع

یہہ ہے کہ جسونت سنگھ نے گھر پہنچتے ہی اُس مال و دولت سے جو کھجوہ سے لوٹ کر لایا تھا ایک مضبوط فوج بھرتی کرنی شروع کر دی اور دارا شکوہ کو لکھ بھیجا کہ آپ بلا توقّف آگرہ کو چلے آیئے میں اپنی تمام فوج کے ساتھ راستہ میں آن ملونگا - اب چونکہ شہزادہ نے بھی ایک فوج کثیر[1] جمع کر لی تھی اگرچہ بہت عمدہ نتھی - پس اس اُمید پر کہ جب میں ایسے نامی راجہ کو ساتھ لیئے ہوئے دارالسلطنت کے قریب پہنچ جاؤنگا تو میرے منتشر شدہ ہواخواہوں کو بھی میرے نشان کے نیچے آنکر جمع ہو جانے کی جرأت ہو جائیگی احمد آباد سے کوچ کر دیا اور بہت سُرعت کے ساتھ اجمیر میں آپہنچا جو آگرہ سے سات آٹھ منزل کے فاصلہ پر ہے - لیکن جسونت سنگھ اپنے عہد پر قائم نرہا وجہ یہہ ہوئی کہ راجہ جے سنگھ نے یہہ خیال کر کے کہ لڑائی کے تمام رنگ ڈھنگ سے اورنگ زیب ہی کے غلبہ کی اُمید ہوتی ہے اُسکی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے جسونت سنگھ کو دارا شکوہ کی طرفداری چھوڑ دینے کی صلاح دینا مصلحت جانا اور اُسکو لکھا کہ تُمنے اِسمیں ایسا کیا فائدہ سوچا ہے کہ ڈوبتے کے ساتھی بنتے ہو اور اگر تم اسی بات پر قائم رہو گے تو اُسکا کچھ فائدہ ہونا تو معلوم مگر ہاں تمہارا خاندان اور تم بیشک برباد ہو جاؤ گے - اور اورنگ زیب تمکو کبھی معاف نکریگا - اور چونکہ میں بھی راجہ ہوں اسلیئے بمنت التماس کرتا ہوں کہ بیچارے راجپوتوں کا خون کرانے

---

[1] عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ گجرات میں دارا شکوہ کے پاس پنجہزار سوار اور ایک اچھا توپخانہ موجود ہو گیا تھا - اور کھجوہ کی لڑائی میں جسونت سنگھ کی بغاوت سے جو افواہیں اُڑی تھیں اُنکو سُنکر جلد بازی سے جسونت سنگھ کی عرضیوں کے پہنچنے سے پہلے ہی اجمیر کو چل پڑا تھا - س م ح

سے باز آئیے اور اس گھمنڈ میں نہ رہیے کہ اَور راجہ بھی تمہارے شریک ہو جائینگے کیونکہ یہہ میں کبھی نہ ہونے دونگا - اور چونکہ یہہ ایک ایسا امر ہے جو ہر ایک ہندو شخص سے تعلق رکھتا ہے اسلیئے آپکو ایسی آگ کے بھڑکانے کی کسطرح اجازت دیجا سکتی ہے جو تمام ملک میں پھیل جاوے اور پھر کوئی بھی اُسکو بجھا نہ سکے اور اگر تم داراشکوہ کو بحال خود چھوڑ دو گے تو اورنگ زیب آپکی پچھلی خطائیں سب معاف کردیگا - اور اُس شاہی خزانہ کا بھی مطالبہ نکریگا جو آپ نے کھجوہ کی لڑائی میں لوٹ لیا تھا - بلکہ فوراً گجرات کی صوبہ داری پر سرفراز کیئے جاؤ گے اور ایسے صوبہ کی حکومت میں جو آپ کے علاقہ سے متصل ہے جو فوائد ہیں وہ آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور وہاں آپ بغیر کسی طرح کے خوف وخطر کے نہایت آرام سے رہینگے اور ان وعدوں کا کامل طور سے پورا کرنا میرے ذمہ ہے" خلاصہ کلام یہہ کہ جسونت سنگھ اس امر پر مائل ہوگیا کہ گھر سے قدم باہر نہ نکالے[1] اور اورنگ زیب مع اپنی تمام فوج ولشکر کے اجمیر میں داراشکوہ کی فوج کے سامنے آن موجود ہوا -

اَب ایسا کون شخص ہوگا جو اس تاریخ کو پڑھے گا اور اس بات پر افسوس نکریگا کہ بدنصیب داراشکوہ کو لوگوں نے کیسی کیسی اُلٹی تدبیریں بتائیں اور آخر کار دغا کی جسونت سنگھ کی بدعہدی کا حال اگرچہ داراشکوہ پر کھل گیا مگر اسکے ہولناک نتیجوں کا اَب کیا علاج تھا - وہ بیشک اپنی فوج کو احمد آباد لیجاتا مگر گرمی کی شدت

---

[1] عالمگیرنامہ میں لکھا ہے کہ جسونت سنگھ نے اورنگ زیب کی خواہش کے موافق اپنے خط کے ساتھ اسی مضمون کا بادشاہی فرمان بھی اپنے ایک خاص آدمی کے ہاتھ جسونت سنگھ کی پاس بھیجا تھا جسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ اگرچہ وہ جودھپور سے سوار ہوآیا تھا مگر راستہ میں سے اُلٹا پھر گیا - م م

اور پانی کے قحط کی وجہ سے جو اس موسم میں راجپوتانہ میں ہو جاتا ہے یہہ امر سخت دشوار تھا کہ پینتیس ۳۵ روز تک اُن راجاؤں کے مُلک میں سفر کرے جو جسونت سنگھ کے رفیق اور دوست ہوں اور اسپر طرہ یہہ ہو کہ اورنگ زیب سا مستعد دشمن ایسی بڑی اور تازہ دم فوج کے ساتھ نہایت سرگرمی سے اُسکا پیچھا کرے۔ اسلیئے اب اُسنے سپاہیانہ موت سے مرجانا ہی بہتر سمجھا اور اگرچہ جانتا تھا کہ برابر کی لڑائی نہیں ہے مگر تاہم یہی ٹھان لی کہ یا دشمن کو مارلیا یا آپ مرگئے مگر اتبک بھی اُسکو اپنی مصیبت کی انتہا معلوم نتھی کیونکہ جن لوگوں پر خیانت اور دغابازی کا کچھ بھی شک وشبہ تھا سب کچھ وہی کرنے کو موجود اور گھات میں لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ بذات شاہنواز خاں جسپر دارا شکوہ کامل بھروسہ کیئے ہوئے تھا اُسکی خط وکتابت اورنگ زیب سے برابر جاری تھی اور وہ اسکے سب منصوبوں سے اُسکو مطلع کرتا رہتا تھا۔ لیکن اپنی بے ایمانی کی سزا اُسنے جلد ہی پالی یعنی اسی لڑائی میں تلوار سے قتل کیا گیا۔ چنانچہ بعض لوگ تو یہہ کہتے ہیں کہ خود دارا شکوہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ مگر ظن غالب یہہ ہے دارا شکوہ کے اُن مخفی طرفداروں نے جو اورنگ زیب کے لشکر میں تھے اِس خوف سے اُسے مار ڈالا کہ اگر یہہ زندہ رہا تو ہم سب کا بھید کھول دیگا۔ اور اُن سب عرضیوں کا حال اُس سے کہدیگا جو ہم دارا شکوہ کی خدمت میں بھیجتے رہے ہیں۔ لیکن اس دغاباز کی موت سے اب کیا فائدہ تھا کیونکہ دارا شکوہ کو لازم تو یہہ تھا کہ جس روز سے اُسنے احمد آباد کو لیا تھا اُسی روز سے اپنے خیرخواہوں کی دانشمندانہ صلاح اُسکی نسبت سنتا اور جس بے اعتباری اور بے عزتی کے لایق تھا اُس سے اُسیطرح

پیش آتا الغرض قریب پہر دن چڑھے کے لڑائی شروع ہوئی اور دارا شکوہ کے توپخانہ سے جو ذرا اونچی اور مناسب جگہہ پر قائم تھا اگرچہ خالی آوازیں تو بڑے زور شور کی سُنائی دیں مگر کہتے ہیں کہ دغابازی کا جال یہانتک پھیلا ہوا تھا کہ توپوں کی خالی تھیلیاں بغیر گولوں کے بھری ہوئی تھیں۔ اس لڑائی کی بشرطیکہ اسکو لڑائی کہا جائے تفصیل لکھنی بیفائدہ ہے اور صرف اسقدر بیان کردینا کافی ہے کہ پہلے گولے کے چلتے ہی جے سنگھ ایک ایسے مقام پر آکھڑا ہوا جہاں سے دارا شکوہ اُسکو دیکھ سکے اور اپنا ایک سردار یہہ پیغام دیکر دارا شکوہ کے پاس بھیجا کہ "اگر گرفتاری سے بچنا چاہتے ہو تو فوراً میدان جنگ سے علیحدہ ہو جاؤ"۔ اس پیغام سے اس بیچارے شہزادہ پر یکایک ناگہانی خوف طاری ہوا اور ایسی حیرت چھاگئی کہ فوراً اُسکی صلاح مان لی اور ایسا سراسیمہ ہوکر بھاگا کہ پہیر کی نسبت بھی کچھ حکم نہ دیا اور فی الواقع اسوقت وہ ایسی ہی آفت میں مبتلا تھا کہ اُسنے اتنی ہی مُہلت کو غنیمت جانا کہ اپنے اہل و عیال کو اس تہلکہ سے نکال لیجائے۔ کیونکہ کچھ شک نہیں ہے کہ وہ اُسوقت جے سنگھ کے قابو میں آچکا تھا۔ اور راجہ کے اس اغماض کا سبب یہہ تھا کہ وہ ہمیشہ یہہ سمجھکر کہ کسی شاہزادہ سے بدسلوکی کرنا کسی دن سخت خطرہ کا باعث ہو شاہی خاندان کے لوگوں کے ساتھ بہت ادب اور لحاظ سے پیش آتا تھا۔ *

---

* اس لڑائی کا حال عالمگیرنامہ میں لکھا ہے کہ نواح اجمیر میں جو پہاڑیاں ہیں چونکہ انکی سب گھاٹیاں روک کر مورچہ بندی اچھی طور سے کی گئی تھی اور دارا شکوہ کا توپخانہ بھی مناسب جگہہ قائم کیا گیا تھا اسلیئے اورنگ زیب کے امیروں کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا کہ حملہ کریں یہانتک

شکست کے بعد داراشکوہ کا پھر گجرات کی طرف جانا اور حاکم احمد آباد کی گمراہی اور داراشکوہ کا کچھ کے راجہ کے ملک میں پہنچ جانا اور اُسکے افسوسناک مصائب

آفت رسیدہ اور برباد شدہ داراشکوہ جسکی جانبری صرف احمد آباد پر دوبارہ قبضہ حاصل کرنے میں منحصر تھی ایسے دور و دراز ملک میں سے گزرنے پر مجبور تھا جو قریباً سب کا سب مخالف راجاؤں کے قبضہ میں تھا اور ایسی بے سروسامانی تھی کہ خیمہ تک پاس نتھا اور زیادہ سے زیادہ دو ہزار آدمی ہمراہ تھے گرمی بہت سخت پڑتی تھی اور اُسپر یہہ ایک اَور آفت تھی کہ کولی لوگ رات دن پیچھا نہ چھوڑتے تھے اور اُسکے سپاہیوں کو اسقدر لوٹا اور قتل کیا تھا کہ صرف چند قدم پیچھے رہجانا بھی نہایت خطرناک تھا۔ یہہ کولی اِس مُلک کے کسان ہیں اور بڑے ہی لُٹیرے اور ہندوستان بھر میں ایک ہی بدذات ہیں۔ پس اگرچہ اِن

کئی دن یوہیں گزر گئے اور صرف توپ بندوق سے دور دور کی لڑائی ہوتی رہی آخر اورنگ زیب نے مجبور ہوکر انکو غیرتیں بھی دلائیں اور ڈرایا دھمکایا بھی اور انعام واکرام کے وعدہ بھی کیئے مگر پھر بھی حالت بستور ہی تھی۔ اتفاق سے راجہ راجروپ جموں والے کے کوہستانی سپاہی کوکلا پہاڑی کے پیچھے کیطرف ایک ایسی جگہہ دیکھ آئے کہ جہاں سے پیادے سپاہی چڑھکر مخالف کے مورچہ پر حملہ کرسکتے تھے۔ راجہ نے اورنگ زیب کو اس حال کی اطلاع کرکے کچھ اپنے سپاہی اُس پہاڑی کو روانہ کیئے اور خود بھی اپنی باقیماندہ فوج لیکر اُنکی مدد اور نگہبانی کے طور پر مخالف کے مورچوں کی طرف چلا گیا۔ چونکہ اتفاقاً اُسوقت اورنگ زیب کے توپچیوں کی توپیں چلنی بند ہوگئی تھیں اس باعث سے ذرا دلیر ہوکر داراشکوہ کی فوج میں سے کوئی پانسو سوار راجہ راجروپ پر حملہ کرنے کو اپنے مورچوں سے باہر نکل آئے۔ اسپر اورنگ زیب کے مسلمان امیروں میں سے اوّل دلیر خان اور پھر شیخ میر نے اپنی اپنی فوجیں ساتھ لیکر ایسے زور سے حملے کیئے کہ اُن کے مورچوں تک جا پہنچے۔ اور اس طرح پر ایک اچھی لڑائی ہوئی جسمیں شیخ میر جو ہاتھی پر سوار اپنی سپاہ کو لڑاتا تھا بندوق کی گولی سے مارا گیا۔ مگر اُسکا ایک ہموطن سید جو پیچھے بیٹھا ہوا تھا اُسنے ہوشیاری سے اُسکی لاش کو ایسے طور

سب مشکلوں اور آفتوں سے بچکر داراشکوہ ایک ایسے مقام تک پہنچ گیا جہاں سے احمدآباد صرف ایکمنزل تھا اور اُسے اب یہہ اُمید تھی کہ کل کو احمدآباد میں داخل ہوں گا اور پھر ایک فوج بھرتی کرلونگا۔ لیکن بدنصیب اور شکست خوردہ لوگوں کی اُمیدیں کبھی سرسبز نہیں ہوتیں۔ چنانچہ اُس شخص نے جسکو داراشکوہ احمدآباد میں قلعہ دار اور حاکم بناکر پیچھے چھوڑ آیا تھا یہہ بیوفائی اور باغی پن کیا کہ اورنگ زیب کی دھمکانے یا امیدوار کرنیکے باعث اپنے آقا سے پھر گیا اور یہہ لکھ بھیجا کہ شہر کے نزدیک آیئے دروازے بند اور لوگ مقابلہ کے لیئے مسلح اور طیار ہیں!

کے ساتھ تھا سے رکھا جس سے دشمنوں کو بلکہ خود اُسکی سپاہ کو لڑائی کے خاتمہ تک اُسکا ارادہ معلوم نہوا اور دلیرخاں تو جرأت کرکے داراشکوہ کے مورچوں ہی میں جا گھسا اور اُسکے ایک نامور سردار کو خاص اپنے تیر سے ہلاک کیا اور خود بھی زخمی ہوا اور ان حملوں میں اُس طرف سے شاہنواز خاں اور کئی اَور نامی سردار بھی مارے گئے۔ اتنے میں راجروپ کی کوہستانی پیدلوں نے کوکلہ پہاڑی پر اپنا نشان جا گاڑا۔ اور راجہ جے سنگھ بھی اپنی فوج لیکر ان سب سرداروں کی مدد کو جا پہنچا۔ داراشکوہ کی سپاہ راجروپ اور دلیرخاں کی جرأت اور دلیری سے پہلے ہی ہمت ہار چکی تھی اور خود داراشکوہ کا تو یہہ حال تھا کہ اُسنے مایوسی کی حالت میں اپنی بیگمات کو اوّل ہی ہاتھیوں پر سوار کراکر اور ضروری مال و اسباب اور روپیہ اشرفی اونٹوں اور خچروں پر لدواکر اناساگر تالاب کے کنارے میدان جنگ سے کچھ فاصلہ پر کھڑا کر رکھا تھا۔ مگر جب رات ہوگئی تو ساری اُمیدیں قطع کرکے اسقدر سراسیمہ ہوکر بھاگا کہ اپنی بیگموں کو ساتھ لینا تو درکنار اُنکو اپنے بھاگنے کی خبر بھی نکرسکا۔ اور جنکو اُسکا ایک مستعد خواجہ سرا یہاں سے لیجاکر دوسرے دن بمشکل شامل ہوسکا۔ اور سوائے فیروزخاں میواتی کے اور کسی رفیق نے اُسکا ساتھ نہ دیا یہاں تک کہ جو راجپوت اُسکے مال و دولت کے لدے ہوئے اونٹوں اور خچروں کے محافظ تھے اور جن پر اُسکو وفاداری کا بہت بڑا بھروسہ تھا وہی اُنکو ہانک کر اپنے اپنے گھروں کو لیگئے۔ اس طرح پر لڑائی سے تیسرے دن باوجود اورنگ زیب کے اُمرا کی کم ہمتی کے جسکو عالمگیرنامہ والے نے

دارا شکوہ کے اس پر عیب سفر میں مصنف کا تین دن تک اُسکے ہمراہ رہنا۔

اسوقت مَیں بھی تین دن سے دارا شکوہ کی ہمراہی میں تھا۔ اور یہہ ایک نہایت ہی عجیب و غریب اتفاق تھا کہ مَیں اُسے راستہ میں مِل گیا اور کسی طبیب کے ہمراہ نہونیکی وجہ سے اُسنے جبراً مجھے اپنے ساتھ لے لیا۔ احمد آباد کے حاکم کے کاغذ کے پہنچنے سے ایکدن پہلے کا ذکر ہے کہ دارا شکوہ نے مجھسے فرمایا کہ مُبادا تمہیں کوئی مار ڈالیں اور اسلیئے باصرار مجھکو اُس کاروانسرا میں لیگیا جہاں خود ٹھہرا ہوا تھا اور اب اُسکا یہہ حال تھا کہ خیمہ تک اُسکے پاس نتھا۔ اور اُسکی بیگم اور اَور عورتیں صرف ایک قنات کی آڑ میں تھیں جسکی رسیاں میری سواری کی بہلی کے پہیوں سے جسمیں مَیں آرام کرتا تھا باندھی ہوئی تھیں۔ جو لوگ اِس امر سے واقف ہیں کہ ہندوستانی اُمرا اپنی مستورات کے پردہ کے معاملہ میں کسقدر مبالغہ کرتے ہیں۔ وہ میرے اِس بیان پر اعتبار نکرینگے۔ مگر مینے یہہ واقعہ بطور ثبوت اُس دردناک حالت کو لکھا ہے جسمیں یہہ شہزادہ اسوقت مبتلا تھا۔

اِسی شب کو پو پھٹنے کے قریب احمد آباد کے حاکم کا جب مذکورہ بالا پیغام آیا تو مستورات کی گریہ وزاری نے ہم سبکو رُلا دیا۔ اسوقت ایک عجیب پریشانی اور مایوسی چھا رہی تھی اور ہر کوئی خوف سے خاموش ایکدوسرے کا مونہہ تکتا تھا

مفصل لکھا ہے اسکو اپنے خیمہ میں بیٹھے بٹھائے ۲۹ جمادی الآخر ۱۰۶۹ھ ایکہزار اُنہتر ہجری کو اورنگ زیب حاصل ہوگئی کہ جس سے وہ اب بے کھٹکے بادشاہ ہوگیا۔ اگرچہ اَور امیر بھی مثل شایستہ خان و ہوشدار خاں وغیرہ اپنی اپنی فوجیں ساتھ لیکر لڑنے کو گئے تھے مگر عالمگیر نامہ میں اس فتح کو صرف راجہ راجروپ تنوپر بہادر خاں اور راجہ جے سنگھ ہی کی کارگزاری سے منسوب کیا ہے۔ س م ع

اور کوئی تدبیر نہ سوجھتی تھی اور کچھ معلوم نتھا کہ دم بھر میں کیا ہو جائیگا۔ داراشکوہ زنانہ میں سے باہر آیا تو مینے دیکھا کہ مُردہ کی سی حالت تھی اور کبھی اِس سے اور کبھی اُس سے کچھ کہتا۔ اور ایک ادنی سپاہی کے پاس بھی کھڑا ہو کر پوچھتا تھا کہ اَب کیا کرنا چاہیئے۔ اور جب اُسنے دیکھا کہ ہر ایک کے چہرہ سے خوف کے آثار نمایاں ہیں تو یقین ہوگیا کہ غالباً ان میں سے ایک بھی میرا ساتھ نہ دیگا اور نہایت حیران تھا کہ اَب کیا ہوگا۔ اور مجھے کدھر جانا چاہیئے۔ اور توقف کی حالت میں تو سراسر بربادی ہی بربادی نظر آتی تھی۔

اِس تین دن کے عرصہ میں جسکہ مَیں اِس شاہزادہ کے ہمراہ تھا رات دن بلا توقف ہمکو کوچ کرنا پڑا اور گرمی اس شدّت کی تھی اور اِسقدر گرد و غبار اُڑتا تھا کہ دم گھُٹا جاتا تھا اور میری پہلی کے تین عمدہ اور قدرآور گجراتی بیلوں میں سے ایک مرچکا تھا اور ایک قریب المرگ تھا اور ایک اسقدر تھک گیا تھا کہ چلنے سے مجبور تھا اور اگرچہ داراشکوہ بہت چاہتا تھا کہ مَیں اُسکے ہمراہ رہوں خصوصاً اِسوجہ سے کہ اُسکی ایک بیگم کی ناک میں ایک بہت بُری طرح کا زخم تھا لیکن وہ ایسی لاچاری کی حالت کو پہنچ گیا تھا کہ دھمکانے اور منت سماجت کرنے پر بھی کسی نے اُسکو میری سواری کے لیئے کوئی گھوڑا یا بیل یا اونٹ نہ دیا۔ اور جب کوئی سواری میسّر نہ آئی تو بناچاری میں پیچھے رہگیا۔ اور چار پانسو سواروں کے ساتھ اُسے جاتے دیکھکر جو گھٹے گھٹے اَب صرف اسیقدر رہگئے تھے مَیں بے اختیار رو پڑا مگر اتنا بھی دو ہاتھی اُسکے ساتھ تھے اور لوگ کہتے تھے کہ اُنپر روپیہ اور اشرفیاں لدی ہوئی

ہیں اور اسوقت میں سمجھتا تھا کہ وہ ٹھٹھہ کی طرف جائیگا اور حالات موجودہ کے لحاظ سے یہہ تجویز شاید بُری بھی نتھی مگر حقیقت یہہ ہے کہ اِدھر بھی مصیبت تھی اور اُدھر بھی اور مجھے ہرگز یہہ اُمید نتھی کہ وہ اُس ریگستان سے جو احمد آباد اور ٹھٹھہ کے بیچ میں ہے سلامت گزر جائیگا۔ چنانچہ واقعی ایسا ہی ہوا کہ اُسکے ہمراہیوں میں سے اگرچہ عورتیں بھی بہت سی مرگئیں مگر مردوں پر تو یہہ مصیبت گزری کہ بھوک پیاس تکان اور بے رحم کولیوں کے ہاتھ سے کوئی ہی زندہ بچا! کاش اِس پر آفت سفر میں اگر داراشکوہ خود بھی مرجاتا تو میں اُسکو بڑا ہی خوش نصیب کہتا۔ لیکن وہ ہر طرح کی مصیبتیں جھیلتا اور مرتا بھرتا آخرکار کچھ کے علاقہ میں جا پہنچا اور وہ اُس سے بڑی مہماں نوازی سے پیش آیا اور کہا کہ اگر آپ اپنی بیٹی کی شادی میرے بیٹے سے کردیں تو میری تمام فوج آپکی مدد کو حاضر ہے۔ لیکن جس طرح بکے سنگھ کا منتر جسونت سنگھ پر اثر کرگیا تھا ویسا ہی اسپر بھی چل گیا اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اُسکے تیور بدلے ہوئے نظر آنے لگے اور داراشکوہ کو بعض معقول وجوہ سے جب یہہ اندیشہ ہوا کہ یہہ وحشی میری جاں ہی لینے کی فکر میں ہے تو فوراً ٹھٹھہ کی طرف چلدیا۔

مصنف کی سرگزشت

اَب اگر میں اپنا کُل ماجرا جو میرے اور اُن بدذات کولیوں کے باہم گزرا اور جس ڈھنگ سے میںنے اُنکو اپنی نسبت مہربان بنایا اور وہ تھوڑا سا روپیہ جو میرے پاس تھا بچایا بیان کروں تو غالباً اس کتاب کے پڑھنے والے دق ہوجائینگے پس مختصر یہہ ہے کہ میںنے اپنی طبابت کی بڑی تعریفیں

کیں اور میرے دو نوکروں نے بھی جو اُسی خوف میں وہ مبتلا تھے جسمیں
مَیں تھا اُنکو یہی جتایا کہ ہمارے آقا کی برابر کوئی حکیم دُنیا میں نہیں ہے
اور دَارَاشِکوہ کے سپاہیوں نے اِسکو ایسا ستایا ہے کہ جو کچھ قیمتی مال و
اسباب اِسکے پاس تھا وہ سب چھین لیگئے ہیں۔ قصّہ مختصر ہماری بڑی ہی
خوش نصیبی تھی کہ ہمارے اِس کہنے سُننے سے اُن کے دل کسیقدر پسیج گئے
اور ہمکو سات آٹھ روز تک رو کے رکھنے کے بعد آخرکار ایک بیل ہماری گاڑی
میں جوت کر ہمکو وہاں تک پہنچا دیا جہاں سے احمدآباد کے بُرج نظر آتے
تھے اور اس شہر میں میری ایک امیر سے مُلاقات ہوگئی جو دھلی کو جاتا تھا اور
میں اُسکی پناہ میں یہانتک چلا آیا۔ اور راستہ میں آدمیوں اور ہاتھیوں اور
گھوڑوں اور اونٹوں اور بیلوں کی لاشیں ہمکو جا بجا پڑی ہوئی نظر آئیں
جو دَارَاشِکوہ کی تباہ شدہ فوج کی مصیبتوں کا قصّہ گویا زبان حال سے سُنا رہی تھیں

راجہ سِرِی نگر کا سُلیمان شکوہ کو حوالہ کرنا اور اورنگ زیب کی فوج کی اُسپر چڑھائی اور ناکامیابی۔

جس زمانہ میں دَارَاشِکوہ ٹھٹھہ کے پرمصیبت سفر میں مصروف تھا بنگالہ میں لڑائی بدستور جاری تھی اور سُلطان شجاع اپنے دشمنوں کی اُمید سے بہت بڑھکر ہمّت اور کوشش دکھا رہا تھا لیکن اورنگ زیب کو اُدھر کے مُعاملات کا چنداں اندیشہ نتھا۔ کیونکہ مِیر جُملہ کی دانشمندی اور خوش تدبیری اُسکو بخوبی معلوم تھی اور بنگالہ اور آگرہ کے بُعد مسافت کی وجہ سے بھی یہہ معاملہ سردست زیادہ اہم نتھا البتہ جس بات کا اُسے نہایت کھٹکا تھا وہ یہہ تھی کہ سُلیمان شِکوہ نزدیک

تھا اور یہہ اندیشہ عموماً پھیلا ہوا تھا کہ سری نگر سے جہاں سے آگرہ آٹھ روز سے بھی کم کا راستہ ہے وہ اور راجہ فوج سمیت اُترنے والے ہیں اور اورنگ زیب ایسا غافل نتھا کہ ایسے دشمن کو حقیر سمجھتا پس اب اُسکو زیادہ تر اسی بات کی فکر تھی کہ کس طرح سے اُسکو اپنے قابو میں لائے - پس سب سے بہتر تدبیر اُسنے یہہ خیال کی کہ راجہ جے سنگھ ہی کی معرفت اس راجہ سے بھی کچھ بندوبست کیا جائے چنانچہ جے سنگھ نے اُسکو اس مضمون کے خط پر خط لکھے کہ اگر آپ سلیمان شکوہ کو پکڑ کر بھیجدیں تو بڑے بڑے انعام ملینگے ورنہ آپ کے حق میں بہت ہی بُرا ہوگا - مگر اُسنے اِنکا یہی جواب دیا کہ خواہ میرا تمام ملک چھن جائے مگر میں کبھی ایسی بیعزتی اور نامردی کی حرکت کا مرتکب نہ ہونگا - پس جب اورنگ زیب نے دیکھ لیا کہ خواہ دھمکایا جائے یا لالچ دیا جائے یہہ کسی طرح بھی اپنے اس شریفانہ طریق سے پھرنے والا نہیں تو اپنی فوج کو دامنِ کوہ کی طرف روانہ کیا اور بیشمار بیلدار پہاڑوں کو کاٹ کر راستہ ہموار اور فراخ کرنیکے لیئے مامور کیئے لیکن راجہ مخالفوں کی اِن بیہودہ کوششوں کو جو اُسکے مُلک میں داخل ہونیکے لیئے کی جارہی تھیں عبث اور بچّوں کا کھیل سمجھ کر ہنستا تھا اور فی الواقع اُسکا ہنسنا بجا تھا - کیونکہ اگر اورنگ زیب جیسے چار بادشاہ جمع ہوکر اُس کوہستان پر چڑھائی کرتے تو اُن کُدھب پہاڑوں میں رسائی ناممکن تھی - چنانچہ آخر کار ایسا ہی ہوا کہ لاحاصل غصّہ دکھانے کے بعد فوج واپس بُلالی گئی -

دارا شکوہ کا ٹھٹھ کے قریب پہنچ جانا اور اورنگ زیب کی سپاہ کے مقابلہ میں وہاں کے قلعہ دار کی ثابت قدمی

اس عرصہ میں دارا شکوہ ٹھٹھ کے نزدیک جا پہنچا تھا اور صرف دو ہی تین منزلیں باقی رہ گئی تھیں اور مجھکو اُن فرانسیسیوں اور کئی اور اہل فرنگ کی زبانی جو اس قلعہ کی فوج میں تھے معلوم ہوا کہ یہاں پہنچکر دارا شکوہ کو یہہ خبر ملی کہ میر بابا نے جو مدت سے قلعہ کو گھیرے ہوئے تھا محصوروں کو یہانتک تنگ کر دیا ہے کہ آدھ سیر گوشت یا چاول وغیرہ ڈھائی روپیہ سے زیادہ کو ہاتھ آتے ہیں اور باقی اجناس کی بھی سخت گرانی ہے۔ لیکن بہادر قلعہ دار ابتک اپنے انہیں اوسانوں کے ساتھ ہے۔ بلکہ اکثر اوقات قلعہ سے باہر نکلکر دشمنوں پر اچھے خاصے حملے کرتا اور ہر طرح سے دانائی اور شجاعت اور تحمل دکھاتا اور ہمت کے ساتھ میر بابا کے سخت حملوں کو رد کرتا اور اورنگ زیب کی دھمکیوں اور وعدوں پر ہستا۔ چنانچہ اُس کے اس قابل تعریف کام کی اُن بہت سے اہل فرنگ نے بھی جو اُسکی فوج میں تھے تصدیق کی۔ اور مجھ سے یہہ بھی کہا کہ جب اُسکو دارا شکوہ کے قریب پہنچ جانے کی خبر ملی تو زیادہ داد و دہش کرنے لگا اور اس طرح پر سپاہیوں کا دل ایسا ہاتھ میں کر لیا کہ تمام اہل قلعہ محاصرین کو ہٹاکر دارا شکوہ کے قلعہ میں لے آنے کے واسطے بخوشی اپنی جانیں لڑا دینے کو تیار تھے۔

اسکے علاوہ اس ذی ہوش سردار نے کئی طرح کی عمدہ تدبیروں سے بہت ہوشیار جاسوسوں کو میر بابا کے لشکر میں بھیجکر محاصرین کو یہہ یقین کرا دیا کہ دارا شکوہ ایک جرار فوج ساتھ لیئے ہوئے محاصرہ اُٹھا دینے کے ارادہ

سے جلد پہنچنے والا ہے اور اسمیں یہانتک مبالغہ کیا کہ ہم دارا شکوہ اور اُسکی فوج کو بچشم خود دیکھکر آئے ہیں۔ چنانچہ یہہ منصوبہ ایسی خوبی سے چلگیا کہ اُن کے چھکے چھوٹ گئے اور کچھ شک نہیں کہ اگر دارا شکوہ اسوقت آپہنچتا تو میر بابا کا لشکر ضرور تتر بتر ہوجاتا۔ بلکہ اُن میں سے بعض لوگ اُس سے آن ملتے۔ لیکن اُسکی قسمت میں ایسا ہی لکھا تھا کہ کسی مہم میں بھی سرسبز نہو۔ پس یہہ سمجھکر کہ ان چند آدمیوں کے ساتھ محاصرہ کا اُٹھا دینا ناممکن ہے پہلے تو اُسکا یہہ ارادہ ہوا کہ دریائے سندھ سے اُتر کر ایران کو چلا جائے اگرچہ اس تجویز کا عمل میں آنا بھی بہت ہی مشکل تھا۔ کیونکہ پٹھانوں اور بہت سے ایسے چھوٹے چھوٹے سرداروں کے مُلک میں سے جانا پڑتا جو ایران ہی کے مطیع ہیں اور نہ ہندوستان ہی کے اور بیچ میں ایسا بیابان حائل تھا کہ جسمیں پانی میسّر آنا بھی مشکل تھا۔ لیکن ان اُمور سے قطع نظر اُسکی بیگم نے ایک ضعیف اور واہیات سی بات کہکر اُسکا یہہ ارادہ ترک کرادیا یعنی یہہ کہدیا کہ اگر آپ ایران کا قصد کرینگے تو خوب سمجھ لیجئے کہ مجھکو اور میری بیٹی دونوں کو شاہ ایران کی لونڈیاں بننا پڑیگا! اور یہہ ایک ایسی بیعزتی ہے کہ ہمارے خاندان میں سے کسی کو بھی گوارا نہوگی۔ اور اس بات کو بیگم اور دارا شکوہ دونوں بھول گئے کہ ہمایوں جب ایسی ہی مصیبتوں میں مبتلا ہوکر ایران گیا تھا اور اُسکی بیگم بھی ساتھ تھی تو کوئی نازیبا سلوک اُس سے نہوا تھا۔ بلکہ بہت ہی تعظیم و تکریم اور خاطر و مدارات ہوئی تھی القصہ دارا شکوہ کو اس شش و پنج اور تذبذب کی حالت میں یہہ خیال آیا کہ

جیون خاں پٹھان کے پاس جانا بہتر ہے جو کسیقدر ذی شہرت اور باوقعت سردار ہے۔ اور اُسکا علاقہ چندان دور بھی نہ تھا۔ اور اس کا سبب یہہ تھا کہ اُسکی بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے شاہجہان نے دو مرتبہ اسکو ہاتھی کے پانوں سے کچلوا ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ اور دونوں ہی دفعہ صرف داراشکوہ کی سفارش سے جان بچی تھی اور اسکے پاس جانے سے مقصود یہہ تھا کہ کچھ فوج کی مدد لیکر میر بابا کو قلعہ ٹھٹھہ سے ہٹائے اور وہ خزانہ جو وہاں کے قلعہ دار کی تحویل میں تھا اُسکو لیکر قندھار چلا جائے اور وہاں سے بآسانی کابل پہنچ جائے اور اُسکو یقین تھا کہ میرے وہاں پہنچ جانے پر مہابت خاں صوبہ دار کابل (جو ایک بڑا مقتدر امیر تھا اور کابل والے اُس سے بہت مانوس تھے) بلا تامل اور بڑی سرگرمی سے میری رفاقت اختیار کریگا۔ اور چونکہ کابل کی صوبہ داری اُسکو اسی کی وساطت سے ملی تھی۔ اسلیئے یہہ توقع کچھ بیوجہ بھی نتھی کہ وہ خلوص اور صداقت سے پیش آئیگا۔ اور اُسکے کام میں دل سے کوشش کریگا۔ لیکن داراشکوہ کی مستوراتیں اُسکے اس عزم سے بہت ہی مضطرب اور فکرمند ہوئیں اور اُنہوں نے بہزار منت وزاری اُسکو سمجھایا کہ ملک جیون کے ہاں جانا مصلحت نہیں ہے۔ بلکہ بیگم اور اُسکی بیٹی اور بیٹے سپہر شکوہ نے پانوں پر گرکر اور رو رو کر اس ارادہ سے باز آنیکے لیئے التجا کی۔ اور کہا کہ یہہ پٹھان ایک مشہور سرکش اور لٹیرا ہے ایسے شخص پر بھروسہ کرنا اپنی موت آپ خریدنا ہے اور یہہ بھی سمجھایا کہ ٹھٹھہ کا محاصرہ اُٹھانا کچھ ایسا ضروریات سے نہیں ہے اِس مہم کی جوکھوں میں پڑے بغیر بھی آپ کابل کی راہ لے سکتے ہیں کیونکہ یقین ہے

کہ میر بابا ٹھٹھ کا محاصرہ چھوڑ کر آپکا راستہ روکنے نہ آئیگا۔ مگر چونکہ داراشکوہ کی اُلٹی سمجھ ہمیشہ ہی سیدھی راہ سے اُسکو بھٹکا دیتی تھی یہہ معقول باتیں بالکل اُسکی سمجھ میں نہ آئیں اور بولا کہ کابُل کا سفر نہایت خطرناک اور مشکل ہے (جو فی الواقع سچ تھا) اور کہا کہ جس شخص کی جان مینے اسطرح سے بچائی ہو کیا یہہ ممکن ہے کہ وہ ایسی خیانت کرے؟ پس باوجود اُنکی اِسقدر التجا اور منت وزاری کے اُسکے ہاں چلا ہی گیا! اور افسوس کہ اس بات کو بہت جلد ثابت کر دکھایا کہ بدذات آدمی اپنی غرض کے لیئے کسی بدنامی کی مطلق پروا نکرکے اپنے محسنوں اور خیرخواہوں کی جان لینے کو کیسے بلا دریغ تیار ہوجاتے ہیں! چنانچہ یہہ پٹھان جبتک یہہ سمجھتا رہا کہ داراشکوہ کے ساتھ ایک بڑا لشکر آتا ہوگا اُسوقت تک تو بظاہر تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ اور شاہزادہ کے ہمراہی سپاہیوں کو لوگوں کے مکانوں میں اُتروا دیا۔ اور بہت تاکید کی کہ جو کچھ اِن کو درکار ہو حاضر کریں۔ اور برادرانہ اور دوستانہ سلوک سے پیش آئیں لیکن جب یہہ معلوم ہوگیا کہ دو تین سو آدمی سے زیادہ ساتھ نہیں ہیں تو فوراً آنکھیں بدل لیں۔ اور یہہ امر تحقیق نہیں ہوا کہ اُسنے یہہ حرکت اورنگزیب کی ترغیب سے کی یا خود ہی اس سخت خیانت کا مرتکب ہوا۔ مگر ظن غالب یہہ ہے کہ اشرفیوں سے لدی ہوئی چند خچریں جو قزاقوں کی روزمرہ کی لوٹ مار

لہ داراشکوہ کو جب دادر میں ملک جیون کے پاس جانیکا اتفاق ہوا تو اسکا بڑا سبب ایک یہہ بھی تھا کہ جب داراشکوہ اُس نواح میں پہنچا تو ملک جیون کی اکثر عرضیاں اسکے پاس باظہار تابعداری و دعوق جان بخشی آئی تھیں۔ س م ع

سے ابتک بچی ہوئی تھیں اُنکو دیکھکر اُسے لالچ آگیا۔ بہرحال اُسنے یہہ بدذاتی کی کہ رات کے وقت بہت سے ہتھیار بند آدمی جمع کرکے اوّل سب روپیہ پیسہ مستورات کے زیور اور جواہرات سمیت چھین کر قابو کرلیا۔ اور پھر دارا شکوہ اور سپہر شکوہ پر آحملہ کیا۔ اور جن لوگوں نے اُنکو بچانا چاہا اُنہیں قتل کرڈالا۔ اور داراشکوہ کو باندھ کر ہاتھی پر چڑھا دیا۔ اور ایک جلاد اس غرض سے پیچھے بٹھادیا کہ اگر وہ یا اُسکا کوئی طرفدار ذرا بھی ہاتھ پانوں ہلائے۔ تو فوراً شہزادہ کا سر اُڑادے۔ اور ایسی بیعزتی کے ساتھ میر بابا کے لشکر میں جو ٹھٹھ کو گھیرے ہوئے تھا لاکر اُسکے سپرد کردیا اور میر بابا[1] نے حکم دیا کہ اُسکو لاہور ہوتا ہوا دہلی لیجائے۔

داراشکوہ کا گرفتار ہو کر دہلی میں پہنچنا۔ اور بڑی بیعزتی کے ساتھ تشہیر کیا جانا۔

الغرض جب بدنصیب داراشکوہ دہلی کے قریب پہنچا تو اورنگ زیب نے اپنے اہل دربار سے اس امر میں مشورہ کیا کہ قلعہ گوالیار میں بھیجنے سے پہلے اُسے تشہیر کرنا چاہیئے یا نہیں؟ بعض کی تو رائے یہہ تھی کہ ایسی حرکت مناسب نہیں۔ کیونکہ اوّل تو ایسا امر خاندان شاہی کی عزت کے برخلاف ہے۔ دوسرے اسمیں شورش اور فساد کے ہوجانیکا احتمال ہے۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ لوگ اُسے چھوڑالیں۔ لیکن اکثر کی یہہ رائے ہوئی کہ نہیں ضرور تشہیر کرنا چاہیئے تاکہ لوگوں کو خوف اور عبرت ہو اور اُن کے دلپر

[1] اس سے پہلے حاشیہ میں لکھا جاچکا ہے کہ شیخ میر جسکو مصنف جابجا میر بابا لکھتا ہے داراشکوہ کے مقابلہ میں بمقام اجمیر اس سے پہلے ہی مارا جاچکا تھا۔ س م ح

بادشاہ کی شوکت اور دبدبہ کا نقش ہو جائے۔ اور بعض اُمرا اور اَور لوگوں کو جو اُسکے گرفتار ہو جانیکے باب میں ابتک شبہ ہے وہ رفع ہو جائے اور اُس کے مخفی جانب داروں کی امیدیں بالکل قطع ہو جائیں۔ چنانچہ اَورنگ زیب نے بھی اسی رائے کو مناسب جانا اور تشہیر کا حکم دیا پس یہہ بدنصیب قیدی اور اُسکا بیٹا سپہر شکوہ دونوں ایک ہی ہاتھی پر برابر بٹھائے گئے اور جلّاد کی جگہہ بہادر خاں کو پیچھے بٹھایا گیا اور تشہیر کیا گیا[1]

---

[1] عالمگیر نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دارا شکوہ نے گجرات کو جاتے ہوئے ایسی کڑی منزلیں کی تھیں کہ آٹھ دن کے عرصہ میں احمد آباد کے قریب پہنچگیا تھا۔ مگر چونکہ اسکی شکست کی خبر سُن لینے کی وجہ سے سردار خاں نامے ایک منصبدار نے جو اُسکے مقرر کئے ہوئے حاکم سیّد احمد بخاری کو گرفتار کر لیا اور مقابلہ کے لیئے تیار ہو بیٹھا تو اُسکو بنا چار ہی کا نہ چی نامے کوئی سے جو بقول صاحب سیر المتاخرین رہزنوں کا سرغنہ اور احمد آباد کے نزدیک ہی کا رہنے والا تھا ملنے ہونا پڑا۔ اور اسنے بیہہ آویزش کی کہ ساتھ ہو کر کچھہ کے راجہ کے ملک میں پہنچا دیا۔ مگر وہاں کے راجہ نے جو پہلے اسقدر اطاعت سے پیش آیا تھا کہ اپنی لڑکی بھی سپہر شکوہ سے منسوب کر دی تھی ایسی رُکھائی دکھائی کہ ملاقات تک کو نہ آیا اور فیروز خاں میواتی بھی کھسک کر اَورنگ زیب کے پاس چلدیا تو وہ صرف دو روز وہاں ٹھہر کر بھکر کی طرف چلا گیا اور دریائے سندھ سے اُتر کر ایک سرحدی رئیس کے علاقہ میں جسکو عالمگیر نامہ کے نسخہ مطبوعہ کلکتہ میں علی اختلاف النسخ "ولایت چاندخاں یا چاندیاں" لکھا ہے پہنچا جہاں کے لوگوں نے اسکو خوب لوٹا کھسوٹا اور پکڑ لینے کے درپے ہوئے لیکن ابھی اسکے پاس کچھ جمعیت باقی تھی اسلیئے لڑتا بھڑتا ایک اَور سرحدی سردار کے علاقہ میں جسکو "ولایت مکسیاں" کے نام سے لکھا ہے جہاں سے قندھار دس بارہ منزل تھا جا داخل ہوا۔ اور "میرزائے مکسی" وہاں کا رئیس استقبال کر کے اپنے ہاں لیگیا۔ اور بہت خاطرداری کی۔ اور ساتھ ہو کر قندھار پہنچا دینے کا ذمہ دار ہوا۔ مگر دارا شکوہ نے بدمستی سے ملک جیون رئیس دادر کو (جو جیتک آباد سندھ کی چھاؤنی سے

مگر یہہ وہ مترانڈیپ یا پینگو کا ہاتھی نتھا جسپر دارا شکوہ ایک نہایت عمدہ اور زرق برق عماری میں سواری کیا کرتا تھا اور پُر زر جھول اور سونے کا ساز پڑا ہوا ہوتا تھا۔ بلکہ ایک نہایت ہی سڑیل اور میلا کچیلا جانور تھا اور خود اُسکے گلے میں بھی اَب نہ وہ بڑے بڑے موتیوں کی مالا ہی تھی جو ہندوستان کے بادشاہ اور شاہزادے پہنا کرتے ہیں اور نہ وہ مکلّف اور عمدہ پگڑی اور قبائے زربفت ہی۔ بلکہ باپ بیٹا دونوں میلے اور موٹے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اور ایک کشمیری اُونی کپڑے کا بہت چھیرا

پرے مقام سیہون کے نزدیک درہ بولان کے راستہ پر واقع ہے) جانبخشی کے احسانوں کا ممنوں اور خیر خواہ سمجھکر لکھ بھیجا تھا کہ میں چند روز تیرے ہاں ٹھہر کر آرام اونگا اسلیئے اُسنے ایوب نامے اپنے ایک معتمد کو اسکے لینے کو سرحد پر بھیجدیا۔ اور ایک کوس تک خود استقبال کرکے اپنے ہاں لیگیا۔ چنانچہ یہہ اپنی بیگم کی نعش ساتھ لیئے ہوئے جو بسل کی بیماری سے مرگئی تھی۔ اُسکے گھر پہنچا اور چونکہ اُسنے وصیت کی تھی کہ مجھکو میاں میر بدخشی کے مزار واقع لاہور میں جنکو دارا شکوہ اپنا پیر سمجھتا تھا دفن کرنا۔ ملک جیون کی وفاداری کے بھروسہ پر اپنے بہادر اور وفادار نوجوان سردار گل محمد اور معقول ہاے خواجہ سرا اور اُن نثار جاں نثار سواروں کو جو تمام فوج میں سے اَب صرف وہی باقی رہگئے تھے بیگم کی نعش کے ساتھ لاہور کو بھیجدیا۔ اور آپ صرف چند خدمتگاروں اور خواجہ سراؤں کو پاس رکھکر قندھار جانیکے ارادہ سے وہاں ٹھہر گیا۔ مگر ملک جیون نے یہہ حاجی بن کیا کہ انتیسویں رمضان ۱۰۶۹ھ اکیذار انہتر ہجری کو قندھار جانے کو راہ میں آنکر گرفتار کرلیا اور باقر خاں نوجدار بھکّر اور بہادر خاں اور راجہ جے سنگھ کو جو اُسکے تعاقب میں بھکّر کے قریب پہنچگئے تھے لکھ بھیجا اور بہادر خاں نے باوجود ملک سندھ کی گرمی اور باد سموم کے بسبیل ایلغار دادر پہنچکر جا سنبھالا۔ اور اپنے اور جے سنگھ کے لشکر میں جو اسوقت بھکّر کے قریب پہنچگیا تھا لے آیا۔ س م ر

عمامہ جو ادنیٰ درجہ کے لوگوں کے پہننے میں آتا ہے سر پر تھا۔ غرضکہ اس حال سے تمام شہر اور بازاروں میں پھرایا گیا۔ اور بار بار مجھکو یہہ وہم ہوتا تھا کہ غالباً اب یہاں کچھ کشت وخون ہو جائیگا۔ اور سخت متعجب تھا کہ ایسے شاہزادے کے لیئے جسکو عوام الناس نہایت عزیز جانتے ہیں ایسی ہتک آمیز تجویز کرنے کی جرأت اہل دربار کو کیونکر ہوئی۔ اور حفاظت کے لیئے کچھ مسلح فوج ساتھ نہ دیکھکر اور بھی تعجب ہوتا تھا۔ خصوصاً اس حالت میں کہ اورنگ زیب کی ناشایستہ اور خلاف انسانیت حرکتوں سے سب لوگ کچھ عرصہ سے بالکل ناراض تھے۔ یعنی اوّل باپ اور بیٹے (محمد سلطان) اور پھر بھائی (مراد بخش) کو قید کر لینے کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں نہایت نفرت اور بیزاری پیدا ہوگئی تھی۔

اس نالایق تماشے کے دیکھنے کو ایک بھیڑ جمع ہوگئی تھی اور لوگ جا بجا رو رہے اور دارا شکوہ کی بدقسمتی پر ترس کھا رہے تھے چنانچہ میں بھی شہر کے سب سے بڑے بازار میں ایک اچھے موقع پر مع اپنے دو رفیقوں اور دو خدمتگاروں کے عمدہ گھوڑے پر چڑھا کھڑا تھا۔ اور ہر طرف سے رونے اور چلّانے کی آواز آرہی تھی۔ اور عورتیں اور مرد اور بچے اسطرح چلّا چلّا کر رو رہے تھے کہ گویا اُنپر کوئی بڑی ہی مصیبت پڑی ہے۔ اور جیون خاں گھوڑے پر سوار بدنصیب دارا شکوہ کے برابر جاتا تھا اور چاروں طرف سے اُسپر گالیوں اور لعن طعن کی بوچھاریں پڑ رہی تھیں بلکہ کئی ایک فقیروں اور اور غریب آدمیوں نے تو اس پر بھی

پٹھان پر پتھر بھی پھینکے - لیکن پیارے اور عزیز شاہزادہ کے چھڑا لینے کی کسیکو جرأت نہ پڑی -

داراشکوہ کا قتل اور سپہر شکوہ کا قلعہ گوالیار میں قید کیا جانا -

جب یہہ نازیبا سواری شہر میں گشت کر چکی تو بیچارہ قیدی اُسی کے ایک باغ میں جسکا نام حیدرآباد[۱] ہے قید کیا گیا - مگر اُسکی شہر کی ناشائستہ حرکت کا جو اثر عام خلایق کے دلپر ہوا اور لوگ جیون خاں پر جسقدر غضبناک ہوئے - اور اُسکو پتھر مار مار کر مار ڈالنا چاہا - اور شورش اور بلوائے عام ہو جانیکا اندیشہ ہوا وہ اورنگ زیب نے جلد سُن لیا - اور اسلیئے پھر ایک مجلس منعقد ہوئی - اور اس امر میں مشورہ ہوا کہ پہلی تجویز کے موافق گوالیار بھیجدینا چاہیئے یا فوراً قتل کر ڈالنا بہتر ہے - پس بعض کی رائے تو یہہ تھی کہ قتل کی کوئی ایسی قوی ضرورت نہیں - اور گوالیار بھیجدینے میں بشرطیکہ حفاظت کے لیئے کافی جمعیت ساتھ ہو کوئی اندیشہ نہیں - چنانچہ دانشمند خاں نے باوجود اُس نااتفاقی کے جو داراشکوہ کے ساتھ چلی آتی تھی بڑے اصرار اور بہت سے دلایل کے ساتھ اُسکے گوالیار

---

[۱] صحیح نام خضرآباد ہے - یہہ جگہہ دھلی اور آگرہ کے معمولی شاہراہ پر واقع تھی کما فی آثار الصنادید مصنفہ سیّد احمد خاں بہادر سی ایس آئی اور آر جیولاجی آف دھلی مصنفہ مسٹر کارسٹیفن صاحب بہادر جو اسکے بعد لکھی گئی ہے اصلیت اسکی یہہ معلوم ہوتی ہے کہ خضر خاں سیّد بادشاہ دھلی نے جو ۸۱۴ھ سے ۸۱۷ھ تک بادشاہ رہا تھا اُس جگہہ سے جہاں ہمایوں کا مقبرہ ہے قریب دو میل جنوب مشرق کیطرف جمنا کے کنارے اس نام کا ایک شہر آباد کرنا چاہا تھا - مگر اب اسکا کوئی نشان بجز ایک ٹوٹی ہوئی مقبرہ کے جو عوام میں خضر کی گنبد کے نام سے مشہور ہے باقی نہیں ہے - س م ح

بھیجدینے ہی پر زور دیا مگر آخر کار کثرتِ رائے اِسی پر آ کر ٹھہری کہ اِسکو قتل کیا جائے اور سپہر شکوہ کو گوالیار بھیجدیا جائے - اِس موقع پر روشن آرا بیگم نے بھی وہ دلی عداوت جو اُسکو اپنے اس بے بس بھائی سے تھی نہایت شدّت سے ظاہر کی - چنانچہ دانشمند خاں کی رائے کو برابر رد کرتی اور اورنگ زیب کو اس بیرحمانہ اور خلاف انسانیت قتل کے وقوع میں آنیکے لیئے بہت ہی اُبھارتی رہی اور خلیل اللہ خاں اور شائستہ خاں جو دونوں دارا شکوہ کے قدیمی دشمن تھے یہہ بھی اُسی کی رائے کی تائید کرتے تھے اور تقرب خاں جسکا نام حکیم داؤد تھا اور کسی الزام کی وجہ سے ایران سے بھاگ کر یہاں آگیا تھا - اور جو ابتدا میں صرف ایک طبیب تھا اور اُمرا کے دسترخوانوں پر خوشامدی ٹکڑے کھایا کرتا تھا اور تھوڑے ہی دنوں سے امارت کے درجہ کو پہنچا تھا بڑے زور سے اِنکا ہم داستان تھا - چنانچہ اسنے اس مجلس میں سب سے بڑھکر سخت زبانی کی اور بڑے دعوے کے ساتھ یہہ الفاظ مونہہ سے نکالے کہ دارا شکوہ کو زندہ چھوڑنا ہرگز مناسب نہیں اور سلطنت کی سلامتی اور حفاظت اسی میں ہے کہ فوراً گردن مارا جائے اور مجھے تو اُسکے قتل کی صلاح دینے میں ذرا بھی تامل نہیں کیونکہ وہ علانیہ بیدین اور کافر اور مرتد ہے - اور اگر ایسے شخص کے قتل سے کچھ گناہ عائد ہو تو میری گردن پر" چنانچہ انتقام الہی ملاحظہ کیجیئے کہ جیسا اسکے مونہہ سے نکلا تھا فی الواقع ویسا ہی ہوا یعنی یہہ خونِ ناحق اسی کے سر پڑا اور جلد بعزت اور ذلیل ہو کر آخر کار بڑے عذاب سے مارا گیا[1]

[1] کتاب عمل صالح میں لکھا ہی کہ حکیم داؤد ابن حکیم عنایت اللہ شاہ عباس صفوی بادشاہ ایران

القصّہ اس ناشائستہ اور نہایت بیرحمانہ قتل کے لیئے نذیر[۵۴] نامی ایک غلام جو شاہجہاں کا پروردہ اور کسی بدسلوکی کے باعث دارا شکوہ سے رنجیدہ تھا مقرّر ہوا۔ چنانچہ زہر دینے کے اندیشہ سے وہ اور سپہر شکوہ اپنے ہاتھ سے بیٹھے دال پکا رہے تھے کہ یکایک یہہ چار اور بدذاتوں کو ساتھ لیئے ہوئے پہنچا جنہیں دیکھکر دارا شکوہ نے سپہر شکوہ کو پکار کر کہا کہ لو بیٹا! "تمہارے قاتل آ پہنچے" اور یہہ کہکر اگرچہ اُسنے باورچیخانہ کی ایک چھوٹی سی چھری اُٹھالی کیونکہ کوئی اور ہتھیار پاس نتھا۔ مگر ان جلّادوں میں سے ایک نے تو سپہر شکوہ کو قابو کرلیا اور باقی اسکو لپٹ گئے اور زمین پر گراکر نذیر نے تو پکڑے رکھا اور نذیر نے سر کاٹ لیا! اور فوراً اورنگ زیب کے پاس لیگیا! اور اُسنے ایک طشت میں رکھوا کر چہرہ کا خون دھلوایا! اور جب دیکھ لیا کہ حقیقت میں اُسی کا سر ہے تو آنکھوں سے آنسو نکال کر بولا "اے بدبخت" اور پھر کہا کہ اچھا اس دردانگیز صورت

کا طبیب خاص اور اسکا مقرب تھا۔ مگر جب شاہ کا انتقال ہوگیا تو کچھ دنوں خانہ نشین رہکر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو چلا گیا اور پھر وہاں سے لاہور بندر واقعہ ملک سندھ کی راہ سے شاہجہاں کے سنہ جلوس ۳۰ سال مطابق ۱۰۵۶ھ ایکہزار پچاس ہجری میں یہاں چلا آیا۔ فن طبابت میں کامل ہونے کی وجہ سے رفتہ رفتہ یہانتک قرب حاصل کیا کہ پنجہزاری کا منصب اور تقرب خاں کا خطاب پایا۔ مگر اسکے بعد عزت اور ذلیل ہو کر قتل ہونیکا حال جیسا کہ مصنف نے متن میں لکھا ہے اوصاف تلاش کرکو کسی کتاب میں نہیں ملا۔ ۱۲

[۵۴] فارسی کتابوں میں نذیر بیگ چیلہ لکھا ہے۔ اور واضح ہو کہ شہنشاہ اکبر نے اپنے عہد میں کئی ہزار غلاموں کو جنکو "بندہ ہائے بادشاہی" کہا جاتا تھا آزاد کرکے چیلہ کا لقب دیدیا تھا۔ اور اُسکا قول تھا کہ خدا کے بندوں کو اپنا بندہ کہنا مناسب و شایان نہیں ہے۔ اور غالبا لفظ چیلہ اسلیئے اختیار کیا گیا ہوگا کہ اُس زمانہ میں ان بادشاہوں کو تحریر و تقریر میں اکثر پیر و مرشد کہا جاتا تھا۔ س ہ ح

کو میرے سامنے سے جلد لیجا کر ہمایوں کے مقبرہ میں دفن کردو۔ اَب دارا شکوہ کے کُنبہ کا حال سُنیئے کہ اُسکی بیٹی تو اُسی رات کو محل میں بھیج دیگئی جو کچھ دنوں بعد شاہجہاں اور بیگم صاحب کی التجا سے اُن کے سُپرد کردی۔ اور اُسکی بیگم نے پہلے ہی یہہ سوچکر کہ ہمپر کیسی آفتیں پڑنے والی ہیں راستہ ہی میں بمقام لاہور اپنی زندگی کا خاتمہ زہر سے کردیا تھا۔ رہا سپہر شکوہ سو اُسے گوالیار کے قلعہ میں بھیجدیا گیا *

---

* دارا شکوہ کی بیگم کا داؤد کے قریب پہنچکر بیل کی بیماری سے مرنا پہلے لکھا گیا ہے زہر کھاکر مرنا صحیح نہیں ہے۔ اور اَب دارا شکوہ کی تشہیر اور قتل کا حال جسطرح عالمگیر نامہ اور سیر المتاخرین میں لکھا ہے اُسکا اس جگہ تحریر کیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ عالمگیر نامہ کا بیان اِس واقعہ کے جُزئیات اور اورنگ زیب کے دلی خیالات کی نسبت کسیقدر رُکا رُکا ہے اسلیے سیر المتاخرین کی عبارت جو واضح تر ہے اور جسکا بڑا ماخذ تاریخ خافی خاں اور تاریخ مرآۃ العالم ہے جو اورنگ زیب کا ایک بڑے معتمد خواجہ سرا بختاور خاں کی تصنیف ہے یہاں بعینہٖ نقل کیجانی زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔ **دھو ھذا**

" ہمدریں ایام بہادر خاں کہ دارا شکوہ را با سپہر شکوہ از بختیار خاں (ملک جیون) گرفتہ مقید بسلاسل باین نامزد احسب الامر آقا می آورد بظاہر دار الخلافہ رسید نذیر بیگ چیلہ از فرط خوشی معین شد کہ پیش رفتہ دارا شکوہ را بصورتیکہ عالمگیر بخواہد دیدہ بیاید۔ شانزدہم ذی الحجہ چیلہ مذکور برگشتہ دولت زمیں بوس دریافت وحقیقت حال آن بیچارہ بازنمودہ باز مرخص شد و سہ شنبہ ہفدہم ذی الحجہ حکم فرمود کہ دارا شکوہ را مسلسل با پسرش در حوضہ سرکشادہ برہ ادہ فیل نشانیدہ بیارند و نذیر بیگ چیلہ و عقب فیل نشستہ باشد و بہادر خاں با فواج ہمراہ گشتہ داخل شہر سازند و از میان شہر و بازار بردہلی کہنہ بخضر آباد رسانند و در جای مخصوص در عمارات خواص پورہ آن کہ برای بودنش قرار یافتہ نگاہدارند و بموجب حکم عمل آمد۔ روز دوم کہ بختیار خاں داخل شہر شد بعضے

از نوکران شاهجهان آن تبه کار را دیده از خود رفتند و بازاریان شهر نیز از عمل او نفرت نموده بشوریدند و بی اختیار بسر او و افاغنه همراهش ریخته بزیر چوب و سنگ گرفتند تا آنکه چند کس ازان سیاه روبان از پای در آمدند و برخی مجروح و خسته و سر و گردن شکسته گشتند و نزدیک بود که فتنهٔ عظیمی بلند شود - کوتوال شهر با جمعیت خود رسیده آشوب را فرو نشانید و بختیار را با همراهیانش تقلعه رسانید - پادشاه حق پرست! معدلت کیش! از علمای مذهب خویش فتوی طلبید - علمای سوء حکم نمودند که خون چنین ملحد که (در رسائل نوشتهٔ خود کفر و اسلام را برادر توام خوانده و گفته است "کفر و اسلام در رهش پویان ❊ وحده لاشریک له گویان") و کسانیکه خوبی او بر خلاف رضای خلیفه خواهند درست است - بادشاه دین پرور! حق شناس! استحکام اساس سلطنت خود در قتل آن بیچارهٔ سراسر یاس دیده حکم بقتل او و دو مددگارانش که بر سر بختیار خان ریخته بودند داد و داراشکوه آخر روز چارشنبه بست و یکم ذی الحجه مطابق شنزدهم شهریور (آسوج) مقتول گشت و لاش او را بعد شهیر در مقبرهٔ همایون دفن کردند و سپهر شکوه را برده در قلعه گوالیار محبوس داشتند و بعضی از احدیان پادشاهی که بادی فتنه و شورش بر بختیار خان شده بودند در پیشگاه عدالت رسیده حسب الامر علمای دیندار! از قید دنیای ناپایدار رهائی یافتند" اورنگ زیب نامه بدین سیه عبارت زیاده لکهی کرده "آخر روز چهارشنبه بست و یکم ماه مذکور مطابق شنزدهم شهریور که همان روز قضیهٔ اوباشان شهر رو داده بود فرمان قهرمان جلال صادر شد که آن وخیم العاقبت (داراشکوه) را در خضر آباد از قید هستی برآرند و باشهام سیف خان و نذیر بیگ چیله و چندی دیگر از سپاهیان معتمد اوایل شب پنجشنبه سنه ۱۰۶۹ یکهزار و شصت و نهٔ هجری چراغ زندگانی او خاموش شده به نهان خانهٔ عدم شتافت و باشارهٔ علی بیگ فتنه سرشت پرشور و شرش ابمقبرهٔ حضرت جنت آشیانی همایون پادشاه نقل کرده در خانهٔ زیر گنبد مرقد آنحضرت است دشاهزاده دانیال و شاهزاده مراد پسران حضرت عرش آشیانی جلال الدین محمد اکبر آنجا مدفون اند دفن نمودند - و رونق دیگر فرمان جهان مطاع نفاذ پیوست که سیف خان سپهر شکوه را بقلعهٔ گوالیار رسانیده بحارسان آن حصن عالی اساس سپارد و بمستقر الخلافهٔ اکبر آباد معاودت

نمودہ بہ صوبہ داری آنجا از تغیر مخلص خاں کہ بہ بنگالہ تعین یافتہ بود قیام نماید بست و سوم راجہ جے سنگھ کہ از بہادر خاں در عقب ماندہ بود (جو معلوم ہوتا ہے کہ ایسے بدنامی کے موقع سے دانستہ بچ جاتا تھا) جبہہ سائے عتبۂ سپہر آسا گشت و ملک جیون کہ قبل ازیں بمنصب ہزاری و دو صد سوار و خطاب بختیار خانی کامیاب عنایت شدہ بود باضافہ صد سوار و مرحمت خلعت و خنجر مرصع و اسپ عربی بازین و ساز مطلا و یک زنجیر فیل با ساز مینا کار مشمول مراحم گوناگوں گردید و چوں حکم جلیل القدر از پیشگاہ معدلت بہ تحقیق منشائے قضیۂ شورانگیزی او باشان شہر کہ نسبت بافغانان اورد ئے نمود صادر شدہ بود بعد از تحقیق و تفحص ثبوت پیوست کہ ھیبت نام فتنہ جوئے از خیل احدیان پادشاہی بادی این جرأت و محرک سلسلہ فساد بودہ ہست لہذا شحنۂ شہر او را گرفتہ بہ پیشگاہ عدالت حاضر ساختہ و ازیں جہت کہ منشائے این قسم جسارتے شدہ باعث ہلاک جمعی از مسلمانان گشتہ بود مورد انظار قہر و عتاب بادشاہانہ گردیدہ حکم شد کہ او را بیا سارند"

صاحب عالمگیر نامہ نے داراشکوہ کی تشہیر کی وجہ تو اگرچہ صاف صاف لکھدی ہے کہ "تا ہمگی خلائق آن سیہ بخت را بے شایبہ شک و ریب برائی العین مشاہدہ نمایند و من بعد از خیالان بیہودہ گو و واقعہ طلبان فتنہ جو را جائے سخنان لاطائل و مجال تصورات باطل نماند و در حدود و اطراف مملکت او باشان را یارائے فساد و دستاویز شورش بہم نرسد" بموجب حکم جلالت آثار آن سیہ روز برگشتہ اختر را با پسرش بریک حوضہ فیل نشانیدہ تہکارا براہ بازار داخل شہر کردند از پائے قلعہ مبارکہ گزرانیدہ بنوعے کہ ہمہ کس دیدند و احدی را در وجود بے سود او شک و شبہ نماند بشہر کہنہ بردند"

مگر اس کتاب میں ہاتھی پر ڈالکر اُسکی نعش کی تشہیر کا ذکر جسکو صاحب سیر المتاخرین نے بہت وضاحت سے اور بتکرار لکھا ہے تحریر نہیں کیا۔ اور تاریخ عل صالح میں لکھا ہے کہ داراشکوہ کو نیلا لباس پہناکر دھلی میں داخل کیا گیا تھا۔ اور اُسی لباس سے دفن کیا گیا"

چونکہ اس شاہزادہ کی پیدائش ۱۰۲۴ھ ایکہزار چوبیس ہجری کی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پینتالیس برس کی عمر میں قتل کیا گیا۔ س م ح ۱۲

جیون خاں کا دھلی سے رخصت کیا جانا۔ اور وطن کے قریب پہنچکر چوروں کے ہاتھ سے قتل کیا جانا

اِن دردناک واقعات کے بعد جیون خاں فوراً حضور میں بُلایا گیا۔ اور چند چیزیں انعام دیکر دھلی سے رخصت کیا گیا۔ لیکن یہہ شخص بھی اپنی بدکرداری کا نتیجہ پائے بغیر نرہا یعنی جبکہ وہ دھلی سے واپس ہوکر ایسی جگہہ پہنچگیا تھا کہ جہاں سے اُسکا علاقہ دس بارہ ہی کوس کے فاصلہ پر تھا تو چند آدمیوں نے جو پہلے سے ایک جنگل کے اندر گھات میں لگے ہوئے تھے اُسے مار ڈالا۔

افسوس! اس جنگلی شخص نے یہہ نہ سوچا کہ اگرچہ ظالم لوگ اپنی مطلب براری کے لیئے بڑے سے بڑے گناہوں کی نسبت بھی بظاہر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ لیکن دل میں اُسکے عمل میں لانے والوں سے سخت نفرت رکھتے ہیں اور جب مطلب نکل آتا ہے تو اُن کے اعمال کی سزا دینے میں کچھ بھی تامل نہیں کیا کرتے

دارا شکوہ کے قتل سے کچھ عرصہ پہلے اُس سے اُس بہادر اور وفادار خواجہ سرا کے نام جو اسکی طرف سے ٹھٹھہ میں لڑ رہا تھا جبراً اس مضمون کا ایک حکمنامہ حاصل کر لیا گیا تھا کہ فوراً قلعہ حوالہ کر دے۔ لیکن اُسنے کچھ جلدی نہ کی بلکہ اس بات پر اڑا رہا کہ قلعہ کے خالی کرنے سے پہلے حفظ عزت وغیرہ کی چند معقول شرطیں دیجائیں۔ جنکو میر بابا نے دغابازی اور بے ایمانی سے بلا قصد ایفا بہت خوشی سے قبول کر لیا اور شہر میں داخل ہو گیا مگر جب اپنے تھوڑے سے بہادر رفیقوں کے ساتھہ یہہ نمک حلال شخص لاہور

میں آیا تو خلیل اللہ خاں نے جو اسوقت یہاں کا صوبہ دار تھا نہایت بُری طرح سے سبکو تہ تیغ کر ڈالا۔ اس ظالمانہ فعل کا سبب یہہ تھا کہ اگرچہ بظاہر یہی کہتا تھا کہ ہم یہاں سے دھلی کو جائینگے (کیونکہ اورنگ زیب اسکی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے اُسے دیکھنا چاہتا تھا) لیکن اصلی ارادہ یہہ تھا کہ ہمراہیوں سمیت سری نگر پہنچکر سلیمان شکوہ سے جا ملے۔ اسکے رفیقوں میں بہت سے اہل فرنگ بھی تھے جنکو مع اپنے اور رفقا کے اسنے بہت سی انعام واکرام دیئے تھے۔

سلیمان شکوہ کا گرفتار ہوکر دھلی میں آنا۔

دارا شکوہ کے خاندان میں اب صرف سلیمان شکوہ باقی رہگیا تھا اور اگر راجہ کو اپنے وفائے عہد اور ایمانداری کا خیال ہوتا تو اُسکا سری نگر سے نکالنا آسان نتھا۔ لیکن جے سنگھ کے منصوبوں اور اورنگ زیب کے وعدوں اور دھمکیوں اور دارا شکوہ کے قتل اور قرب وجوار کے راجاؤں کی جنگی تیاریوں نے اس چھوٹے دل کے راجہ کو آخر کار ڈرا دیا۔ چنانچہ جب سلیمان شکوہ یہہ دیکھا کہ یہاں اب کچھ بھروسہ نہیں ہے باوجود اسکے کہ راستہ ایک ایسے کٹھن اور بیموقع ملک میں کو تھا جہاں سوائے ویران پہاڑوں کے کچھ نتھا بڑی تبت کی طرف چلے جانیکے قصد سے چلدیا تو راجہ کے بیٹے نے پیچھا کر کے آن لیا اور زخمی ہوکر پکڑا گیا۔ اور دھلی پہنچا دیا گیا۔ اور قلعہ سلیم گڈھ میں جہاں پہلے سے مُراد بخش قید تھا قید کیا گیا۔* اور اورنگ زیب نے پہنچانے

* عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ اگرچہ سلیمان شکوہ کا تابع میں آجانا بجب ظاہر ایک امر بدیع تھا

کی غرض سے جسطرح دربار میں دارا شکوہ کا سر منگوایا تھا اور اُسی طرح اور اُسی غرض سے سلیمان شکوہ کے لیئے حکم دیا کہ دربار کیوقت تمام اُمرا کی موجودگی میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ مَیں بھی اس نازیبا تماشے کے دیکھنے کو گیا تھا اور جس شوق اور تعجب سے مینے اُسے دیکھا اُس کا بیان کرنا دشوار ہے۔ یعنی دربار میں لانے سے پہلے بیڑی تو نکال دی گئی تھی لیکن ہتھکڑی جسپر سنہری مُلمّع کیا ہوا تھا بدستور موجود تھی۔ مینے دیکھا کہ اس سرو قد اور نہایت حسین و جمیل جوان کو دیکھکر اکثر اہل دربار کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے اور وہ بیگمیں بھی جنکو دیوار کی جالیوں میں سے دیکھ لینے کی اجازت دی گئی تھی بہت ہی غمگین ہوئیں۔ بلکہ اورنگ زیب بھی بھتیجے کی بدبختی پر افسوس کیا۔ اور ظاہرا شفقت سے بولا کہ خدا پر نظر رکھو

لیکن بادشاہ کی خوش اقبالی سے یہہ مشکل یوں حل ہوگئی کہ سری نگر کا راجہ اپنے مُلک کی تباہی کے اندیشہ سے کیونکہ تربیت خاں۔ رعد اندازخاں وغیرہ کئی امیر اُسکی تسخیر کے لیئے امور تھے راجہ جے سنگھ کی معرفت سلیمان شکوہ کے سپرد کر دینے کا وعدہ کر کے معافی کا خواستگار ہوا۔ اور بادشاہ نے سلیمان شکوہ کے لینیکے لیئے جے سنگھ کے بیٹے کنور رام سنگھ کو سری نگر کو روانہ کر دیا۔ چنانچہ اُسنے رام سنگھ کا قریب پہنچ جانا سنکر سلیمان شکوہ کے گرفتار کر لینے کو جہاں وہ رہتا تھا اپنے آدمی بھیجدیئے۔ شاہزادہ مقابلہ سے پیش آیا اور اُسکا کوکہ محمد شاہ (جسکا نام بعض نسخوں میں محمد شاہ اور بعض میں محمد اشکوہ لکھا ہے) اور کئی اور رفیق خوب بہادری سے لڑکر مارے گئے۔ اور وہ خود گرفتار ہوگیا۔ اور پانچویں جمادی الاوّل سنہ ۱۰۶۹ ہجری کو راجہ پرتھی سنگھ نے اپنے بیٹے میدنی سنگھ کے ساتھ رام سنگھ اور تربیت خاں اور رعد اندازخاں کے پاس پہاڑ سے نیچے بھیجدیا اس خبر کے آنیپر دربار میں بڑی خوشیاں منائی گئیں اور راجہ جے سنگھ کا بہت اعزاز و اکرام ہوا۔ اور جب مذکورہ بالا امرا اُسکو دہلی میں لیکر آئے تو شاہزادہ محمد سلطان کو باسلطنت سلیم گڈھ میں قید کیا گیا۔ س۔ ہ ح

اور مطمئن رہو کہ تمکو کچھ ضرر نہ پہنچیگا اور مہربانی کیجائیگی - اور تمہارا باپ تو صرف اسوجہ سے قتل ہوا ہے کہ وہ کافر اور لامذہب ہوگیا تھا - اسپر شاہزادہ نے تسلیمات کی یعنی ہندوستان کی رسم کے موافق ادائے شکر کی علامت کے طور پر تا مقدور جھک کر اپنے دونوں ہاتھ سر تک لایا - اور اسکے بعد بڑے استقلال سے عرض کیا کہ اگر حضور کا یہہ منشا ہو کہ مجھے پوست پلائے جایا کریں تو بہتر ہے کہ ابھی قتل کرا دیا جاؤں ! جسکے جواب میں اورنگ زیب نے بطور تحکم وعدہ کے پکار کر کہا کہ نہیں تمکو پوست ہرگز نہیں پلائے جائینگے بالکل اطمینان رکھو جسپر اہل دربار کے کہنے سے اُسنے دوبارہ تسلیمات کی - اور اسکے بعد جب بادشاہ کی خواہش کے موافق اُس ہاتھی کے معاملہ میں چند باتیں پوچھ لی گئیں جسپر اشرفیاں لدی ہوئی تھیں اور سری نگر جانیکے وقت اُس سے چھن گیا تھا تو اُسکو دیوان عام سے لے گئے اور اگلے روز گوالیار کو روانہ کر دیا -

قیدی شاہزادوں کو جس غرض سے پوست پلایا جاتا تھا اُسکا ذکر

"پوست" سے جسکا ذکر ہمنے ابھی کیا یہہ مراد ہے کہ خشخاش کے چھلکے کو پانی میں بھگو کر اور مَل کر نچوڑ لیا جاتا ہے - اور ایک بڑا سا پیالہ بھر کر ہر روز نہار مونہہ اُن شہزادوں کو پلایا جاتا ہے جو اسوجہ سے گوالیار کے قلعہ میں قید کئے جاتے ہیں کہ اُنکا علانیہ سر کٹوا دینا بادشاہ خلاف مصلحت جانتا ہے - اور یہہ قاعدہ ہے کہ تا وقتیکہ اسے نہ پی لیں اُنکو کھانا نہیں دیا جاتا - چنانچہ یہہ پوستوں کا عرق ان بیچارے قسمت کے مارے مظلوموں کو رفتہ رفتہ بالکل نچوڑ ڈالتا اور عقل و توانائی دونوں پر پانی پھیر دیتا ہے اور آخر کار گئے گزرے اور حواس باختہ

ہو کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس پوست کے پیالہ ہی سے سپہر شکوہ اور مراد بخش کے پوتے اور سُلیمان شکوہ کو موت کا کڑوا گھونٹ پلایا گیا تھا۔ *

سُلطان مُراد بخش کا قتل کیا جانا۔

مُراد بخش اگرچہ قید تھا لیکن لوگوں کو اُس سے اَب بھی بہت محبّت تھی۔ اور اُسکی شجاعت اور سپہ سالاری کی تعریف میں شعرا اکثر اشعار اور قصیدے کہا کرتے تھے اسلیئے اورنگ زیب کی مصلحت مُلکی کا یہہ اقتضا ہوا کہ وہ بھی علی الاعلان گردن مارا جائے تاکہ اُسکے کسی طرفدار کے دل میں یہہ اُمید باقی نرہے کہ ابھی وہ زندہ ہے۔ اور چونکہ پوست پلا پلا کر مخفی طور پر جان لے لینے سے یہہ مدعا حاصل نہیں ہو سکتا تھا

---

* کتاب عمل صالح میں بھی سُلیمان شکوہ کی وفات کی نسبت اسی مضمون مندرجہ متن کی تائید پائی جاتی ہے جسکی بچہ اِ عبارت بعینہ یوں ہے کہ "در شہر شوال سنہ ۱۰۷۳ یکہزار وہفتاد و دو ہجری در سن سی سالگی سُلطان سُلیمان شکوہ نیز بسبب محافظان از مظمورہ زندان بقراخ ناہی عالم انتقال نمودہ و باجل طبعی درگزشتہ متصل شاہزادہ مراد بخش مدفون شد" اور مآثر عالمگیری میں فی اِحداث سنہ ۱۰۷۱ اکہتر ہجری مطابق سنہ پندرہ جلوس عالمگیری سُلطان مُراد بخش کی بیٹی ایزد بخش کی نسبت لکھا ہے کہ گوالیار سے منگا کر اورنگ زیب نے اپنی بیٹی مہر النسا بیگم کے ساتھ اُسکا عقد کیا اور محمد سُلطان اور سپہر شکوہ کو کہ وہ بھی وہاں سے منگائے گئے تھے سلیم گڈھ میں رکھنے کا حکم ہوا اور اگلے برس محمد سُلطان کا مُراد بخش کی بیٹی دوستدار بانو بیگم اور سپہر شکوہ کا خود اورنگ زیب کی بیٹی بد النسا بیگم سے نکاح کیا گیا اور محمد سُلطان کا بارہ ہزار اور سپہر شکوہ کا چھ ہزار اور ایزد بخش کا چار ہزار روپیہ سالانہ گزارہ مقرر ہوا پس جبکہ مُراد بخش کے بیٹے ہی کی جان بخشی ہو کر خود اورنگ زیب کی بیٹی سے اُسکا عقد ہو چکا تھا تو پوتے کی نسبت کسی زیادہ بدسلوکی کا گمان جیسا کہ ڈاکٹر بَرنیِر نے کیا ہے درست نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کسی کتاب میں میری نظر سے گزرا ہے کہ یہہ لڑکا اپنی طبعی موت سے مرا تھا۔ س م ح

اسلیے یہہ تدبیر نکالی گئی کہ کوئی الزام قائم کرکے اُسکی سزا کے طور پر علانیہ قتل کرادیا جاے۔ اور یہہ امر کچھ مشکل ہی نتھا کہ اِس بدنصیب شاہزادہ کی نسبت کوئی الزام پیدا کرلیا یا گھڑلیا جاے۔ چنانچہ ایک سیّد کے لڑکے (جنکے باپ کو اُسکے مال و دولت کے لالچ سے اُسنے اُسوقت احمد آباد میں مروا ڈالا تھا جبکہ اس لڑائی کے لیے تیاریاں کر رہا تھا) دربار میں استغاثہ کو آن موجود ہوئے جو پکار پکار کر اور دوہائی دے دیکر انصاف مانگتے اور یہہ عرض کرتے تھے کہ قصاص کے طور پر اُسکا سر کاٹا جاے۔ اور کسی امیر میں یہہ جُرأت کہاں تھی کہ اِن فریادیوں کو ہٹا سکے۔ کیونکہ ایک تو وہ بیگناہ مقتول سیّد اولاد رسول تھا جنکی لوگ بہت تعظیم کرتے ہیں دوسرے ہرکسکو معلوم تھا کہ انصاف کے پردہ میں رقیب کی ہلاکت کے لیئے یہہ ایک بادشاہی منصوبہ ہے۔ پس مقتول سیّد کے بیٹوں کا دعوی مسموع اور قبول ہوا اور بغیر کسی قسم کی کارروائی اور ضابطہ عدالت کے فوراً حکم دیا گیا کہ قصاص میں قاتل کا سر کاٹا جاے اور مستغیث یہہ حکم لیکر گوالیار کو چلتے ہوئے۔ *

---

* کتاب عمل صالح میں لکھا ہے کہ "پسران علی نقی را کہ مدعی خون پدر بودند ہمراہ خواجہ بہلول گوالیار فرستادہ امر فرمودند کہ بعد از ثبوت شرعی مراد بخش را بقصاص رسانند۔ چوں مدعیان در انجا رسیدہ بحضور قاضی گوالیار گستاخ آغاز نہادند شاہزادہ مجیب گشتہ بر زبان آوردکہ اگر حضرت خلافت مرتبت پاس عہود و وفای موعود در نظر داشتہ از خون این نامراد میگذشتند تقصانی بدولت و سلطنت والا نداشت۔ اگر خواہ نخواہ توجہ شرعت مصروف بریں ست کہ وجود بے بود این ضعیف و ریان نباشد موجہ باین قسم مردم کم پایہ لطف دارد ہر چہ میخواہند بکنند آنگاہ باشارہ قاضی آخر روز چہارشنبہ بست و یکم ربیع الثانی سنہ یکہزار ہفتاد ہجری دو نفر سیاہ دو نفر شمشیر زن شاہزادہ رفیع الشان را از تنگنای سراے زنان نجات دادہ جلوش را بقلعہ گوالیار بخاک سپردند" واضح ہو کہ بہلول علی نقی و ایران جرأت کہ قتل کا حال ہم لکھا جانیہ میں مفصل لکھا گیا ہے اور مراد بخش کو قتل کرانے پر اونکے کیے آمادہ ہوجانے کی وجہ یہہ تھی کہ جس وقت یہہ مدعی قلعہ گوالیار میں قید تھا اسکے بعض ہوا خواہوں نے مخلص اسکو خفیہ طور پر قید میں سے نکال لیجانا چاہتے تھے۔ س م ح

سُلطان شجاع کے حالات کا اخیر بیان اور اُسکا ڈھاکہ کو بھاگ جانا اور راجہ اراکان سے پناہ کا طالب ہونا۔

اَب یہہ پر درد کہانی خاتمہ کے قریب آپہنچی ہے۔ کیونکہ تمام خاندان شاہی میں سے اَب صرف سُلطان شُجاع ہی ایک ایسا شخص باقی رہگیا تھا جو اورنگ زیب کو دہشت اور فکر میں ڈالے رکھتا تھا۔ اور ابتک بڑی ہمّت اور جوانمردی دکھاتا رہا تھا۔ مگر اَب اُسنے بھی دیکھ لیا کہ اورنگ زیب کی طاقت اور اقبال کا مقابلہ ناممکن ہے۔ کیونکہ میر جُملہ کے پاس برابر کُمک پہنچتی رہتی تھی اور اُسکی فوجوں نے شجاع کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ پس جان بچانے کی خاطر ڈھاکہ کو بھاگ گیا جو سمندر کے کنارے بنگالہ کا سب سے اخیر شہر ہے۔ اَب یہاں اُسکے پاس نہ تو کوئی جہاز ہی تھا کہ سمندر پار ہو جائے اور نہ یہہ جانتا تھا کہ پناہ کی خاطر کسطرف جائے اسلیئے اُسنے اپنا بڑا بیٹا سُلطان باقی[۵۱] مُلک اراکان[۵۲] کے بُت پرست

---

۵۱ سیر المتاخرین میں اسکے بیٹوں کے نام زین الدین و بلند اختر و زین العابدین لکھے ہیں غالباً یہہ نام اُسکے بڑے بیٹے زین الدین کا اسم ثانی یعنی عرف ہوگا۔ کیونکہ فارسی تاریخوں سے ظاہر ہے کہ شاہزادہ زین الدین ہی نے اراکان کے راجہ سے پناہ لینے کا بندوبست کیا تھا۔ اور اصل کتاب انگریزی میں اس نام کو جس تہجی سے لکھا ہے اُسکو یا تو باقی پڑھ سکتے ہیں یا بانکے اور کچھ تعجب نہیں ہے کہ وہ سُلطان باقی کے دعائیہ نام یا میرزا بانکے کے لاڈلے لقب سے مشہور ہو۔ س م ح

۵۲ چونکہ فارسی مورخوں نے اِس مُلک کا نام ذخنگ لکھا ہے اور انگریز اراکان کہتے ہیں اسوجہ سے یہہ بات تحقیق طلب تھی کہ لفظ اراکان کو بگاڑ کر اُنہوں نے ذخنگ بنا لیا تھا یا انگریزوں نے ذخنگ کو اراکان بنا دیا۔ اسلیئے صاحب کمشنر بہادر اراکان سے اسکو صحیح کر دینے کی التماس کی گئی تھی۔ ہم نہایت ممنون ہیں مسٹر جی۔ ڈی۔ برجس صاحب G. D. Burgess

راجہ کے پاس (جسکو مکّہ لوگوں کا ملک بھی کہتے ہیں) اس درخواست سے روانہ کیا کہ اگر چند روز پناہ دے سکو تو ہم تمہارے پاس آجائیں اور جب ہوائے موافق کے چلنے کا موسم آجائے تو مُخا تک پہنچ جانیکے لیئے ایک جہاز ہم پہنچا دو تاکہ ہم اوّل مکّہ اور پھر وہاں سے رُوم یا اِیران کو چلے جائیں۔ راجہ نے یہہ درخواست قبول کی اور بہت مہربانی سے پیش آیا۔ چنانچہ سُلطان باقی بہت سی کشتیاں (جنکے ملّاح اہل فرنگ یعنی گوا وغیرہ سے بھاگے ہوئے وہ پرتگیز اور اَور آوارہ گرد عیسائی تھے

کشنر اراکان کے کہ اُنہوں نے محض براہ اخلاق وعلم دوستی نہایت ہی عمدہ اور محققانہ جواب بھیجا ہے جسکا خلاصہ یہہ ہے کہ "اِس مُلک کا نام اراکانیوں کے تلفظ کے موافق دراصل راکینگ ہے اور برھما والے اِسکو حرف رے کی جگہہ یے کے ساتھ یاکینگ کہتے ہیں۔ اور لفظ اَراکان انگریزوں کا اختراع ہے۔ اور* سر آرتھر فیر نے اپنے مسودہ تاریخ اراکان مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں اور اپنی تاریخ برھما مطبوعہ ۱۸۸۳ء کے پانچویں باب میں لفظ راکینگ کی نسبت یہہ لکھا ہے کہ یہہ لفظ راکھیگ (یعنی راکھس) کا بگڑا ہوا معلوم ہوتا ہے جو پالی زبان کے لفظ یاکھا سے نکلا ہے جسکے معنے ایسے آدم خور دیو کے ہیں جو نصف حیوان اور نصف انسان ہو اور جس زمانہ میں بودھ مذہب کے واعظ ہندوستان سے اس مُلک میں پہنچے تو اُنہوں نے اس مُلک کا نام یاکھپورہ (یعنی راکھس پورہ) رکھدیا۔ یا تو اسیوجہ سے کہ اُنہوں نے وہاں پہنچکر یہہ روائتیں سُنی ہونگی کہ قدیم زمانہ میں ایسے دیو سیرت لوگ وہاں رہتے تھے جو مُلک کو تباہ اور برباد کرتے تھے یا اسوجہ سے کہ اُنہوں نے میام ما قوم کے لوگوں کو بھوتوں اور دیوؤں کی پرستش کرتے دیکھا ہوگا۔ اور یہہ بھی ممکن ہے کہ آدم خور دیوؤں کے وجود کی نسبت یہہ روائتیں اِس طرح پیدا ہوئی ہوں کہ جب میام ما قوم کے لوگ اراکان میں پہلے پہل داخل ہوئے تو اُسوقت اِس مُلک کے وحشی خصال باشندوں کی عادتوں کی نسبت اُنہوں نے مبالغہ آمیز باتیں سُنی ہوں" سر آرتھر فیر صاحب کے اِن

* Sir Arthur Phayre.

جنہوں نے اس راجہ کی نوکری کر لی تھی اور جنکا بڑا پیشہ بنگالہ کے اُن ضلعوں کو لوٹتے رہنا تھا جو ڈھاکہ اور اراکان کی جانب سمندر کے قریب ہیں) ساتھ لیکر واپس آیا۔ اور شجاع اپنی بیگم[1] اور تینوں بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ اُن پر سوار ہوکر اراکان کو چلا گیا۔ اور راجہ نے اگرچہ اُسکی خاطر تواضع کچھ بہت بڑھکر تو نہ کی مگر ضرورت کی معمولی چیزیں مہیا و موجود کرا دیں۔

---

[1] عالمگیر نامہ اور ماثر عالمگیری وغیرہ سے شجاع کی بیگم یا بیٹیوں کا ساتھ جانا ثابت نہیں ہوتا بلکہ عام طور پر یہہ ظاہر ہوتا ہے کہ ٹانڈہ سے بھاگنے کے وقت جسکو راج محل کے بعد اسنے اپنا جائے قیام بنایا تھا اُسکے محل کی عورتیں اور ستوراتیں وہیں رکھی تھیں جنکو میر جملہ نے بڑی احتیاط اور احترام کے ساتھ شجاع کے خزانہ اور جواہر خانہ اور مال و اسباب سمیت اخلاص خاں نامے ایک سردار کی حفاظت میں اورنگ زیب کے پاس بھیجدیا تھا۔ لیکن تعجب نہیں کہ اپنی خاص بیگم اور بیٹیوں کو وہ ساتھ لیگیا ہو اور وہ عورتیں جنکا ذکر کتب مذکور میں کیا گیا ہے۔ اُسکی خواصیں وغیرہ ہوں۔ س م ح

اقوال کو نقل کرکے مسٹر بدجس بطور اپنی رائے کے یہہ لکھتے ہیں کہ "اس ملک کے نام راکھینگ کو لفظ راکھشا یا۔ یاکھش سے مشتق سمجھنا ایک قیاسی بات ہے۔ اور اراکان کے باشندوں سے جو تحقیق کیا گیا تو کوئی شخص قابل اطمینان جواب نہیں دے سکا اور حقیقت یہہ ہے کہ مرور زمانہ کے باعث اسکے اشتقاق کی اصلیت محو اور فراموش ہوگئی ہے" پس ظاہر ہے کہ لفظ راخنگ درست اور اصلیت کے قریب تھا اور جس طرح انگریزوں نے اُسکے ہمسایہ ملک کا نام صحیح لفظ میام ما یا مرم ما کی جگہہ برما بنالیا ہے۔ اسی طرح کا یہہ بھی ایک تصرف ہو جو غیر ملک کے لوگ اکثر کر لیا کرتے ہیں۔ بہر تقدیر یہہ ملک ۱۷۵۲ء سترہ سو بہتر تک خودسر اور آزاد تھا۔ مگر نہ مذکور میں برما والوں (یعنی آوا اور پیگو کے بادشاہ) نے اسکو فتح کرکے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ اور مارچ ۱۸۲۴ء اٹھارہ سو چوبیس میں سرکار انگریزی نے جو برما والوں کی زیادتیوں سے تنگ آکر اُن پر پہلی دفعہ فوج کشی کی تو چوبیس فروری ۱۸۲۶ء اٹھارہ سو چھبیس کے صلحنامہ کی رو سے سرکار مدرج

راجہ کا آیندہ طرز سلوک اور عیدجما کے توڑجوڑ اور شہزادہ کا بیٹی کی شادی کردینے کو پیغام سے مجبور ہوکر راجہ پر حملہ کرنے کی تدبیر کرنا اور راز کا کھل جانا اور شجاع کا انجام کار۔

اَب یہاں اگرچہ کئی مہینے گزرے اور ہوائے موافق کا موسم بھی آگیا مگر مُنحا جانیکے لیئے جہاز بہم پہنچا دینے کا کسی نے ذکر تک نہ کیا۔ حالانکہ شجاع صرف اتنی بات کا خواستگار تھا کہ ایک جہاز کرایہ پر مل جاسے۔ کیونکہ اُسکے پاس زر وجواہر بخوبی موجود تھا۔ بلکہ غالباً اُسکی ہلاکت کا بڑا باعث یہہ دولت ہی ہوئی۔

اصل یہہ ہے کہ یہہ وحشی بادشاہ اور راجہ سچی مرّوت اور فیاضی کو جانتے ہی نہیں اور اپنے وعدوں کی پابندی اور ایفا کا شاذونادر ہی خیال کرتے ہیں بلکہ بالفعل کی غرض کو مقدم سمجھکر اُسیکے پیچھے ہولیتے ہیں۔ اور اس شیطنت اور قساوت کے نتیجوں کی طرف سے جو اکثر خود اُنہیں کو بھگتنے پڑتے ہیں مطلقاً بے پروا نظر آتے ہیں۔ اور اُن کے ہاتھ سے یا تو مفلسی بچا سکتی ہے

کے قبضہ میں آگیا۔ اور اب تو نہ صرف اراکان بلکہ اس سے آگے شاہ برھما کا بھی کُل مُلک جو باشندوں کی اوضاع واطوار اور آب وہوا کی خاصیت کے لحاظ سے تقریباً ایک ہی طرز کی سرزمین ہے۔ (مع مُلک مفتوحہ سابق ومقبوضہ سال حال ۱۸۸۶ء) چین کی حد تک گورنمنٹ انگریزی کی حکومت میں صاحب چیف کمشنر برھما کی ماتحت ہے۔ سلطنت مغلیہ کے مورخوں نے اراکان کو "دلیل تیرہ معمورہ ہائے عالم" اور ایک قطعہ جہنم لکھا ہے اور وہاں کے لوگوں کو نہایت ہی وحشی اور حیوانوں سے بدتر اور مُلک کو "مسکن دام ودد" بتایا ہے اور اسکے راستہ میں اُنکے نزدیک فن جہازرانی کی ناواقفیت کے باعث "بحر ہائے خونخوار" حائل تھے مگر انگریزوں کی عقل ودانش اور حسن انتظام سے وہی وحشی انسان بنتے جاتے ہیں۔ اور وہی قطعہ جہنم ایک سرسبز اور شاداب اور بہت زرخیز علاقہ ہے۔ اور اس میں شہر اکیاب وغیرہ بعض مقامات نہایت عمدہ تجارت گاہ ہیں۔

س۔م۔ح ۱۲

یا اسقدر زور جو اُنکی طاقت سے زیادہ ہو۔

غرض شجاع کی طرف سے مخا جانیکے لیئے بہتیری ہی التجائیں ہوئیں لیکن یہہ جنگلی راجہ اصلا ملتفت نہوا بلکہ یہانتک بے مروت اور گستاخ ہوگیا کہ شہزادہ کی نسبت عتاب ظاہر کیا کہ ابتک ہمسے ملنے کو کیوں نہیں آیا۔ مجھکو معلوم نہیں کہ شجاع نے کسر شان کے خیال سے اس بُت پرست سے ملاقات نہیں کی تھی یا اس خوف سے اُسکے مکان پر نہیں گیا تھا کہ مبادا گرفتار کرلے اور سب مال و اسباب لوٹ لے۔ اسی اثنا میں راجہ کو میر محمد نے بھی شجاع کے پکڑکر حوالہ کردینے کی شرط پر اورنگ زیب کی طرف سے بہت سے فائدوں اور زر کثیر کے حاصل ہونے کی طمع دلا بھیجی تھی۔ بہرحال راجہ کی خفگی رفع کرنے کو اگرچہ سلطان شجاع خود تو اب بھی اُسکے مکان پر نگیا۔ مگر سلطان باقی کو بھیجدیا۔

کہتے ہیں کہ جب یہہ شہزادہ راجہ کے محل کے قریب پہنچا تو سرسواری غریب غربا کی طرف بہت سے روپئے اور اشرفیاں[۱] پھینکیں۔ اور جب راجہ کے پاس پہنچا تو بہت سے زربفت وغیرہ کے تھان اور مرصع زیور پیشکش کیئے اور اپنے باپ کے بذات خود حاضر نہونے کی نسبت یہہ عذر کیا کہ وہ علیل ہیں

---

[۱] اب سے پچاس برس پہلے تک ہندوستان میں یہہ عموماً رواج تھا کہ امرا کی سواری کو وقت روپیہ اشرفی وغیرہ لٹایا کرتے تھے اور اس رسم کا یہانتک رواج تھا کہ وہ فرانسیس فرجو اب سے اسّی برس پہلے مرہٹوں کی طرف سے ہمارے اس ملک ابن روے تلنج میں آئے تھے اظہار امارت و شان و شوکت کی خاطر وہ بھی اپنی پالکی پر سے کچھ روپیہ اشرفی اور سونے کی تھیلیں لٹاتے تھے بلکہ ریاست حیدرآباد دکن جسمیں ہندوستانی درباروں کی پرانی رسمیں اب تک بھی بہت کچھ زندہ ہیں جلوسی سواریوں کے موقعوں پر وہاں اب بھی یہہ رسم کچھ کچھ جاری ہے۔ س م ح

اور بڑی التجا سے درخواست کی کہ وہ جہاز جسکے ہم پہنچا دینے کے لیئے اتنے دنوں سے وعدے ہوتے رہے ہیں اب تو بہت ہی جلد عنایت ہو۔ مگر اِس مُلاقات سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا اور پہلی درخواستوں کی طرح یہہ درخواست بھی بالکل یُوہیں گئی اور اس وحشی نے اپنا وعدہ مطلق وفا نکیا بلکہ اُس عالی منزلت پناہ گیر کی پریشانی اور رنج بڑھانے کے لیئے اِس سے پانچ ہی چھ روز بعد صاف صاف یہہ سوال دیدیا کہ اپنی بیٹی کی شادی ہمسے کردو۔ اور شجاع کے اس سے انکار کرنے پر ایسا غضب ناک ہوا کہ شاہزادہ کی حالت نہایت پُرخطر ہوگئی۔ اَب ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا گویا ہلاکت کا منتظر رہنا تھا اور سفر کا موسم گزرا جاتا تھا اور اسلیئے کوئی نہ کوئی اخیر بات قرار دینی ضروری تھی پس اُسنے ایک ایسی تدبیر سوچی جس سے فضول تر کوئی حرکت نتھی اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُسکی نا اُمیدی کس حالت کو پہنچگئی تھی اور وہ یہہ ہے کہ اگرچہ آراکان کا راجہ بُت پرست ہے لیکن مسلمان بھی وہاں بہتیرے ہیں جو یا تو بخوشی آن بسے ہیں یا وہ پرتگیز جنکا ذکر پہلے آچکا ہے اور جو سمندر کے کناروں کے ضلعوں میں لوٹ مار کیا کرتے ہیں اُنکو پکڑ کر اور غلام بناکر یہاں سے آئے ہیں۔ پس شجاع نے اُن کو گانٹھ لیا۔ اور اُن کو اور اپنے دو تین سو[1] آدمیوں کو جو بنگالہ سے ساتھ آئے تھے ملاکر

---

[1] عالمگیر نامہ اور مآثر عالمگیری اور سیر المتاخرین سے تو بالاتفاق یہہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس مصیبت کے وقت میں اُسکے رفیقوں اور نوکروں میں سے سوای سید عالم بارہہ والے اور سید قلی اُزبک کے جنکے ساتھ سادات بارہہ میں سے شماری دس بیس سید اور بارہ مغل تھے اور چند اَور سپاہیوں اور خدمتگاروں وغیرہ کے پورے چالیس آدمی بھی بنگالہ سے اُسکے ہمراہ نہ آئے تھے۔ س م ح۔ ۱۲

اِس تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ یہہ مصمم ارادہ کرلیا کہ یکایک راجہ کے محل پر حملہ کرکے اُسکو اور اُسکے خاندان کو تہ تیغ کرڈالے اور خود فرماں روا بنجائیے۔ یہہ جسارت اگرچہ احتیاط کے خلاف اور ایک مُتہوّرانہ حرکت تھی۔ لیکن بینے بعض پرتگیزوں اور مسلمانوں اور ڈچوں سے جو خاص وہاں موجود تھے سُنا ہی کہ اِس تدبیر کی کامیابی چنداں محال اور امکان سے خالی نتھی مگر اِس منصوبہ کے عمل میں لانیکے لیئے جو دن مقرّر ہوا تھا اُس سے ایک روز پہلے یہہ راز افشا ہوگیا۔ اور اِسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ اُسکے رہے سہے کام ہی نہیں بگڑے بلکہ سارا کنبہ ہی ہلاک ہوگیا۔ چنانچہ اِس بھید کے کھُلجانے پر اُسنے چاہا کہ پینگو کو بھاگ جائے لیکن اِس ارادہ کا عمل میں لایا جانا قریب ناممکن کے تھا کیونکہ راہ میں ایسے سخت پہاڑ اور دشوار گزار جنگل اور بن حائل تھے کہ اُن میں سے ہوکر کوئی ایسا رستہ کبھی ہوا ہی نہیں جس سے مسافر آتے جاتے رہے ہوں غرض کہ تعاقب کیا گیا اور بھاگنے سے آٹھ پہر بعد لوگوں نے اُسے جالیا اور جیسی کہ اِس اسم بامسمّیٰ شجاع شاہزادہ سے توقع ہونی چاہیئے یہہ ویسی ہی شجاعت سے لڑا اور بہت سے وحشی خاص اُسکی تلوار سے قتل ہوئے۔ مگر آخرکار دشمنوں کے ہجوم سے جو پیچھے سے اور آتے جاتے تھے مغلوب ہوکر ایسی لڑائی سے جو کسی طرح بھی برابر کی نتھی دست بردار ہوگیا۔

سُلطان باقی جو باپ سے ذرا پیچھے رہگیا تھا وہ بھی ویسا ہی لڑا جیسے کہ بہادر لڑا کرتے ہیں لیکن دشمنوں نے چاروں طرف سے اِسقدر پتھر مارے کہ تمام بدن چُور چُور اور لہولہان ہوگیا۔ اور آخر یہہ جنگلی اُسے اور اُسکی والدہ اور

دونوں چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کو پکڑ کر لیگئے۔

سُلطان شجاع کی موت وحیات کی نسبت مختلف روایتوں کا ذکر

اَب اِس سے آگے اُسکی بابت کوئی ایسی ٹھیک بات جو زیادہ بھروسہ کے لائق ہو معلوم نہیں ہے۔ کیونکہ کچھ لوگ تو یہہ کہتے ہیں کہ وہ میدان جنگ سے نکلکر ایک پہاڑ کی چوٹی پر جا چڑھا تھا اور اُسکے ہمراہ ایک خواجہ سرا اور ایک عورت اور دو شخص اَور تھے۔ اور سر میں تیر کا ایک ایسا زخم لگا ہوا تھا کہ وہاں پہنچکر گر پڑا مگر جب اُس زخم کو اُس خواجہ سرا نے اپنی پگڑی سے باندھ دیا تو اُٹھکر جنگل میں جا گھسا۔ اسکے علاوہ چار روایتیں اَور سُنی ہیں اور اگرچہ اُن لوگوں کی زبانی ہیں جو عین موقع پر موجود تھے۔ مگر باوجود اسکے ایک دوسری سے نہیں ملتی چنانچہ بعض لوگوں نے مجھے اس امر کا یقین دلایا کہ اُسکی لاش مُردوں میں ملی تھی لیکن صورت پہچاننی مشکل تھی اور ڈچوں کے کارخانہ کے ایک افسر علی کی چٹھی میں جسے بچشم خود دیکھی ہے اُسمیں بھی یوں ہی لکھا تھا۔ لیکن پھر بھی جیسا کہ چاہیئے یقینی بات کوئی نہیں ہے۔ اور اِسی وجہ سے دِھلی میں کئی بار ایسی افواہیں اُڑتی رہیں کہ جنسے خواہ مخواہ لوگوں کے کان کھڑے ہوگئے[1] چنانچہ ایکبار تو یہہ غُل ہوا کہ شُجاع مچھلی پٹن پہنچگیا ہے اور گولکنڈہ اور

---

[1] ماثر عالمگیری میں بضمن وقایع ۱۲ سنہ بارہ جلوس عالمگیری مطابق ۱۰۷۹ سنہ ایکہزار اُناسی ہجری لکھا ہے کہ " عالمگیر کے حضور میں یہہ خبر پہنچی کہ مورنگ میں یعنی آسام اور کوچ بہار کے مابین ایک مصنوعی شجاع نے شورش برپا کی ہے جسپر نہایت تاکید کے ساتھ وہاں کے حکام ابراہیم خان اور فدائی خان کے نام فرمان جاری ہوئی کہ اگر وہ کسی طرف سر نکالے تو سر کاٹ کر حاضر کرو۔ جس سے ثابت ہے کہ فی الواقع اُسکی تباہی سے نو برس بعد تک بھی لوگوں کو اُسکی موت وحیات میں شک ہی تھا۔ س ح

بیجاپور کے بادشاہوں نے اُس سے یہہ عہد اور اقرار کر لیا ہے کہ اپنی اپنی تمام فوج سے آپکی مدد کرینگے اور پھر بڑے پختہ طور پر یہہ خبر اوڑی کہ وہ دو جہازوں پر جن پر سرخ نشان چڑھے ہوئے تھے سورت کے سامنے سے ہوکر گزرا ہے اور یہہ جہاز اُسکو شاہ پیگو یا شاہ سیام نے دیئے ہیں۔ پھر ایک یہہ چرچا ہوا کہ وہ ایران پہنچگیا ہے اور شیراز میں لوگوں نے دیکھا ہے۔ اور کچھ دنوں بعد ان افواہ اُڑانے والوں نے اُسے قندھار پہنچا دیا اور مشہور کر دیا کہ وہاں سے کابل پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ ایک دفعہ اورنگ زیب نے کہا کہ "شجاع تو آخر حاجی ہوگیا" یعنی مکّہ جا پہنچا۔ مگر اُسکا یہہ کہنا غالباً ظرافت کے طور پر تھا۔ اور ابتک بہتیرے آدمی اس بات پر یقین کیئے ہوئے ہیں کہ وہ استنبول میں کچھ عرصہ رہکر اور وہاں سے بہت سا مال و دولت لیکر ایران میں آگیا ہے۔ مگر میرے نزدیک یہہ سب افواہیں محض بے بنیاد ہیں اور وہ چٹھی قابل اعتماد ہے جو ڈچوں کے کارخانہ تجارت کے افسر اعلیٰ کی طرف سے تھی اور جسمیں یہہ لکھا تھا کہ شجاع اراکان سے بھاگنے کی حالت میں مارا گیا۔ چنانچہ اُسکے ایک خواجہ سرا نے جسکے ساتھ میں بنگالہ سے مچھلی پٹن گیا تھا اور ایک اور شخص نے جو اُسکے توپخانہ کا سردار تھا اور اب شاہ گولکنڈا کا ملازم ہے مجھ سے کہا کہ فی الحقیقت ہمارا آقا مرچکا ہے۔ لیکن اسکی تفصیل مجھ سے بیان کرنی نہیں چاہی۔ اور بعض فرانسیس سوداگروں سے جو سیدھے اصفہان[1] سے آئے تھے دہلی میں میری ملاقات ہوئی تو اُنہوں نے کہا کہ ایران میں ہمنے

---

[1] اصفہان اُس زمانہ میں ایران کا دارالسلطنت تھا۔ س م ح ۱۲

کبھی اُسکا نام بھی نہ سُنا تھا۔ اسکے سوا اُسکے زندہ نہونے کی ایک دلیل یہہ بھی ہے کہ شکست کے ساتھ ہی اُسکی تلوار اور خنجر پڑا ہوا ملا تھا اور اگر وہ واقعی جنگل میں بھاگ گیا ہو جیسا کہ بعض لوگوں کا ادّعا ہے تو اس صورت میں بھی جانبر ہونے کی بہت ہی کم اُمید ہے۔ کیونکہ وہاں یا تو چوروں اور رہزنوں وغیرہ نے قطعاً مار ڈالا یا شیر اور ہاتھی وغیرہ درندہ جانوروں نے جو وہاں کے جنگلوں میں بکثرت ہیں چیر پھاڑ ڈالا ہوگا۔

شجاع کے اہل عیال پر جو گزری اُس کا بیان۔

بہرحال سُلطان شُجاع کی موت وحیات کی نسبت خواہ کچھ ہی شکوک اور احتمالات ہوں۔ لیکن اُسکے کُنبہ کے لوگوں پر جو جو آفتیں اور مصیبتیں پڑیں اُن کے متعلق روایتوں کی صحت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ چنانچہ اِن بیچاروں کی مصیبتوں کی تفصیل اِس طرح پر ہے کہ جب اِن کو قید کرکے واپس لائے تو کیا مرد کیا عورتیں کیا بچے سب کے سب قید خانے میں ڈالدیئے گئے۔ اور نہایت ہی بیرحمی اور سختی کی گئی۔ مگر چند مدّت بعد اُنکو چھوڑ دیا گیا۔ اور کسیقدر مہربانی کی گئی۔ اور شُجاع کی بڑی بیٹی سے راجہ نے شادی کرلی اور اُس کی ماں سُلطان باقی سے خود اپنا عقد کرلینے کی بڑی خواہشمند تھی کہ اتنے میں سُلطان باقی کے چند نوکر اُنہیں مسلمان لوگوں سے بلکہ جنکا ذکر ابھی ہوچکا ہے پھر اُسی قسم کے منصوبہ کی فکر میں پڑ گئے۔ لیکن اُن میں کا ایک بے احتیاط اور جلد باز شخص جو غالباً شراب پیکر اور بھی زیادہ بے عقل ہوگیا تھا نشہ کی ترنگ میں اس راز کو مخفی نہ رکھ سکا اور عین حملہ کے روز اُس سے یہہ بھید کھلگیا۔

اور اگرچہ اس قصہ کی نسبت بھی ہزاروں روایتیں سُننے میں آئی ہیں لیکن جو بات اطمینان اور اعتماد کے ساتھ بیان کی جاسکتی ہے وہ صرف اسقدر ہے کہ اِس حرکت سے راجہ ایسا برہم اور غضبناک ہوا کہ شجاع کے تمام کُنبہ کے قتل کا حکم دیدیا یہانتک کہ وہ شہزادی جس سے اُسنے عقد کرلیا تھا باوجودیکہ حاملہ تھی اسکے وحشیانہ حکم سے وہ بھی قتل کی گئی اور سُلطان باقی اور اُسکے بھائیوں کے سر کُند کلہاڑی سے کاٹے گئے اور اِس بدبخت کُنبہ کی باقیماندہ عورتیں اپنے اپنے مکانوں میں ایسی سختی سے قید کی گئیں کہ فاقوں کے مارے وہیں ہلاک ہوگئیں۔

الغرض یہہ لڑائی کی آگ جو ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی خاطر چاروں بھائیوں کے باہم بھڑکی تھی پانچ یا چھ سال کے اندر یعنی تقریباً ۱۶۵۵ء سے لیکر ۱۶۶۰ء سولہ سو ساٹھ یا اکسٹھ تک اِس طرح پر خاتمہ کو پہنچی اور اورنگ زیب اِس عظیم الشان سلطنت کا اکیلا ہی مالک بنگیا۔ [۵۲]

---

[۵۱] چونکہ ۱۰۶۷ھ (ایکہزار سڑسٹھ) ہجری کے اخیر میں شاہجہاں سخت بیمار ہوا تھا۔ اور اُسکی بیماری کی خبر پاکر سب بھائیوں سے پہلے مراد بخش نے گجرات میں بغاوت کی تھی اور آخرکار شجاع کے اراکان میں چلے جانیکے بعد سلیمان شکوہ سری نگر سے قید ہوکر دھلی میں بھیجے گئے جمادی الاولی ۱۰۶۸ھ (ایکہزار اڑسٹھ) ہجری کو پہنچا تھا۔ اس حساب سے یہہ لڑائی بھڑائی تین برس سے زیادہ نہیں رہی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس قصہ کا شروع اُسوقت سے لیا ہے جبکہ شاہجہاں نے فساد کے اندیشہ سے شہزادوں کو علیحدہ علیحدہ صوبے دیکر کابل سے روانہ کیا تھا۔ س ۱۲

[۵۲] شجاع کی شکستوں اور اراکان کو جانے کا حال جس طرح پر بلا اختلاف عالمگیرنامہ اور مآثر عالمگیری اور سیر المتاخرین میں لکھا ہے اسکا حاصل یہہ ہے کہ مونگیر سے بھاگنے کے بعد اُسنے ٹانڈہ کو اپنا محل و مرکز قرار دیا اور برسات یہیں بسر کی اور جب میر جملہ کی آمد آمد سے ڈر کر یہاں بھی

ٹھکانا نہ دیکھا تو اپنے دونوں چھوٹے بیٹوں اور قریب تین سو نوکروں چاکروں کے دو کشتیوں میں بیٹھکر راجہ محل کو بھاگ گیا جہاں پہلے سے اُسکا بڑا بیٹا زین الدین اس غرض سے گیا ہوا تھا کہ وہاں کے حاکم رشید خاں نامے نے جو نمک حرامی کرکے میر جملہ سے سازش کرلی تھی اور اسکی تحریک سے راجہ محل کے رئیس معصوم خاں کے بیٹے منور خاں نے کسیقدر فساد برپا کر رکھا تھا اُسکو فرو کرے۔ چنانچہ رشید خاں کو تو اُسنے جاتے ہی جبکہ وہ سلام کو حاضر ہوا مین دربار میں قتل کرا دیا تھا۔ اور ملحاظ اپنی تنگ حالت کے اراکان کے راجہ سے پیام وسلام کرکے اور تحفے تحایف بھیجکر منور خاں کی سرکوبی کے لیئے اُسکی بہت سی جنگی کشتیاں منگالی تھیں اور اُنہوں نے اُسکے ساتھ ہوکر منور خاں کو شکست دینے میں اپنی عادت کے موافق راجہ محل کی رعیت کو بھی بہت تباہ کیا اور اکثر لوگوں کو جنمیں بہت سے مسلمان بھی تھے قید کرکے ساتھ لیگئے اور زین الدین نے اس مدد کے صلہ میں اُنکو بہت سا نقد وجنس وغیرہ رخصت کیا اور راجہ سے یہہ ٹھہرالیا کہ اگر شجاع کو مجبوراً اراکان میں آنا پڑے تو اُسکی کچھ فوج راجہ محل میں آکر اُسکو وہاں لیجاے۔ چنانچہ راجہ نے اپنے رشتہ دار چاٹگام کے حاکم کو جو اُسوقت تک یہہ تمام مُلک اراکان میں داخل تھا یہہ حکم بھیجدیا تھا کہ جب شجاع طلب کرے تو کچھ فوج اُسکی مدد کو بھیجدے۔ پس جب شجاع راجہ محل میں پہنچا تو نا چار اُنہوں چند معتبر شخصوں کو فوج لانے کو بھیجا تاکہ ساتھ ہوکر اُسکو اراکان لیجائے اور ایک مہینے تک اِسکے انتظار میں بیٹھا رہا۔ لیکن چونکہ میر جملہ برابر اُسکے تعاقب میں چلا آتا تھا اسلیئے اپنے تینوں بیٹوں اور دو چار سرداروں اور چند سپاہیوں اور خواجہ سراؤں وغیرہ کے ساتھ جواب آنیکے بغیر ہی پھر کشتیوں میں بیٹھ وہاں کو چلدیا۔ راجہ محل چھوڑنیکے تیسرے دن وہ لوگ جو زین الدین نے اب سے تین مہینے پہلے راجہ اور چاٹگام کے حاکم کے پاس روانہ کئے تھے مع اکاون اراکانی اور فرنگستانی کشتیوں کے جو سلح اور ساز وسامان سے بخوبی درست تھیں اور جنکو چاٹگام کے حاکم نے راجہ کے منشا کے موافق روانہ کیا تھا مع راجہ اور چاٹگام کے حاکم کی تحریروں کے میں رہ روی کی حالت میں آملے۔ مگر اراکانی سرداروں نے یہہ کہا کہ اگرچہ ہم آپکی مدد کے لیئے آئے ہیں اور راجہ کا خود بھی ارادہ تھا کہ کمک کے لیئے چاٹگام میں آکر ٹھہرے اور پیچھے سے جنگی کشتیوں کا اور بھی زیادہ مضبوط "نواڑہ" یعنی بیڑہ روانہ کرے اور خشکی کی راہ سے بھی کچھ مدد بھیجے لیکن یہہ سب کچھ اُس صورت میں تھا کہ

آپ راج محل یعنی اپنے ملک میں ٹھہر کر میر جملہ کے مقابلہ کا سامان کرتے اور آپ کے اراکان میں لیجانے کا ہمکو حکم نہیں ہے۔ اب چونکہ یہاں سے قریب ہی موضع بھلوہ میں (جو غالباً وہی مقام ہے جسکو حال کے انگریزی نقشوں میں بھلوا لکھا ہے۔ اور ڈھاکہ سے نیچے تقریباً ڈھاکہ اور چاٹگام کے وسط میں دریا کے کنارے ہے) انتہاے سرحد پر بادشاہی قلعہ اور تھانہ تھا اسلیے شجاع کا ارادہ ہوا کہ اُسپر قبضہ کرے اور وہاں ٹھہر کر اراکانیوں کی مدد سے آیندہ کے لیے کچھ بندوبست کرے مگر جب قلعہ پر تصرف نہو سکا تو شجاع نے اراکان والوں سے خشکی پر اُتر کر قلعہ پر حملہ کرنے کی درخواست کی۔ لیکن انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے معمول کے برخلاف ہے۔ البتہ پانی پر ٹھہر کر توپ بندوق سے آگ برسانے کو ہم حاضر ہیں۔ اور شجاع کے اصرار سے ناراض ہوکر آخر کار روکھے پھیکے بنگئے۔ اور صاف کہدیا کہ اگر قلعہ آپکی کوشش سے ہاتھ آجاتا تو مضائقہ نتھا کہ ہم آپکو اسمیں بٹھا کر آپ کے ایک لڑکے کو اراکان لیجاتے اور رابطہ آیندہ کے لیے جو حکم دیتا وہ کرتے۔ لیکن اب تو یہی بہتر ہے کہ آپ خود اراکان کو تشریف لیجلیں چنانچہ وہ اسپر راضی ہوگیا۔ اور چھٹی رمضان ۱۰۷۱ھ (ایکہزار ستر) ہجری کو وہاں چلا گیا۔ اور سوا اُن چالیس رفیقوں کے جنکا حال پیچھے ایک حاشیہ میں لکھا جا چکا ہے۔ اس آفت میں اُور کسی نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ اور جس وقت سے وہ وہاں پہنچا اور جو مصیبتیں وہاں پیش آئیں اُنکی نسبت صاحب عالمگیر نامہ نے مجملاً یوں لکھا ہے کہ

"بعد از قطع مراحل ادبار و طے بحبہ ہاے خونخوار بہ جزیرہ ذخنگ کہ از دل معمورہ ہاے عالم و مسکن کفرہ ضلالت شیم است رسیدہ از تیرہ بختی و بدفرجامی باد و دام آن سرزمین محشور شدہ و عاقبت حال و سوی تاش باعث عبرت ہمگنان شد و سرانجام کار آن بدعاقبت بعد از وصول بآن ولایت ضلالت بنیاد و ملاقات باسرگروہ آن قوم بدنہاد کہ بہزاران ہزار مرحلہ از شہرستان انسانیت و کشور انسانیت دور و از حلیہ دین و دانش و شعار مروت و مردمی مہجور ند بعد ازین در محل خود مشروح و مذکور خواہد شد" مگر اس مصنف نے اپنے اس وعدہ کے موافق کوئی تفصیلی حال اس بدنصیب کا آگے کہیں بیان نہیں کیا۔ اور یہ بھی کسی اور کتاب میں میری نظر سے گزرا۔ سن مسیح

خواتین اُزبک کے سفیروں کا اورنگ زیب کی خدمت میں حاضر ہونا

لڑائی کے ختم ہوتے ہی اُزبک قوم کے تاتاریوں نے بڑی عجلت کے ساتھ اپنے سفیر اورنگ زیب کے پاس بھیجے۔ جس زمانہ میں شاہجہاں نے اُسکو اپنی فوج کا سپہ سالار بناکر خانِ سمرقند* کی مدد کو جو خانِ بلخ سے لڑرہا تھا بھیجا تھا یہ بہت سی لڑائیوں میں اُسکی بہادری اور جنگی لیاقتیں

* امام قلی خان اور نذر محمد خان ازبک قوم کے دو بادشاہ اور سگے بھائی تھے اور ان کے باہم ملک اس طرح پر تقسیم تھا کہ سمرقند اور بخارا امام قلیخان اور بلخ و بدخشان نذر محمد خان کے پاس تھا۔ لیکن جب امام قلیخان رحلت بعبارت کی وجہ سے مکہ معظمہ کو ہجرت کرگیا تو سمرقند اور بخارا بھی نذر محمد خان کے قبضہ میں آگیا۔ مگر اسکی سخت گیری اور سوے تدبیری سے اُمرا نہایت تنگ آگئے اور اُنہوں نے اسکے بڑے بیٹے عبدالعزیز خان کو پھر بخارا اور سمرقند کا علیحدہ بادشاہ بنالیا اور صرف وہی بلخ اور بدخشان اسکے پاس رہگیا۔ لیکن چونکہ وہاں بھی بے انتظامی اور ابتری پھیل گئی تو مجبور ہوکر اسنے یہ حماقت کی کہ شاہجہاں سے امداد کا طالب ہوا جو بلخ و بدخشان و سمرقند و بخارا کو اپنا ملک موروثی سمجھکر اُسکو اپنے قبضہ میں لانے کا نہایت آرزومند تھا اور اسکی اُس حرکت کو بھی نہ بھولا تھا جو اس نے جہانگیر کا مرنا سنتے ہی کابل کو آن گھیرا تھا۔ پس اُسنے موقع کو غنیمت سمجھکر شہزادہ مُراد بخش اور امیرالامرا علی مردان خان کو امداد کے حیلہ سے بلخ کو روانہ کیا اور خود بھی لاہور سے کابل کو کوچ کردیا۔ چنانچہ جب بلخ سے ایک منزل پر نذر محمد خان نے اپنے دو ٹوں بہرام اور سبحان قلی کو شہزادہ کے استقبال کے لیئے بھیجا تو بعد بہت سی خاطر مدارات کے اُنکو یہ پیغام دیکر واپس بھیجدیا گیا کہ آپ اطمینان رکھیں ہم بیشمار لشکر کے ساتھ آپکی مدد کے لیئے آن پہنچے ہیں۔ مگر جب اگلے روز بلخ پہنچا تو امداد کی جگہ قلعہ پر قابض ہوجانا چاہا اور یہ دیکھکر نذر محمد خان مع اپنے ایک بیٹے کے مجبوراً ایران کو بھاگ گیا اور اُنہوں نے بارہ لاکھ روپیوں اور جڑاؤ اور طلائی چیزوں اور ڈھائی ہزار گھوڑوں اور تین سو اونٹوں پر

دیکھ چکے تھے اور اس سبب سے ڈرتے تھے کہ مبادا اُسکو اُنکی دغابازی یاد ہو کہ جب وہ دشمن کے تخت گاہ بلخ پر قبضہ کر لینے کو تھا اُنہوں نے باہم صلح کر کے اُسکی سپاہ کو اپنے ہاں سے نکالدینے کے لیئے اسوجہ سے بالاتفاق کوششیں کی تھیں کہ کہیں اُسی طرح دونوں ہی کا ملک

جو قلعہ میں تحکم قبضہ کر لیا اور اُسکے دو بیٹوں اور تین لڑکیوں کو شاہجہاں کے پاس کابل بھیجدیا جنہیں سے بہرام کو مصلحتاً پنجہزاری کا منصب عطا ہوا اور عبدالرحمن کو تربیت کے لیئے داراشکوہ کے سپرد کیا گیا اور لڑکیوں کو بادشاہ کی بڑی بیٹی معروف بیگم صاحب نے بہت اعزاز سے اپنے پاس رکھا مگر جب مُراد بخش چند عرضیاں بھیجکر بلا انتظار حکم کے واپس چلا آیا۔ اور سعد اللہ خاں وزیر سے بھی وہاں کا بخوبی نظم و نسق نہو سکا تو شاہجہاں نے اورنگ زیب کو بھیجا جو جمادی الاول ۱۰۵۶ھ (یکہزار پچپن) ہجری کی پہلی تاریخ کو وہاں پہنچگیا اور نذر محمد خاں کے بیٹے عبدالعزیز خاں نے بخارا و سمرقند اور اُور ازبک سرداروں سے جو نہایت ہجوم کیئے ہوئے تھے خوب لڑائیاں ہوئیں اور اورنگ زیب نے وہ چستی و چالاکی اور جوانمردی دکھائی کہ دشمن بھی دنگ ہو گئے چنانچہ ایکروز جبکہ ازبکوں نے اپنی زبردست کمانوں سے تیروں کا سینہ برسا رکھا تھا فوج کا دل بڑھانیکو اپنی زرہ اُتار ڈالی اور ڈھال کھولکر پھینکدی اور کہا آج اسی طرح لڑینگے۔ اور ایک اور لڑائی میں جبکہ مخالفوں نے نہایت ہی انبوہ کر رکھا تھا سواری سے اُتر کر ایسی بیفکری اور اطمینان کے ساتھ نماز ظہر باجماعت ادا کی کہ جسکی کیفیت سننے سے عبدالعزیز خاں کو اُسکے آگے سر جھکانا اور شاہجہاں کے حضور میں حاضر ہونا ہی پڑا اور نذر محمد خاں بھی اورنگ زیب کی خدمت میں اپنا خاصہ تضمن اطاعت اخلاص بھیجکر اسکی ذریعہ سے امن اور صلح کی درخواست کی جسکو شاہجہاں نے نہایت عقلمندی کر کے اسوجہ سے قبول کر لیا کہ جا کر دیکھ آئے کہ اتنا جمع ہو چکا تھا اور فائدہ کچھ بھی تھا۔ اور اورنگ زیب اُسی طرح ملک کو خالی کر کے واپس چلا آیا جس طرح کہ اب ہمارے سامنے تین برس کی لڑائی اور بائیس کرور روپیہ کے ضایع اور امیر شیر علیخاں کو خاندان کے بالکل برباد کر ڈالنے کے بعد لارڈ لٹن وائسرائے ہندوستان نے آخر کار شیر علیخاں کو چچازاد بھائی امیر عبدالرحمن خاں کو ملک افغانستان حوالہ کر دینا ہی ٹھیک خیال کیا اور جنرل سر ڈنلڈ اسٹوارٹ اور جنرل سر فریڈرک رابرٹس اور چیف پولیٹکل افسر سر لیپل گرفن اُسکو کابل سپرد کر کے واپس چلے آئے۔ اور یہہ ڈاکٹر برنیر کی غلطی ہے جو لکھا ہے کہ اورنگ زیب خانِ سمرقند کی امداد کو جو خان بلخ سے لڑ رہا تھا بھیجا گیا تھا۔ س م ح

(ماخوذ از بادشاہنامہ و عالمگیر نامہ)

نہ چھن جائے جس طرح اکبر نے کشمیر چھین لیا تھا *

* ۷۱۵ھ (سات سو پندرہ) ہجری میں ایک شخص ساہو نامے جو اپنے کو گرشاسپ کی نسل سے (یعنی ایرانی نژاد گنتا تھا) راجہ سہدیو فرمانروائے کشمیر کا (جیسا بعض کتابوں میں شاید رسم الخط کی غلطی سے سہدیو اور اولاد راجہ ارجن یانڈو سے لکھا ہے) ملازم ہو کر عہدہ خدمتوں کے باعث رفتہ رفتہ نہایت صاحب اقتدار ہو گیا تھا چنانچہ ۷۱۳ھ سات سو تیرہ ہجری میں جب سہدیو کا بیٹا جو برائے نام راجہ تھا مر گیا تو اُسکا مقتدر اور مسلط وزیر شاہ میر جو اس ساہو کا بیٹا تھا سلطان شمس الدین لقب مقرر کر کے خود ہی راجہ بن بیٹھا۔

اس طرح پر ہندو راجاؤں کی حکومت کا سلسلہ تو منقطع ہو گیا اور دو سو تیرہ ۲۱۳ برس تک شمس الدین کی اولاد کے لوگ متواتر حکمرانی کرتے رہے۔ مگر جب اس سلسلہ کے اخیر بادشاہ حبیب شاہ ابن نازک شاہ کو (جو سہدیو کے بیٹے کی طرح صرف برائے نام بادشاہ تھا) ۹۶۴ھ نو سو چونسٹھ ہجری میں اُسکے کشمیری وزیر غازی خاں چک نے بیدخل کر دیا تو سلطنت چکوں کے خاندان میں منتقل ہو گئی۔ اور غازی خاں کی وفات کے بعد جو اُسکے بھائی حسین شاہ اور علی شاہ نوبت بنوبت بادشاہ ہوئے تو حسین شاہ شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کی خدمت میں تحفہ تحائف بھیجکر اظہار اطاعت کرتا رہا اور علی شاہ نے یہانتک تابعداری اختیار کی کہ اکبر کا خطبہ اور سکہ بھی جاری کر لیا اور شاہزادہ سلیم (جہانگیر) کے لیئے اپنی بیٹی کا ڈولہ بھی روانہ کیا۔

جس واقعہ کا ڈاکٹر بزیر اشارہ کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جب سید مبارک خاں نامے ایک کشمیری سردار نے علیشاہ کے بیٹے یوسف شاہ کو کشمیر سے خارج کر دیا اور وہ مرزا سلیمان یوسف خان مشہدی صوبہ دار پنجاب کے ذریعہ سے استمداد کے لیئے بمقام فتحپور سیکری اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُسنے میرزا سے مذکور اور راجہ مان سنگھ کو جودھپور کو اُسکی مدد کے لیئے مامور فرمایا اور ۹۸۵ھ ہجری میں خفیف مقابلہ کے بعد کشمیر پھر اُسکے قبضہ میں آگیا۔ ۹۸۹ھ نو سو نواسی ہجری میں اکبر نے کابل سے آتے ہوئے جلال آباد سے ایک ایلچی مع فرمان کے روانہ کیا اُسنے فرمان کا استقبال کیا اور حیدر خاں عرف یعقوب اپنے بیٹے کو بہت سے تحفہ تحائف کے ساتھ اکبر کی خدمت میں بھیجدیا۔ یہ شہزادہ ایک برس تک

چونکہ یہہ اُن تمام واقعات سے جو ہندوستان میں گزری تھے
اور اورنگ زیب کی فتوحات اور سلطنت کے دوسرے دعویداروں کی
کامل بربادی اور موت سے خوب واقف تھے اور یہہ بھی جانتے تھے کہ اگرچہ

حاضر دربار رہا۔ مگر کبھی جو آئی کسی بات سے گھبرا کر بلا اجازت کشمیر کو چلا گیا۔ اب اکبر کو ملک پر قبضہ کر لینے کے لیے خاصہ بہانہ ملگیا اور یوسف شاہ کے نام ایک سخت فرمان جاری ہوا کہ خود حاضر ہووے یا بیٹے کو حاضر کرے۔ مگر جب تعمیل میں (جیسی کہ پہلے ہی سے توقع تھی) حیلے بہانے ہوئے تو کشمیر کو فوج بھیجدی گئی۔ اور جب یوسف شاہ نے اپنے بیٹے کے جو اس مصیبت کا باعث ہوا تھا میرزا شاہ رخ اور راجہ بھگونت داس امرائے شاہی امور مہم کے لشکر میں حاضر ہو گیا تو کشمیریوں نے جو اپنی آزادی کو قائم رکھنا چاہتے تھے اس سے ناراض ہو کر حسین چک کو اپنا حاکم بنا کر مقابلہ کی تیاری کر دی۔ مگر یعقوب باپ کو چھوڑ کر پھر کشمیر کو بھاگ گیا اور کشمیریوں نے اُسے شاہ اسمٰعیل کا لقب دیکر بادشاہ بنا لیا۔ لیکن بعد ایک سخت لڑائی کے کشمیری سردار مغلوب ہو کر حاضر ہو گئے اور ۹۹۳ (نو سو ترانوے) ہجری میں اکبر کا سکہ خطبہ پھر جاری ہو گیا۔ اور زعفران اور ریشم اور شکاری پرند بطور خراج مقرر ہو گئے۔

بعد اسکے اگرچہ یوسف شاہ بادشاہ کی خدمت میں بذات خود حاضر تھا مگر یعقوب اب بھی جیسی چاہیئے اطاعت نہیں کرتا تھا اسلیئے پھر فوج کشی ہوئی اور اگرچہ وہ اور شمس چک کچھ عرصہ تک مقابلہ کرتے رہے مگر آخر کار شمس چک وغیرہ کشمیری سردار سب حاضر ہوئے اور ملک کشمیر ضمیمہ سلطنت مغلیہ ہو کر مرزا یوسف خان مشہدی جو لیاقت اور دانشمندی میں مشہور شخص تھا صوبہ دار مقرر ہو گیا۔ اور اب کشمیری ایسے مغلوب ہوئے اور اُن کا یہہ کوتہ اندیش بادشاہ یعقوب اس حالت کو پہنچ گیا کہ ۹۹۷ (نو سو ستانوے) ہجری میں جب شہنشاہ۔ کشمیر کی سیر کو گیا تو دربار عید الفطر کے روز مرزا یوسف خان کی سفارش سے جو اسکی تقصیر معاف ہوئی تو اکبر نے بجائے تاج بخشی کے اُس کو اپنی پاپوش عطا کی!! جس کو وہ اپنی پگڑی پر باندھ کر دربار میں حاضر ہوا!!!

(ماخوذ از سیر المتاخرین و گلزار کشمیر وغیرہ)

شاہجہاں زندہ ہے مگر فی الواقع اب اُسکے بیٹے کے بادشاہ ہونیکو سب نے مان لیا ہے اسلیئے انتقام کے خوف یا جبلّی طمع اور طبعی لالچ کی تحریک سے اس اُمید پر کہ شہنشاہ ہندوستان کے ہاں سے عمدہ عمدہ تحفے ہاتھ آئینگے مبارکباد کہنے اور خدمت کے لیئے اپنی آمادگی ظاہر کرنے کو اُنہوں نے اپنے اپنے ایلچی روانہ کیئے مگر فتح کے بعد یہہ پیغام جس قدر کے قابل تھے اورنگ زیب اُس سے بخوبی واقف تھا اور خوب جانتا تھا کہ صرف سزا کے خوف یا مال کی طمع سے اِن کو بھیجا ہے۔ لیکن تاہم مناسب طور پر اُن کا استقبال اور خاطر تواضع عمل میں آئی اور چونکہ اُس روز دربار میں مَیں بذات خود موجود تھا اسلیئے ہر ایک بات کو صحیح طور پر بیان کرسکتا ہوں۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ اُنہوں نے دربار ہندوستان کی رسم ادب کے موافق کسیقدر فاصلہ سے بادشاہ کو سلام کیا۔ یعنی سر جھکا کر اور تین دفعہ اپنے ہاتھ زمین تک لیجا کر اور پھر پیشانی تک لاکر تین بار سلام کیا اور اسکے بعد اگرچہ وہ اِسقدر نزدیک پہنچگئے کہ اورنگ زیب خود اُن کے ہاتھ سے خریطے لے سکتا تھا لیکن یہہ رسم ایک امیر کی معرفت ادا ہوئی۔ یعنی اُسنے اِن سے لیکر کھولے اور پھر بادشاہ کو دیئے۔ اور اُسنے بڑی متانت اور وقار سے پڑھکر حکم دیا کہ ہر ایک سفیر کو "سراپا" (جسکے معنی ہیں سر سے پاؤں تک کا لباس) عنایت ہو۔ چنانچہ زربفت کی ایک ایک قبا اور ایک ایک پگڑی اور ایک ایک زریکار ریشمی ٹکہ عطا ہوا اور اسکے بعد جو تحایف وہ اپنے اپنے "خان"

کی طرف سے لائے تھے پیش ہوئے - یعنی نہایت عمدہ لاجورد[1] کے
بنے ہوئے کئی صندوقچے اور لمبے لمبے بالوں والے کئی اونٹ اور
چند نہایت خوبصورت ترکی گھوڑے (اگرچہ وہاں کے گھوڑوں کی
زیادہ تعریف اصالت ہی کی ہے) اور بمقدار کئی اونٹوں کے بوجھ
کے تازے میوے مثل سیب - ناشپاتی - انگور اور سردوں کے
جو دہلی میں اکثر اُسی مُلک سے آتے اور جاڑے بھر بکا کرتے ہیں
اور اسیقدر خشک میوے مثل آلو بخارا - خوبانی اور کشمش اور دو قسم کے
اُوز سفید اور سیاہ انگور جو بہت بڑے بڑے اور نہایت لذیذ تھے
جنکو ملاحظہ فرماکر اورنگ زیب نے سفیروں سے فرمایا کہ خان صاحبوں
کے اِن تحایف سے ہم بہت خوش ہوئے - اور میوؤں کی خوبی اور
اونٹوں اور گھوڑوں کی عمدگی کی بڑے مبالغے سے تعریف کی - پھر اُنکے
مُلک کی زرخیزی کا کچھ ذکر کرکر اور سمرقند کے مدرسۂ اعظم کی بابت چند
باتیں پوچھکر کہا کہ اچھا اب آرام کیجئے - اور گاہ گاہ دربار میں آتے رہیے
ہم آپکی ملاقات سے خوش ہونگے - چنانچہ جس طرح اِن ایلچیوں کا استقبال
وغیرہ ہوا اُس سے یہہ بہت خوش اور رضامند دربار سے رخصت ہوئے
اور ہندوستان کے طرز سلام سے جو فی الواقع ایک ذلت ہی کچھ
رنجیدہ نہ تھے - اور نہ اِس سے کچھ ناراض تھے کہ خود بادشاہ زمانے

---

[1] کتاب مخزن الادویہ میں لکھا ہے کہ کاشغر واقع ترکستان کا سنگ لاجورد
سب سے بہتر ہوتا ہے - س م ح

ہاتھ سے خریطے کیوں نہ لیئے اور مجھے یقین تھا کہ اگر اُن سے آداب میں[1] بوسہ بجالانے یا اس سے بھی زیادہ کسی اور رسم انکسار کے ادا کرنے کی خواہش کیجاتی تو یہہ اُسکو بھی بلا عذر قبول کر لیتے لیکن یہہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر یہہ اپنے مُلک کے دستور کے موافق سلام کرنے یا بادشاہ کو اپنے ہاتھ سے خریطے دینے کی اِستدعا کرتے تو یہہ منظور بھی ہوتا - کیونکہ یہہ رعایتیں صرف ایران ہی کے سفیروں کے ساتھ ملحوظ رہتی ہیں - بلکہ اُن کو بھی ہزار دقّت سے یہہ اجازت ملتی ہے —

یہہ لوگ چار مہینے سے زیادہ دہلی میں رہے - اور اگرچہ کئی بار چاہا مگر رخصت نہ ملی اور اتنے دنوں تک یہاں رہنا اُنکی تندرستی کے لیئے ایسا مضر ہوا کہ یہہ اور ان کے اکثر ہمراہی علیل ہو گئے - بلکہ کئی شخص تو مر بھی گئے - مگر مجھے شبہ ہے کہ ان کو گرمی کے باعث جسکے یہہ عادی نہ تھے یہ تکلیف ہوئی یا کہ جسم اور لباس کی کثافت اور خوراک کی قلّت کے سبب سے کیونکہ اُزبک غالباً تمام دنیا کے لوگوں سے بڑھکر خسیس اور بخیل اور

---

[1] شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ سے جسنے لباس اور رسوم دربار وغیرہ میں تالیف قلوب کے لیئے بہت کچھ ہندو راجاؤں کا طرز اختیار کر لیا تھا لوگ جس طرح راجاؤں کو ڈنڈوت کرتے تھے دربار کے وقت بجائے سلام کے بادشاہ کو سجدہ کیا جاتا تھا گر شاہجہاں نے تخت پر بیٹھتے ہی اسکی ممانعت کی اور مہابت خاں سپہ سالار کی رائے سے اُسکی عوض آداب میں بوسہ مقرر ہوا - یعنی جب کوئی سلام کو حاضر ہو تو چاہیئے کہ بادشاہ کی مسند کے دونوں پائے تعزین پر ٹیک کر اُنکی پشت کو چوم لیا کرے اور سادات اور علما اور مشائخ اور درویشوں کو حکم ہوا کہ صرف سلام کر لیا کریں اور رخصت کے وقت فاتحہ پڑھ دیا کریں مگر چونکہ اسمیں بھی سجدہ کے سا تھا ایک طرح کی مشابہت تھی چند سال بعد اسکو بھی موقوف کر دیا اور اسکی عوض چوتھی تسلیمات مقرر کر دی جو اب تک عام و خاص سے ہوتی آئی گاہ کہا جاتا تھا لوگ بجا لاتے تھے - اخوند باد شاہنامہ ص ۴۶ ج ۱۲

کثیف رہنے والے ہیں - چنانچہ جو لوگ اس سفارت میں آئے تھے سب کے سب جو روپیہ خرچ کے طور پر اورنگ زیب کی طرف سے انکو ملتا تھا برابر جمع کیے جاتے تھے اور ایسی خست سے گزران کرتے تھے جو کسی طرح بھی اُن کے مناسب حال نتھی مگر باایں ہمہ اِن کی رخصت کے وقت بڑی دھوم دھام اور رسم رسوم کا عملدرآمد ہوا یعنی ایک ایسی دربار میں کہ جسمیں تمام اُمرا حاضر تھے دونوں ایلچیوں کو بڑے بیش قیمت سراپا عطا ہوئے اور حکم ہوا کہ دونوں کے ڈیرے آٹھ آٹھ ہزار روپیہ نقد بھی بھیجا جائے اور اِن کے آقاؤں کے لیئے بھی بہت گراں بہا سراپا یعنی بہت سے عمدہ عمدہ تھان زربفت کے اور کتنے ہی تھان تن زیب اور ململ کے اور چند الاتچے جو ایک ایسا کپڑا ہوتا ہے جو سنہری روپہلی زری اور ریشم ملا کر بُنا جاتا ہے اور چند قالین اور جڑاؤ قبضہ کی دو خنجر انہیں حوالہ کیے*

---

* عالمگیرنامہ اور مآثر عالمگیری سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں سفیر ایک ہی وقت میں نہیں آئے تھے بلکہ سُبحان قُلی خاں خلف نذر محمد خاں والی بلخ کا سفیر چھبیسویں جمادی الثانی سنہ ۱۰۷۱ ایکہزار ستر ہجری کو حاضر ہوا اور شاہی میر تزک شہر سے باہر استقبال کرکے اُسکو دربار میں لایا اور خلعت کے علاوہ صرع پٹی اور پندرہ ہزار روپیہ نقد عطا ہوا تھا اور چونکہ دیر سے بیمار اور ناتوانی اور ضعف کی حالت میں یہاں پہنچا تھا اسلیئے چوتھی رجب سنہ مذکور کو ایک مرصع چھڑی جو بڑی بڑی امیروں کو اعزازاً اس غرض سے عطا ہوتی تھی کہ اُسکے سہارے سے دربار میں کھڑی ہا کریں عطا ہوئی اور دو سو تولہ کی ایک اشرفی اور اسی وزن کا ایک روپیہ عنایت ہوا مگر وہ چند روز بعد یہیں مر گیا - اور اُسکے ہمراہیوں کو آٹھ ہزار روپیہ نقد دیکر رخصت کیا گیا تھا اور عبدالعزیز خاں کا سفیر سنہ ایکہزار اکہتر ہجری میں آیا تھا اور اُسکا کابل میں پہنچ جانا سنکر بادشاہ نے ایک سردار کو اُسکی خاطر تواضع اور مہمانداری کے لیئے روانہ کیا تھا اور جب وہ چوتھی ربیع الثانی سنہ مذکور کو شاہجہان آباد کے قریب پہنچا تھا تو دو بڑی امیر استقبال کرکے دربار میں لائی تھی اور بہت سی گھوڑوں اور اونٹوں اور اور چیزوں کے علاوہ چالیس ہزار روپیہ کی قیمت کا ایک لعل بھی تحفہ میں لایا تھا اور چونکہ یہ بھی بیمار ہی آیا تھا اسلیئے

سفیران اُزبک کے ساتھ مصنف کی ملاقات اور کھانا کھانا اور حرف و حکایات

ان کے قیام دہلی کے زمانہ میں میری تین ملاقاتیں ان سے ہوئیں اور مجھے میرے ایک دوست نے جسکا باپ مُلک اُزبک سے دربار مغلیہ میں آکر بہت دولتمند ہوگیا تھا یہہ کہکر کہ یہہ ایک طبیب ہیں ان سے ملادیا تھا۔ ان ملاقاتوں سے میرا یہہ مدعا تھا کہ حتی الامکان اُنکے مُلک کے کچھ حالات دریافت کروں مگر وہ اسقدر بے علم اور جاہل نکلے کہ جسکا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا یہانتک کہ اپنے مُلک کی حدود سے بھی واقف نہ تھے اور جن تاتاریوں نے چند ہی سال گزرے مُلک چین پر غلبہ حاصل کیا تھا اُنکا کچھ بھی حال نہ بتا سکے۔ خلاصہ یہہ کہ اُن سے ایک بھی نئی بات معلوم نہو سکی۔ ایکدفعہ مجھے یہہ شوق ہوا کہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤں اور چونکہ یہہ رسوم تکلف سے چنداں آشنا نہ تھے اسلیئے اُن کے شریک طعام ہوجانے میں مجھے کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ مگر اُن کا کھانا بہت ہی عجیب و غریب نظر آیا یعنی بجز گھوڑے کے گوشت کے کوئی بھی چیز نہ تھی۔ مگر بہرحال میںنے اپنے کھانے کا کچھ ڈھنگ نکال لیا۔ کیونکہ دسترخوان پر ایک قاب میں کچھ گوشت ایسی ترکیب[1] سے پکا ہوا بھی

[1] اصل کتاب میں لفظ راگو لکھا ہے جو فرغستان میں ایسے سالن کو کہتے ہیں جو کئی قسم کے گوشت کی بوٹیاں اور مصالحے ملاکر بہ تکلف تیار کیا جاتا ہے۔ راگو Ragout س م ح

خلعت اور مرصع خنجر اور آٹھ ہزار روپیہ نقد کے علاوہ ایک مرصع چھڑی اسکو بھی عنایت ہوئی تھی اور رخصت کے روز پھر خلعت مع خنجر مرصع اور بیس ہزار روپیہ نقد کے مرحمت ہوا تھا اور آنے کے دن سے رخصت کے روز تک کل ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ اسکو دیا گیا تھا۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر برنیر نے غالباً اپنی یاد کی غلطی سے ان دونوں سفیروں کے آنے کو ملاکر لکھدیا ہے۔ س م ح ۱۲

تھا کہ جسکو پینے کھانیکے قابل سمجھا اور آداب مجلس کے لحاظ سے اُسکی تعریف بھی کرتا رہا۔ کیونکہ اُن کے نزدیک وہ نہایت ہی خوش ذائقہ غذا تھی کھانا کھانے میں ایک حرف بھی کسی کے مونہہ سے نہیں نکلتا تھا۔ اور میرے یہہ لطیف مزاج ! میزبان جسقدر مونہہ میں سما سکتا تھا !! ہاتھ سے گھوڑے کا گوشت ٹھونسے چلے جاتے تھے۔ کیونکہ چمچہ سے کھانا بالکل جانتے ہی نتھے[1]

---

[1] افغانستان اور تُرکستان کے لوگ چھوٹے چھوٹے نوالے بناکر کھانے کو ایک زنانہ پن سمجھتے ہیں اور چینیوں کے سوا جنکے کھانا کھانے کا طرز اہل یُورپ سے بہت کچھ مشابہ ہے چُھری کانٹے اور چمچہ سے کھانا کھانیکا رواج ممالک ایشیا میں کبھی بھی نہ تھا اور اب تک بھی اِسنے کچھ زیادہ رواج نہیں پایا۔ اور کھانیکے وقت کم بولنا آداب طعام میں سمجھا جاتا ہے اور تُرکستان میں گھوڑے کا گوشت کا عام رواج ہے۔ چنانچہ میرے محترم دوست مَولَوِی مُحَمَّد حُسَیْن صَاحِب آزاد جنہوں نے تُرکستان کی خوب سیر کی ہے اپنے اِک خط میں یوں ارقام فرماتے ہیں " گھوڑے کا گوشت اُس مُلک میں عام و تمام ہے۔ بازارہائے قصابانی میں جو بڑا عریض اور طویل بازار ہوتا ہے میں نے دیکھا ہے کہ گوشت کی رانیں اور مُچّے دو کانوں پر اور دو کانوں کے آگے جو لکڑ گڑے ہوئے ہوتے ہیں اُنپر لٹکتے ہوتے ہیں۔ جس لکڑ پر گھوڑے کی دُم لٹکتی ہے وہ گویا ٹکٹ لگا ہوا ہے کہ یہہ گھوڑے کا گوشت ہے! اور جسپر گائے کی دُم لٹکتی ہے سمجھ جاؤ کہ یہہ گائے کا گوشت ہے! جسپر اُونٹ کی دُم لٹکتی ہے یہہ اُونٹ کا گوشت ہے! جب ہم کابُل سے بَلخ کو روانہ ہوئے تو کُتَلِ دَنْدَاں شِکَن سے اُترتے ہوئے ہمارے قافلہ سالار کا گھوڑا گرا وہ اُترائی بھی میل بھر سے کم نہ تھی ایسے مقاموں میں گر کر گھوڑے یا اونٹ کا سنبھلنا تو ممکن ہی نہیں گھوڑا چور چور ہوگیا۔ سامنے ہی ایک گانوں تھا لوگ وہاں کے سنتے ہی چُھرے لیکر دوڑے اور تکہ بوٹی کرکے لیگئے اور اپنی ہانڈیاں جاگرم کیں" کیا تعجب کی بات ہے کہ جس قوم کا ایک مصنف گھوڑے کے گوشت کھانے پر انگریزوں کی ہنسی اُڑاتا ہے اُسی کی قوم کے لوگ جب ۱۸۱۳ء اٹھارہ سو تیرہ عیسوی کی لڑائی میں سپاہ برنسی نے اُن کے تنخگاہ پیرس کو گھیر لیا اور اہل شہر گھوڑے وغیرہ جانوروں کے گوشت

لیکن اس لطیف غذا سے جب خوب پیٹ بھر گیا تب تو اُنکی زبان کھلی اور خوش اختلاطی کی راہ سے مجھ سے بدلائل کہنے لگے کہ اُزبک سب لوگوں سے زیادہ قوی ہیکل ہیں۔ اور تیر اندازی میں دُنیا کی کوئی قوم اُنکی برابری نہیں کرسکتی۔ اور یہہ کہکر اپنے تیر اور کمانیں منگائیں جو فی الواقع ہندوستان کی کمانوں اور تیروں کی بہ نسبت بہت لمبی تھیں اور کہا کہ ہم شرط لگاتے ہیں کہ اپنا تیر گھوڑے یا بیل کے جسم سے پار کردیسکتے ہیں۔ اور پھر اپنی دیہاتی عورتوں کی طاقتوری اور بہادری کی اسقدر تعریف کرنی شروع کی کہ گویا امیزنوں* کو بھی اُن کے مقابلہ میں بہت نازک اندام اور ڈرپوک سمجھنا چاہیے

کھانے پر مجبور ہوئے تو صلح ہوجانیکے بعد بھی کچھ عرصہ تک بڑے شوق اور تکلف سے گھوڑوں کی رانوں کے کباب اپنی میزوں پر لگاتے اور اوز اقوام یورپ کی ہنسی اور مذاق کی کچھ پروا نہیں کرتے تھے۔ س م ح ۱۲

* امیزن Amazon اس کا اشتقاق یونانی لفظ میزاس سے ہے جسکے معنی پستان کے ہیں اور جس طرح قدیم فارسی اور سنسکرت میں اسم کے پہلے الف لگائی جانے سے اُسکے معنی نفی کے ہوجاتے ہیں اسی طرح حرف اِسے کے ملنے سے جو بمنزلہ الف کے ہے اسکے معنی بن چھاتی والی عورت کے ہوگئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں یورپ کے شرق میں عورتوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا تھا جو اپنی داہنی چھاتی اس غرض سے کاٹ ڈالتی تھیں کہ تیر اندازی اور نیزہ بازی کرنے میں کچھ اُلجھاؤ نہ ہے اور مردوں کو اپنی صحبت میں دخل دیتی تھیں اور ایسی قوی اور جنگجو تھیں کہ بحر اسود کے ساحل معروف یوکسین Euxine پر ایشیائی کوچک میں تھرموڈن Thermodon ندی کے کنارے ایک سلطنت قائم کرلی تھی اور ہمسایہ ملک اور قوت دلیرانہ سے قریب جوار کی قوموں کو مسخر اور مغلوب کررکھا تھا۔ مگر بعض مورخ اِن روایتوں کو صرف افسانہ خیال کرتے ہیں۔ بہرحال اس روایت کی وجہ سے فرنگستان میں بہادر اور دلیرانہ وش عورتوں کے لیئے یہہ لفظ عموماً ایک نعت قرار پایا ہوا ہے۔ س م ح ۱۲

اور اُنکی بہادری وغیرہ کے بہت سے قصّے سُنائے - چنانچہ بالتخصیص ایک قصّہ نے تو مجھکو بھی تعجّب میں ڈالدیا - مگر افسوس ہے کہ میں اُسکو اُس آب و تاب کے ساتھ بیان نہیں کرسکتا کہ جس کے ساتھ اُنہوں نے بیان کیا تھا - یعنی جس زمانہ میں اورنگ زیب اُزبکوں کے ساتھ لڑائی میں مصروف تھا اتفاقاً پچیس تیس سواروں کا ایک گروہ جو ایک چھوٹے سے گانوں میں جا گھسا اور گھروں کو لُوٹنے اور غلام بنانیکے لیئے لوگوں کو پکڑنے باندھنے لگا تو ایک بڑھیا نے اُن سے کہا کہ بیٹا میری صلاح مانو اور اِن حرکتوں سے باز آؤ اور اپنی خیریت چاہتے ہو تو جلد یہاں سے نکل جاؤ ورنہ میری بیٹی جو باہر گئی ہوئی ہے اور جلد آیا چاہتی ہے اگر تُمپر آن پڑیگی تو تمہارا کیا اور نہ کیا سب برابر ہو جائیگا - لیکن اُنہوں نے اس بیچاری نیک دل بڑھیا کی بات یُوہیں ٹھٹھے میں اُڑا دی اور بدستور گھروں کو لوٹتے اور لوگوں کو پکڑتے باندھتے رہے مگر جب لُوٹ کے مال سے اپنے گھوڑے ٹٹولا دیئے اور گانوں کے بہت سے باشندوں اور خود اُس بیچاری بڑھیا کو بھی قید کرکے لے چلے تو کوس ڈیڑھ کوس بھی نگئے ہونگے کہ یہہ بڑھیا جو بار بار پیچھے کو مڑ مڑکر دیکھتی جاتی تھی خوشی سے چلّاکر بولی "میری بیٹی"! "میری بیٹی" اور اگرچہ وہ ابھی نظر سے اوجھل تھی مگر معمول سے زیادہ گرد اُڑتی دیکھکر اور گھوڑے کی ٹاپ کی آواز سُنکر اُسکی فکرمند ماں کے دل میں شک نرہا تھا کہ میری بہادر بیٹی مجھے اور میرے رفیقوں کو بیرحم دشمنوں کے ہاتھ

سے چھوڑا لینے کے لیئے آپہنچی ہے اور وہ یہہ الفاظ کہہ نہ چکی تھی کہ وہ لڑکی ایک برق وش گھوڑے پر سوار گلے میں کمان ڈالے اور کمر سے ترکش باندھے ہوئے دیکھائی دی اور دُور ہی سے للکاری! کہ اگر سب مال رکھدو اور قیدیوں کو چھوڑ کر چپکے اپنے مکان کو چلے جاؤ تو میں اب بھی تمہاری جان بخشی کرتی ہوں! مگر اُنہوں نے جس طرح بیچاری بڑھیا کی منّت و سماجت پر کچھ خیال نکیا تھا اُسی طرح اِسکی بات پر بھی کچھ توجہ نہ کی لیکن جب اُسنے آن کی آن میں تین چار تیر مار کر اُتنے ہی سپاہیوں کو زمین پر گرا دیا تب تو وہ سخت حیران ہوئے! اور فوراً اپنی کمانیں سنبھال لیں! لیکن لڑکی اُنکی زد سے بہت دُور تھی اور نہ ہستی تھی کہ کیا خوب! یہہ نامرد اب اپنے رفیقوں کا بدلا لیا چاہتے ہیں! الغرض وہ اس زور سے تیر مارتی اور ایسا ٹھیک نشانہ لگاتی تھی کہ جسے دیکھکر یہہ خوف زدہ ھِندُو وِستانی سوار کم کم بکے رہگئے اور اُسنے آدھے تو تیروں سے مار لیئے اور باقی رہتوں پر تلوار پکڑ کر آن پڑی اور سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

اورنگ زیب کا تپ سے بیمار ہونا اور اُسکے متعلق بعض واقعات

ابھی یہہ تاتاری سفیر دہلی ہی میں تھے کہ اورنگ زیب ایک سخت بیماری میں مبتلا ہوا۔ چنانچہ شدّت بخار سے ہذیان ہوتا تھا۔ اور زبان ایسی اینٹھ گئی تھی کہ بات مشکل سے منہہ سے نکلتی تھی۔ طبیب نا اُمید ہو گئے تھے اور عموماً یہہ افواہ اُڑ گئی تھی کہ بادشاہ مرگیا ہے۔ مگر روشن آرا بیگم کسی غرض سے اس بات کو چھپائے ہوئے ہے۔ اور یہہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ راجہ جسونت سنگھ

صوبہ دار گجرات شاہجہاں کو قید سے چھڑانے کے لیئے چلا آتا ہے اور اسی ارادہ سے مہابت خاں صوبہ دار کابل بھی (جسنے آخر کار اورنگ زیب کی اطاعت قبول کرلی تھی) تین چار ہزار سواروں کے ساتھ آگرہ کی طرف بڑھا آتا ہے۔ بلکہ لاہور سے بھی آگے نکل آیا ہے۔ اور یہہ بھی شہرت تھی کہ اعتبار خاں خواجہ سرا شاہجہاں جسکی حراست میں تھا نہایت بیقراری سے چاہتا ہے کہ اُس بڈھے بادشاہ کو رہائی دینے کی ناموری مجھے حاصل ہو۔

اِدھر سلطان محمد معظم کا یہہ حال تھا کہ امیروں کو وعدے وعید اور رشوتیں دیکر اپنا طرفدار بنانیکے لیئے کوشش کر رہا تھا یہانتک کہ ایکروز رات کو بھیس بدل کر راجہ جے سنگھ کے مکان پر بھی گیا اور نہایت منت سماجت کے ساتھ اُس سے کہا کہ آپ علانیہ طور پر میرے جانب دار بنجایئے۔

اودھر روشن آرا بیگم نے کئی ایک امیروں کے اتفاق سے جن میں (توپخانہ کا افسر اعلیٰ) فدائی خاں میر آتش بھی تھا یہہ بندوبست کر رکھا تھا کہ اورنگ زیب کے تیسرے بیٹے سلطان اکبر کو جسکی عمر ابھی سات آٹھ ہی برس کی تھی تخت نشین کریں اور دونوں فریق نے مشہور کر رکھا تھا کہ ہمارا اصل مدّعا شاہجہاں کا قید سے چھوڑا دینا ہے۔ لیکن حقیقت یہہ ہے کہ یہہ صرف عوام الناس کی تالیف قلوب کے لیئے ایک بہانہ تھا اور یہہ بھی غرض تھی کہ اگر بالفرض اعتبار خاں یا اور امیروں کی مخفی سازش سے وہ چھوٹ جائے تو لوگوں کی نظر میں ہماری بات بنی رہے حالانکہ جتنے دن تک

اور معتمد لوگ تھے شاہجہاں کا مکرر تخت نشین ہونا دل سے کوئی بھی نہیں چاہتا تھا - کیونکہ بجز جسونت سنگھ اور مہابت خاں اور بعض اور امیروں کے جو علانیہ شاہجہاں کی مخالفت کے مرتکب نہیں ہوئے تھے ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو اُس بیچارے ذی حق بادشاہ کو چھوڑ کر نمک حرامی سے کھلم کھلا اورنگ زیب کا ساتھی نہ بنگیا ہو اسلیئے یہہ لوگ بخوبی جانتے تھے کہ اُسکا قید سے نکل جانا گویا ایک بپھرے ہوئے شیر کا چھوٹ جانا ہے - اور اُسکی رہائی کے اندیشہ سے تمام اہل دربار ہراساں ہو رہے تھے - اور سب سے زیادہ اعتبار خاں ڈر رہا تھا جو اس بیچارے بدنصیب قیدی بادشاہ سے بیوجہ بڑی سختیوں اور گستاخیوں سے پیش آتا رہا تھا لیکن اورنگ زیب باوجود شدت مرض کے باپ کی نگہبانی اور سلطنت کے کام کی طرف سے غافل نہ تھا - اور اگرچہ سلطان معظم کو اُسکی تاکیدی ہدایت اور نصیحت یہی تھی کہ اگر میں مرجاؤں تو شاہجہاں کو قید سے چھوڑ دینا مگر اعتبار خاں کو جو فرمان پر فرمان لکھواتا رہا اُن میں برابر یہہ تاکید تھی کہ خبردار اپنے کام میں سستی اور غفلت نہ کرنا اور بیمار ہونیسے پانچویں روز جبکہ مرض نہایت شدت پر تھا کہا کہ مجھکو دربار میں لے چلو جس سے یہہ غرض تھی کہ بعض لوگوں کو جو اُسکے مرجانے کا گمان ہوگیا تھا وہ جاتا رہے اور کوئی عام شورش یا ایسا واقعہ جس سے شاہجہاں قید سے نکلجانے ہونے نہ پائے - چنانچہ انہیں خیالات سے ساتویں اور نویں اور دسویں دن بھی دربار میں آتا رہا اور نہایت تعجب کی بات تو یہہ ہے کہ تیرہویں روز اگرچہ

اتنی دیر تک غش میں رہا کہ عموماً اُسکا مرجانا مشہور ہوگیا مگر تاہم جو ہیں ذرا افاقہ ہوا تو باہر آیا اور راجہ جے سنگھ اور دو تین اَور بڑے بڑے امیروں کو بلا بھیجا تاکہ لوگوں پر ثابت ہوجائے کہ وہ زندہ اور سلامت ہے اور خدمتگاروں سے فرمایا کہ مجھکو پلنگ پر ذرا بٹھادو اور اِعتبار خاں کے نام کچھ لکھنے کے لیئے کاغذ اور قلمدان منگایا اور سلطنت کی بڑی مُہر جو ایک چھوٹی سی تھیلی میں جسپر بادشاہ کی دستی مُہر لگی ہوئی رَوشن آرا بیگم کے سپرد ہستی تھی ایک خاص آدمی کے ہاتھ منگوا بھیجی جس سے یہہ امتحان منظور تھا کہ بیگم نے اپنی کسی ناجائز غرض کے لیئے اُسے استعمال تو نہیں کیا۔ چنانچہ جسوقت میرے آغا نے یہہ سب خبریں سُنیں تو مینے دیکھا کہ اُسکی زبان سے یہہ الفاظ نکلے "واہ واہ کیا استقلال طبع! اور کیا حوصلہ ہے! اورنگ زیب خدا تجھے سلامت رکھے تو نے ابھی بڑے بڑے کام کرنے ہیں! اور بالضرور ابھی تیری زندگی باقی ہے" اور فی الحقیقت اِس حالت کے بعد اُسکی صحت میں رفتہ رفتہ ترقی ہونے لگی۔

اورنگ زیب کا دارا شکوہ کی بیٹی سے سُلطان اکبر کی شادی کا ارادہ کرنا اور اُس شہزادی کا اُسکو نہ ماننا

اَب چونکہ اورنگ زیب کی طبیعت روز بروز اعتدال پر آجاتی تھی اُسکی یہہ مرضی ہوئی کہ دارا شکوہ کی بیٹی کو شاہجہاں اور بیگم صاحب کے پاس سے منگاکر سُلطان اکبر سے جسکی نسبت ولیعہد بنائے جانے کا احتمال ہے اُسکی شادی کردے جس سے اُسکی ولیعہدی کو تقویت ہونے کی اُمید تھی۔ کیونکہ یہہ شاہزادہ اگرچہ ابھی بچہ ہے لیکن بہت سے

مقتدر اُمرا اُسکے قرابتی ہیں اور نوازخاں (شاہنوازخاں صفوی) کے نواسہ ہونے کی وجہ سے ایسے خاندان سے علاقہ رکھتا ہے جو کسی زمانہ میں مسقط کے بادشاہ تھے۔ اور محمد سلطان اور محمد معظم کی مائیں[1] صرف راجاؤں کی بیٹیاں ہیں۔

اگرچہ بادشاہان ہند مسلمان ہیں مگر ہندوؤں کے ہاں شادی کر لینے میں اُن کو کچھ تامل نہیں ہوتا خصوصاً جبکہ کوئی ایسا رشتہ اُمور سلطنت کے لیئے مفید معلوم ہوتا اور خوبصورت بیوی ہاتھ آتی ہو۔ لیکن اورنگ زیب کا یہ منصوبہ چل نہ سکا کیونکہ شاہجہاں اور بیگم صاحب نے بڑی نفرت کے ساتھ اس سے انکار کیا بلکہ خود اس نوعمر شہزادی نے بھی نہایت بیزاری ظاہر کی اور مدت تک اِس خیال سے کہ مبادا زبردستی لیجائیں نہایت تردد اور بیقراری کی حالت میں رہی اور علانیہ کہتی رہی کہ "جان دیدونگی! مگر اُس شخص کے بیٹے سے شادی نکرونگی جسنے میرے باپ کو مارا ہے"

اورنگ زیب کا شاہجہاں سے بعض جواہرات کا طلب کرنا اور اُسکا سختی سے جواب دیدینا۔

اِسی طرح اورنگ زیب شاہجہاں سے بعض خاص جواہرات کے حاصل کرنے میں بھی کامیاب نہوا جنکو اُس مشہور و معروف تخت میں لگانا چاہتا تھا جسکو دیکھکر ایک عالم کو حیرت ہوتی ہے۔ اور قیدی بادشاہ نے نہایت غصّہ سے یہہ کہہ بھیجا کہ اورنگ زیب دانائی

[1] پیچھے لکھا جا چکا ہے کہ ان دونوں کی مائیں علحدہ علحدہ نہ تھیں بلکہ ایک ہی رانی یعنی نواب بائی کی پیٹ سے تھے اور محمد اکبر کی نہال کا شاہان مسقط کی نسل سے ہونا بھی جیسا کہ ہم پہلے ایک حاشیہ میں لکھ آئے ہیں صحیح نہیں ہے۔ س ح

اور انصاف سے سلطنت کا کام کرتا رہے مگر تخت کے معاملہ میں دخل نہ دے! اور جواہرات کی بابت اگر مجھے پھر ستائینگے تو خبردار! ان پتھروں کو کوٹ کر چور اکر دوں گا۔

ڈچوں کے سفیر مسٹر ایڈریکن کا تخت نشینی کی ادائے تہنیت کے لیئے حاضر ہونا اور اُسکے مراسم ملاقات۔

آخرکار ڈچوں نے بھی اورنگ زیب کو تخت نشینی کی مبارکباد دینے میں پیچھے رہنا نہ چاہا اور سفیر بھیجنے کا ارادہ کیا اور اِس کام کے لیئے ایڈریکن کو تجویز کیا۔ جو اُنکی سُورت کی کوٹھی کا کارپرداز اعلیٰ اور بہت متدیّن اور ذی لیاقت اور سلیم الرائے شخص تھا۔ اور چونکہ اُسکی یہہ عادت تھی کہ تجربہ کار لوگوں کی رائے اور مشورت پر چلنے میں اُسکو کبھی انکار نہ ہوتا تھا اسلیئے یہہ کچھ تعجّب کی بات نہیں ہے کہ اُسنے اس کام کو اپنے ہموطنوں کے اطمینان کے قابل انجام دیا۔ اور اگرچہ اَورنگ زیب دربار کے ضابطوں اور دستوروں میں ہمیشہ بڑی کروفر اور شان و شوکت دکھاتا ہے۔ اور اپنی دینداری کا اظہار بھی نہایت ہی کرتا ہے اور اسلیئے عیسائیوں کو ذرا حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے تاہم اِس سفیر کے ساتھ وہ بڑی مہربانی اور اخلاق سے پیش آیا۔ بلکہ یہہ بھی فرمایا کہ ہماری یہہ خوشی ہے کہ مسٹر ایڈریکن اوّل ہندوستان کے دستور کے موافق آداب بجالائے یعنی آدابگاہ پر تسلیمات ادا کرے۔ اور پھر نزدیک آکر خاص اپنے مُلک کی رسم کے موافق سلام کرے اور اگرچہ یہہ سچ ہے

Mr Adricam آئے ڈریکن

کہ جو خریطہ مسٹر ایڈورڈ کین لیکر حاضر ہوا تھا اورنگ زیب نے وہ ایک امیر کی وساطت سے لیا تھا مگر اسکو کچھ توہین کی علامت سمجھنا نہیں چاہیئے کیونکہ ازبکوں کے سفیروں کے ساتھ بھی ایسا ہی عمل ہوا تھا۔ بعد طے ہونے ان ابتدائی رسوم کے مسٹر ایڈورڈ کین کو اپنے تحایف پیش کرنے کا حکم ہوا اور اسکو اور اسکے چند یورپین ہمراہیوں کو زربفت کے "سراپا" پہنائے گئے چنانچہ منجملہ ان تحایف کے کچھ تو سرخ اور سبز رنگ کی عمدہ بانات کے تھان تھے اور کچھ بڑے بڑے آئینے اور کچھ چین اور جاپان کی بنی ہوئی عمدہ چیزیں جنمیں ایک پالکی اور تخت رواں نہایت ہی خوبصورت تھا اور بہت ہی پسند ہوا۔

شاہان معظم کی یہہ عادت ہے کہ غیر ملکوں کے سفیروں کو جہانتک بمعقولیت ممکن ہوتا ہے اس غرض سے ٹھہرائے رکھتے ہیں کہ انکا دربار میں حاضر رہنا اور آداب و تعظیم بجالانا سلطنت کی شان و شوکت کا باعث[1] ہے پس ایڈورڈ کین بھی جس جلدی کے ساتھ رخصت ہونا چاہتا تھا نہو سکا۔ اگرچہ تاتاری سفیروں کی نسبت اسکو بہت جلد رخصت حاصل ہوگئی یعنی جب اسکا سکریٹری دھلی ہی میں چل بسا اور کئی اور شخص بھی بیمار ہو گئے تو اورنگ زیب نے اسکو رخصت کر دیا اور زربفت کا ایک "سراپا" اسکو اور اس سے بھی زیادہ قیمت کا "سراپا" اور جڑاؤ خنجر اور مہربانی نامہ

---

[1] ظاہر ایہہ صرف مصنف کا قیاس معلوم ہوتا ہے ورنہ ممالک ایشیا کی رسم کے موافق مہمان کا زیادہ دیر تک ٹھہرانا خوش خلقی کی نظر سے ہوتا ہے۔ س م ح ۱۲

ایک شقہ بٹیویا[1] کے گورنر کے لیئے عنایت ہوا۔

سفیر کے بھیجنے سے ڈچوں کی اصل غرض

سفیر کے بھیجنے سے ڈچوں کی اصل غرض یہہ تھی کہ دربار میں رسائی پیدا کرکے بادشاہ کا التفات حاصل کریں اور اپنی قوم اور اپنے ملک کے حال سے اسکو کسیقدر مطلع کریں تاکہ بندرگاہوں اور اَور مقامات کے حاکموں اور عاملوں کے دل پر جہاں اُن کی تجارتی کوٹھیاں تھیں اُن کی نسبت ایک مفید اثر پیدا ہو اور اُن کو اُمید تھی کہ یہہ لوگ یہہ معلوم کرکے کہ ڈچ بھی ایک زبردست سلطنت کی رعایا ہیں اور بادشاہ تک رسائی رکھتے اور خود اُسکی خدمت میں اپنا عرض حال کرکے انصاف حاصل کرسکتے ہیں ہماری حقارت نہ کیا کرینگے اور نہ تجارت میں خلل انداز ہوں گے۔ چنانچہ اِن لوگوں نے اہل دربار کو اس بات کے یقین دلانے میں کہ ہماری تجارت سے ہندوستان کو بہت بڑا فائدہ ہے بہت کوشش کی اور بہت سی جنسیں جو وہ یہاں سے خریدتے تھے اُنکی ایک بڑی لمبی چوڑی فہرست اِس غرض سے دکھلاتے تھے کہ اُن کے ذہن نشین ہوجائے کہ اُن جنسوں کے خریدنے کے لیئے وہ بہت سا سونا چاندی اپنے ملک سے یہاں لاتے ہیں۔ مگر اس بات کو ظاہر ہونے دینا نہیں چاہتے تھے کہ سال بہ سال تانبا۔ سیسا دارچینی۔ لونگ۔ جاپتھل۔ کالی مرچیں۔ عود اور ہاتی

---

[1] بٹیویا Batavia ملک ہالینڈ Holland کا قدیم نام ہے اور لفظ بٹی سی مشتق ہے جو ایک چھوٹی سی قوم تھی جو جرمنی کے اُن ضلعوں میں رہتی تھی جو زمانہ حال میں

وغیرہ بھیجکر کسقدر دولت کھینچ لیجاتے ہیں۔

ایک امیر کا اورنگ زیب کو سلطنت کے کام میں زیادہ محنت کرنیسے منع کرنا اور اُسکا اسکے جواب میں اپنے فرائض کا اظہار کرنا۔

انہیں دنوں میں ایک بڑے امیر نے اورنگ زیب سے عرض کی جو کام میں اسقدر مصروفیت فرما۔ اس سے اندیشہ ہے کہ مبادا صحت جسمانی بلکہ قوائے دماغی کے اعتدال کو کچھ نقصان پہنچے۔ جسکو سُنکر بادشاہ نے اس عقلمند! ناصح کی طرف سے تو منہ پھیر لیا گویا سُنا ہی نہیں اور ذرا ٹھہر کر ایک اور بہت بڑے امیر کی طرف جو نہایت دانا اور ذیعلم تھا متوجہ ہوکر فرمایا (اُسکی یہہ تقریر خاص اس امیر کے بیٹے نے جو ایک نوجوان اور طبیب اور میرا دلی دوست تھا مجھ سے نقل کی تھی) کہ آپ تمام اہل علم اس باب میں متفق الرائے ہیں کہ مشکل اور خوف کے زمانہ میں بادشاہ کو جان جوکھوں میں پڑجانا اور ضرورت کے وقت رعایا کی بہتری کے لیئے جو خدا نے اُسکے سپرد کی ہے تلوار پکڑکر میدان جنگ میں جان دیدینا فرض و واجب ہے۔ مگر اسکے برعکس یہہ نیک اور باتمیز! شخص یہہ چاہتا ہے کہ رعایا کے آرام و آسایش کے لیئے مجھے ذرا بھی تکلیف نہ اُٹھانی چاہیئے اور بغیر اسکے کہ اُنکی رفاہ و فلاح کی تدبیروں کے سوچنے میں مجھے ایک

ہش کے نام سے مشہور ہیں۔ یہہ قوم سنہ عیسوی سے ایکسو برس پہلے وہاں سے اُٹھکر ہالینڈ میں آبسی تھی اور اسکی وجہ سے پرانے زمانہ میں ہالینڈ کا نام بٹیویا مشہور ہوگیا تھا۔ گوجس بٹیویا کا ذکر مصنف نے کیا ہے وہ جزیرہ جاوہ میں کوئی پچاس ہزار آدمی کی آبادی کا ایک شہر اور ڈچوں کی مقبوضات کا دارالحکومت ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے ملک کی مناسبت سے اسکا یہہ نام رکھدیا ہے۔ ماخوذ از جام جم۔ س م ح ۱۲ Java

رات بھی بے آرام رہنا پڑے یا ایکدن بھی بے عیش و عشرت اور لہو و لعب کے بسر ہو یہہ مدّعا کیونکر ہمیں حاصل ہو جائے اور اسکی یہہ رائے ہے کہ میں صرف اپنی تندرستی کو مقدم جانوں اور زیادہ تر عیش و عشرت اور آرام و آسایش ہی کے اُمور میں مصروف رہوں اور اسکا یہی نتیجہ ہو سکتا ہے کہ میں اس وسیع سلطنت کے کام کو کسی وزیر کے بھروسہ پر چھوڑ بیٹھوں مگر معلوم ہوتا ہے کہ اسنے اس امر پر غور نہیں کیا کہ جس حالت میں مجھے خدا نے بادشاہی خاندان میں پیدا کر کے تخت پر بٹھایا ہے تو دُنیا میں اپنے ذاتی فائدہ کے لیئے نہیں بھیجا بلکہ اَوروں کے آرام کے لیئے محنت کرنا مجھپر فرض کیا گیا ہے۔ پس میرا کام یہہ نہیں ہے کہ اپنی ہی آسایش کی فکر کروں البتہ اُنھیں کے رفاہ کی غرض سے جسقدر آرام لینا ضروری ہے اُسکا مضائقہ نہیں اور بجز اُس حالت کے کہ انصاف و عدالت اُسکی مقتضی ہو یا اقتدار سلطنت کے قایم رکھنے یا مُلک کی حفاظت کے لیئے ضروری ہو اور کسی صورت میں رعایا کے آرام و آسایش کا نظر انداز کرنا جایز نہیں ہے اور رعیّت کی آسایش و بہبودی ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جسکا فکر مجھے ہونا چاہیئے۔ مگر یہہ شخص اس بات کی تہ کو نہیں پہنچا کہ اُس آرام سے جو یہہ میرے لیئے تجویز کرتا ہے کیا کیا قباحتیں پیدا ہونگی اور یہہ بھی اسکو معلوم نہیں کہ دوسروں کے ہاتھ میں حکومت کا دیدینا کیسی بُری بات ہے۔ اور سَعدِیؒ نے جو یہہ کہا ہے کہ "بادشاہوں کو چاہیئے کہ بذات خود کاروبار سلطنت کا بوجھ اپنے اُوپر لیں ورنہ بہتر

ہے کہ بادشاہ کہلانا چھوڑ دیں" تو کیا اُس بزرگ کا یہہ قول لغو ہے؟ پس اپنے اِس دوست سے کہدیجئے کہ اگر ہمسے تحسین و آفرین حاصل کرنا چاہتا ہے تو جو کام اُسکے سپرد ہے اُسکو اچھے طور سے کرتا رہے۔ اور خبردار! ایسی صلاح جو بادشاہوں کے سُننے کے لایق نہیں ہے پھر کبھی نہ دے اور افسوس ہے کہ تن پروری اور آرام طلبی اور ایسے خیالات سے بچنا جو دوسروں کی بہبودی کے فکر و تردد میں آدمی کو گھلا ڈالتے ہیں انسان کا طبعی اور جبلی امر ہے پس ایسے فضول صلاح کاروں کی ہمکو حاجت نہیں اور عیش و آرام کی صلاحیں تو ہماری بیگمیں بھی دے سکتی ہیں۔

ایک واقعہ کا ذکر جس سے یہہ ثابت ہوا کہ خوجوں کو بھی تعشق ہو سکتا ہے

اِنہیں دنوں میں ایک ایسا افسوسناک واقعہ دہلی میں ہوا کہ جسکا تمام شہر اور بالتخصیص شاہی محلسرا میں بہت چرچا تھا اور جس سے میری اور اَور لوگوں کی اِس رائے کی کہ جو شخص رجولیت سے محروم کر دیا جائے اُسکو تعشق نہیں ہو سکتا غلطی ثابت ہو گئی [1] یعنی دِلدار خاں نامے ایک ذی رُتبہ خواجہ سرا نے ایک مکان بنایا تھا جہاں تفریح خاطر کے لیئے کبھی کبھی جاتا اور بعض اوقات رات کو وہیں سو بھی رہتا تھا اور اسکے ہمسایہ میں ایک ہندو کا گھر تھا جو عرایض نویسی وغیرہ کا کام کیا کرتا تھا۔ یہہ خواجہ سرا اسکی بہن پر جو بہت خوبصورت تھی عاشق ہو گیا اور اگرچہ کچھ عرصہ تک اِن کے باہم ناجایز تعلق رہا مگر کسیکو

[1] مصنف نے باوصف اس قدر قابلیت کے خدا جانے یہہ کیا لکھدیا ہے۔ حالانکہ سیدھی بات ہے کہ اُسکے خوجہ بنانے میں کوئی کسر رہگئی ہوگی۔ س م ح ۱۲

کچھ شبہ نہوا کیونکہ یہہ خوجہ تھا اور زنانہ میں آنے جانے سے خوجوں کو کوئی بھی مانع نہیں ہوتا۔ مگر آخر کار اِنکا تعشق یہانتک بڑھگیا کہ اُس ہندو کو بھی اِس قسم کی خبر پہنچگئیں کہ لوگ اُسکی بہن کی پاکدامنی کی نسبت شبہ کرتے ہیں اور اُسنے غصہ میں آکر اپنے دل میں یہہ ٹھان لیا کہ اگر یہہ سچ ہے تو دونوں کو مار ڈالوں گا۔ چنانچہ کچھ زیادہ عرصہ نہ لگا کہ ایک رات کو یہہ دونوں اکٹھے سوتے دیکھ لیئے گئے۔ پس اِسنے دِیدَارخاں کو تو چھاتی میں خنجر مار کر مار ڈالا اور بہن کو بھی ایسا زخمی کیا کہ اُسکی دانست میں مر ہی چُکی تھی اور اِس واردات سے محلسرائے شاہی میں نہایت تہلکہ اور شور و شر بپا ہوا۔ اور خواجہ سراؤں اور محل کی عورتوں نے باہم ایکا کر لیا کہ جس طرح بنے اِس شخص کو قتل کرنا چاہیئے چنانچہ اورنگ زیب جو اِس ہندو کی مسلمان ہوجانے کو اُسکے اِس گناہ کا کافی کفارہ خیال کرتا تھا اگر انکی اِن بندشوں سے ناراض نہو جاتا تو اُسکا بچنا مشکل تھا مگر اسپر بھی لوگوں کی راے عموماً یہہ ہے کہ خواجہ سراؤں کی عداوت اور اُن کے زور کی وجہ سے یہہ بے باک شخص دیر تک سلامت نہ رہ سکیگا۔

خوجوں کی خصلت کی نسبت اہل ہند اور مصنف کی راے

ہندو ستانیوں کا یہہ خیال ہے کہ اگرچہ خصّی کردینے سے جانور غریب اور سیدھا ہوجاتا ہے مگر آدمی پر اِس عمل کا اثر برعکس ہوتا ہے اور اُنکا قول ہے کہ کیا کوئی خواجہ سرا ایسا بھی ہے جو شریر اور مغرور اور بیرحم نہو؟ حالانکہ اِس امر سے اِنکار نہیں ہوسکتا کہ بیشک اِن میں بہت سے وفادار اور فیاض

اور شجاع بھی ہوتے ہیں۔

روشن آرا بیگم کی نسبت دو نامحرموں کے محل میں بُلا لینے کا شبہ ہونا۔

اِنہیں ایّام کے قریب اَورنگ زیب روشن آرا بیگم پر دو نامحرم شخصوں کے محل میں بُلا لینے کے شبہ سے بہت ناراض ہوا مگر چونکہ شبہ ہی تھا اسلیئے بھائی بہن میں جلد صفائی ہوگئی اور اَورنگ زیب اِن دونوں آدمیوں کی نسبت اُس بیرحمی سے بھی پیش نہ آیا جو شاہجہاں نے اُس بدبخت گرفتار عشق سے بَرتی تھی جو حمام کی دیگ میں جا چھپا تھا۔ مَیں اس قصّہ کو ٹھیک اُسی طرح پر کہ جس طرح ایک دو علی پُرتگیزن بُڑھیا نے جو بہت عرصہ سے لونڈیوں کے طور پر محل میں خدمت کرتی اور باہر آنے جانے کی بھی مجاز تھی مجھے سُنایا تھا بیان کرتا ہوں۔

یعنی روشن آرا بیگم نے اِن میں سے اوّل تو ایک جوان کو کئی دن تک اپنے پاس چُھپائے رکھکر حظِ صُحبت حاصل کیا۔ اور بعد ازاں بعض اپنی خدمتگار عورتوں کو جنہوں نے وعدہ کرلیا تھا کہ ہم رات کے پردہ میں اُسکو محل سے باہر کر دینگے سپرد کر دیا۔ مگر یا تو اِن عورتوں کو ایسا کرتے ہوئے کسی نے دیکھ پایا یا وہ خود ہی افشائے راز کے اندیشہ سے ڈر گئیں یا کچھ اَور سبب ہوا۔ لیکن خلاصہ یہہ ہے کہ وہ تو اُسکو چھوڑ کر بھاگ گئیں۔ اور یہہ خوف زدہ نوجوان محل کے باغوں میں اکیلا اور حیران پھرتا ہوا پکڑا گیا اور محل کے پاسبان وغیرہ اسکو کشاں کشاں اورنگ زیب کے حضور میں لیگئے اور چونکہ باوجود بہت ہی پرسش اور تفتیش کے اُسنے کسی جرم کے اِرتکاب کا

اقرار نہ کیا اور صرف اتنا ہی کہا کہ میں دیوار پر سے کود کر اندر آگیا تھا اسلیئے اورنگ زیب نے حکم دیا کہ جس طرح سے یہہ شخص یہانتک آیا ہے اسکو چاہیئے کہ اُسی طرح سے باہر نکل جائے۔ لیکن خواجہ سراؤں نے بادشاہ کے حکم سے غالباً تجاوز کرکے اُسکو دیوار سے نیچے گرادیا اور دوسرا شخص بھی اسیطرح باغ میں اِدھر اُدھر پھرتا ہوا پکڑا گیا تھا اور اُسنے ظاہر کیا کہ میں دروازہ کے راستہ سے آیا ہوں جسپر بادشاہ نے اُسکو تو اُسی راستہ سے باہر نکلوادیا مگر خواجہ سراؤں کو عبرتاً سخت سزا دینے کا مصمم ارادہ کیا کیونکہ نہ صرف حفظ ناموس کی خاطر بلکہ بادشاہ کی ذات خاص کی حفاظت کے لیئے بھی محلسرا کی ڈیوڑھی کا زیادہ سخت انتظام کیا جانا ضروری تھا۔

شریف مکہ اور سلطان یمن اور پرتس بصرہ اور بادشاہ حبش کے ایلچیوں کا آنا اور اخراج کرسفیروں کی نسبت ایک دلچسپ اور طرافت آمیز بیان

اس واقعہ سے چند مہینے بعد قریباً ایک ہی وقت میں پانچ ایلچی دہلی میں آئے۔ چنانچہ اِن میں سے جو سب سے پہلے آیا وہ شریف مکّہ کی طرف سے تھا اور جو تحایف وہ لایا تھا اُن میں چند عربی گھوڑے اور ایک جھاڑو تھی جو اُس جھوٹے* معبد کے جھاڑنے بوہارنے کے کام میں آچکی تھی جو اُس مشہور و معروف مسجد کے وسط میں بنا ہوا ہے جو مکّہ میں ہے اور جسکی مسلمان لوگ بڑی تعظیم کرتے اور اُسکو "بیت اللہ" یعنی خدا کا گھر کہتے ہیں اور اُن کا یہہ اعتقاد ہے کہ یہہ سب سے پہلا مکان ہے جو خدائے برحق کی عبادت کیواسطے مخصوص کیا گیا تھا اور اسکو حضرت ابراہیم نے بنایا تھا۔

* نقل کفر کفر نباشد۔ کاتب

دوسرا ایلچی بادشاہ یمن نے بھیجا تھا - اور تیسرا بصرہ کی "پرنس"[1] نے - اور یہہ دونوں بطور تحفہ عربی گھوڑے لائے تھے اور باقی دو سفیر شاہ تھوبیا (حبش) کے تھے - اِن میں سے پہلے تین سفیروں کی خاطر تواضع اسقدر کم ہوئی جو بمنزلہ نہونیکے تھی - کیونکہ اُن کا ساز و سامان ایسا حقیر تھا کہ ہر ایک شخص یہہ خیال کرتا تھا کہ اُن کا آنا صرف اِس غرض سے ہے کہ جو تحفے وہ لائے تھے اُن کی اور نیز اُن بہت سے گھوڑوں اور اَور تجارتی جنسوں کی عوض جو اپنا ذاتی اسباب بیچکر بلا ادائے محصول ساتھ لے آئے تھے بہت سا روپیہ کما کر لیجائیں - چنانچہ فی الواقع جو روپیہ اُن کے تحائف کی عوض میں اور سوداگری مال و اسباب کے فروخت سے حاصل ہوا تھا اُس سے اُنہوں نے یہاں کی تجارتی جنسیں خریدیں اور بلا ادائے محصول اُن کو اپنے ساتھ لیجانیکا استحقاق ظاہر کیا -

مگر شاہ حبش کی طرف سے جو ایلچی آئے تھے اُنکا حال کسقدر توجہ طلب ہے - اِن سفیروں کے آنے کا یہہ سبب تھا کہ جو انقلاب سلطنت یہاں وقوع میں آیا تھا شاہ حبش کو اُسکی شروعاً خبر پہنچ چکی تھی اسلیئے اُسکو یہہ خواہش ہوئی کہ اپنے اقتدار اور شان و عظمت کے موافق سفارت بھیجکر اس وسیع سلطنت میں اپنی ناموری پھیلائے - لیکن بدگمان

---

[1] عالمگیر نامہ میں اس کا نام حسین پاشا لکھا ہے جو اوّل ٹوکی کی طرف سے بصرہ کا حاکم تھا اور پھر سلطان کی ناراضگی کی وجہ سے اورنگ زیب کا آنکر ہو گیا تھا - س - م - ح ۱۲

لوگوں کا یہہ قول تھا اور فی الواقع سچ بھی تھا کہ سفیروں کے بھیجنے سے
اس حبشی کو صرف وہ قیمتی تحائف مدنظر تھے جنکے حاصل ہونے کی اورنگ زیب
کے فیاض ہاتھ سے اُسکو یقیناً اُمید تھی۔ اور جو ایلچی اُسنے بھیجے تھے فی الواقع
اُسکے دربار میں بہت معزز و ممتاز اور اُن بڑے بڑے مقاصد کے حاصل
کر دینے کے قابل تھے جو اُسکے مدنظر تھے۔ چنانچہ اِن میں سے ایک ایلچی تو
ایک مسلمان* سوداگر تھا جو چند سال ہوئے جبکہ میں بحیرۂ احمر کے
راستہ سے بندر مُخا میں آیا تھا وہاں مجکو ملا تھا اور اُسکو عظیم الشان آقا
نے بہت سے غلام دیکر اس غرض سے وہاں بھیجا تھا کہ اُن کو بیچکر اس
قابل تعریف طریقہ سے جو روپیہ ہاتھ آئے اُسکی عوض ہندوستانی
مال و اسباب خرید لائے۔ واہ! عیسائی ہوکر یہہ نامور افریقی بادشاہ
کیا عمدہ تجارت کرتا ہے اور دوسرا ایک عیسائی اِرمنی سوداگر تھا
جو حلب میں پیدا ہوا اور وہیں اُسنے شادی بھی کر لی تھی اور اتھوپیا
میں اُسکا نام مُراد مشہور تھا۔ اور مُخا میں اِس سے بھی میری ملاقات
ہوئی تھی اور اُسنے نہ صرف اپنا نصف مکان میرے لیئے خالی کر دیا تھا
بلکہ وہ صلاح بھی اِسی نے دی تھی جس سے مینے اپنا حبش کا جانا
موقوف رکھا اور جسکا ذکر مینے اپنی اِس کتاب کے شروع میں کیا ہے۔ اور
یہہ بھی اُسی مذکورہ بالا غرض سے وہاں بھیجا ہوا آیا تھا۔ یہہ شخص ہر سال مُخا میں
شاہ اتھوپیا کی طرف سے اِنگریزوں اور ڈچوں کی کمپنیوں کے لیئے

* اسکا نام عالمگیر نامہ میں سیدی کامل لکھا ہے اور دوسرے شخص کا اس کتاب میں کچھ ذکر نہیں ہے

جو ہندوستان میں تجارت کرتی ہیں تحفتاً کچھ کچھ چیزیں لاتا اور اُنکی طرف سے اپنے بادشاہ کے لیئے گونڈار کو لیجاتا ہے۔ چونکہ یہہ بادشاہ یہہ چاہتا تھا کہ اسکے سفیر ایسی شان و شوکت کے ساتھ جائیں جو اس موقع کے لایق ہو۔ پس اُسنے اُن کے اخراجات کے لیئے بڑی ہی فیاضی ظاہر کی یعنی دونوں کو بتیس ۳۲ بتیس ۳۲ جوان لونڈیاں اور غلام عنایت کیئے کہ اُنکو مُخا میں بیچکر جو روپیہ اس مبارک تدبیر سے ہاتھ آئے اُسکو معاملات سفارت میں خرچ کریں۔ واہ واہ کتنی بڑی فیاضی ہے کیونکہ مُخا میں جوان لونڈی غلام بحساب اوسط پچیس ۲۵ پاینس کراؤن* قیمت پاتا ہے۔ اِن کے علاوہ نہایت ہی چھانٹ کر پچیس ۲۵ غلام خاص آوَرنگ زیب کے لیئے بھیجے تھے جنمیں نو یا دس بہت کم سن اور خوجہ بنانیکے قابل تھے۔ واہ کیا کہنا ہے! ایک عیسائی بادشاہ نے ایک مسلمان بادشاہ کے لیئے کیا ہی مناسب تحفہ بھیجا تھا۔!! جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِتھوپیا میں مذہب عیسوی کی کیا حالت ہے۔ اِن کے علاوہ شہنشاہ مغل کے لیئے پندرہ حبشی گھوڑے جو عربی گھوڑوں کے برابر سمجھے جاتے ہیں اور چھوٹی قسم کا ایک خچر جسکی کھال مینے بھی دیکھی تھی جو ایسی خوبصورت تھی کہ کسی شیر کے بھی ایسے خط و خال نہیں ہوتے اور نہ ہندوستان کے

* چونکہ ایک کراؤن پانچ شلنگ کا ہوتا ہے جو انگلستان کا ایک چاندی کا سکہ اور ہندوستان کی اشرفی کی اٹھنی کے برابر ہے۔ پس اس حساب سے اِن غلاموں کو قریب ڈھائی ہزار روپیہ کی قیمت کا سمجھنا چاہیئے۔ س م ح ۱۲

کراؤن Crown شلنگ Shilling

کسی الایچہ میں جو ایک قسم کا ریشمی کپڑا ہوتا ہے ایسی خوشنما اور طرح طرح کی دھاریاں ہوتی ہیں۔ اور ہاتھی کے دو دانت جو معمول سے زیادہ ایسے بڑے اور بھاری تھے کہ ایک مضبوط شخص اُن میں سے ایک کو زمین سے بمشکل اُٹھا سکتا تھا اور بیل کا ایک بہت بڑا سینگ جسمیں سیویٹ[1] بھری ہوئی تھی اور جسکا قطر مُونہہ کی طرف سے نصف فٹ فرانسیسی سے زیادہ میرے ناپنے میں آیا تھا ان سفیروں کو سپرد ہوئے تھے۔

یہہ دونوں ایلچی جب ایسے شاہانہ! اور فیاضانہ! طور پر ساز و سامان سے دُرست کیئے جاکر گونڈار سے جو مُلک حبش کا پایۂ تخت اور صوبہ ڈیمبیا میں ہے روانہ کیئے گئے تو اُنکو ایک ویران مُلک میں سے گزرنا پڑا۔ اور بہلوُل تک پہنچنے میں جو بابُ المندب کے قریب مُخا کے مقابل ایک غیر آباد بندرگاہ ہے دو مہینے لگے۔ ان لوگوں کے کاروان کے معمولی راستہ سے جو چالیس روز میں تمام ہوجاتا ہے آرکیکو کو جانے کی جُرات نکرنے کا یہہ باعث تھا کہ آرکیکو سے جزیرہ مَصوع کو جانا پڑتا ہے۔ جہاں سلطنت ٹرکی کی کچھ فوج رہتی ہے۔ جبکہ یہہ لوگ بحرِ احمر سے عبور کرنے کی خاطر مُخا کو جانے والے جہاز کے انتظار میں بہلوُل میں ٹھہرے ہوئے تھے

---

[1] سیویٹ مشک وغیرہ خوشبودار حیوانی مادوں کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر خصوصیت کے ساتھ اُس خوشبودار اور بہت گاڑھی چیز کو کہتے ہیں جو مُشکِ بلاؤی کی دُم کے نیچے ایک تھیلی میں چربی کے طور کی ہوتی ہے۔ (ماخوذ از اوگلوبز ڈکشنری) س م ح ۱۲

civet Gondar Dembea Arkeeko

اشیائے ایحتاج کے موجود نہونے سے بہت تکلیف میں رہے اور کئی غلام مرگئے اور اسکے سوا مُخا میں پہنچنے پر یہہ معلوم ہوا کہ ابکی دفعہ بردے بہت کثرت سے آئے ہیں اور اسلیئے جو لونڈیاں اور غلام باقی رہگئے تھے وہ بھی کم قیمت پر بیچنے پڑے - بہرحال جب لونڈی غلام بک چکے تو انہوں نے اپنا سفر پھر شروع کیا اور ایک ہندوستانی جہاز پر سوار ہوکر جو سُورت کو آتا تھا پچیس دن کے عرصہ میں جو اس سفر کے لیئے چنداں زیادہ نہ تھا منزل مقصود پر پہنچگئے مگر بہت سے گھوڑے اور کئی ایک غلام غالباً کافی خوراک نہ ملنے سے مرگئے - کیونکہ ظاہر ہے کہ اس باشان و شوکت! سفارت کے پاس اتنا روپیہ کہاں تھا جو خرچ کے لیئے کمتفی ہوتا - اور جہاز ہی میں وہ بیچارہ خچر بھی مرگیا لیکن یہہ اُسکی کھال حفاظت سے لیتے آئے جسکو مینے بھی دھلی میں دیکھا تھا -

اِن کو سُورت میں پہنچے ہوئے چند ہی گھنٹے گزرے تھے کہ بیجاپور کے ایک مشہور باغی نے جسکا نام سیواجی ہے شہر کو آکر لوٹ لیا اور آگ لگادی اور اس عام آتش زدگی میں اگرچہ وہ مکان بھی جہاں یہہ ٹھہرے ہوئے تھے جلگیا مگر آگ اور دشمن دونوں کے ہاتھ سے جسطرح بن پڑا انکی سفارت کی سندیں اور وہ چند غلام جو کسی وجہ سے یا تو سیواجی کے ہتھے نہ چڑھے یا جنکو بیمار دیکھکر اُسنے خود ہی چھوڑ دیا اور اِن سفیروں کے حبشی لباس جو اُسکو پسند نہ آئے اور وہ خچر کا چمڑہ جسکی اُسنے کچھ پروا نہ کی اور وہ بیل کا سینگ جسکو سیوجی سے پہلے ہی خالی کرچکے تھے - بچ رہے -

اِن عالیشان ! سفیروں نے اپنے لُٹ جانے کی نسبت بڑے بڑے سبالغے کیئے مگر بدگمان ہندوستانی جنہوں نے اِنکو جہاز سے اُترتے وقت اس حالت میں دیکھا تھا کہ نہ تو اچھا لباس و پوشاک ہی تھی اور نہ روپیہ یا کسی مہاجن کے نام کی ہنڈی ہی پاس تھی بلکہ فاقوں کے مارے نیم مُردہ ہو رہے تھے یہہ کہتے تھے کہ فی الواقع یہہ تو اِن کی خوش نصیبی تھی کہ سُورت کے لُٹنے اور جلائے جانے کے باعث یہہ اُس ذلّت سے بچ گئے جو اِنکو اپنے ذلیل اور ناچیز تحایف کے دِھلی تک لانے میں اُٹھانی پڑتی - اور مِیرَوَاجی کی بدولت اِنکو سُورت کے صوبہ دار کے سامنے فقیرانہ حالت میں جانے اور دَارُالسَّلطنَت تک پہنچنے کے لیئے خرچ سواری مانگنے کا ایک عمدہ بہانہ ہاتھ آگیا - اور غلام اور سیویٹ بیچکر کھا جانیکے الزام سے بھی بری رہے -

میرے لیئق دوست ڈچوں کے کارخانہ کے مختار مسٹر ایڈریکن نے مُراد کو میرے نام کی ایک سفارشی چٹھی دی تھی جو اُسنے دِھلی میں آکر مجھے دی اور یہہ عجیب اتفاق ہے کہ پانچ چھ برس بعد اُس سے اِس طرح پر پھر مُلاقات ہوئی - اور وہ اِس بات کو بالکل بھول گیا تھا کہ مَیں مُخا میں اُسی کے ہاں ٹھہرا تھا - بس میں اپنے پُرانے دوست سے بغلگیر ہوا اور وعدہ کیا کہ حتی الوسع مَیں تم کو مدد دونگا - اگرچہ اہل دربار سے میری بہت کچھ رسائی اور مُلاقات تھی مگر اِن تہیدست ایلچیوں کی امداد ایک مشکل کام تھا - کیونکہ بجز خچر کے اُس چمڑے اور تیل کے اُس سینگ کے جسمیں

اُنہوں نے اپنے پینے کے لیئے قندی شراب جو اُنکو بہت مرغوب ہے بھر رکھی تھی اور کچھ باقی نہ تھا اور بیش قیمت تحایف کے موجود نہ ہونے سے لوگوں کی نظروں میں جو اُنکی حقارت تھی اُسکو اُنکی ظاہری ذلیل حالت نے اَور بھی بڑھا دیا تھا اور وہ بدّوؤں کا سا لباس پہنے ہوئے پالکی کے بغیر پاپیادہ شہر میں پھرا کرتے تھے اور سات آٹھ غلام سروپا برہنہ پیچھے پیچھے ہوتے تھے جنکے پاس سوائے ایک مکروہ چھوٹے سے تہمت اور ایک پھٹی پُرانی چادر کے جسوا ئیں کاندھے پر ڈالکر داہنے بازو کے نیچے سے نکالے ہوئے ہوتے تھے کچھ پوشاک اور لباس نہ تھا اور بجز ایک ٹوٹی پھوٹی کرایہ کی بہلی اور ایک گھوڑی کے جو ہمارے پادری صاحب کا تھا اور کوئی گھوڑا بھی اِن کے پاس نہ تھا یا کبھی کبھی میرا گھوڑا مانگ لیتے تھے جسکو سواری سے لے کر قریب المرگ کر دیا تھا۔ پس ہر چند مینے اِن ذلیل اور حقیر سفیروں کے لیئے بہت کوشش کی مگر کچھ فائدہ نہوا کیونکہ لوگ اُن کو فقیر سمجھکر کچھ ملتفت نہوتے تھے۔ لیکن بہر حال ایک روز جبکہ مَیں اپنے آقا دانشمند خاں کے پاس (جو ممالک غیر کے معاملات کا وزیر ہے) خلوت میں بیٹھا تھا مینے شاہ اتھوپیا کی شان و عظمت کا ذکر ایسی آب و تاب سے کیا کہ اورنگ زیب اُنکو اپنے حضور میں بُلانے اور خریطہ کے قبول کرنے پر مائل ہوگیا۔ اور جب یہ حاضر ہوئے تو دونوں کو زربفت کا ایک ایک "سراپا" اور ریشمی زری کا رپٹکہ اور مندیل عنایت کی اور مراسم مہمانداری کے لیئے بھی حکم ہوگیا۔ اور چند ہی روز بعد جب رخصت کیئے گئے تو پھر ایک ایک "سراپا" مع

چھ ہزار روپیہ نقد کے مرحمت ہوا مگر یہہ روپیہ سادی طور پر نہ دیا گیا تھا بلکہ مسلمان کو چار ہزار اور مُراد کو عیسائی ہونے کی وجہ سے صرف دو ہزار ملا۔ اور اُن کے آقا کے لیئے بطور تحفہ ایک نہایت بہاری "سراپا" اور چاندی کے مُلمّع کی دو شہنائیں اور دو چاندی کے نقارے اور یاقوت کے جڑاؤ قبضہ کا ایک خنجر اور بیس ہزار روپیہ نقد عنایت ہوا۔ اور چونکہ مُلک حبش میں سکّہ کا چلن نہیں ہے۔ اسلیے اورنگ زیب نے براہ مہربانی یہہ فرمایا کہ اُمید ہے یہہ نقد تحفہ خصوصیت کے ساتھ قبولیت کے لایق ہوگا۔ اور ایک اعجوبہ چیز خیال کیا جائیگا۔ مگر شہنشاہ مغل خوب جانتا تھا کہ اِن میں سے ایک روپیہ بھی ہندوستان سے باہر نہ جائیگا اور یہہ لوگ اُس سے کارآمد جنسیں خرید لینگے۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا اور اُنہوں نے اِس روپیہ سے کچھ تو گرم مصالحے لے لیئے اور کچھ مہین سوتی کپڑے کے تھان بادشاہ اور ملکہ اور ولیعہد کے پیراہنوں کے لیئے اور الایچی جو ایک ریشمی دھاری دار کپڑا ہے اور سنہری یا روپہلی زری ملا کر بُنا جاتا ہے قبا اور پاجامے بنانے کی خاطر خرید لیئے۔ اور بادشاہ کی دو عباؤں کے لیئے جو عربوں کا ایک لباس ہے سُرخ اور سبز رنگ کی انگریزی بانات اور اِن کے سوا بہت سا کپڑا مگر ذرا کم قیمت محلسرا کی معزز عورتوں اور اُن کے لڑکے بالوں کے لیئے خریدا۔ اور اِس سفارت پر آنے کی وجہ سے اِس تمام اسباب کا محصول تو معاف ہی تھا۔

اگرچہ مُراد میرا بہت دوست تھا مگر تین باتوں سے مجھے اُسکے حق

ہیں کوشش کرنے سے پیشبانی ہوئی - ایک یہہ کہ اُسنے باوجود وعدہ کرنیکے کہ پچاس روپیہ کو مَیں اپنا بیٹا تمہارے پاس بیچڈالوں گا کہ بھیجا کہ تین سو روپیہ سے کم کو نہیں دونگا - اور مَیں اسپر بھی راضی تھا کہ تین سو ہی دیکر خریدلوں تاکہ مجھکو اسبات کے کہنے کی گنجایش ہو کہ ایک شخص نے خاص اپنا بیٹا ! میرے پاس بیچڈالا تھا - یہہ لڑکا خوب تازہ توانا اور سڈول بدن کا تھا اور رنگ بھی خوب صاف ! سیاہ تھا - اور اور حبشیوں کی طرح ناک بھی چپٹی نہ تھی اور نہ ہونٹھ ہی موٹے تھے - مگر چونکہ اُسکے باپ نے وعدہ خلافی کرکے مجھے نہ دیا تو اس سے مَیں بہت ہی ناخوش ہوا -

دوسری یہہ کہ اسنے اور اسکے مسلمان رفیق نے اورنگ زیب سے پختہ وعدہ کیا تھا کہ ہم اپنے بادشاہ سے اُس مسجد کی مرمت کی بالضرور اجازت لے دینگے جو پرتگیزوں کے وقت سے ویران اور کھنڈر پڑی تھی چنانچہ اورنگ زیب نے اُسکی مرمت کے لیئے بھی دو ہزار روپیہ انکو حوالہ کیا - یہہ مسجد ایک شیخ یا درویش کے مقبرے کے طور پر بنائی گئی تھی جو کبھی سے مُلک حبش میں صرف اس غرض سے چلا گیا تھا کہ وہاں دین اسلام پھیلائے - اور یہہ اُن پرتگیزوں نے مسمار کردی تھی جو گوا سے فوج لیکر اُس وقت حق بادشاہ کی مدد کو آگئے تھے جو عیسائی ہوگیا تھا اور جسکو خارج کرکے ایک مسلمان شاہزادہ تخت پر ہو بیٹھا تھا -

تیسری یہہ کہ اسنے شاہ حبش کی طرف سے اورنگ زیب سے یہہ درخواست کی کہ ایک قرآن اور آٹھ اور کتابیں (جنکے نام سے بھی مَیں

واقف ہوں اور جو اُن کتابوں میں اوّل درجہ کی مشہور ہیں جو مذہب اسلام کی تائید میں تصنیف ہوئی ہیں)
عنایت ہوں اور میری رائے میں ایک عیسائی بادشاہ کے ایک عیسائی
سفیر کا ایسا کرنا ایک نہایت ہی ذلیل اور معیوب امر تھا۔ اور مجھ میں جو
کچھ مینے سنا تھا کہ حبش میں دین عیسوی کی کیسی مبتذل حالت ہے اس
سے اُسکی بخوبی تصدیق ہوگئی۔

بے شبہ اس بادشاہ کی حکمرانی کے تمام طور وطریق اور رعیت کے
اوضاع واطوار سے اسلام کی بو آتی ہے اور بیشک جب سے وہ بادشاہ
مرگیا ہے جسکو پرتگیزوں نے اپنی فوج کی مدد سے تخت پر بٹھایا ہوا تھا جو
لوگ کہ صرف نام کے عیسائی ہیں اُنکی تعداد بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ بات یہ
ہے کہ اس بادشاہ کے مرتے ہی اُسکی ماں کی فتنہ پردازیوں سے پرتگیز
کچھ تو مارے گئے اور کچھ نکالدیئے گئے اور فرقہ جیسوئیٹ کے پیٹری آرک
یعنی بڑے پادری کو جسے اُسکے ہموطن پرتگیز گوا سے لائے تھے
جان بچاکر بھاگنا پڑا۔

جس زمانہ میں یہ سفیر دہلی میں تھے میرے آغا دانشمند خاں
جو نئی معلومات کا ہمیشہ سے شایق ہے اکثر اپنے ہاں بلاکر اُن کے
مُلک اور طریق حکمرانی کی بہت سی باتیں پوچھتا رہتا تھا۔ لیکن اُسکا اصل مدعا
یہ تھا کہ دریائے نیل کا مخرج معلوم کرے۔ یہ لوگ دریائے نیل
کو آبائیل کہتے ہیں اور اُن کا قول ہے کہ اُسکا مخرج بخوبی معلوم ہے
چنانچہ مُراد اور ایک مغل نے جو اُسکا ہم سفر بالاتفاق بیان کیا کہ ہمنے

اُس مقام کو دیکھا ہے اور انہوں نے جو کچھ کہا وہ بعینہ وہی تھا جو مینے مُنہا میں سُنا تھا - یعنی یہہ کہ اُسکا مخرج مُلک اگوس میں ہے اور وہ قریب قریب دو جوشندہ چشمے ہیں جو باہم ملکر تیس یا چالیس قدم کے طول کی ایک چھوٹی سی جھیل بناتے ہیں - اور جو پانی اِس جھیل سے نکلتا ہے اگرچہ وہ خود بھی ایک اچھے خاصے دریا کے موافق ہے - مگر آیندہ چھوٹے چھوٹے بہت سے ندی نالوں سے جو قدم قدم پر اُس سے آکر ملتے جاتے ہیں بڑھتا جاتا ہے - اِنہوں نے یہہ بھی بیان کیا کہ یہہ دریا اس طرح پر چکر کھاکر بہا ہے کہ گویا بیچ میں ایک بڑا جزیرہ بنگیا ہے - اور کئی ایک سیدھی چٹانوں سے اُتر کر ایک بہت ہی بڑی جھیل میں جا گرتا ہے جسمیں بہت سے زرخیز جزیرے ہیں اور گھڑیال بھی کثرت سے ہیں - اور بشہ طیکہ سچ ہو ایک اَور جانور اُسمیں بتایا جو بہت ہی اعجوبہ ہے یعنی ایک دریائی بچھڑا جسکے مونہہ کے سوا فضلہ کے خارج ہونیکے لیئے اَور مخرج ہی نہیں ہے - اور یہہ جھیل ڈیمبیا کے مُلک میں گونڈار سے تین مختصر منزلوں اور نیل کے مخرج سے چار یا پانچ دن کے سفر کے فاصلہ پر بتائی اور کہا کہ جب یہہ دریا اِس جھیل سے نکلکر آگے کو بڑھتا ہے تو بہت سے دریاؤں اور برساتی نالوں کی وجہ سے جو اِس جھیل میں آکر گرتے ہیں اِسکا پاٹ بہت بڑھجاتا ہے خصوصاً برسات میں جو ہندوستان کی طرح یہاں بھی ایک معین موسم ہے اور تقریباً جولائی کے اخیر سے شروع ہوتا ہے -

---

Agous اگوس

میرے نزدیک یہہ اخیر بات ایک طرح سے امر اہم اور قابل لحاظ ہے۔ کیونکہ اس سے اس دریا کی طغیانی کی وجہ معلوم ہوتی ہے اور انہوں نے کہا کہ دریا اس جھیل سے نکلکر جسکا ابھی ذکر ہوا شہر سینے ناز کی طرف جاتا ہے جو فنج جی کا پائے تخت ہے جو شاہ اتھوپیا کا ایک باجگزار ملک ہے اور اسیطرح آگے کو بڑھتا چلا جاتا ہے یہانتک کہ آخر کار مصر کے میدانوں میں جا پہنچتا ہے۔ ان سفیروں نے اپنے بادشاہ کی شان و شوکت اور فوجی قوت کا حال اسقدر بڑھا کر بیان کیا کہ مجھے اور داشمند خاں دونوں کو ناپسند ہوا۔ مگر ان کا وہی رفیق سفر مغل اس مع سرائی میں شریک نہ تھا۔ اور ان کی غیبت میں اُسنے ہمسے کہدیا کہ میںنے دو دفعہ وہاں کی فوج کو عین میدان اور ایسے وقت میں دیکھا ہے جب کہ خود بادشاہ اُس سے کام لیتا تھا اور میرے خیال میں کسی فوج کا اُس سے زیادہ شکستہ حال اور بے انتظامی کی حالت میں ہونا ممکن نہیں اور ایسے ہی اور بہت حالات اُسنے کہکر سُنائے جو سب میرے روزنامچہ میں لکھے ہوئے ہیں۔ اور اُمید ہے کہ کسی دن لوگوں کی اطلاع کے لیئے مَیں اُن کو چھپوا سکونگا۔ اور بالفعل مَیں صرف تین چار ہی باتوں کے لکھنے پر جو مُراد نے ہمسے بیان کی تھیں قناعت کرتا ہوں۔ اور چونکہ وہ ایسی سرزمین سے علاقہ رکھتی ہیں جو عیسائیوں کا ملک سمجھا جاتا ہے اسلیئے نہایت تعجب کے لایق ہیں۔ چنانچہ اُسنے بتایا کہ حبش میں چندہی آدمی ایسے ہونگے جنکے کئی کئی بیویاں نہوں۔

Funge فنج Senaar سِنے ناز

اور بغیر کسی طرح کے شرم و لحاظ کے خود اپنی بابت بھی کہدیا کہ منکوحہ بیوی کے سوا جو حلب میں ہے دو جوروئیں اور بھی ہیں اور بیان کیا کہ جس طرح ہندوستان کے مسلمانوں بلکہ ہندوؤں کی بھی عورتیں پردہ میں رہتی ہیں حبش میں نہیں رہتیں اور غریب گھرانوں کی عورتیں خواہ بیاہی ہوں یا کنواری اور لونڈی ہوں یا آزاد رات دن ایک ہی مکان میں باہم رہتی ہیں اور رشک و حسد کے خیالات جو اور قوموں کی عورات میں عموماً ہوتے ہیں یہہ جانتی بھی نہیں۔ اور بڑے بڑے امیروں کے گھروں کی عورتیں اور اُن کی جوروئیں اگر کسی خوبصورت سوار سپاہی پر طبیعت آجائے تو اُسکے چھپانے کی چنداں پروا نہیں کرتیں۔ بلکہ جب چاہتی ہیں بے خوف و خطر اُسکے گھر چلی جاتی ہیں۔ اور یہہ بھی کہا کہ اگر تم وہاں جاتے تو خواہی نخواہی شادی کرنی ہی پڑتی۔ چنانچہ چند سال ہوئے کہ ایک یوربین درویش کو جسنے اپنے تئیں ایک طبیب باشندۂ یونان ظاہر کر رکھا تھا زبردستی جورو کرادی گئی اور لطف یہہ کہ جس عورت کو اُسنے اپنے بیٹے کی شادی کے لیئے تجویز کیا تھا اُسی سے! اسکا نکاح پڑھوا دیا گیا اور ایک قصہ یہہ سُنایا کہ ایک اسّی برس کے بُڈھے نے اپنے چوبیس ۲۴ بیٹے جو جوان اور ہتھیار باندھنے کے قابل تھے بادشاہ کے روبرو پیش کیئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کیا تیرے صرف اتنے ہی لڑکے ہیں؟ جب اُسنے عرض کیا کہ ہاں لڑکے تو اتنے ہی ہیں مگر چند لڑکیاں بھی ہیں۔ تو بادشاہ نے جھنجلا کر کہا کہ "او بُڈھے

بُلبل میرے سامنے سے دُور ہو! مجکو تعجب آتا ہے کہ شرمندہ ہونے کی جگہہ تو شیخی بگھارتا ہے! کیا ہمارے مُلک میں عورتوں کا کال پڑگیا ہے کہ تیری سی عمر کا آدمی صرف دو درجن لڑکوں کے باپ ہونے پر اِترآتا ہے" اور اُسنے کہا کہ ہمارے بادشاہ کے کم سے کم اَسّی لڑکے بالے ہیں جو محل میں جدھر دیکھو وہی دوڑتے پھرتے نظر آتے ہیں اور اُنکی یہہ پہچان ہے کہ ہر ایک کے پاس بادشاہ کی دی ہوئی ایک گول رنگین چھڑی ہوتی ہے۔ جسکو بہ نسبت اَور لڑکوں کے وہ اپنے لیئے سیپٹ ٹر* کی طرح باعث امتیاز سمجھکر خوشی خوشی ہاتھ میں لیئے پھرا کرتے ہیں۔

میرے آغا کی طرح اَورنگ زیب نے بھی دو دفعہ ان سفیروں کو اس اُمید سے اپنے حضور میں بُلایا کہ اُن سے اُن کے مُلک کے کچھ حالات معلوم ہوں۔ مگر اُسکی زیادہ تر غرض یہہ معلوم کرنا تھا کہ دین اسلام کی وہاں کیا حالت ہے۔ اور وہ خچّر کی کھال بھی منگوا کر دیکھی جو نہ معلوم کس طرح قلعہ ہی میں بادشاہی عہدہ داروں کے پاس رہگئی اور مجھے اُسکے حاصل ہونے کا ارمان ہی رہگیا۔ کیونکہ اُنہوں نے میری کارگزاری کے صلہ میں اُسکے دیدینے کا وعدہ کیا تھا۔ اور مَیں یہہ خیال کرکے کہ کسی دن اپنے مُلک میں پہنچکر عجیب چیزوں کے کسی شوقین شخص کی نذر کرسکونگا۔

---

* یُورپ میں دستور ہے کہ دربار وغیرہ جلوس کے موقعوں پر بادشاہ ایک عصا ہاتھ میں لیئے رہتے ہیں۔ جسکو رایل سیپٹ ٹر یعنی عصائے شاہی کہا جاتا اور تخت و تاج وغیرہ کی طرح ایک بادشاہی علامت سمجھا جاتا ہے۔ س م ح ۱۲

رای ل - سی پ ٹ ر Sceptre

دل ہی دل میں بہت خوش ہوتا تھا۔ اور مینے اِن سفیروں کو بہت تاکید سے یہہ بھی کہا تھا کہ اس کھال کے ساتھ بادشاہ کو وہ سینگ بھی ضرور دکھانا مگر اُنہوں نے اِس خوف سے اُسکو پیش نہ کیا کہ مبادا ہم سے یہہ پوچھا جائے کہ مُورَث کی لوٹ میں جب یہہ بچ رہا تو اِسکے اندر کی خوشبودار چیز کہاں گئی! اور پھر ہم اسکا کیا جواب دینگے۔!

اورنگ زیب کا اپنے تیسرے لڑکے سُلطان اکبر کی تعلیم و تربیت کے لیئے اتالیق تجویز کرنا اور شاہزادوں کی نقص تربیت کے نتایج کی ایک مکمل تصویر

شاہِ حبش کے سفیر ابھی دِھلی ہی میں تھے کہ اَورنگ زیب نے اپنے دربار کے خاص خاص اُمرا اور عُلما کو اِس مشورت کے واسطے جمع کیا کہ اپنے تیسرے لڑکے سُلطان اکبر کی تعلیم و تربیت کے لیئے جسکو ولیعہد بنانا چاہتا تھا ایک اتالیق تجویز کرے۔ اور اُن سے فرمایا کہ میری بڑی آرزو ہے کہ اسکی تعلیم و تربیت ایسی کیجائے کہ جس سے کامل توقع اس امر کی ہو سکے کہ ہر طرح کی لیاقتوں کے لحاظ سے یہہ لڑکا مشہور آفاق ہو۔ چنانچہ میری رائے میں کوئی شخص اَورنگ زیب سے زیادہ اِس امر سے واقف نہیں کہ شاہزادوں میں ہر ایک طرح کے مفید علموں اور ہنروں کا موجود ہونا ضروری اور لابدی ہے۔ کیونکہ انکی نسبت یہہ اُمید ہوتی ہے کہ کسی آیندہ وقت میں فرماں روا اور حاکم بینگے اُسکا قول ہے کہ جس طرح سے باعتبار اپنے مرتبہ اور اختیار کے اِن کو اَور لوگوں پر فضیلت ہے۔ اُسی طرح لازم ہے کہ دانائی اور صفات حمیدہ میں بھی اُن سے افضل ہوں۔ اور وہ خوب جانتا ہے کہ ممالک ایشیا

میں جو آفتیں اور مصیبتیں سلطنتوں پر پڑا کرتی ہیں اور وہ بدعملی اور بدانتظامی جس سے آخر کار وہ برباد اور تباہ ہو جاتی ہیں اُسکا باعث اگر ڈھونڈا جائے تو ہمیشہ یہی نکلیگا کہ شاہزادوں کی تعلیم و تربیت ناکافی اور بُرے طور پر ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ بچپن ہی سے عورتوں اور خواجہ سراؤں یا اُن غلاموں کے سپرد رہتے ہیں جو ملک روس اور سرکیشیا اور مغولستان اور گرجستان اور حبش سے آتے ہیں اور کمبخت غلامی کا یہ خاصہ ہی ہے کہ اس سے عقل و تمیز خراب اور یہہ عادت ہو جاتی ہے کہ اپنے سے زبردستوں کے سامنے بہت ہی عجز اور فروتنی سے پیش آتے اور کم زوروں اور ماتحتوں پر خواہ مخواہ زور و زیادتی جتاتے ہیں۔ پس یہہ شاہزادے جب محلوں میں سے نکلکر تخت نشین ہوتے ہیں تو وہی ظالمانہ اور خراب عادتیں جو سیکھی ہوئی ہوتی ہیں ساتھ لے آتے ہیں اور اُن فرایض سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں جو اُن کی اس نئی حالت کو لازم ہیں اور اپنی زندگانی کے اس تماشاگاہ میں اس طرح پر خلایق کے سامنے آتے ہیں کہ گویا کسی اَور ہی دُنیا سے آئے ہیں اور ہر ایک چیز کو ایسے بھولے پن اور حیرانی کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ گویا کسی اندھیری کوٹھری یا تہہ خانہ میں سے آج ہی پہلے پہل نکلے ہیں۔ اور یا تو بچوں کی طرح ہر بات پر یقین کر لیتے یا ہر چیز سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں یا ایسے ہٹیلے اور بے پروا اور احمق ہوتے ہیں کہ معقول صلاح اور مشورہ کی بات کو سُنتے ہی نہیں اور کیسا ہی خراب کام کیوں نہو اُسکے کر بیٹھنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتے اور تخت پر بیٹھکر یا تو اپنی

جبلّی طبیعت اور مزاج کے سبب سے یا اُن خیالات کی وجہ سے جو پہلے سے اُن کے دل میں بٹھائے ہوئے ہوتے ہیں ایک مصنوعی وقار اور تمکنت دکھاتے ہیں مگر ہر کسیکو بآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ اصل سنجیدگی اور وقار اُن میں نام کو بھی نہیں اور یہہ ظاہرداری صرف کسی بُری سکھاوٹ کا اثر ہے جسکو بجائے متانت اور سنجیدگی کے ایک حیوانیت اور بیہودہ نمایش کہنا چاہیئے۔ اور یا یہ تکلف ایک ایسی خوش خلقی اختیار کرتے ہیں جو بادشاہوں کی شان کے ہرگز لایق نہیں ہوتی اور بناوٹی ہونے کی وجہ سے مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ پس ایسا کون شخص ہے جو ممالک ایشیا کی تاریخ سے واقف ہو اور میرے اِس بیان کی صحت سے جو ایشیائی شاہزادوں کی حالت کی ایک ٹھیک تصویر ہے انکار کر سکے۔ اور مَیں پوچھتا ہوں کہ کیا ممالک ایشیا کے بادشاہ آنکھیں بند کر کے حیوانوں کی سی بیرحمیاں نہیں کرتے رہے۔ اور اُن کی بیرحمی کیا کبھی کسی معین طریقہ پر ہوتی تھی؟ اور کیا وہ مطلقاً ناانصافانہ نہ تھی؟ اور کیا وہ بیحد شراب خواری کی ذلیل اور کمینہ عادت میں مبتلا اور بغیر کسی طرح کی شرم کے عیاشی و شہوت پرستی میں ڈوبے ہوئے نہیں ہیں؟ اور حرموں کی صحبت میں اپنی تندرستی اور عقل بالکل غارت اور برباد نہیں کرتے؟ اور کیا اُنہوں نے سلطنت کے کاروبار کی عوض اپنا تمام وقت سیر و شکار ہی میں نہیں کھویا؟ اور اگرچہ اِن بے درد بادشاہوں کو اپنے شکاری کُتّوں سے بہت محبت ہوتی ہے اور اُن کی غور و پرداخت کا بہت خیال کرتے ہیں مگر اُن بیچارے

غریب لوگوں کی مصیبتوں کی جو شکار میں ساتھ جانیکے لیئے بیگار میں پکڑے جاتے اور گرمی اور سردی کی شدّت اُٹھاتے اور بھوک اور تکان سے مرجاتے ہیں اِن کو مطلقاً پروا بھی نہیں ہوتی۔

ایشیائی شاہزادوں کے بدعادتوں میں مبتلا ہونے اور اُنکی غفلت شعاری اور وزیر یا کسی لونڈی باخواجہ سرا کی زور دستی اور اُسکے نتایج کا بیان۔

الغرض ایشیائی بادشاہ نہایت ہی ہولناک بدعادتوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں اُنکی یہہ خراب عادتیں انواع واقسام کی ہوتی ہیں۔ اور اس اختلاف کا سبب بڑا تر اُن کا طبعی میلان ہوتا ہے یا وہ خیالات اِنکا باعث ہوتے ہیں جو ابتدائے عمر سے اُنکی طبیعت میں بٹھا دیئے جاتے ہیں۔ اور شاذونادر ہی کوئی بادشاہ ایسا ہوتا ہے جو اپنی سلطنت کے اندرونی اور پولیٹکل اُمور سے بدرجہ غایت ناواقف نہو۔ وہ اپنی سلطنت کی باگ اکثر کسی وزیر کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں جسکا منصوبہ یہہ ہوتا ہے کہ خودمختارانہ اور بلا روک ٹوک اور بغیر کسی طرح کے خوف وخطر کے حکومت کرنے کی غرض سے حقیر اشغال میں اپنے آقا کے مبتلا رہنے کی اَور بھی تائید کرکے اُسکی طبیعت کو امور سلطنت کی واقفیت سے باز رکھتا ہے۔ اور اگر وزیر اعظم امور سلطنت کو مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتا تو بادشاہ کی ماں جو اصل میں کوئی لونڈی باندی ہوتی ہے۔ اور کچھ خواجہ سرا مُلک پر حکومت کرتے ہیں۔ جنکی تدبیریں وسیع اور آزادانہ خیالات پر مبنی نہیں ہوتیں بلکہ ہمیشہ انہیں بیرحمانہ جوڑ توڑوں میں لگے رہتے ہیں کہ اپنے ہمجنسوں

میں سے کسی کو پھانسی دیں اور کسی کو قید یا جلا وطن کریں - اور ہمجنسوں پر ہی کیا منحصر ہے یہی سلوک وہ اکثر اوقات بڑے بڑے اُمرا بلکہ خود وزیر کے ساتھ بھی کرتے ہیں - اور فی الواقع اُن کے تسلّط کے زمانہ میں جو سلطنت کے لیئے شرم کا موجب ہوتا ہے کسی شخص کی زندگی جو کچھ بھی مال و دولت رکھتا ہو ایک دن کے لیئے بھی محفوظ نہیں ہوتی -

سفیر ایران کا دہلی میں آنا

اورنگ زیب کے حضور میں مذکورہ بالا ملکوں کے سفیر جب حاضر ہو چکے تو آخر کار دربار شاہی میں یہہ خبر پہنچی کہ ایران کا سفیر بھی سرحد پر پہنچگیا ہے اور یہاں کے ایرانی اُمرا اور اُور اہل ایران نے یہہ مشہور کر دیا کہ نہایت ہی اہم معاملات اسکے آنیکے باعث ہوئے ہیں - لیکن سمجھ دار لوگوں نے اِس پر بالکل یقین نہیں کیا - کیونکہ اہم معاملات کا وقت گزر چکا تھا - اور یہہ بات ظاہر تھی کہ اِن لوگوں کے ایسا مشہور کرنیکا سبب بجز اس بیہودہ خواہش کے کہ اپنے مُلک کی عظمت و اقتدار کا اظہار کریں اور کچھ نہ تھا - اُن کا یہہ بھی ادّعا تھا کہ جو امیر اسکے استقبال اور توضع و تکریم کے واسطے مامور ہوا ہے اُسکو تاکید یہہ فہمایش ہوئی ہے کہ جسطرح ممکن ہو دہلی پہنچنے سے پہلے سفیر کے آنیکا اصل مدعا دریافت کرے - اور اُسکو یہہ بھی ہدایت ہوئی ہے کہ اس مُدّعی سفیر کو رفتہ رفتہ اس امر پر مائل کر دے کہ وہ دربار میں ہندوستان کے قاعدہ کے موافق رسم تسلیمات بجالائے اور اُسکو یہہ بھی سمجھا دے کہ قدیم سے یہہ دستور رہا ہے کہ شاہ ایران کا نامہ بلا واسطہ کسی امیر کے خود بادشاہ کو نہیں دینا چاہیئے - لیکن جو کچھ میں نے دیکھا اس

سے ظاہر ہو گیا کہ یہہ سب لغو کہانیاں تھیں - اور جو مرتبہ خدا نے اورنگ زیب کو بخشا ہے وہ ایسی باتوں کا محتاج نہیں ہے -

سفیر ایران کی جس طرح پر تعظیم و تکریم ہوئی اور جس طرح سے اورنگ زیب اُس سے پیش آیا اور جو تحایف اُسنے پیش کیئے اُن کا بیان ——

جب یہہ سفیر دار السلطنت دہلی میں پہنچا تو اُسکی تعظیم و تکریم کا اظہار واجب طور سے کیا گیا یعنی جن بازاروں میں سے وہ ہو کر گزرا اُنپر سفیدی وغیرہ از سر نو کرائی گئی اور تین میل کے قریب دو رویہ سوار و نکی فوج صف بستہ کھڑی کی گئی اور بہت سے اُمرا مع اپنے اپنے باجے گاجوں کے اُسکی سواری کے ساتھ تھے - اور قلعہ شاہی کے دروازہ میں پہنچتے ہی توپخانہ سے سلامی ہوئی - اور اورنگ زیب اُس سے نہایت اخلاق اور مہربانی سے پیش آیا اور اہل ایران کے طور پر اُسکے سلام کرنے سے ناخوش نہیں ہوا اور اُسکے ہاتھ سے شاہ کا خریطہ بھی بلا تردد لے لیا بلکہ بطور تعظیم اُسکو اپنے تاج کے قریب تک لیگیا - اور پھر ایک خواجہ سرا سے اُسکی مُہر کھلوا کر نہایت متانت کے ساتھ ملاحظہ کیا اور حکم دیا کہ سفیر کو سراپا پہنایا جائے - چنانچہ قبائے زربفت اور مندیل اور رشمین زری کا رپٹکہ عنایت ہوا - اور اس رسم کے بعد سفیر کو تحایف پیش کرنے کا اشارہ ہوا - چنانچہ پچیس ایسے خوبصورت گھوڑے جو مینے کبھی نہیں دیکھے تھے مع زردوزی اور زربفت کی گردنیوں کے - اور بیس نہایت اعلیٰ نسل کے ایسے قوی اور قدآور اونٹ جنکو ہاتھی کے پاٹھے کہنا زیبا ہے اور بہت سے صندوق عمدہ گلاب اور ایک اور عرق کے جسکو بید مشک کہتے ہیں

اور جو نہایت مفرح سمجھا جاتا ہے اور کمیاب چیز ہے - اور پانچ چھ بڑے بڑے اور خوبصورت قالین اور کئی بہت ہی بڑھیا تھان زربفت کے جن پر نہایت باریک گلکاری کی ہوئی تھی اور ایسے سُبک اور پاکیزہ وضع کے تھے کہ مجھے شک ہے کہ کبھی کوئی ایسی نفیس چیز یورپ میں دکھائی دی ہو - اور جڑاؤ قبضہ کے چار دمشقی خنجر اور چار مرصع پیش قبض اور پانچ یا چھ گھوڑوں کے بہت ہی خوبصورت ساز جنکو سب لوگوں نے خصوصیت سے پسند کیا - اور واقع میں بہت ہی خوشنما اور قیمتی تھے - اور جن پر چھوٹے چھوٹے موتیوں اور پُرانی کان کے فیروزوں سے نہایت ہی اعلیٰ قسم کی مرصع کاری کی ہوئی تھی پیش ہوئے اورنگ زیب نے سب چیزوں کو بڑی غور سے ملاحظہ کیا اور حاضرین دربار کو اسوقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اِن عمدہ تحایف سے بہت ہی زیادہ بلکہ معمول سے بڑھکر خوش ہوا ہے - اُس نے اِن چیزوں کی خوبی اور نفاست اور کمیابی اور شاہ کی اس مہربانی اور کشادہ دلی کی کہ کیسے کیسے بیش بہا تحفے بھیجے ہیں بار بار تعریف کی - اور سفیر کو بڑی ذی رتبہ اُمرا میں جگہہ دی اور اُسکے دور و دراز سفر کا ذکر کرکے اس معزز اور عالی مرتبہ مہمان سے فرمایا کہ اسوقت آپ آرام کریں اور ہم آپ کو مُلاقات کے لیئے ہر روز بُلایا کرینگے -

یہہ سفیر چار پانچ مہینے دِھلی میں رہا اور اُسکے سب اخراجات بہت تکلف کے ساتھ خزانہ شاہی سے ہوتے رہے - اور اُمرائے دربار نے نوبت بہ نوبت بڑی بڑی ضیافتیں کیں - اور بوقت رخصت بادشاہ نے

ایک اوردھاری سراپا مع کئی بیش بہا چیزوں کے عنایت کیا۔ اور شاہ ایران کے لیئے تحایف بھیجے جانے کی نسبت یہہ تجویز ٹھہری کہ پیچھے سے ایک اپنے سفیر کی معرفت بھیجے جائینگے۔ چنانچہ اس سفارت کے لیئے ایک امیر* مقرر بھی کیا گیا۔

اہل ایران مقیم دہلی کا نامہ شاہ ایران کے مضمون کے باب میں مختلف افواہیں اُڑانا اور اُن کی نسبت مصنف کی رائے

اگرچہ بہ نسبت اور سفیروں کے جو پہلے آچکے تھے اورنگ زیب نے اس سفیر کا بہت ہی اعزاز کیا اور دل سے خاطر و مدارات کی۔ مگر اس پر بھی اُن ایرانیوں نے جو دہلی میں تھے یہہ بات مشہور کردی کہ شاہ نے اپنے نامہ میں اورنگ زیب کو داراشکوہ کے قتل اور شاہجہاں کی قید کی بابت بہت ہی ملامت کی ہے اور لکھا ہے کہ جو سلوک تم نے اُن سے کیا ہے کوئی بھائی بھائی کے ساتھ اور کوئی بیٹا باپ کے ساتھ نہیں کرسکتا اور کسی ایماندار مسلمان سے ہرگز ایسی حرکت نہیں ہوسکتی۔ اور یہہ بھی اعتراض کیا ہے کہ اپنا لقب عالمگیر کیوں مقرر کیا ہے اور اُسکو سکّہ پر کیوں منقش کرایا ہے۔ اور اسبات کو انہوں نے یہانتک بڑھایا کہ نامہ میں صاف لکھا ہوا ہے کہ اگر آپ عالمگیر ہیں تو یہہ گھوڑے! اور یہہ تلوار حاضر ہے! بسم اللہ! آیئے! دھر سے ہم بھی آتے ہیں! میرے نزدیک اگر یہہ بات سچ ہوتی تو شاہ ایران کی طرف سے گویا پیغام جنگ تھا۔ لیکن میںنے جیسا سُنا ویسا لکھدیا ہے۔ اور اسکو میں غلط ثابت نہیں کرسکتا

* تربیت خاں کو بھیجا گیا تھا ۱۲ م ح

اگرچہ اس دربار کا راز ہر کسی کو معلوم ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ زبان سے واقفیت اور چند شخصوں سے مُلاقات رکھتا ہو اور میری طرح عجایب باتوں کے دریافت کرنے میں دل کھولکر روپیہ خرچ کرنے کی بھی کچھ پروا نکرتا ہو لیکن میں تو آسانی سے ایسی بات پر یقین نہیں کر سکتا کہ شاہ ایران نے ایسے الفاظ اپنے نامہ میں لکھے ہوں کیونکہ گو اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایرانیوں کی یہہ عادت ہے کہ جب کسی کو اپنا زور و طاقت جتانا چاہتے ہیں تو ایسی ہی تعلّی کی لیا کرتے ہیں۔ مگر ایسے لفظوں سے تو علاوہ ایک بڑی ہی خالی شیخی کے دھمکی کی بو بھی آتی ہے۔

اصل یہہ ہے کہ اکثر باخبر لوگوں کی یہہ راے ہے اور خود میرا بھی خیال یہی ہے کہ ایران میں یہہ طاقت ہی کہاں ہے کہ ہندوستان جیسی سلطنت پر حملہ کرے اور اُسکو تو یہی غنیمت ہے کہ قندھار جو ایران کی عملداری میں ہندوستان کی طرف سرحد پر ہے اُسکے قبضہ میں رہے یا یہہ کہ اپنے مُلک کو حدود سلطنت روم کی جانب سالم اور محفوظ رکھ سکے ایران کی سپاہ و دولت کا حال مدبران سلطنت ہند کو خوب معلوم ہے۔ اور وہ واقف ہیں کہ وہاں کے تخت پر ہمیشہ* شاہ عبّاس ہی نہیں ہے جو ایک نامور اور مدبر بادشاہ اور اس قابل تھا کہ جو معاملہ پیش آئے اُسکو اپنے ہی مدّعا کے موافق بنا لے اور بڑے بڑے منصوبے تھوڑے سے سامان سے انجام دے لے۔ اور اگر ایران کا

* شاہ عبّاس ماضی سے مراد ہے جو اکبر کا معاصر تھا اور شاہ جہان کے زمانہ تک فرمانروا ایران رہا۔ سرج

ارادہ اس سلطنت پر کوئی مہم کرنے کا ہے اور حالیہ وارداتوں کی وجہ سے اُسکو اورنگ زیب کی نسبت اسقدر تنفر پیدا ہوا ہے تو وہ کیوں اُن جانکاہ واقعات کو خاموشی اور بیغرضی کی نگاہ سے دیکھتا رہا جو اُن لڑائیوں میں پیش آئے جو ہِنْدُوسْتَان میں ہو رہی تھیں اور باوجودیکہ داراشکوہ اور شاہجہان اور سُلْطَان شُجَاع اور شاید صوبہ دار کابل بھی اُس سے امداد کے لیئے ملتجی ہوئے۔ مگر اُسکے دل پر کچھ بھی اثر نہوا حالانکہ وہ تھوڑی سی فوج سے ہِنْدُوسْتَان کے ایک نہایت عمدہ حصّہ پر یعنی کابل سے لیکر دریاے سِنْدھ کے کنارے بلکہ اُس سے آگے تک قبضہ کرسکتا اور اس طرح پر یہاں کے ہر ایک جھگڑے میں ہمیشہ کے لیئے اپنے تئیں ثالث بنا سکتا تھا

اورنگ زیب کا عتاب سفیر ایران کی نسبت اور اُسکا سبب

بہرحال خواہ تو شاہ ایران کے نامہ ہی میں کوئی ناملائم فقرہ تھا یا اورنگ زیب خود اس سفیر ہی کی کسی حرکت یا کسی گفتگو سے ناراض ہوگیا تھا جو اُسکے دہلی سے رخصت ہونے کے دو یا تین ہی روز بعد اُسنے اس امر کی شکایت کی کہ بوگھوڑے شاہ ایران کی طرف سے آئے ہیں سفیر نے اُن کے پچھلے پاؤں کی نسیں* کٹوادی تھیں اور حکم دیا کہ اُسکو سرحد پر روک لیا جائے۔ اور تمام ہندوستانی لونڈی غلام جو وہ یہاں سے لیگیا ہے چھین لیئے جائیں جنکی تعداد بلاشبہ بہت ہی زیادہ تھی اور قحط کی وجہ سے بہت ہی سستے

* اصل انگریزی میں لفظ ہیم سٹرنگ Hamstring ہے جسکے معنی بموجب فن تشریح واصطلاح طبی رباط کے ہیں۔ س م ح

اُسکے ہاتھ آگئے تھے۔ اور یہہ بھی کہتے ہیں کہ اُسکے نوکر جاکر بہت سے بچّوں کو چوراکر بھی لیگئے تھے۔ *

اس سفیر سے اورنگ زیب کے ناراض ہوجانے کا ذکر کسی جگہہ نظر سے نہیں گزرا مگر اور حالات مندرجہ ذیل کی تشریح اُسوقت کی فارسی کتابوں سے یوں پائی جاتی ہے۔ کہ جب سے شاہجہاں کے عہد سلطنت میں شاہ عباس ثانی نے قندھار کو ۱۰۴۸ھ ایکہزار اٹھاون ہجری میں عمل دولت ہندوستان سے پھر چھین لیا تھا دونوں سلطنتوں کے باہم دوستانہ راہ و رسم بند تھی۔ گر جب اورنگ زیب تخت نشین ہوا تو شاہ موصوف نے ایلچی بھیجنے میں سبقت کرکے اس راہ و رسم کو پھر تازہ کیا۔ چنانچہ صاحب عالمگیرنامہ نے اس حال کو ۱۰۶۸ھ ایکہزار اڑسٹھ ہجری کے واقعات میں (جو اورنگ زیب کے تیسرے اور چوتھے سال جلوس کے مطابق تھا) بہت تفصیل سے لکھا ہے اور چونکہ اُس سے سفیر کی مدارات کا طور و طریق مع اور بہت سی درباری رسمیں اور دلچسپ باتوں کے زیادہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے اسلیئے اُسکا پورا ترجمہ لکھدینا مناسب معلوم ہوا۔ دھوھذا۔

اِن ایّام میں وقائع صوبہ ملتان سے دریافت ہوا کہ وائے ایران نے بھی بمقتضائے مصلحت و دانائی رسم اتحاد کے تازہ کرنے کے لیئے بوداق بیگ تفنگچی آقاسی (یعنی ہندوستانیوں کی فوج کے سردار) کو جو اُسکے اُمرائے دربار میں سے تھا "مع تحایف و نامہ دوستانہ متضمن مبارکباد تخت نشینی" روانہ کیا ہے اور وہ قندھار سے گزرکر ملتان کے راستے دِلّی کو آتا ہے۔ اسلیئے اورنگ زیب نے زاہدان بیگ نامے اپنے ایک مقرّب ملازم کو مامور کیا کہ استقبال اور مہمانداری کے لیئے مُلتان تک جائے۔ چنانچہ اس شخص کو حسب معمول خلعت خصوصت دیگر رخصت کی پہلی تاریخ روانہ کیا گیا۔ اور اسی کے ہاتھ بوداق بیگ کے لیئے بھی ایک خلعت بھیجا گیا اور تربیت خان حاکم مُلتان اور خلیل اللہ خاں صوبہ دار "دارالسلطنہ" لاہور اور اثنائے راہ

نقل حاشیہ صفحہ گذشتہ

کے سب حاکموں کو احکام بھیجے گئے کہ لوازم ضیافت و مہمانداری بجالاکر اپنے اپنے مقدور کے موافق نقد و جنس سے بھی تواضع کریں۔ تیسری شعبان کو بوداق بیگ کے بھیجے ہوئے "خربزہ ہائے کابل" اور کچھ اور میوے بادشاہ کے حضور میں پیش ہوئے اور لانے والوں کو خلعت کے علاوہ ڈھائی ہزار روپیہ انعام مرحمت ہوا۔

بعد ازیں خبر آئی کہ بوداق بیگ آخر تاریخ شعبان کو مُلتان پہنچگیا اور تربیت خان نے ضیافت کے بعد پانچہزار روپیہ نقد اور ہندوستان کی ساخت کے نو پارچے بطور تحفہ اُسکو دیئے اور جب لاہور پہنچا تو خلیل اللہ خان نے نہایت عمدہ ضیافت کی جسمیں بڑے تکلف سے چار سو قابیں انواع و اقسام کے کھانوں کی اور سات سو خوان قسم قسم کے نقلوں اور عطریات کے چُنے گئے اور بیس ہزار روپیہ نقد اور ایک خنجر اور ایک تلوار جنکر سازینا کار تھے اور سات کشتیاں ہندوستان کے بنے ہوئے نفیس کپڑوں کی تواضع کیں

اٹھارہویں رمضان کو بوداق بیگ کا ایک عریضہ لاہور سے روانہ ہونے کی اطلاع میں پہنچا اور چونکہ اُسنے عریضہ کے ساتھ باز۔ جرّہ۔ چرغ اور شاہین وغیرہ کچھ شکاری جانور بھی بھیجے تھے اسلیئے لانے والوں کو خلعت عطا ہوے۔

اٹھائیسویں رمضان کو جب بوداق بیگ باغ اکبرآباد کے نزدیک بمقام سرائے بادلی پہنچکر ٹھہر گیا تو بادشاہ نے بمراد اظہار عنایت اُسکے لیئے "آلوشِ خاص" بھیجا۔ اور دربار میں حاضر ہونیکے لیئے شوال کی تیسری کو ایک "ساعتِ نیک" مقرر ہوئی چنانچہ اس مہورت کے موافق جب یہ سفیر شہر کے قریب پہنچا تو اسد خاں۔ سیف خان اور ملتفت خان "میر تزک" تین بڑے امیر شہر کے باہر تک استقبال کرکے دیوان خاص و عام میں جہاں بادشاہ سالانہ جشن کے دربار میں تخت پر بیٹھا ہوا تھا لائے اور اُسنے (بقول صاحب عالمگیر نامہ جسکے بیان کو اس امر خاص میں ڈاکٹر بنیر کی بیغرضانہ اور چشم دید شہادت کے مقابلہ میں صحیح نہیں سمجھا جا سکتا) اُسی طرز و قانون سے جو اس سلطنت کا معمول بہا تھا آداب کورنش و تسلیم بجالاکر "شاہ ایران کا نامہ پیش کیا اور بادشاہ نے "بعطاے خلعت فاخرہ و جیغہ و خنجر مرصع و گرچہ جشن با پیالہ و خوانچہ طلا

دان باپندان و خوان طلا" عین مجلس جشن میں مستانہ فرمایا۔ اور دربار برخاست ہونیکے
بعد رستم خان کی حویلی میں جو جمنا کے کنارے ایک عمدہ مکان تھا اور سفیر کی خاطر
سرکاری فرش و فروش سے آراستہ کیا گیا تھا اُتارا گیا اور میر عزیز بدخشی جو ایک سنجیدہ
اور معقول شخص تھا مہماندار مقرر ہوا۔ بادشاہ نے دوسرے دن سفیر کو پھر حضور میں طلب کیا
اور ایک شمشیر با ساز مرصع عنایت کی اور اُسکے ہمراہیوں میں سے نذر قلی نامے سوغات
کے گھوڑوں کے میر آخور (داروغہ اصطبل) اور محمد حسین تحویلدار تحایف اور
احمد بیگ ایلچی کے داماد اور اُسکے مُلّا میر زین العابدین کو خلعت عنایت کیئے
اور چونکہ رات کو دریاے جمنا میں بادشاہزادوں کے کارپردازوں اور بڑے بڑے
امیروں کے اہتمام سے جشنوں کے معمول و دستور کے موافق کشتیوں پر نہایت تکلف سے
چراغوں کی روشنی کی گئی تھی اسلیئے بادشاہ نے غسل خانہ کے دریا جس میں سفیر کو بھی مع
اُسکے ہمراہیوں کے طلب کر کے اس تماشے کے ملاحظہ میں شریک کیا۔ اور ساتویں شوال
کو سفیر نے حسب الطلب حاضر ہوکر بادشاہ ایران کے تحایف جنمیں چھیاسٹھ عراقی گھوڑے
نہایت ہی قابل تعریف تھے۔ اور ایک بہت بڑا ناباب موتی جو وزن میں سینتیس قیراط (یعنی
اکیسو گیارہ رتی یا ایک رتی کم چودہ ماشے) تھا اور جسکی قیمت بادشاہی جوہریوں نے
ساٹھ ہزار روپیہ آنکی تھی مع اور نجھوں کے جنکی قیمت مع گھوڑوں اور اس موتی کے چار لاکھ
بائیس ہزار روپیہ سمجھی گئی تھی پیش کیئے اور سفیر نے اپنی طرف سے بھی کچھ عراقی گھوڑے اور
"شتر بختی" (یعنی دو کوہان والے اُونٹ) اور ایران کی اور نفیس چیزیں پیشکش کیں جنکو
اورنگ زیب نے قبول فرماکر ساٹھ ہزار روپیہ نقد اور چاندی کے ہودے اور زربفت کی
جھول کے ساتھ ایک ہتھنی عطا کی اور محمد حسین تحویلدار تحایف کو پانچ ہزار روپیہ اور
نذر قلی میر آخور اور مُلّا میر زین العابدین کو تین تین ہزار روپیہ اور ایلچی کے
داماد احمد بیگ کو دو ہزار روپیہ عنایت کیئے ـــــ اور "بروز جشن سالگرہ چہل و پنجم
بمساب شمسی" سفیر کو پھر "پچاس ہزار روپئے نقد اور مرصع پٹی اور خلعت بارانی
اور پاندان باخواسچہ طلا اور ایک سپر با ساز مرصع اور ایک بندوق خاص"
اور محمد حسین کو تین ہزار اور نذر قلی اور حکیم یوسف سفیر کے طبیب کو

دو دو ہزار - اور اُسکے کئی "توجیوں" (سلحداروں) اور ہمراہیوں کو تیرہ ہزار روپئے مرحمت فرمائے - اور بیسری ذی الحجہ کو تین اشرفیاں جو وزن میں کُل سات سو تولہ! کی تھیں اور پان پان سو تولہ! کے تین روپئے! عطا ہوئے -

اور بروز عید ذی الحجہ بوداق بیگ کو رخصت کرکے ایک لاکھ روپیہ نقد اور خلعت فاخرہ مع جیغہ مرصع بنا کار باعلاقہ مروارید اور ایک گھوڑا بازین ولگام طلا اور ایک ہاتھی بازین طلائی وسار نقرہ وجل زربفت اور ایک فیل دریائی جسکی شکل وصورت (بقول صاحب عالمگیر نامہ) "خالی از طرفگی وغرابت نہ تھی اور ایک پالکی مع ساز وسامان" عطا کی اور نامہ کے جواب کی نسبت یہہ ارشاد ہوا کہ ایک فہمیدہ اور سنجیدہ بڑے امیر کے ہاتھ ہندوستان کے عمدہ عمدہ تحفوں کے ساتھ پیچھے سے بھیجا جائیگا - خلاصہ یہہ کہ ایلچی کو اوّل سے آخر تک پانچ لاکھ روپیہ اور اُسکے ہمراہیوں کو بیتیس ۳۲ ہزار روپیہ عطا ہوا - اور خواجہ صادق بدخشی کو مُلتان تک مشایعت کے لیئے مامور کیا گیا - انتہے

واضح ہو کہ عالمگیر نامہ میں جو فیل دریائی کا ذکر ہے ماثر عالمگیری میں بھی فیل دریائی ہی لکھا ہے یہہ کوئی خیالی جانور نہیں ہے - اسکو انگریزی میں ہپوپوٹامس* کہتے ہیں جسکا لفظی ترجمہ ہے اسپ دریائی - مگر اسکو گھوڑے سے کچھ مشابہت نہیں البتہ گینڈے سے بہت مشابہ ہے اور اگر سونڈ اور چوڑے کان بھی ہوتے تو پورا ہاتھی ہی ہوتا - تھن دار جانوروں کی نوع میں سے ہے اور مختلف اقسام کا ہوتا ہے اور بڑے سے بڑا دم کی طرف سے لیکر سر تک سترہ فٹ کا لمبا ہوتا ہے - اکثر سواحل افریقہ پر اور بعض جگہہ دریاے نیل میں بھی پایا جاتا ہے - اگرچہ اکثر پانی میں خوش رہتا ہے مگر دریا کے کنارے نباتات کو چر کر زندگی بسر کرتا ہے -

اور شاہ عباس کا وہ نامہ جو یہہ ایلچی لایا تھا اور جسکے مضمون کی نسبت ڈاکٹر زیدی نے بعض افواہیں نقل کرکے اپنے قیاس سے اُنکی تردید کی ہے انشاے ملا طاہر وحید میں جو شاہ عباس کا نہایت مقرب اور "مجلس نویس خاص" تھا مع ایک "رقم" یعنی فرمان موسومہ ایلچی مذکور (جسکو اُسکے صحیح نام اور خطاب بوداق سلطان کی جگہہ

* Hippopotamus.

ہپ پوپ ٹ ا م س

صاحب عالمگیر نامہ وغیرہ شاہی مورخوں نے اپنے اپنے ان کے شاہزادوں کا لقب سلطان ہونے کے لحاظ سے خواہ مخواہ بوداق بیگ بنا دیا ہے) بجنسہ موجود ہے۔ اسکے ملاحظہ سے ثابت ہوتا ہے کہ فی الواقع اس نامہ میں کوئی بھی اسا فقرہ نہ تھا جو اورنگ زیب جیسے عالی منزلت بادشاہ کی شان کے برخلاف ہو بلکہ برعکس اسکے تمام الفاظ اور طرز تحریر نہایت حسب حال اور معقول اور موزوں ہے اور اگرچہ اسمیں اورنگ زیب کو اصل نام سے مخاطب کیا ہے بلقب عالمگیر نہیں لکھا مگر یہہ بات کچھ اسکی توہین کے ارادہ سے نہیں معلوم ہوتی کیونکہ نامہ کی طرز عبارت کے علاوہ بوداق بیگ کے نام کے فرمان سے بے شبہ اور صاف طور پر شاہ عباس کا یہہ خیال پایا جاتا ہے کہ وہ اورنگ زیب کے ساتھ دوستی اور اتحاد پیدا کرنے کا بہ دل خواہشمند تھا۔ چنانچہ نامہ اور فرمان کے بعض فقرات زاید کو جو اس حاشیہ کے مدعا سے علاقہ نہیں رکھتے حذف کر کے بعینہ اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

"نامہ کہ بہ بادشاہ والاجاہ اورنگ زیب نوشتہ شد"

.....

.....

بعد از حمد جناب کبریا و بسط بساط نعت سید انبیا و منقبت زبدۂ اصفیا بر مرآت ضمیر قدسی تخمیر اعلی حضرت رفیع المنزلت گردوں بسطت مشتری سعادت خورشید طلعت عطارد فطنت کیوان وقار سپہر اقتدار زینت بخش وسادہ جاہ و جلال مشکی آرائے فرخندگی و اقبال مصقل مرآت نمائے دولت خداداد و شیرازہ بند اوراق پریشان بلاد و عباد فارس میدان خصم افگنی و دشمن شکاری منظور انظار حضرت باری۔ پیشرو سالکان صراط مستقیم وصول۔ نظر بافتۂ مقربان پیشگاہ قبول فرودین ریاض ہمیشہ بہار سلطنت گورگانی۔ حدیقہ طراز گلستان خلد نشان جہانبانی سیراب منہاج غرب انتباہ و آگاہی۔ دقیقہ شناس خبایائے اسرار کماہی شہاب ثاقب سپہر جرات و جلادت۔ نہنگ لجج بحر شہامت و بسالت المؤید بعنایات للملک الحسیب نظاما للسلطنۃ و المعدلۃ والشہامۃ والبسالۃ والجلالیۃ والرفعۃ والعزۃ والامتنان سلطان اورنگ زیب منطبع میگرداند کہ دریں وقت ارجمند و زمان سعادت پیوند کہ بہ پیروی شرع خالق انس و جان و جاعل کمین و مکان اسباب کامیابی و خوشدلی من

النصیفۃ

جمیع الوجوه آماده و ابواب فیوضات از شش جهت بر چهرهٔ اقبال کشاده ست بمیانجی مخبران صدق آئین مژدهٔ جاوس آن گوهر فروزان بحر رسالت و شجاعت و جوهر تیغ و شمن شکار جرات و جسارت بر سریر والائے سلطنت مورثی گورکانی و وسادهٔ لازم السعادت جهانبانی که بفحوائے صدق انشائے تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ و بمقتضائے آیهٔ وافی الهدایه إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ و بنیروئے اصابت تدبیر و موافقت کارگزاران تقدیر پیرایهٔ حسن وقوع پوشیده ساعهٔ افروز گشته مسرت بر مسرت و خوشدلی بر خوشدلی افزوده همواره بر سیر گردون نظیر دولت ممکن باشند از انجا که مبانی مداقت القیام فیما بین برگزیدگان این دو سلسلهٔ والا مقام سپهر احتشام استحکام تمام داشته و در عالم دوستی قدیم مترقب میبود که آن زینده را رایک اقبال و چراغ افروز دودمان مجد و اجلال را هر گونه مهیکه در باب استقرار امر جهانبانی درکار باشد بمقام اعلام در آید که کارگزاران دولت ابد مقرون بانجام آن مامور گردند چون تمارک مامات بعون عنایت الٰهی مقدور و مراعات شیوهٔ مستوده دوستی پیوسته منظور است بدستور هرگونه مطلبے که در خاطر والا مرکوز باشد بزبان زد خامه اظهار خواهند نمود فقط انتهے

"رقمے که بوداق سلطان تفنگچی آقاسی در ایام ایلچی گری هند نوشته"

امارت پناه بوداق سلطان بعنایت بیغایت شاهانه و مرحمت بے نهایت پادشاهانه مفخر و سرفراز و ممتاز بوده بداند - که عریضه که در میقات مصحوب رفعت و معالی پناه علی قلی بیگ بدرگاه جهان پناه و آستان خلایق امید گاه مشتمل بر خوشنودی از الطاف پادشاه والا جاه گردون بارگاه ستاره سپاه فرستاده بود در هنگامیکه گلهاے کامجوئی و کامرانی در بوستان بختیاری صاحبقرانی بریزش سحاب عنایت سبحانی شگفته و گرد و غبار عوایق و موانع عیش و عشرت بنسایم الطاف الٰهی رفته و ولات اطراف در دربار جاه و جلال عرش آستان و سلاطین با تمکین در محفل بهشت مثال مانند ساغر نخجیر در دوران بودند بنظر کیمیا اثر رسید "برگ پان" که بدفعات ارسال یافته بود بتخصیص "بارجامهٔ لاهوری" (یعنی لاهور کی بنی هوئی وه بوری باگون جسمیں پان بهیجے تهے) بهوئے نوبهار دار الخلد بزم ارم نشان سرسبز و ریان وارد گردید بنابر عنایت شاهانه در بارهٔ آن غلام زاده خلاع فاخره پوشیده بمصحوب رفعت و معالی پناه

سُہراب بیگ غلام خاصہ شریفہ فرستادہ شد معروض داشتہ بود کہ اعلی حضرت بادشاہِ
والاجاہ کامیاب مالکِ رقاب بنا بر مراعات یکجہتی و یگانگی مقرر فرمودہ اند کہ بتعاقب ایں رسالِ
برگِ سبز پان بوستانِ یاد آوری شگفتہ و خنداں باشد اینمعنی موجب اہتزاز از اہیر گوستان
سرائے خاطر ہمایوں شد۔ چوں از طرفین بساط یکتادلی مہد و ابواب منافرت و بیگانگی
بالکلیہ منسدست آنچہ از اثمار حلاوت آثار مختصہ ایں دیار مرغوب خاطر والائے آن بادشاہ
جم اقتدار عدالت شعار پسندیدہ اطوار بودہ باشد معروض خواہد داشت کہ بندگان درگاہ
گردوں پیشگاہ بارسال آن مامور گردند۔ درعریضہ علیحدہ اظہار میلانِ خاطر خورشید مآثر
اعلی حضرت بادشاہِ گردوں بارگاہ بارسالِ عمدۃ الاماثل والاشباہ برہان الدین خوشی
ایالت و شوکت پناہ فاضل خاں شدہ بود برآن غلام زادہ بواجبی ظاہر ست کہ وجینیکہ
جاں نثار خاں برسمِ حجابت بدرگاہ خلایق پناہ آمدہ از جملہ مطالبے کہ بعرض آں
مامور شدہ استدعائے رخصت جمعے از مردم ایں دیار بود وچوں در آں وقت تراکم
غبار نقار مانع دخول سماع مسئول بحوالہ اجابت و قبول بود بپرایہ حصول نہ پوشیدہ دریں
وقت کہ بحمد اللہ تعالے آن غبار از گلدہ خاطر رفتہ و گلہائے یکجہتی بر شاخسار
مودت شگفتہ بہت زبدۃ الاقران مومی الیہ را مرخص فرمودہ ارقام مطاعہ لازم الاطاعت
باسم بیگلربیگیان عظام و امرائے کرام و وزرائے ذوی الاحترام ممالک محروسہ
شرف صدور یافت کہ مانع و مزاحم شامل الیہ نشدہ او را در کمال رفاہ حال و فراغ بال
با منسوبان و متعلقان و احمال و اثقال روانہ نمایند و علی قلی بیگ مشمول عنایات
شاہانہ و انعامات خسروانہ شد .....

.....

چوں خاطرِ والا و طبع اقدس و اعلی متوجہ رسیدن اخبارِ صحت آثار ذاتِ ستودہ صفاتِ
کامل السجایاتِ اعلی حضرت بادشاہِ والاجاہ ستارہ سپاہ میباشد و آن غلام زادہ نیز بدیں
کہ از شرف درگاہِ خلایق پناہ دور و از شرف بندگی مہجور شدہ در حینِ ورودِ رقمِ اشرف
خصت انصراف حاصل نمودہ روانہ شود و بتوجہات شاہانہ مستمال باشد" فقط

اور مصنف نے جو ایران کی کمزوری کے ثبوت میں یہ لکھا ہے کہ باہمی فسادکے

سفیر ایران کے ساتھ شاہجہاں اور اورنگ زیب کے مختلف طور کے برتاؤ کا ذکر ——

جب تک یہہ سفیر دہلی میں رہا اورنگ زیب اپنی تمام حرکات وسکنات میں سخت احتیاط کا پابند رہا برخلاف شاہجہاں کے جسنے نامور شاہ عبّاس کے سفیر کو کبھی تو بیموقع نخوت دکھاکر ناراض کرلیا اور کبھی ایسی بے تکلفی اختیار کی جو اُسکی شان کے لایق نہ تھی جس سے سفیر کی نظر میں اُسکی حقّت ہوئی

دنوں میں داراشکوہ - شاہجہاں - سُلطان شجاع اور شاید صوبہ دار کابل نے بھی اُن سے مدد مانگی تھی مگر باوجود ایسے عمدہ موقع مداخلت کے وہ کچھ بھی نہ کرسکے - اسکے متعلق کتاب طاہر وحید میں اگرچہ شاہجہاں - شجاع اور مہابتخاں صوبہ دار کابل کے نام کی تو کوئی تحریر نہیں ملتی - مگر شاہ عبّاس کی طرف سے مراد بخش داراشکوہ اور والیان بیجاپور اور گولکنڈہ کے نام کے نامے بیشک موجود ہیں - جن سے پایا جاتا ہے کہ مراد بخش کو خالی وعدے تو بہت بڑے بڑے لفظوں میں دیئے گئے تھے مگر اخیر میں ایسے وعدہ میں لیت ولعل اور امروز فردا کردینے کے لیئے قصداً گنجایش رکھ لی گئی تھی - اور داراشکوہ کو جو نواح سندہ میں پہنچکر طالب امداد ہوا تھا مدد کا وعدہ دیکر یوں ٹال دیا تھا کہ آپ اپنے دادا ہمایوں کی طرح اوّل ہمارے پاس اصفہان میں تشریف لے آیئے پھر سب طرح سے بندوبست ہوجائیگا -

اور بیجاپور و گولکنڈا والوں کو جو شاہان صفویّہ کے ہم مذہب تھے شاہان مغلیّہ کا سُنی المذہب ہونا بہت شدّ ومدّ سے جتاکر اگرچہ یہہ صلاح تو دیگئی تھی کہ اسوقت یہہ اپنے خانگی فسادوں میں مبتلا ہیں تم دونو متفق رہکر ان کی بیخ کنی میں کوشش کرو مگر اپنی فوج وغیرہ بھیجنے کا کوئی وعدہ واقرار نہ تھا -

اِن حالات پر غور کرنیسے بوضاحت یہہ رائے بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ اہل ایران ظاہری نمایش کے لیئے خالی شیخیاں بہت بگھارتے تھے مگر اپنی طاقت کا اندازہ اپنے دل میں خوب سمجھ ہوئے تھے - س م ح

سفیر ایران اور شاہجہان کے چند ظریفانہ سوال و جواب کا ذکر اور مصنف کی رائے میں اُنکا سفیروں کے مناسب حال نہ ہونا

جب کوئی ایرانی ہندوستانیوں کی ہنسی اُڑانا چاہتا ہے تو مندرجہ ذیل قصّے بیان کرتا ہے۔ اوّل یہہ کہ جب شاہجہاں کی کوئی تدبیر نہ چل سکی کہ سفیر ایران ہندوستان کے درباری قاعدہ کے موافق رسم تسلیمات جس سے اُسکو انکار تھا بجالائے تو اُسنے یہہ تدبیر نکالی کہ عام و خاص کے دروازہ کا پھاٹک تو بند کروادیا اور صرف کھڑکی کھُلی رہنے دی جسمیں سے بغیر سر جھُکائے گزر نہیں ہوسکتا تھا۔ شاہجہاں کو اُمید تھی کہ اس تدبیر سے ہمکو اسبات کے کہنے کا موقع ملیگا کہ سفیر ایران کو دربار میں حاضر ہونے کے وقت ہندوستان کی رسم سے بھی زیادہ سر جھُکانا پڑا۔ لیکن یہہ سرکش اور چالاک ایرانی فوراً تاڑ گیا اور شاہجہاں کی طرف پیٹھ کرکے کھڑکی میں داخل ہوا۔ شاہجہان یہہ دیکھکر کہ اس چال میں بھی وہی زَور رہا بہت جھُنجلایا اور سفیر کو حقارت سے مخاطب کرکے بولا "اے بدبخت کیا تو اپنے جیسے گدھوں کا طویلہ سمجھکر اسمیں داخل ہوا ہے"؟ اُسنے کہا بیشک میں یہی سمجھا تھا۔ کیونکہ ایسے دروازہ میں سے گزر کرتے ہوئے کون شخص یہہ خیال کرسکتا ہے کہ گدھوں سے ملنے کے سوا وہ کسی اَور جگہہ جاتا ہے۔

دوسرا یہہ کہ شاہجہان نے سفیر ایران کے کسی بے ادبانہ اور کرخت جواب سے ناراض ہوکر کہا "اے بدبخت شاہ عباس کے دربار میں کیا کوئی شریف آدمی نہ تھا جو تجھسے خرد دماغ کو میرے پاس بھیجا"؟ اُسنے کہا کیوں نہیں بہت سے مہذب اور لئیق لوگ موجود ہیں مگر وہ اگلے کی لیاقت

کے موافق خیر بھیجا کرتا ہے"

تیسرا یہہ کہ ایکدن شاہ جہاں نے سفیر ایران کو اپنے ساتھ کھانا کھانے کو بُلایا اور حسب معمول اُسکے چھیڑنے کے لیئے موقع دیکھتا رہا۔ پس جب سفیر نے قاب میں سے ڈھونڈ کر ہڈیاں نکالیں اور چچوڑنی شروع کیں تو بادشاہ نے چپکے سے کہا "ایلچی جی کُتے کیا کھائینگے ؟ اُسنے کہا "کھچڑی" ! جسے بادشاہ بڑی رغبت سے نوش جاں فرما رہے تھے کھچڑی ایک کھانا ہے جو چاول اور مونگ یا ماش وغیرہ ملاکر پکایا جاتا ہے اور جسکو عموماً ہِنْدُوسِتَان کے غریب آدمی کھاتے ہیں۔ پھر بادشاہ نے پوچھا کہ تم ہمارے شہر دِھلی کو (جو اُسوقت نیا تیار ہو رہا تھا) اصفہان کے مقابلہ میں کیسا خیال کرتے ہو ؟ سفیر نے بلند آواز سے جواب دیا کہ "واللہ باللہ اصفہان تو آپکے شہر کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا" اسکو بادشاہ نے تو تعریف سمجھا اور سفیر نے گویا ہجو ملیح کی تھی کیونکہ شاہجہان آباد کا گرد و غبار بہت ہی تکلیف دہ ہے۔ ایک قصّہ وہ یہہ بیان کرتے ہیں کہ جب شاہ جہاں نے سفیر کو اس امر پر مجبور کیا کہ ٹھیک طور پر بتائے کہ اِیْران اور ہِنْدُوسِتَان کی سلطنت کی قوت میں کسقدر فرق ہے تو اُسنے عرض کیا کہ ہِنْدُوسِتَان چودھویں رات کے چاند کے موافق ہے اور ایران محض دوسری یا تیسری رات کے چاند کے مطابق۔ جس سے شاہجہاں بخیال اپنی عظمت کے بہت ہی خوش ہوا۔ لیکن جب اِس ذو معنی جواب کا اصل مطلب خیال میں

سفیر ایران اور شاہجہان کے چند ظریفانہ سوال و جواب کا ذکر اور مصنف کی رائے میں انکا سفیروں کے مناسب حال ہونا

جب کوئی ایرانی ہندوستانیوں کی ہنسی اُڑانا چاہتا ہے تو مندرجہ ذیل قصّے بیان کرتا ہے۔ اوّل یہہ کہ جب شاہجہاں کی کوئی تدبیر نہ چل سکی کہ سفیر ایران ہندوستان کے درباری قاعدہ کے موافق رسم تسلیمات جس سے اُسکو انکار تھا بجالائے تو اُسنے یہہ تدبیر نکالی کہ عام و خاص کے دروازہ کا پھاٹک تو بند کروادیا اور صرف کھڑکی کھُلی رہنے دی جسمیں سے بغیر سر جھکائے گزر نہیں ہوسکتا تھا۔ شاہجہاں کو اُمید تھی کہ اس تدبیر سے ہمکو اسبات کے کہنے کا موقع ملیگا کہ سفیر ایران کو دربار میں حاضر ہونے کے وقت ہندوستان کی رسم سے بھی زیادہ سر جھکانا پڑا۔ لیکن یہہ سرکش اور چالاک ایرانی فوراً تاڑ گیا اور شاہجہاں کی طرف پیٹھ کرکے کھڑکی میں داخل ہوا۔ شاہجہان یہہ دیکھکر کہ اس چال میں بھی وہی وزر رہا بہت جھنجلایا اور سفیر کو حقارت سے مخاطب کرکے بولا "اے بدبخت کیا تو اپنے جیسے گدھوں کا طویلہ سمجھکر اسمیں داخل ہوا ہے"؟ اُسنے کہا بیشک میں یہی سمجھا تھا۔ کیونکہ ایسے دروازہ میں سے گزر کرتے ہوئے کون شخص یہہ خیال کرسکتا ہے کہ گدھوں سے ملنے کے سوا وہ کسی اور جگہہ جاتا ہے۔

دوسرا یہہ کہ شاہجہاں نے سفیر ایران کے کسی بے ادبانہ اور کرخت جواب سے ناراض ہوکر کہا "اے بدبخت شاہ عباس کے دربار میں کیا کوئی شریف آدمی نہ تھا جو تجھسے خردماغ کو میرے پاس بھیجا"؟ اُسنے کہا کیوں نہیں بہت سے مہذب اور لئیق لوگ موجود ہیں مگر وہ اگلے کی لیاقت

کے موافق نہیں بھیجا کرتا ہے"

تیسرا یہہ کہ ایکدن شاہ جہاں نے سفیر ایران کو اپنے ساتھ کھانا کھانے کو بلایا اور حسب معمول اُسکے چھیڑنے کے لیئے موقع دیکھتا رہا۔ پس جب سفیر نے قاب میں سے ڈھونڈ کر ہڈیاں نکالیں اور چچوڑنی شروع کیں تو بادشاہ نے چپکے سے کہا "ایلچی جی کتے کیا کھائینگے ؟ اُسنے کہا "کھچڑی" ! جسے بادشاہ بڑی رغبت سے نوش جاں فرما رہے تھے کھچڑی ایک کھانا ہے جو چاول اور مونگ یا ماش وغیرہ ملاکر پکایا جاتا ہے اور جسکو عموماً ہِنْدُوسِتَان کے غریب آدمی کھاتے ہیں۔ پھر بادشاہ نے پوچھا کہ تم ہمارے شہر دِھلی کو (جو اُسوقت نیا تیار ہو رہا تھا) اصفہان کے مقابلہ میں کیسا خیال کرتے ہو ؟ سفیر نے بلند آواز سے جواب دیا کہ " واللہ باللہ اصفہان تو آپکے شہر کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا" اسکو بادشاہ نے تو تعریف سمجھا اور سفیر نے گویا ہجو ملیح کی تھی کیونکہ شاہجہان آباد کا گرد و غبار بہت ہی تکلیف دہ ہے۔ ایک قصّہ وہ یہہ بیان کرتے ہیں کہ جب شاہ جہاں نے سفیر کو اس امر پر مجبور کیا کہ ٹھیک طور پر بتائے کہ اِیْرَان اور ہِنْدُوسِتَان کی سلطنت کی قوت میں کسقدر فرق ہے تو اُسنے عرض کیا کہ ہِنْدُوسِتَان چودھویں رات کے چاند کے موافق ہے اور ایران محض دوسری یا تیسری رات کے چاند کے مطابق۔ جس سے شاہجہان بخیال اپنی عظمت کے بہت ہی خوش ہوا۔ لیکن جب اِس ذو معنی جواب کا اصل مطلب خیال میں

آیا جو یہہ تھا کہ سلطنت بنیہ زوال کے قریب ہے۔ اور ایران ایک بڑھتی دولت ہے تو دل ہی دل میں بہت پیچ و تاب کھایا۔ الغرض ہندوستان میں جو ایرانی رہتے ہیں وہ اپنی ذہانت اور حاضر جوابیوں کی نسبت اسی طرح کی شیخیاں بگھارا کرتے ہیں اور ایسے قصے بیان کرتے ہوئے کبھی سیر ہی نہیں ہوتے۔ مگر میری رائے میں بہ نسبت تعلّی اور مدّعی بننے اور طنز و ایما کے سفیروں کے لیئے زیبا طریق یہہ ہے کہ وہ متانت اور وقار اور ادب کو ملحوظ رکھیں۔

شاہجہاں کا ناراض ہو کر اشارہ سو سفیر ایران پر ست اٹھی کا چھوڑ دانیا اور اپنی چالاکی اور دلیری سے سفیر کا اس آفت سے بچ نکلنا۔

شاہ عبّاس کا یہہ سفیر اگرچہ ان پسندیدہ اوصاف سے تو معرّا ہی تھا۔ مگر تعجّب تو اس بات کا ہے کہ اُسکو اتنا معمولی شعور بھی نہ تھا کہ اپنی جان اور آبرو کو بچائے رکھنا اور خواہ مخواہ ایک خودسر بادشاہ کو اپنی نسبت غضبناک کر لینا نہیں چاہیئے۔ چنانچہ ایک واقعہ سے جسمیں اُسکی جان جانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رہا تھا ثابت ہوتا ہے کہ ایسی ہی نادانی کی باتوں سے اُسنے شاہجہاں کو اپنے سر کر لیا تھا یعنی اس بادشاہ کو اُس سے ایسی دلی رنجش ہو گئی تھی کہ اُس سے بات چیت کرنے میں حقارت امیز الفاظ غلانیہ کہہ بیٹھتا تھا بلکہ مخفی طور پر یہہ حکم دیا تھا کہ جب وہ دربار کو آئے تو عام و خاص کے راستہ میں (جو مثل ایک لمبے اور تنگ کوچہ کے ہے) ایک خونی ہاتھی اُسپر چھوڑ دیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اگر یہہ شخص چالاک اور دلیر نہوتا تو ضرور مارا جاتا۔ لیکن وہ

اپنی پالکی سے ایسی پھرتی کے ساتھ کود گیا اور اُسنے اور اُسکے ہمراہیوں نے ایسے تیر پر تیر مارے کہ ہاتھی بھاگ گیا اور اسکی جان بچگئی۔

اورنگ زیب کا اپنے اُستاد مُلّا صالح کے ساتھ عجیب سلوک

جس مہینے سفیر ایران اپنے ملک کو واپس گیا مُلّا صالح کی دربار میں مشہور آو بھگت ہوئی۔ یہ بُڈھا* عالمگیر کا اوستاد تھا اور ایک مدّت سے اپنی جاگیر میں جو شاہجہاں نے اُسے دے رکھی تھی رہتا تھا جب اُسنے سُنا کہ شاہزادوں کی باہمی لڑائیاں ختم ہوچکیں اور اُسکے شاگرد نے اپنی اولوالعزمانہ تجویزوں میں پوری کامیابی حاصل کرلی تو فوراً دِھلی میں آیا۔ اور اُسکو پوری اُمید

---

* شاہجہاں کا مورخ خاص مُلّا عبدُالحمید لاہوری بادشاہ نامہ کے دوسالہ اول کے خاتمہ میں (جو ۱۰۴۷ھ ایکہزار سینتالیس ہجری کے مطابق تھا) دربار شاہجہانی کے علماء فضلا کی فہرست میں اورنگ زیب کے اُستاد کی نسبت یہہ عبارت لکھتا ہے۔

"میر محمد ہاشم معروف بہ حکیم ہاشم خلف میر محمد قاسم گیلانی مدت دوازدہ سال در حرمین شریفین بودہ منقولات را از شیخ محمد عربی محدث و شیخ عبدالرحیم حسانی و مُلّا علی نمیرہ مُلّا عصام الدین مشہور۔ و معقولات را از میر نصیر الدین حسین پسرزادہ میر غیاث الدین منصور و میرزا ابراہیم ہمدانی فراگرفتہ بہ ہندوستان آمد طب و ریاضی نزد سرآمد اطبار حکیم علی گیلانی ورزیدہ چندے در احمد آباد گجرات بتدریس مشتغل بود چوں دانائی او در فنون و فضائل خصوصاً طب بعرض اقدس رسید حکم شد کہ درہاں بلدہ بخدمت صدارت و طبابت بپردازد۔ پس از انقضاے مدتے ملتزم عبودیت سدہ سنیہ گشتہ بامر خاقانی شرف تعلیم اختر برج سعادت پادشاہزادہ محمد اورنگ زیب بہادر دریافت و اکنوں در ملازمت آن والاگوہر کامیاب ہست" تبصیر مفیادی حاشیہ

تھی کہ اب امارت کا درجہ بہت جلد حاصل ہو جائیگا۔ چنانچہ جو لوگ دربار میں ذی وجاہت تھے سب اُسنے اپنے جانب دار بنا لیئے یہانتک کہ کئی شخصوں بلکہ روشن آرا بیگم نے بھی اورنگ زیب کو یاد دلایا کہ آپکا قابل التعظیم اور کامل الاخلاص اُستاد عزت و اکرام کا ضرور مستحق ہے۔ مگر تین مہینے تک تو اُسنے یہہ بھی جاننا نہ چاہا کہ وہ دربار میں آتا بھی ہے یا نہیں! لیکن آخر کار جب اُسکو دیکھتے دیکھتے تنگ آگیا تو حکم دیا کہ ملّا خلوت کے دربار میں حاضر ہو۔ جہاں صرف حکیم الملک دانشمند خاں اور تین چار اَور امیر جو علم و فضل میں مشہور ہیں موجود تھے۔ اگرچہ میں اس

گاشتہ بنام نامی حضرت شاہنشاہی معطر گردانیدہ است" فقط۔ اور چونکہ اورنگ زیب کی ولادت پندرھویں ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ ایکہزار ستائیس ہجری کی تھی اس حساب سے ظاہر ہے کہ ۱۰۴۷ھ ایکہزار سینتالیس میں اُسکی بیس برس کی عمر تک اُسکا یہی اُستاد اُسکے پاس تھا اور اُسوقت کے نامور عالموں کی مذکورہ بالا فہرست میں صالح نامے کسی شخص کا ذکر نہیں ہے۔ اللہ صاحب عمل صالح نے شاہجہاں کے عہد کے خوشنویسوں کے ذکر میں میر عبدُ اللہ کشمیری رقم کے بیٹوں میر محمد صالح و میر محمد مومن کے نام لکھکر انکی خوشنویسی کی بہت تعریف کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ علاوہ خوشنویسی کے یہہ دونوں بھائی ہندوستان کے فن موسیقی میں بھی نہایت کامل گویّے تھے اور شاعر بھی تھے۔ چنانچہ میر صالح اشعار فارسی میں کشفی اور ہندی اشعار میں سحابی اپنا تخلص کرتا تھا اور یہہ دونوں اپنے اشعار زیادہ تر اہل بیت اطہار علیہم السلام کے مناقب میں لکھتے اور اہل تصوّف سے بہت ربط و ضبط رکھتے تھے۔ اور منصب داروں کی فہرست میں اس میر صالح کو پہہ صدی صد سوار کا منصبدار لکھا ہے مگر اورنگ زیب کا اُستاد ہونا کہیں نہیں لکھا۔ فقط

س م ح

موقع پر حاضر نہ تھا اور ہوتا بھی تو ناممکن تھا کہ اُس طول طویل گفتگو کو یاد رکھتا جو اورنگ زیب نے مُلّا سے کی تھی۔ مگر جو کچھ اپنے آغا کی زبانی مینے سُنا ہے کچھ شک نہیں کہ اُسکا مطلب حسب ذیل تھا۔ یعنی اورنگ زیب نے فرمایا۔

مُلّا جی! براہ مہربانی یہہ تو فرمایئے کہ آپ ہم سے چاہتے کیا ہیں؟ کیا آپ کو یہہ دعویٰ ہے کہ ہم آپ کو دربار کے اوّل درجہ کے اُمرا میں داخل کرلیں؟ لیکن اس سے پہلے اس بات کا ثابت کرنا ضروریات سے ہے کہ آپ کسی نشان عزت کے مستحق بھی یا نہیں۔ ہم اس سے اِنکار نہیں کرتے کہ اگر آپ ہماری تعلیم و تربیت شایستہ طور پر کرتے تو ضرور ایسی ہی عزت کے مستحق ہوتے آپ ہمکو ایک تربیت یافتہ نوجوان شخص بتایئے تاکہ ہم بتادیں کہ اُسکی تعلیم و تربیت کی بابت شکرگزاری کا زیادہ مستحق اُسکا اُستاد ہے یا اُس کا باپ۔ فرمایئے تو سہی کہ آپکی تعلیم سے کونسی واقفیت مجھے حاصل ہوئی ہے۔ کیونکہ آپ نے تو مجھکو یہہ بتایا تھا کہ تمام فرنگستان ایک چھوٹے سے جزیرہ سے زیادہ نہیں ہے جسمیں سب سے بڑا بادشاہ اوّل شاہ پرتگال تھا۔ پھر بادشاہ ہالینڈ ہوا۔ اور اُن کے بعد شاہ اِنگلستان اور فرنگستان کے اور بادشاہوں مثلاً فرانس اور اُندلس کی بابت آپ یہہ بتایا کرتے تھے کہ یہہ لوگ ہمارے ہاں کے چھوٹے چھوٹے راجاؤں کے موافق ہیں۔ اور یہہ کہ ہندوستان کے بادشاہوں میں صرف ہمایوں۔ اکبر۔ جہانگیر اور شاہجہاں ہی ایسے شاہنشاہ ہوئے ہیں جنکے آگے تمام دُنیا کے بادشاہوں کی شان و شوکت مدھم ہے۔ اور

یہہ کہ ایران - ازبک - کاشغر - تاتار - پیگو - سیام - چین اور ماچین
کے بادشاہ سلاطین ہند کے نام سے کانپتے ہیں - سبحان اللہ!
آپکی اس جغرافیہ دانی اور کمال علم تاریخ کا کیا کہنا ہے! کیا مجھ جیسے
شخص کے اُستاد کو لازم نہ تھا کہ دُنیا کی ہر ایک قوم کے حالات سے
مجھے مطلع کرتا؟ مثلاً اُنکی قوت جنگی سے؟ اُن کے وسایل آمدنی اور
طرز جنگ سے؟ اُنکے رسم و رواج اور مذاہب اور طرز حکمرانی سے؟
اور اُن خاص خاص اُمور سے جنکو وہ اپنے حق میں زیادہ مفید سمجھتے ہیں
بتفصیل اور جدا جدا مجھکو آگاہ کرتا؟ اور علم تاریخ مجھے ایسا سلسلہ وار پڑھاتا کہ
میں ہر ایک سلطنت کی جڑ بُنیاد اور اسباب ترقی و تنزل اور اُن حادثات و
واقعات اور غلطیوں سے واقف ہو جاتا جنکے باعث سے اُن میں ایسے بڑے
بڑے انقلابات ظہور میں آتے رہے ہیں - اور قطع نظر اس سے کہ آپ مجھکو
بنی آدم کی وسیع اور کامل تاریخ سے آگاہ کرتے - آپ نے تو ہمارے اُن
مشہور و معروف بزرگوں کے نام بھی اچھی طرح نہیں بتائے جو ہماری سلطنت
کے بانی تھے - اور اُن کے سوانح عمری اور اُن خاص طور کی لیاقتوں سے
جنکے باعث وہ بڑی بڑی فتوحات کرنیکے قابل ہوئے اور اُن فتوحات
سے پہلے جو واقعات ظہور میں آئے اُن سے بھی ناواقف رکھا - اور
باوجودیکہ بادشاہ کو اپنی ہمسایہ قوموں کی زبانوں سے واقف ہونا ضروری
ہے بجائے اُن کے آپ نے مجھکو عربی لکھنا پڑھنا سکھایا - اگرچہ اس
زبان کے سیکھنے میں میری عمر کا ایک بڑا حصہ ضایع ہوا - مگر بیشک آپنے

یہہ سمجھا تھا کہ آپ مجھ پر ایک ایسی زبان کے سیکھانے سے جو دس بارہ برس برابر محنت کیئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ایک دائمی احسان کرتے ہیں۔ آپ نے بغیر اسکے کہ یہہ سوچیں کہ ایک شاہزادہ کو زیادہ تر کن کن علوم کے پڑھانے کی ضرورت ہے صرف صرف و نحو اور ایسے فنون کی تعلیم کو جو ایک قاضی کے لیئے ضروری ہیں مقدم جانا اور ہماری جوانی کے ایام کو بیفائدہ اور لفظی بحثوں کے پڑھنے پڑھانے میں ضایع کیا" یہہ الفاظ تھے جنہیں اورنگ زیب نے اپنی ناراضی کا اظہار کیا۔ لیکن بعض پڑھے لکھے آدمی یا تو بادشاہ کی خوشامد اور اُسکے کلام کی قوت دکھانے کو یا مُلّا صالح کے حسد کے مارے یوں کہتے ہیں کہ بادشاہ کا مُلّا کو ملامت کرنا اسی پر ختم نہیں ہوا۔ بلکہ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے دوبارہ مُلّا کو کہا۔ "کیا آپ کو معلوم نہ تھا؟ کہ بچپن میں جبکہ قوت حافظہ قوی ہوتی ہے ہزاروں معقول باتیں ذہن نشین ہو سکتی ہیں اور آسانی کے ساتھ انسان ایسی مفید تعلیمیں حاصل کر سکتا ہے کہ جن سے دل میں نہایت اعلیٰ خیال پیدا ہو جاتے ہیں اور انسان بڑے بڑے نمایاں کاموں کے کرنیکے قابل ہو جاتا ہے۔ کیا نماز صرف عربی زبان ہی کے ذریعہ سے ادا ہو سکتی ہے اور ہماری اصلی زبان میں اُسی طرح نہیں ہو سکتی؟ اور تحصیل مسایل شرعیہ کیا زبان عربی ہی پر موقوف ہے؟ آپ نے ہمارے والد ماجد کو تو یہہ سمجھا دیا کہ ہم اسے فلسفہ پڑھاتے ہیں۔ اور مجھے خوب یاد ہے کہ آپ برسوں تک ایسے بیہودہ اور لغو مسائل سے میرے دماغ کو پریشان کیا کیئے

جنکے حل ہوجانیکے بعد بھی کچھ اطمینان خاطر حاصل نہیں ہوتا - اور معاملات
دُنیاوی میں کبھی کارآمد نہیں ہوتے - اور صرف ایسے غیر معیّن اور فضول
خیالات اور توہمات ہیں جو سمجھ میں تو بڑی مشکل سے آتے ہیں مگر بہت ہی
جلد پھر بھول جاتے ہیں - اور جنکا نتیجہ صرف یہہ ہے کہ دماغ پریشان اور
عقل خبط ہوکر آدمی ایسا مونہہ زور اور ہٹھیلا ہوجائے کہ لوگ اُس سے
دق ہوجائیں - بیشک! آپ نے میرے اوقات گراں مایہ کے کئی
سال ایسے مسایل مفروضہ کی تعلیم میں جو آپ کو مرغوب تھے صرف کرائے
مگر جب میں آپ کی تعلیم سے علٰحدہ ہوا تو کسی بڑے علم کے جاننے کا فخر
نہیں کرسکتا تھا بجز اسکے کہ ایسی چند عجیب اور غیر معروف اصطلاحوں سے واقف
تھا - جو ایک عمدہ سمجھ کے نوجوان شخص کی ہمّت کو شکستہ - دماغ کو مختل
اور طبیعت کو حیران کردیتی ہیں - اور جو مدعیان فلسفہ کے جھوٹے دعوؤں
اور جہالت کے چھپانے کی خاطر جو انکی مانند لوگوں کو یہہ ذہن نشین کرانا چاہتے
ہیں کہ وہ عقل و دانش میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور یہہ کہ اُنکی تاریک
اور مشتبہ المفہوم حق حق بق بق میں ایسے بہت سے دقایق ہیں جو بجز اُنکے
اور کسی کو معلوم نہیں گھڑلی گئی ہیں - اگر آپ مجھکو وہ فلسفہ سکھاتے جس سے
ذہن اس قابل ہوجاتا ہے کہ بغیر برہان اور دلیل صحیح کے کسی بات کو
تسلیم نہیں کرتا - یا آپ مجھکو ایسا سبق پڑھاتے جس سے انسان کے نفس کو
ایسا شرف اور علو حاصل ہوجاتا ہے کہ دُنیا کے انقلابات سے متاثر نہیں
ہوتا - اور ترقی و تنزل کی حالت میں ایک ہی سا رہتا ہے - یا تم مجھے انسان

کے لوازم فطرت اور مقتضیات طبیعت (نے چہر) سے واقف کرتے۔ یا مجھے
ایسے طریق استدلال کا عادی بناتے کہ تصورات و تخیلات کو چھوڑ کر ہمیشہ اصول
صادقہ بدیہہ کی طرف رجوع کیا کرتا۔ اور عالم و مافیہا کی حقایق واقعیہ اور اُسکے
کون و فساد کی ترتیب و نظام کے معارفِ یقینیہ سے مجھے مطلع کرتے۔
اور جو فلسفہ آپ نے مجھے تعلیم کیا ہے وہ ایسے مسائل پر مشتمل ہوتا۔ تو میں
اُس سے بھی زیادہ آپکا احسان مانتا جتنا کہ سکندر نے ارسطو کا مانا تھا!
اور ارسطو سے بھی زیادہ آپ کو انعام عطا کرتا! مُلّا جی! ناقدردانی کا
جھوٹا الزام خواہ مخواہ مجھ پر نہ لگائیے۔ کیا تم یہہ نہ جانتے تھے کہ شاہزادوں کو
اتنی بات تو ضرور ہی سکھانی چاہیئے کہ اُنکو رعایا سے اور رعایا کو اُن کے
ساتھ کس طرح برتاؤ کرنا لازم ہے۔ اور کیا تمکو اوّل ہی یہہ خیال کر لینا واجب
نہ تھا کہ میں کسی وقت تخت و تاج کی خاطر بلکہ اپنی جان بچانیکے لیئے تلوار
پکڑ کر اپنے بھائیوں سے لڑنے پر مجبور ہوں گا۔ کیونکہ تم خوب جانتے ہو
کہ سلاطین ہند کی اولاد کو ہمیشہ یہی معاملے پیش آتے رہے ہیں۔ پس تمنے
کبھی لڑائی کا فن یا کسی شہر کا محاصرہ کرنا یا فوج کی صف آرائی کا طریقہ
مجھے سکھایا تھا؟ مگر میری خوش طالعی تھی کہ میں نے اِن معاملات میں ایسے
لوگوں سے کچھ سیکھ لیا تھا جو تم سے زیادہ عقلمند تھے۔ پس اپنے گانوں
کو چلے جایئے۔ اور اب سے بعد کوئی نہ جانے کہ تم کون ہو اور تمہارا کیا حال ہے۔

بادشاہی منجم کی ناگہانی موت اور علم نجوم کی نسبت لوگوں کی رائے اور خیالات کا ذکر۔

اِنہیں دنوں میں ایک ایسا امر وقوع میں آیا کہ
نجومیوں کے حق میں بہت غیر مفید تھا۔ بات یہہ ہے

کہ ایشیائی لوگ اکثر احکام نجوم کے ایسے معتقد ہیں کہ اُن کے نزدیک دنیا کا کوئی معاملہ ایسا نہیں ہے جو کواکب اور افلاک کی گردش پر منحصر نہ ہو اور اسلیئے وہ ہر ایک کام میں نجومیوں سے مشورہ لیا کرتے ہیں۔ یہانتک کہ عین لڑائی کے وقت جبکہ دونوں طرف صف بندی بھی ہو چکی ہو کوئی سپہ سالار اپنے منجم سے ساعت نکلوائے بدون لڑائی شروع نہیں کرتا۔ تاکہ کہیں ایسا نہو کہ کسی نامبارک لگن میں لڑائی شروع کر دی جائے بلکہ منجموں سے پوچھے بغیر کوئی شخص سپہ سالاری پر مامور بھی نہیں کیا جاتا۔ علیٰ ہذا القیاس بدون اُن کی اجازت کے نہ شادی بیاہ ہو سکتا ہے نہ کہیں کو سفر کیا جاتا ہے۔ بلکہ ذرا ذرا سی باتیں بھی اُن سے پوچھے بغیر نہیں کیجاتیں مثلاً کسی لونڈی غلام کا خریدنا یا نیا کپڑا پہننا۔ اور اس احمقانہ توہم نے خلایق کو عموماً ایسی دقّت میں ڈال رکھا ہے۔ اور اس سے ایسے اہم اور نامرغوب نتیجے پیدا ہوتے ہیں کہ مجھے سخت تعجب ہے کہ اسقدر مدّت سے یہ اعتقاد کیونکر قایم چلا آتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک تجویز سے خواہ وہ کسی سرکاری کام کے متعلق ہو یا نج کے۔ اور ہر ایک معاملے سے خواہ وہ معمولی ہو یا غیر معمولی نجومی کو واقف کرنا ضروریات سے ہے۔ †

† مآثر عالمگیری اور سیر المتاخرین سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے جلوس کے اٹھارہویں سال (۱۰۸۲ ہجری) میں تمام منجموں کو جو بادشاہ اور شاہزادوں اور صوبہ داروں کے پاس ملازم رہتے تھے موقوف کر دیا تھا۔ بلکہ اس حکم کی تعمیل اس سختی سے کی گئی تھی کہ اسکے مقرب خاں اور اضافت خاں نے ان سے چھٹکے لکھوا لیئے تھے کہ آیندہ تقویم (جنتری) تک بھی نہ بنایا کریں اور باوجودیکہ حسابوں کی صحت کے لیئے سرکاری دفتروں میں جنتریوں کا موجود رہنا ایک ضروری امر تھا۔ اور مذہب کی رو سے

وہ واقعہ جسکا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں یہہ ہے کہ خاص بادشاہی منجم کسی اتفاق سے پانی میں گر پڑا اور ڈوب کر مر گیا - اس افسوس ناک واقعہ سے دربار میں بڑی حیرت پیدا ہوئی - اور ان نجومیوں کی شہرت کو جو اسرار غیبی کے جاننے والے گنے جاتے ہیں بڑا ضرر پہنچا - چونکہ یہہ شخص ہمیشہ بادشاہ اور اُمرا کے لیئے ساعتیں نکالا کرتا تھا اسلیئے لوگوں کو اسکے اس طرح پر جان دینے سے بالطبع نہایت تعجب ہوا کیونکہ ایک ایسا مشّاق نجومی جو برسوں تک اَوروں کے لیئے مبارک اور خوش آیند باتوں کی پیشگوئی کرتا رہا ہو اُس آفت سے جو خود اُسپر آنیوالی تھی واقف نہو سکا - اور لوگ یہہ کہنے لگ گئے کہ فرنگستان میں جہاں علم کا بڑا چرچا ہے نجومیوں کو وہاں کے لوگ مثل فریبیوں اور شعبدہ بازوں کے گنتے ہیں اور اس علم کو عمدہ اور صحیح اصول پر مبنی نہیں سمجھتے بلکہ یہہ جانتے ہیں کہ مکار لوگوں نے بڑے آدمیوں کے درباروں میں رسائی پیدا کرنے اور اُن کو اپنا محتاج الیہہ ثابت کرنے کا ایک ذریعہ بنا رکھا ہے -

الغرض لوگوں کے اِن خیالات اور علی الخصوص مندرجہ ذیل واقعہ سے جسکا عموماً بڑا چرچا تھا منجم بہت ناخوش ہوئے - اور وہ یہہ ہے کہ ایران کے نامور بادشاہ شاہ عبّاس نے کہیں اپنے محل میں باغیچہ لگانے کا حکم دیا تھا اور اس کام کے لیئے دن بھی مقرر ہو چکا تھا اور

کچھ شتاب بھی نہ تھا مگر افراط تشریع سے اُن کا رکھنا اور دیکھنا بھی موقوف کیا گیا اور اسکے بجائے ہر سنہ کرنے کی جگہہ یہہ دستور مقرر کیا گیا کہ دوشنبہ اور پنجشنبہ کو کوچ ہوا کریگا - س - م - ح -

باغبان شاہی نے میوہ کے چند درختوں کے لیئے ایک مناسب موقع بھی تجویز کرلیا تھا۔ مگر بادشاہی منجم نے ناک بھوں چڑھا کر کہدیا کہ اگر ساعت دریافت کیئے بغیر درخت لگائے جائینگے تو ہرگز! سرسبز نہ ہونگے!! پس شاہ عبّاس نے جو اُسکی بات مان کر ساعت تجویز کرنے کو کہا تو اُسنے کچھ پانسا والنسا ڈال اور اپنی کتاب کے ورق اُلٹ پلٹ اور حساب لگا کر عرض کیا کہ ستاروں کے فلاں فلاں مقام پر ہونے کی وجہ سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دوسری گھڑی کے گزرنے سے پہلے پہلے درخت لگا دیئے جائیں! شاہی باغبان جو نجومیوں سے پونچھ گچھ کرنے کو ایک لاحاصل بات خیال کرتا تھا اس حکیمانہ تجویز کے وقت حاضر نہ تھا پس بغیر اسکے کہ اُسکے آنے کا انتظار کیا جائے گڑھے کھدوائے گئے اور بادشاہ نے خاص اپنے ہاتھ سے درختوں کو جا بجا لگا دیا تاکہ یادگار کے طور پر کہا جائے کہ وہ خود شاہ عبّاس کے لگائے ہوئے ہیں۔ مگر باغبان جب اپنے معمولی وقت پر سہ پہری کو آیا تو درختوں کو لگا ہوا دیکھکر بہت متحیّر ہوا۔ اور یہہ خیال کرکے کہ اُس قرینہ سے نہیں لگائے گئے جو اُسنے تجویز کر رکھا تھا مثلاً سیب کی جگہہ زرد آلو اور بادام کی جگہہ ناشپاتی لگائے ہوئے تھے تو اُن کو اُکھاڑ کر اور جڑوں پر کچھ مٹی ڈال کر رکھدیا۔ اور رات بھر اسی طرح ڈالے رکھے۔ منجم کو بھی فوراً کسی نے جا کہا اور اُسنے بھی فوراً ہی شاہ عبّاس کے پاس جاکر باغبان کی اس حرکت کی سخت شکایت کی۔ پس یہہ گنہگار! باغبان اُسی وقت طلب ہوا اور بادشاہ نے

نہایت غضبناک ہو کر کہا کہ تو نے یہہ کیا حرکت کی کہ جن درختوں کو ہمنے نیک ساعت نکلوا کر خود اپنے ہاتھ سے لگایا تھا اُن کو اُکھاڑ ڈالا۔ اور اب کیا اُمید ہے کہ اِس باغ کا کوئی درخت پھل لائے گا۔ کیونکہ جو ساعت نیک تھی وہ گزر گئی اور پھر کہاں آسکتی ہے۔ یہہ صاف باطن اور سادہ لوح دہقانی جو اِسوقت شیرازی شراب کا ایک قدح بھی چڑھائے ہوئے تھا نجومی کیطرف ترچھی نظر سے دیکھکر بولا "واللہ باللہ خوب ہی ساعت نکالی۔ ارے کم بخت بدبختی ذرا خیال تو کر کہ بس یہی تیرا نجوم ہے۔ کہ جو درخت تیرے کہنے سے دوپہر کو لگائے گئے وہ شام سے پہلے ہی اُکھڑ گئے! شاہعباس یہہ بے ساختہ اور مزے دار لطیفہ سن کر بے اختیار قہقہہ مار کر ہنس پڑا اور نجومی کی طرف پیٹھ پھیر کر وہاں سے چلا گیا۔

اُمرا کے مرنیکے بعد اُنکی جائداد کے ضبط سرکار ہو جانے کا ذکر

اب دو قصّے میں اور بیان کرتا ہوں جو اگرچہ شاہجہاں کے زمانہ کے ہیں مگر اُن کے بیان سے اس امر کا ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اِس مُلک میں یہہ کیسی ظالمانہ پُرانی رسم چلی آتی ہے کہ جب کوئی شاہی ملازم مرتا ہے تو اُسکی جائداد حق سرکار متصوّر ہو کر ضبط ہو جاتی ہے۔ پس اُن میں سے ایک قصّہ تو یہہ ہے کہ امرائے دربار میں نیک نام خاں نامے ایک نامور امیر تھا جسنے چالیس پچاس برس کے عرصہ میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور رہکر بہت مال و دولت جمع کی تھی۔ یہہ شخص اس ظالمانہ اور مکروہ رسم کو ہمیشہ نفرت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔ کیونکہ اسکے باعث سے بڑے بڑے امیروں کی بیگمیں یکایک ایسی محتاج

اور فقیر ہو جاتی ہیں کہ بادشاہ سے اُنکو اپنی تھوڑی سی معاش کیواسطے التجا کرنی پڑتی ہے اور اُن کے بیٹے کسی امیر کے ماتحت عام سپاہیوں میں نوکری کرنے کے لیئے مجبور ہوتے ہیں پس اس کا اخیر وقت جب قریب آن پہنچا تو اسنے مخفی طور پر اپنا تمام خزانہ تو مصیبت زدہ بیواؤں اور ایسے غریب امیرزادوں کو جو بیچارے سواروں میں نوکری کر کے بسر اوقات کرتے تھے تقسیم کر دیا اور خالی صندوقوں کو لوہے کے ٹکڑوں۔ ہڈیوں پرانی جوتیوں۔ اور پھٹے پرانے کپڑوں سے بھر کر خوب طرح سے مُہریں لگوا دیں۔ اور وصیت کی کہ ان میں جو مال و اسباب بند ہے وہ خاص! اعلیٰ حضرت کے لیئے ہے۔ میرے مرنیکے بعد باحتیاط تمام حضور میں پہنچا دیا جائے۔

پس نیک نام خاں کے انتقال کے بعد جب یہہ صندوق سکر میں آئے تو اتفاقاً بادشاہ دربار میں بیٹھا تھا۔ اُنکو دیکھکر اُسکا دل ایسا للچایا کہ! سر دربار! اُن کے کھولے جانیکا حکم دیا۔ مگر اُن کے کھُلتے ہی جو انفعال اور مایوسی اُسکو ہوئی وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اور اسقدر شرمندہ ہوا کہ فوراً دربار سے اُٹھ کر چلا گیا۔

دوسرا واقعہ یہہ ہے کہ نیکنام خاں کے مرنیکے چند سال بعد ایک دولتمند بنیا جو ہمیشہ سے بادشاہی ملازم تھا۔ اور اپنے ملک کے دستور کے موافق بڑا بیاج خورا تھا مرگیا تو اُسکے بیٹے نے اپنی ماں سے کچھ روپیہ لینے کیواسطے لڑنا جھگڑنا شروع کیا مگر اُسنے اُسکی عیاشی اور فضول خرچی

کی وجہ سے جو دینے سے انکار کیا تو اس احمق نے شاہ جہاں کے پاس جاکر کہدیا کہ اُسکا باپ دو لاکھ "کروڑ" یعنی پانچ لاکھ روپیہ چھوڑ مرا ہے اسپر بادشاہ نے فوراً اُس بیوہ مہاجنی کو دربار میں بُلاکر یہہ حکم دیا کہ ایک لاکھ روپیہ تو خزانہ شاہی میں بھیجدے! اور باقی میں سے پچاس ہزار روپیہ اپنے بیٹے کو دیدے - اور حکم قطعی دیکر چوبداروں سے کہا کہ اس بڑھیا کو دربار سے نکال دو - یہہ سُنکر اگرچہ یہہ بیچاری بہت متحیّر ہوئی اور اُسکو اس بات کا بھی بڑا رنج ہوا کہ بلا ساعت اُسکے عذر کے دربار سے نکالے جانے کا حکم ہوا لیکن تاہم یہہ بہت بُڑھیا گھبرائی نہیں اور چوبداروں کو جھڑک بولی کہ ہٹو! میں ابھی بادشاہ سے کچھ عرض کیا چاہتی ہوں! اسپر شاہجہاں نے فرمایا اچھّا جو کہنا چاہتی ہے کہنے دو - پس اُسنے عرض کیا کہ حضرت!! میرا بیٹا جو اپنے باپ کے مال کا دعویٰ کرتا ہے کچھ بیجا نہیں ہے - کیونکہ وہ ہمارا بیٹا اور ہمارا وارث ہے - مگر میں ہاتھ جوڑکر عرض کرتی ہوں کہ سرکار کا میرے خاوند کے ساتھ کیا رشتہ ہے - جو حضور ایک لاکھ روپیہ مانگتے ہیں! شاہجہاں یہہ مختصر اور بیساختہ سوال سنکر بہت خوش ہوا اور اس خیال سے کہ شہنشاہ ہند ہوکر ایک بنیئے کا رشتہ دار کہلائے اُسکو بڑی ہنسی آئی اور کئی بار قہقہہ مارا اور حکم دیا کہ اچھا اسے جانے دو اور اسکے مال و دولت سے کوئی متعرض نہو -

شاہزادوں کی باہمی لڑائی تقریباً ۱۶۶۰ سنہ سولہ سو ساٹھ عیسوی میں جب ختم ہوچکی اُسوقت سے لیکر کوئی چھ برس بعد تک جبکہ میں ہندوستان

سے رخصت ہوا جو جو واقعات قابل غور پیش آتے رہے اب میں اُن سب کو لکھنا نہیں چاہتا - اگرچہ کچھ شک نہیں ہے کہ اُن میں سے بعض کے لکھدینے سے میرا یہہ مدّعا کہ مغلوں اور ہندوستانیوں کے طور و طریق اور ذہن و ذکا حال ناظرین کتاب کو واضح ہوجائے بہت کچھ پورا ہو جاتا اسی فروگزاشت کی وجہ سے مجھے وہ واقعات تمام و کمال کہیں پھر لکھنے پڑینگے - لیکن سر دست میں صرف انہیں خاص خاص لوگوں کے بعض اہم حالات بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں جنکے نام سے ناظرین واقف ہو چکے ہیں - اور اس بیان کو شاہجہاں کے حال سے شروع کرتا ہوں -

شاہجہاں کے قید کے زمانہ میں اُسکے ساتھ اورنگ زیب کے طرز سلوک کا بیان

اگرچہ اورنگ زیب نے شاہ جہاں کو قلعہ آگرہ میں بڑی احتیاط کے ساتھ قید کیا ہوا تھا اور کسی ایسی بات میں مطلقاً غفلت نہیں کیجاتی تھی جس سے اُسکے نکل بھاگنے کا اندیشہ ہو - لیکن اورسب طرح پر ادب اور ملائمت سے سلوک کیا جاتا تھا - اور اُن شاہی محلوں میں رہنے سہنے کی بھی اجازت دیدی گئی تھی کہ جن میں وہ پہلے رہا کرتا تھا - اور اُسکی بیٹی معروف بیگم صاحب سے ملنے کی بھی اجازت تھی - اور محل کی کل متعلقہ عورتیں مثلاً عمامہ باور چینخانہ اور ناچنے گانے والیاں وغیرہ سب حاضر رہتی تھیں - اور ایسے معاملات میں اُسکی کوئی خواہش رد نہیں کیجاتی تھی - اور اب جو یہہ بڈھا عابد و زاہد بنگیا تھا بعض مُلّاؤں کو بھی اُسکے پاس جاکر تلاوتِ قرآن کی پروانگی تھی اور خاصے گھوڑوں اور بازجُرّے وغیرہ

شکاری جانوروں کے منگانے اور ہرنوں اور سیڈھوں وغیرہ کی لڑائی کا تماشا دیکھنے کی بھی اجازت تھی غرضکہ اورنگ زیب کا برتاؤ شاہ جہاں کے ساتھ مہربانی اور ادب سے خالی نتھا اور حتی الامکان وہ اپنے بوڑھے باپ کی ہر طرح سے خاطر داری کرتا اور نہایت کثرت سے تحفے تحائف بھیجتا رہتا اور سلطنت کے بڑے بڑے معاملات میں اُسکی رائے اور مشورہ کو مثل ایک پیر و مرشد کی ہدایت کے طلب کرتا تھا۔ اور اُسکے عریضوں سے جو اکثر لکھتا رہتا تھا ادب اور فرمانبرداری ظاہر ہوتی تھی۔ پس اس طرح سے شاہجہاں کی گردن کشی اور اُسکا غصہ آخر کار یہانتک ٹھنڈا پڑ گیا کہ معاملات سلطنت میں بیٹے کو لکھنے پڑھنے لگ گیا۔ اور داراشکوہ کی بیٹی کو بھی اُسکے پاس بھیجدیا۔ اور وہ بیش بہا جواہرات جنکے دینے سے پہلے انکار کرکے یہہ کہدیا تھا کہ اگر پھر مانگوگے تو کوٹ کر چورا کرڈالونگا مگر دونگا نہیں اُنمیں سے بھی بعضے جواہر اورنگ زیب کے پاس از خود بھیجدیئے بلکہ اپنے باغی فرزند کی سب گستاخانہ حرکتیں معاف کرکے اُسکے حق میں دعائے خیر بھی کردی حالانکہ اورنگ زیب بڑی لجاجت سے بارہا معافی مانگ چکا تھا اور شاہجہاں اس بات کو قبول نہیں کرتا تھا۔ مگر میرے اس بیان سے یہہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ شاہ جہاں کی ہر ایک بات بلا عذر تسلیم کرلی جاتی تھی۔ کیونکہ مجھے اورنگ زیب کے ایک عریضہ کی طرز تحریر سے معلوم ہوا کہ جب کبھی یہہ بڈھا بادشاہ تحکم کے طور پر اُسکو کچھ لکھتا تھا تو یہہ اُسکے جواب میں جُرأت کے ساتھ اپنی ہی بات پر قائم رہنے کا اظہار کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے اُسکے چند فقرے پڑھے ہیں جنکا مضمون

یہہ تھا" کیا حضور یہہ چاہتے ہیں کہ میں سختی کے ساتھ پرانی رسموں کا پابند رہوں؟
اور جو کوئی ہمارا نوکر جاکر مرجائے اُسکی جائداد ضبط کرلوں؟ اگر یہہ شاہان مغلیہ کا
یہہ دستور رہا ہے کہ اپنے کسی امیر یا کسی دولتمند مہاجن کے مرنیکے بعد بلکہ
بعض اوقات تو دم نکلجانے سے بھی پہلے ہی اُسکے تمام مال و اسباب کا تعلقہ
کراتے تھے اور جب تک اُسکے نوکر جاکر جز و کل مال و دولت بلکہ ادنے
زیور بھی نہ بتلادیں اُنپر مار پیٹ اور قید و بند کا تشدد کیا جاتا تھا اور یہہ دستور بیشک
فائدہ مند بھی ہے - لیکن جو ناانصافی اور بیرحمی اسمیں ہے اُس سے کون انکار
کرسکتا ہے - اور اگر ہر ایک امیر نیک نام خاں کا سا معاملہ کرے یا کوئی عورت
اُس بیوہ مہاجنی کی طرح اپنے مال کو پوشیدہ کرلے تو اُسکے حق بجانب ہے
یا نہیں؟ میں حضور کی خفگی سے بہت ڈرتا ہوں اور اس امر کا متحمل نہیں
ہوسکتا کہ حضور میرے طور و طریق کی نسبت غلط فہمی فرمائیں - اور جیسا کہ
حضور خیال فرماتے ہیں تخت نشین ہونے نے مجھے خودرائے اور مغرور
نہیں بنادیا - چالیس برس سے زیادہ کے تجربہ سے حضور خود ہی خیال
فرماسکتے ہیں کہ تاج شاہی کسقدر گراں بار چیز ہے - اور بادشاہ جب
دربار سے اُٹھتا ہے تو کسقدر افکار اُسکے دل کو غمگین اور دردمند بنائے ہوئے
ہوتے ہیں - ہمارے مشہور و معروف جد امجد جلال الدین محمد اکبر نے
اسی غرض سے کہ اُنکی اولاد دانائی اور نرمی اور تمیز کے ساتھ سلطنت کرے
اپنے عہد سلطنت کی تاریخ میں امیر تیمور گورکان کا ایک ذکر بطور نمونہ لکھکر اپنی اولاد
کو اُسکی طرف توجہ دلائی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ" جب بایزید یلدرم گرفتار

ہو کر امیر تیمور کے حضور میں لایا گیا اور امیر نے بہت غور کے ساتھ اُس مغرور قیدی کی طرف دیکھکر ہنسدیا۔ تو بایزید نے اِس حرکت سے ناراض ہو کر امیر کو کہا کہ تمکو اپنی فتحمندی پر اسقدر اترانا نہ چاہیئے عزت و ذلت منجانب اللہ ہے اور ممکن ہے کہ جس طرح تُم آج فتحیاب ہوئے ہو کل میری طرح پکڑے جاؤ۔ امیر نے جواب دیا کہ میں دُنیا اور اُسکے جاہ و دولت کی بے ثباتی سے خوب واقف ہوں اور خدا نکرے کہ میں اپنے کسی مغلوب دشمن کا تمسخر کروں۔ اور میری ہنسی کا سبب یہہ نتھا کہ تمہارا دل دُکھاؤں بلکہ مجھے تمہیں دیکھکر اپنی اور تمہاری بدصورتی کے خیال نے بے اختیار ہنسا دیا۔ کیونکہ تم تو کانے ہو اور میں لنگڑا ہوں! اور یہہ بات میرے دل میں گزری کہ تاج سلطنت ایسی کیا چیز ہے جسکو پاکر بادشاہ اپنی ہستی کو بھول جاتے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ اسکو اپنے ایسے بندوں کو عطا کرتا ہے جو کانے اور لنگڑے ہوں" [1]

معلوم ہوتا ہے کہ حضور یہہ خیال فرماتے ہیں کہ میری مصروفیت بہ نسبت اُن امور کے جن کو میں نظم و نسق ملک داری۔ اور سلطنت کے اندرونی استحکام کے لیئے نہایت ضروری جانتا ہوں نئی نئی فتوحات اور ملک گیری کی جانب زیادہ ہونی چاہیئے۔ اِس امر سے میں ہرگز انکار نہیں کرسکتا کہ ایک بڑے شہنشاہ کا عہد دولت نئی نئی فتوحات کی وجہ سے

[1] سُلطان بایزید یلدرم کے مغلوب اور مقید ہونیکے ذکر میں یہہ روایت نہ تیموز نامہ میں لکھی ہے نہ اکبر نامہ میں۔ س م ح

ممیّز اور ممتاز ہونا لازم ہے اور اگر میں ایسا نکروں تو گویا اپنے نامور بزرگ امیر تیمور گورکان کی نسل کو دھبا لگاؤنگا۔ مگر بہرحال یہہ بات قرین انصاف نہیں ہے کہ مجھے کاہلی اور خاموش بیٹھے رہنے کا الزام دیا جاوے۔ کیونکہ بنگالہ اور دکن میں میری فوجوں کی مصروفیت کو تو حضور بھی عبث خیال نہیں فرما سکتے۔ اور میں حضور کو یہہ بھی یاد دلاتا ہوں کہ بڑے سے بڑا ملک بھی ہمیشہ سب سے بڑا بادشاہ نہیں ہوا۔ اور دیکھا جاتا ہے کہ کبھی کبھی دُنیا کے اکثر حصّے بالکل وحشی اور نا تربیت یافتہ قوموں نے فتح کر لیے ہیں اور نہایت وسیع سلطنتیں تھوڑے ہی عرصہ میں بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہیں۔ پس حقیقت میں سب سے بڑا بادشاہ وہی ہے جو رعایا پروری اور عدل و انصاف ہی کو اپنا حاصل عمر جانے"

اس عریضہ کے باقی حصّہ کے پڑھنے کا مجھے موقع نہیں دیا گیا

میر جملہ کی لیاقتوں اور مہم آسام اور اُسکی موت کا ذکر۔

اب میں چند کلمے اُس مشہور شخص کے باب میں کہنے چاہتا ہوں جسکو میر جُملہ کہتے ہیں اور اُن معاملات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن سے شاہزادوں کی باہمی لڑائی کے بعد اُسکا تعلّق رہا اور یہہ کہ اس نامور شخص کا خاتمہ کس طور پر ہوا۔

بنگالہ پر قبضہ حاصل کرنے میں جسنے سُلطان شُجاع کے ساتھ وہ بیرحمی اور بے ایمانی نہیں کی جو جیونؔ خاں نے دارا شکوہ سے اور سری نگر کے راجہ نے سُلیمان شکوہؔ سے کی تھی۔ بلکہ اسنے ایک ہنرمند سپہ سالار کی طرح مُلک پر قبضہ حاصل کیا اور بغیر اسکے کہ کسی دغا و فریب سے

سلطان شجاع کو گرفتار کرے صرف اسپر قناعت کی کہ سلطنت کے چھوڑ دینے اور سمندر کیطرف بھاگ جانے پر مجبور کیا۔ سلطان شجاع کی مہم کے خاتمہ کے بعد میر جملہ نے ایک خواجہ سرا کو عرضی دیکر اورنگ زیب کے حضور میں بھیجا اور التماس کیا کہ میرے اہل و عیال کو اسکے ساتھ بنگالہ کو چلے آنے کی اجازت بخشی جائے اور لکھا کہ "لڑائی بخیر و خوبی ختم ہوگئی۔ اور چونکہ میں ضعیف اور بوڑھا ہوگیا ہوں حضور کی نوازش سے مجھے اُمید ہے کہ اس سے زیادہ اہل و عیال سے میری جدائی کو پسند نفرمایا جائیگا۔ لیکن اورنگ زیب اس چال کے مدبّر کے مطلب کو فوراً پاگیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اُسکے بیٹے محمد امین خاں کو بنگالہ بھیجدیا جائیگا تو میر جملہ بالضرور بنگالہ کا خودسر بادشاہ بننے کا ارادہ کریگا اور شاید کہ یہ عجیب شخص اسپر بھی قناعت نکرے۔ کیونکہ میر جملہ بیدار مغز اولوالعزم۔ شجاع اور دولتمند ہونے کے علاوہ اسوقت ایک فتحیاب فوج کا سپہ سالار تھا۔ اور اُس سے اہل سپاہ کو محبت بھی تھی۔ اور اُسکا رعب بھی مانتے تھے۔ اور ہندوستان کا سب سے عمدہ صوبہ اُسکے قبضہ میں تھا۔ اور گولکنڈے میں جو معاملات پیش آئے تھے اُن سے ثابت ہوچکا تھا کہ میر جملہ کیسا ایک بے صبر اور بیباک طبیعت کا انسان ہے۔ پس ایسے شخص کی درخواست کو قطعاً رد کردینا بالضرور خطرناک نتایج کا باعث ہوتا۔ مگر اورنگ زیب اس موقع پر بھی اپنی معمولی احتیاط اور دانائی کو کام میں لایا۔ یعنی میر جملہ کی بیوی اور پوتے پوتیوں کو بنگالہ کو روانہ کردیا۔ اور امیر الامرا* کا خطاب عنایت کیا۔ جو

* ایک حاشیہ میں لکھا جاچکا ہے کہ اسکو خان خاناں سپہ سالار بنگالہ لکھا جاتا تھا۔ امیر الامرا

ایک ایسا خطاب ہے جس سے بڑھکر شہنشاہ ہند کوئی خطاب نہیں دیسکتا۔ اور اُسکے بیٹے محمد امین خاں کو میر بخشی کا منصب عطا کیا جو سلطنت کے منصبوں میں دوسرے یا تیسرے درجہ کا منصب ہے۔ مگر اس منصبدار کو ہمیشہ دربار میں حاضر رہنا پڑتا ہے۔ اور بادشاہ سے اُسکا علیحدہ ہونا اگر ناممکن نہیں تو مشکل تو بیشک ہے۔ اسکے علاوہ میر جملہ کو بنگالہ کی مستقل صوبہ داری بھی عنایت فرمائی۔

میر جملہ جب اپنی مراد پر کامیاب نہوا تو اُسنے سوچا کہ اگر بیٹے کے بلانے کی مکرر درخواست کرونگا تو یہہ امر بالضرور بادشاہ کے عتاب کا باعث ہوگا اسلیئے اُسنے بھی اسی کو بہتر جانا کہ ان اغماضات شاہی کا شکر بجالائے اور خاموش ہو رہے۔ اِن معاملات پر جبکہ ایک سال کے قریب گزر چکا تو اورنگ زیب نے صحیح طور پر یہہ خیال کرکے کہ ایک اولوالعزم سپاہی اب زیادہ عرصہ تک نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔ اور اگر اُسکو ملکی سیاسی غیر کے ساتھ لڑائی بھڑائی میں مشغول رکھا جائے تو خود اپنی ہی سلطنت کے اندر کوئی بکھیڑا کھڑا کریگا۔ میر جملہ کو آسام کے راجہ پر فوج کشی کی تیاری کا حکم دیا جو ایک زبردست اور دولتمند راجہ ہے اور جسکا ملک ڈھاکہ کے شمال میں خلیج بنگالہ کے کنارے پر ہے۔

اُدھر میر جملہ خود بھی اِس مہم کی فکر میں تھا کیونکہ اُسکو اُمید تھی کہ اس طرح پر سرحد چین تک ملک فتح کرکے ایک دائمی شہرت حاصل کرونگا۔ غرضکہ اورنگ زیب کے پیغام رساں نے میر جملہ کو اِس مہم پر پہلے ہی سے

کا خطاب شائستہ خاں کو تھا۔ س م ح

آمادہ پایا اور فوراً ایک سپاہ جرار ڈھاکہ سے کشتیوں میں اُس دریا کے راستہ روانہ ہوئی جو آسام سے نکلتا ہے اور گوشۂ شمال و مشرق سے چلکر ایک قلعہ پر جسکو آذو کہتے ہیں اور جو ڈھاکہ سے قریب تین سو میل کے ہے اور جسکو آسام کے راجہ نے بنگالہ کے ایک صوبہ دار سے سابق میں چھین لیا تھا جا پہنچی۔ اور دس بارہ دن کے محاصرہ میں قلعہ فتح ہوگیا۔ اور میر جملہ چملدارا کی طرف جو آسام کا دروازہ سمجھا جاتا ہے بڑھا اور اٹھائیس دن کے لمبے سفر کے بعد وہاں جا پہنچا۔ اور یہاں ایک لڑائی ہوئی اور راجہ شکست کھاکر کرگانو کی طرف جو آسام کی راج دھانی اور چملدارا سے ایک سو بیس میل کے فاصلہ پر ہے بھاگ گیا۔ لیکن میر جملہ کے پہنچنے اور جہت تعاقب نے وہاں بھی دم لینے نہ دیا۔ اور بغیر اسکے کہ کچھ مورچہ بندی وغیرہ کرسکے مجبوراً پیچھے کو ہٹتا ہٹتا مملکت لاسا کی کوہستان میں جا گھسا اور چملدارا اور کرگانو لوٹ لیے گئے۔ خصوصاً کرگانو سے بہت مال و دولت فوج کے ہاتھ آیا (کرگانو ایک بڑا اور عمدہ شہر ہے۔ اور تجارت کی بڑی منڈی ہے اور یہاں کی عورتوں کا حسن مشہور ہے) مگر کثرت بارش کی وجہ سے جو موسم سے ذرا پہلے شروع ہوگئی تھی سپاہ آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ اُس ملک میں اسقدر مینہہ برستا ہے کہ بجز گانوؤں کی آبادیوں کے جو چھانٹ کے اونچی اونچی زمینوں پر بسائے جاتے ہیں سب جگہہ پانی ہی پانی ہوجاتا ہے اور راجہ نے موقع پاکر لشکر کے آس پاس کے ملک کو مویشی اور ہر قسم کے محتاج سے خالی کرڈالا۔ اور اگرچہ فوج نے بہت سا مال و دولت جمع کرلیا تھا۔ مگر قبل اسکے کہ برسات

ختم ہووے رسد کی طرف سے نہایت دقّت اور تکلیف میں پڑ گئی۔ اب میر جملہ نہ آگے بڑھ سکتا تھا اور نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا۔ کیونکہ سامنے جو پہاڑ تھے وہ نہایت ہی دشوار گزار تھے اور پیچھے ہٹنا اسلیئے مشکل تھا کہ پانی اور دلدل کی کثرت کے علاوہ راجہ نے ہوشیاری کر کے وہ پشتہ بھی توڑ ڈالا تھا جس پر سے چڑھ آنے کا راستہ تھا۔ پس برسات بھر مجبوراً وہیں ٹھہرنا پڑتا۔ مگر خشک موسم کے آنے تک رات دن کی تکلیفوں اور رسد کے نہ ملنے سے فوج ایسی شکستہ خاطر ہو گئی کہ میر جملہ کو آسام کی فتح کا ارادہ مجبوراً ترک کرنا پڑا۔ اگر یہ فوج کسی اور کم لیاقت سردار کے ماتحت ہوتی تو بنگالہ کو واپس آنا مشکل تھا۔ کیونکہ رسد بہت مشکل سے بہم پہنچتی تھی اور راستہ میں دلدل اب بھی اس کثرت سے تھی کہ سپاہ جلد جلد کوچ نہیں کر سکتی تھی۔ اور راجہ چستی کے ساتھ پیچھے لگا چلا آتا تھا۔ مگر میر جملہ اپنی معمولی ہوشیاری سے لشکر کو ایسے ڈھنگ سے ہٹا لایا کہ اُسکے حُسن تدبیر کی اور بھی دھوم پڑ گئی اور مال و دولت بھی خوب ساتھ لایا۔ اور واپس آتے ہوئے قلعہ آزو کو خوب مستحکم کر کے ایک جرار سپاہ وہاں اس غرض سے چھوڑ آیا کہ اگلے برس کے شروع میں برسات سے پہلے پہلے پھر چڑھائی کیجائے۔ لیکن یہ نامی سردار مرض پیچش سے جو اُسکے لشکر میں بنگالہ پہنچتے ہی پھیل گیا تھا۔ مر گیا۔ اور جیسا کہ ہونا چاہیئے تھا اُسکی وفات سے تمام ہندوستان میں تہلکہ پڑ گیا۔ مگر بہت سے عقلمند لوگوں کا قول یہ ہے۔ کہ حقیقت میں اورنگ زیب بنگالہ کا بادشاہ ابھی ہوا ہے۔ اگرچہ اورنگ زیب میر جملہ کی خدمات کا معترف اور شکر گزار تھا۔ لیکن شاید ایک ایسے نائب السلطنت کے مر جانے سے جسکا اقتدار

اور دانشمندی اُسکو ہمیشہ منوش بخشتی تھی غمگین نہیں ہوا۔ چنانچہ سرور بار محمد امین خاں سے کہا "افسوس ہے کہ تمہارا شفیق باپ اور ہمارا نہایت قوی! اور نہایت خوفناک! دوست چل بسا" مگر بہرحال اورنگ زیب نہایت مہربانی اور فیاضی کے ساتھ محمد امین خاں سے پیش آیا۔ اور اُسکو یقین دلایا کہ اپنے باپ کی جگہ اپنے کو سمجھو اور بجائے اسکے کہ اُسکی تنخواہ میں کچھ کمی کرے۔ یا میر جملہ کے مال و دولت کو ضبط کرے محمد امین خاں کو میر بخشی کے عہدہ پر مستقل کر دیا۔ بلا تنخواہ میں ایک ہزار روپیہ ماہوار کا اضافہ کر دیا۔ اور اُسکے باپ کے کُل مال و دولت سے بھی کچھ تعرض نہیں کیا۔ *

شائستہ خاں اور مہم ارکان اور پرتگیز قوم کے بحری قزاقوں اور اُن کے ظلم و ستم کا ذکر۔

اب میں تھوڑا سا حال اورنگ زیب کے ماموں شائستہ خاں کا جسکا کچھ ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے اور جسکی مؤثر تقریریں اور جوڑ توڑ اُسکے بھانجے کے لیئے ایسے عظیم الشان مرتبہ پر پہنچنے کے باعث ہوئے ناظرین کی خدمت میں ظاہر کرتا ہوں۔ تم پڑھ چکے ہو کہ کھجوہ کی لڑائی سے پہلے جبکہ

* میر جملہ کا ایک مفصلہ بازہ طور پر آسام سے واپس آنا جیسا کہ مصنف نے لکھا ہے درست نہیں ہے۔ اور اسکے علاوہ اور بھی غلطیاں ہیں۔ اور اس مہم کا صحیح اور مفصل حال جو کوچ بہار اور آسام دونوں پر ایک ہی وقت میں کی گئی تھی عالمگیرنامہ میں اس خوبی سے لکھا ہے کہ اُسوقت کی فارسی تاریخوں میں ایسے عمدہ طور کا بیان شاذ و نادر ہی پایا جاتا ہے اور اگر یہ تفصیل اور جزئیات سب کے سب نہایت ہی دلچسپ اور قابل دید ہیں لیکن اگر انکو پورا نقل کیا جاتا تو بجائے خود ایک چھوٹی سی کتاب بنجاتی اسلیئے کچھ اُسکا خلاصہ لکھکر بطور ایک حاشیہ کے اس جلد کے خاتمہ میں لگا دیا گیا ہے اُسکو ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ س م ح

ختم ہووے رسد کی طرف سے نہایت دقّت اور تکلیف میں پڑ گئی۔ اب میر جملہ نہ آگے بڑھ سکتا تھا اور نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا۔ کیونکہ سامنے جو پہاڑ تھے وہ نہایت ہی دشوار گزار تھے اور پیچھے ہٹنا اسلئے مشکل تھا کہ پانی اور دلدل کی کثرت کے علاوہ راجہ نے ہوشیاری کر کے وہ پشتہ بھی توڑ ڈالا تھا جسپر سے چلد اکا راستہ تھا۔ پس برسات بھر مجبوراً وہیں ٹھہرنا پڑتا۔ مگر خشک موسم کے آنے تک رات دن کی تکلیفوں اور رسد کے نہ ملنے سے فوج ایسی شکستہ خاطر ہوگئی کہ میر جملہ کو آسام کی فتح کا ارادہ مجبوراً ترک کرنا پڑا۔ اگر یہ فوج کسی اور کم لیاقت سردار کے ماتحت ہوتی تو بنگالہ کو واپس آنا مشکل تھا۔ کیونکہ رسد بہت مشکل سے بہم پہنچتی تھی اور راستہ میں دلدل اب بھی اس کثرت سے تھی کہ سپاہ جلد جلد کوچ نہیں کر سکتی تھی۔ اور راجہ چستی کے ساتھ پیچھے لگا چلا آتا تھا۔ مگر میر جملہ اپنی معمولی ہوشیاری سے لشکر کو ایسے ڈھنگ سے ہٹا لایا کہ اُسکے حُسن تدبیر کی اور بھی دھوم پڑ گئی اور مال و دولت بھی خوب ساتھ لایا۔ اور واپس آتے ہوئے قلعہ آزو کو خوب مستحکم کر کے ایک جرار سپاہ وہاں اس غرض سے چھوڑ آیا کہ اگلے برس کے شروع میں برسات سے پہلے پہلے پھر چڑھائی کیجائے۔ لیکن یہ نامی سردار مرض پیچش سے جو اُسکے لشکر میں بنگالہ پہنچتے ہی پھیل گیا تھا۔ مر گیا۔ اور جیسا کہ ہونا چاہیئے تھا اُسکی وفات سے تمام ہندوستان میں تہلکہ پڑ گیا۔ مگر بہت سے عقلمند لوگوں کا قول یہ ہے۔ کہ حقیقت میں اورنگ زیب بنگالہ کا بادشاہ ابھی ہوا ہے۔ اگرچہ اورنگ زیب میر جملہ کی خدمات کا معترف اور شکر گزار تھا۔ لیکن شاید ایک ایسے نائب السلطنت کے مرجانے سے جسکا اقتدار

اور دانشمندی اُسکو ہمیشہ شوش رکھتی تھی غمگین نہیں ہوا۔ چنانچہ سر دربار محمد امین خاں سے کہا "افسوس ہے کہ تمہارا شفیق باپ اور ہمارا نہایت قوی! اور نہایت خوفناک! دوست چل بسا" مگر بہرحال اورنگ زیب نہایت مہربانی اور فیاضی کے ساتھ محمد امین خاں سے پیش آیا۔ اور اُسکو یقین دلایا کہ اپنے باپ کی جگہ اب تمکو سمجھو اور بجائے اسکے کہ اُسکی تنخواہ میں کچھ کمی کرے۔ یا میر جملہ کے مال و دولت کو ضبط کرے محمد امین خاں کو میر بخشی کے عہدہ پر مستعمل کر دیا۔ بلکہ تنخواہ میں ایک ہزار روپیہ ماہوار کا اضافہ کر دیا۔ اور اُسکے باپ کے کل مال و دولت سے بھی کچھ تعرض نہیں کیا۔ *

شائستہ خاں اور مہم اراکان اور پرتگیز قوم کے بحری قزاقوں اور اُن کے ظلم و ستم کا ذکر۔

اب میں تھوڑا سا حال اورنگ زیب کے ماموں شائستہ خاں کا جسکا کچھ ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے اور جسکی مؤثر تقریریں اور جوڑ توڑ اُسکے بھانجے کے لیئے ایسے عظیم الشان مرتبہ پر پہنچنے کے باعث ہوئے ناظرین کی خدمت میں ظاہر کرتا ہوں۔ تم پڑھ چکے ہو کہ کھجوہ کی لڑائی سے پہلے جبکہ

* میر جملہ کا ایک مفلوبانہ طور پر آسام سے واپس آنا جیسا کہ مصنف نے لکھا ہے درست نہیں ہے۔ اور اسکے علاوہ اور بھی غلطیاں ہیں۔ اور اس مہم کا صحیح اور مفصل حال جو کوچ بہار اور آسام دونوں پر ایک ہی وقت میں کی گئی تھی عالمگیرنامہ میں اس خوبی سے لکھا ہے کہ اُسوقت کی فارسی تاریخوں میں ایسے عمدہ طور کا بیان شاذ و نادر ہی پایا جاتا ہے اور اگرچہ تفصیل اور جزئیات سب کے سب نہایت ہی دلچسپ اور قابل دید ہیں لیکن اگر انکو پورا نقل کیا جاتا تو بجائے خود ایک چھوٹی سی کتاب بنجاتی اسلئے کچھ اُسکا خلاصہ لکھکر بطور ایک حاشیہ کے اس جلد کے خاتمہ میں لگا دیا گیا ہے اُسکو ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ س م ح

اورنگ زیب دار الخلافت سے شجاع کے مقابلہ کو گیا تھا شایستہ خاں آگرہ کا صوبہ دار مقرر ہو چکا تھا۔ پس اسکے بعد وہ دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا اور وہاں کی سپہ سالاری بھی اُسی کے متعلق کی گئی۔ اور اب میر جملہ کی وفات کے باعث بنگال کا صوبہ دار اور وہاں کی فوج کا سپہ سالار بھی مقرر ہوا۔ اور امیر الامرا کا خطاب بھی اُسکو دیا گیا۔ شایستہ خاں کی ناموری کے لحاظ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بنگال پہنچتے ہی جو مہم عظیم اُسنے اپنے ذمہ لی تھی۔ اُسکا بیان کیا جائے۔ اور جب یہہ خیال کیا جائے کہ خدا جانے کس باعث سے اُسکے نامور جانشین سابق (میر جملہ) نے اُسکو اختیار نہیں کیا تھا تو یہہ مہم اَور بھی زیادہ توجہ کے قابل ہو جاتی ہے۔ اور میرے اس بیان سے مملکت بنگال اور اراکان کی گزشتہ اور موجودہ حالت جو ابتک لوگوں کو چنداں معلوم نہیں ہے منکشف ہوگی۔ اور کچھ اَور حالات بھی جو توجہ کے لایق ہیں ظاہر ہونگے۔ مگر اس مہم کی کیفیت معلوم ہونے اور اُن واقعات کے بخوبی سمجھنے کے لیئے جو خلیج بنگال میں واقع ہوئے یہہ بیان کرنا ضروری ہے کہ اراکان میں جسے مگھ لوگوں کا مُلک بھی کہتے ہیں برسوں سے بہت سے نوآباد پُرتگیز اور عیسائی غلام اور دوغلے پُرتگیز اور اَور اہل فرنگ جو اِدھر اُدھر کے ملکوں سے آن کر جمع ہو گئے تھے رہتے تھے۔ اور یہہ ریاست اُن بدچلن لوگوں کی لیئے جائے پناہ تھی جو گوا۔ مینلاآن۔ کوچین۔ ملاکا اور ہندوستان کے اَور مقامات سے جو قبل ازیں پرتگیزوں کے قبضہ میں تھے یہاں چلے آتے تھے۔ اور جو بدمعاش فقیر اپنی خانقاہوں کو چھوڑ آتے

تھے باجود بداطوار لوگ دو تین عورتوں سے شادی کرکے یا کسی اور بڑے گناہ کے مرتکب ہوکر بھاگ آتے تھے یہاں انکی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ یہہ صرف نام کے عیسائی تھے۔ اور اراکان میں ان کا طرز معاشرت نہایت قابل نفرت تھا۔ چنانچہ بیدھڑک ایک دوسرے کو قتل کرتے یا زہر دیدیتے تھے۔ اور بعض اوقات اپنے واعظ پادریوں کو بھی جو سچ پوچھو تو وہ بھی ان سے کچھ کم نہ تھے مار ڈالتے تھے۔ اور اراکان کے راجہ نے جو ہمیشہ سلاطین مغلیہ سے خائف رہتا تھا۔ اپنے ملک کی سرحد پر ان کے وجود کو بمنزلہ ایک جنگی چوکی کے کارآمد سمجھکر چاٹگام کی بندرگاہ اور بہت سی زمینیں آبادی کے لیئے ان کو دے رکھی تھیں۔ اور چونکہ وہ ان لوگوں سے کسی طرح کی مزاحمت اور بازپرس نہیں کرتا تھا۔ تو یہہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ ان بدمعاش اور بے لگام لوگوں کا ہمیشہ لوٹ کھسوٹ اور سمندری غارتگری کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ یہہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر چڑھکر ادھر اُدھر سمندر میں گشت لگاتے اور گنگا کی بیشمار شاخوں اور کھاڑیوں میں جا گھستے۔ اور بنگال کے حصہ پائین کے جزیروں کو تباہ و برباد کرتے۔ اور اکثر سو ڈیڑھ سو میل تک ملک کے اندر چلے آتے تھے۔ اور جہاں کہیں بازار لگا ہوا ہوتا یا کوئی شادی بیاہ یا کوئی اور تقریب ہوتی وہاں یکایک جا پڑتے اور تمام لوگوں کو پکڑ کر لیجاتے۔ اور بدنصیب قیدیوں کو غلام بناتے۔ اور جو چیز اٹھائی نہ جاتی اسکو جلا ڈالتے تھے۔ اور یہہ اس ہمیشہ کی لوٹ مار ہی کی وجہ سے تو ہے کہ ہم گنگا کے دہانہ پر ایسے عمدہ جزیروں کو جو کسی وقت خوب آباد اور معمور تھے

ویران اور سنسان پڑا ہوا دیکھتے ہیں۔ اور سوائے شیروں اور جنگلی جانوروں کے اب وہاں کوئی نہیں رہتا۔ اور ان قیدیوں کے ساتھ وہ بڑی بیرحمی اور بدسلوکی سے پیش آتے تھے کہ ان کو یہاں تک جرأت ہوگئی تھی کہ بڈھے آدمیوں کو نکمے اور بیکار جانکر انہیں مقامات میں بیچنے کو لیجاتے تھے جہاں سے اُن کو پکڑ کر لائے تھے۔ اور اکثر دیکھا جاتا تھا کہ وہ جوان شخص جو کل اتفاقاً بھاگ کر ان کے ہاتھ سے بچ گئے تھے آج اپنے بڈھے باپ کو خرید کر انکے پنجہ سے چھوڑانے میں کوشش کرتے تھے۔ اور جوان قیدیوں کا یہ حال تھا۔ کہ یا تو اُن کو قزاقی سکھاتے تھے یہانتک کہ وہ خود قتل و غارت کے شایق بنجاتے تھے۔ یا اُن کو گوا سیلان اور سینٹ طامس (Saint Thomas) کے پرتگیزوں کے ہاتھ بیچڈالتے تھے۔ بلکہ خاص بنگالہ میں ہوگلی کے رہنے والے پرتگیز بھی ان بیچاروں کے خریدنے میں کچھ تامل نکرتے تھے اور یہ ہولناک تجارت گالیس تک بھی ہوتی تھی جو راس ڈاس بال ماس (Cape Dashalmas) گالیس (Gaties) کے قریب ایک جزیرہ ہے۔ ان قزاقوں نے یہ معمول باندھ رکھا تھا کہ فروخت طلب غلاموں کی کشتیاں کی کشتیاں بھر کر مقررہ مقامات کو لیجاکر باہمی قرارداد کے موافق پرتگیزوں کے آنیکے منتظر رہتے تھے۔ اور وہ ان سب کو نہایت ہی ارزاں قیمت پر خرید لیجاتے تھے۔ اور نہایت افسوس ہے کہ پرتگیزوں کے زوال قوت کے بعد فرنگستان کی اور قوموں نے بھی چالگام کے ان قزاقوں کے ساتھ (جو یہ شغل رکھتے ہیں کہ ہم ایکسال کے اندر اسقدر ہندوؤں کو

* راس ڈاس بال ماس۔ افریقہ کے اس غربی ساحل کے نزدیک واقع ہے جسکو انگریزی Cape Dashalmas

عیسائی بنا لیتے ہیں جو پادری لوگ تمام ہندوستان میں دس برس میں بھی نہیں بنا سکتے) اس مذموم تجارت کو جاری رکھا۔ سبحان اللہ! مذہب عیسائی کے پاک اوامر کو اس طرح سے متواتر توڑنا اور اُسکے نواحی کی تحقیر کرکے علانیہ اُسکے برخلاف عمل کرنا کیا ہی عمدہ طریقہ ہمارے دین مقدس کے پھیلانے کا اِن کمبختوں نے نکالا ہے۔!

جہانگیر کے وقت میں پرتگیزوں کے ہوگلی میں آباد ہونے اور شاہجہاں کے حکم سے اُن کے سخت تباہ ہونے کا ذکر

یہہ لوگ ہوگلی میں جہانگیر کی مہربانی سے آباد ہوئے تھے جو عیسائیوں سے بالکل تعصب نہ کرتا۔ اور اُنکی تجارت سے فوائد کثیر حاصل کرنے کی اُمید رکھتا تھا۔ علاوہ بریں اِن لوگوں نے اُس سے یہہ عہد بھی کیا تھا۔ کہ ہم خلیج بنگال کو بحری قزاقوں سے محفوظ رکھینگے مگر شاہجہاں نے جو باپ کی بہ نسبت مذہب اسلام کا زیادہ پابند تھا اِن کو اس سبب سے سخت سزا دی کہ وہ نہ صرف اراکان کے قزاقوں کو جرأت دلاتے تھے۔ بلکہ خود بھی بہت سے غلام جو بادشاہی رعیت تھے اپنے پاس رکھکر اُن کے آزاد کرنیسے انکار کرتے تھے۔ پس اُسنے اوّل تو دھمکا کر اور پھسلا کر بہت سا روپیہ وصول کیا مگر اسکے علاوہ بادشاہ کے اخیر احکام کے موافق جن جن باتوں کی تعمیل اُنکی طرف سے

میں گولڈ کوسٹ (یعنی ساحل الذہب) کہتے ہیں اور جزائر سین طامس اور گالیس بھی اُسکے نزدیک ہیں۔ یہہ سب مقام زمانہ سابق میں پرتگیزوں کی تحت حکومت تھے۔ اور چونکہ سین طامس ایک جگہہ مدراس کے قریب بھی پرتگیزوں کے قبضہ میں تھی۔ ہیلی سیاق کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہہ وہ افریقہ کا سین طامس مراد نہیں ہے۔ س م ح

Saint Thomas Gallos

مطلوب تھی جب اُنھوں نے اُسکو قبول نہ کیا تو آخر کار محاصرہ کر کے شہر پر قبضہ کرلیا گیا اور عموماً سب کو غلام بناکر اگرہ بھیجدیا۔! زمانہ قریب کی تاریخوں میں ان لوگوں کی مصیبت کی کوئی مثال پائی نہیں جاتی۔ بلکہ وہ اُس گروہ بنی اسرائیل کی مصیبت سے بہت کچھ مشابہ تھی جو بیت المقدس سے قید کیے جاکر سب کے سب بابل کو بھیجدیئے گئے تھے۔* کیونکہ شاہجہاں کے

---

* یہ ماجرا بنی اسرائیل کے قصص تاریخی سے متعلق ہے اور مختصر بیان اسکا اس طرح پر ہے کہ الیاقیم ابن یوشیا بیت المقدس میں آل یہودا ابن یعقوب علیہ السلام کا ۳۸۱۴ء چار ہزار آٹھ سو چودہ ہبوطی میں جسکو اب (۱۸۸۶ء) سے دو ہزار چھ سو ستاسی برس کا عرصہ گزرا۔ اس طرح پر بادشاہ ہوا تھا کہ مصر کے بت پرست بادشاہوں میں سے جو فرعون کہلاتے تھے اُسکے ایک عصر فرعون نے اسکے بھائی یوحاز کو مغلوب اور قید کرکے الیاقیم کو بطور اپنے خراج گزار کے اور یوایاقیم نام رکھکر بنی یہودا کا بادشاہ بنا دیا تھا۔ یہ بادشاہ بہت ظالم تھا اور جیسا کہ اور بنی اسرائیل بھی بعض اوقات کرتے رہتے تھے اسنے شریعت موسوی کے برخلاف بت پرستی اختیار کرکے اس طریق کو رواج دینا شروع کیا تھا۔ یہانتک کہ حضرت اوریا نبی کو جو حضرت یرمیا نبی کی طرف سے شرع موسوی کے موافق بنی اسرائیل کو گمراہیوں اور جور وجفا اور سخت بدعتوں اور اعمال قبیحہ اور بت پرستی سے منع کرتے اور قہر الہی کے نازل ہونے سے ڈراتے تھے ناراض ہوکر اس بادشاہ نے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ اور آخر کار مصر سے کہ یہاں وہ بھاگ کر چلے گئے تھے ڈھونڈ واکر اور اپنے مربی فرعون کی منوفت پکڑ منگا کر بیت المقدس میں قتل کرا دیا۔ بطور انتقام الہی ان حرکتوں کا نتیجہ یہ ہوا۔

کہ بخت نصر ثانی پسر نبوپلسر۔ کلدانیوں کے بت پرست بادشاہ نے جسکے خاندان کی سلطنت عراق عرب میں تھی اور دریائے فرات کے

حکم کی تعمیل سے بھی نہ کوئی بچہ ہی مستثنےٰ رہا نہ کوئی واعظ اور نہ کوئی درویش! چنانچہ حسین اور خوبصورت عورتیں تو کیا بیاہی کیا کنواری لونڈیاں بنا کر محلسرائے شاہی میں بھیجدی گئیں۔ اور جو زیادہ عمر کی تھیں یا اُنکی شکل اچھی نہ تھی امیروں کو تقسیم کی گئیں! اور کم سن لڑکے ختنہ کیے جاکر غلام بنائے گئے۔ اور جو جوان تھے وہ بڑے بڑے وعدوں کی اُمید پر یا ہاتھی کے پاؤں سے کچلوائے جانیکی

نزدیک شہر نینوا اور بابل (کربلائے معلیٰ اور بغداد کے قریب) انکے دار الحکومت تھے ۶۱۰ء ہبوطی میں بادشاہ ہوکر اوّل تو ان قبائل کو جو ملک فلسطین میں رہتے تھے مملکت بابل کا ملک مطیع کیا۔ اور بعد ازاں یویاقیم کے گیارہویں سال جلوس میں ایک لشکر عظیم کے ساتھ اپنے دار الملک نے نوا سے بیت المقدس پر چڑھائی کی اور یویاقیم جو اُسکے مقابلہ میں محض بے حقیقت تھا بجز اطاعت کے کوئی چارہ نہ دیکھکر مع سرداران آل یہود حاضر ہوگیا۔ چنانچہ بخت نصر نے بلا مقابلہ و مزاحمت شہر میں داخل ہوکر بیت المقدس پر قبضہ کرلیا اور حسب کل بندوبست حسب دلخواہ کرچکا تو یویاقیم کو بازنجیر کرکے مع اُسکی ماں اور ملکہ اور سیٹوں اور دس ہزار اور یہودیوں کے کہ جنمیں سے ایکہزار شہزادے اور سردار اور جنرل اور سات ہزار سپاہی تھے اور دو ہزار اور عوام الناس اور جن میں حضرت دانیال پیغمبر پسر یوخنا یویاقیم کے بھتیجے بھی بارہ برس کی عمر میں مع بعض اور صلحائے قوم کے تھے سب کو قید کرکے بابل کو بھیجدیا اور اپنے سپہ سالار بوزردان کو حکم دیکر بیت المقدس کو جلاکر خاک سیاہ اور بے نشان کر ڈالا۔ اور بیشمار باشندگان ملک کو قتل کرایا۔ اور جو مال و دولت کہ مسجد اقصیٰ اور خزانہ شاہی اور رعایا کے گھروں میں تھا سب لوٹ کھسوٹ کراور ششہزار بوجھے لادکر نے نوا کو چلا آیا۔ اور بنی اسرائیل میں سے ایک اور شخص کو اپنی طرف سے وہاں کا حاکم بناکر یہودا بن یعقوب کے خاندان کی سلطنت کا خاتمہ کردیا۔ چونکہ بیت المقدس کی خرابی عبری کیاریں مہینہ آب کی نویں تاریخ کو ہوئی تھی اسلیئے بنی اسرائیل اب تک اس دن سوگ مناتے ہیں۔ ص ح ماخوذ از تاریخ التواریخ

متواتر دھمکیوں سے مسلمان ہو گئے۔ البتہ چند درویش اپنے مذہب پر قائم رہے۔ اور فرقہ جیسوئیٹ کے عیسائیوں اور پادریوں کی مہربانی سے جنہوں نے اس آفت کے زمانہ میں بھی اگرہ کا رہنا ترک نکیا اور بہت سا روپیہ خرچ کر کے اور دوستوں سے سی سفارش کرا کر اپنے فیاضانہ ارادہ میں کامیاب ہوئے گو آور اور مقامات مقبوضہ اہل پرتگال کو بھیجے گئے مگر ہوگلی کی حادثہ سے پہلے یہ پادری بھی شاہ جہاں کے عتاب سے نہ بچے تھے۔ چنانچہ اُسنے اگرہ کا عالیشان اور خوبصورت گرجا جو جہانگیر کے عہد میں مع ایک اور گرجا کے جو لاہور میں بنایا گیا تھا مسمار کرا دیا تھا۔ اس گرجا کے مینار پر ایک گھنٹہ لگا ہوا تھا جسکی آواز تمام شہر میں سنائی دیتی تھی۔ *

---

* شاہ جہاں کے مؤرخ خاص مُلّا عبدُالحمید لاہوری نے ہوگلی کے پُرتگیزوں کے اس واقعہ کو بادشاہ نامہ میں یوں لکھا ہے کہ "بنگالیوں کو عہد میں (یعنی ہمایوں اور اکبر کے زمانہ سے پہلے جبکہ بنگال میں تیموریہ خاندان کی حکومت تھی) فرنگی سوداگروں کا ایک گروہ جو سراندیپ (لنکا) کے رہنے والے تھے سات گانوں (چاٹگام) میں آمد و رفت رکھتا تھا۔ اِن لوگوں نے سات گانوں سے آگے بڑھکر کھاڑی کے کنارہ (جسکو مُلّا عبدُالحمید "خور" لکھتا ہے) اس بہانہ سے کہ خرید و فروخت کے لیئے کوئی جگہ چاہیئے بنگالیوں کی اجازت سے جہاں اب شہر ہوگلی آباد ہے اوّل چند گھر بنائے۔ اور بمرور ایام حکام بنگال کی بے شعوری اور لاپروائی سے اس نئی آبادی میں بہت سے فرنگی جمع ہو گئے۔ اور اِن لوگوں نے یہ کام کیا کہ ایک طرف تو دریا موجود ہی تھا باقی تینوں طرف عمیق خندق کھُدوا کر اور پانی سے بھر کر اس تمام کو ایک جزیرہ کی شکل بنا لیا۔ اور اُسکے اندر مضبوط اور عالیشان عمارتیں بنا کر توپ بندوق اور سامان جنگ سے خوب مستحکم کر لیا۔ اور یہ آبادی ایسی بڑھی

گوا کے وایسرائے کو اراکان پر مہم کرنیکے لیئے پرتگیز بحری قزاقوں کا تحریک کرنا

ہوگلی کے چھن جانے سے پہلے جبکہ باسٹیان کان سالو اراکان کے قزاقوں Bastiam Gonsalue کا سرغنہ تھا اور ایسا نامی اور زبردست شخص ہوگیا تھا کہ شاہ اراکان کی بیٹی سے اسنے شادی کرلی تھی ان قزاقوں نے گوا کے وایسرائے کی خدمت میں باقاعدہ طور پر یہہ درخواست پیش کی تھی۔ کہ اگر آپ چاہیں تو تمام ملک اراکان پر ہم آپکا قبضہ کراسکتے ہیں۔ اگرچہ بلحاظ پرتگیزوں کی اس وضع اور رویّہ کے جو اُنہوں نے جاپان۔ پیگو۔ اِتھوپیا

کہ بندر سات گانوں کا بازار سرد ہوگیا۔ اور جہازات فرنگ کی آمدوشد اور خرید و فروخت اسی جگہ مقرر ہوگئی۔ اور یہہ مقام ایک بڑا شہر بنکر بندر ہوگلی کے نام سے مشہور ہوگیا۔ رفتہ رفتہ اِن لوگوں نے ہوگلی کی کھاڑی کے دونوں طرف جو پرگنے تھے تھوڑے تھوڑے معاملہ پر وہ بھی اجارے لیئے اور وہاں کی رعایا کو زبردستی اور طمع دونوں طور سے کرسچن بنا بناکر فرنگستان کو بھیجنا شروع کیا۔ اور اگرچہ رعیت کے کم ہوجانے سے اجارہ کا روپیہ گرہ سے بھرنا پڑتا تھا۔ مگر باوجود اسکے وہ اس فعل کو موجب ثواب سمجھکر اس نقصان کو سوداگری کے نفع سے پورا کرتے تھے اور آخر کار اُنکی یہہ کارروائی محال اجارہ کے دیہات پر ہی محدود نہ تھی بلکہ دریا کنارہ کا جو کوئی آدمی قابو چڑھ جاتا اسکو بھی پکڑ کر اسی طرح عمل کرتے تھے۔ شاہ جہان کو جو اپنے باپ کے عہد میں بنگالہ جانے کا اتفاق ہوا تو بادشاہی رعایا اور مسلمانوں کے ساتھ اُن کا یہہ طرز سلوک بہت ناگوار گزرا اور اُس وقت سے اِن کی بیخ کنی کا خیال اُس کے دل میں ایسا جما کہ جب وہ بادشاہ ہوا۔ اور قاسم خاں کو بنگالہ کی صوبہ داری پر مقرر کیا تو اس "عقدہ دشوار کُش" کے کھولنے کو خشکی اور تری دونوں طرف سے حملہ کرنے کی تدبیریں اُس کو اپنی زبان خاص سے سمجھائیں جس کے موافق خان مذکور نے صوبہ کے اور ضروری انتظاموں سے فارغ ہوکر سردی کے اخیر

اور اور ملکوں میں اختیار کیا تھا۔ اسکے قبول کر لینے میں کوئی نئی اور قابل تعجب بات نتھی۔ مگر کہتے ہیں کہ ویسرائے گوا نے غرور اور حسد کے مارے اسکو منظور نکیا۔ اور اُسکو یہہ امر ناز یبا معلوم ہوا کہ شاہ پرتگال ایک ایسے بڑے معاملہ میں ایک ایسے چھوٹے اور کم اصل شخص کا احسان اُٹھاوے

اخیر میں بماہ شعبان ۱۰۴۸ھ ایکہزار اکتالیس ہجری الہ یار خاں نامے ایک سردار کو مع عنایت اللہ اپنے بیٹے اور کئی اور سرداروں اور امیروں کے یہہ تدبیر سمجھائی کہ اوّل بردوان جاکر ٹھہریں۔ اور بجاے ہوگلی کے یہہ مشہور کردیں کہ بردوان کی طرف مقام ہجلی کی تاخت و تاراج کے لیئے یہہ فوج آئی ہے۔ اور بہادر نامے ایک سردار کو جو اُسکا ذاتی ملازم اور نہایت محل اعتماد تھا مخصوص آباد (مرشد آباد) کے محال خالصہ کے بندوبست کے بہانہ سے اُسکو یہہ سمجھا کر روانہ کیا کہ ضرورت کے وقت الہ یار خاں اور عنایت اللہ کے پاس پہنچکر شامل ہوجانا اور یہہ سب احتیاطیں اس اندیشہ سے تھیں کہ کہیں اس ارادہ کی خبر پاکر پرتگیز لوگ مال و عیال کو لیکر اپنی کشتیوں میں نہ جا چڑھیں۔ علاوہ بریں یہہ تدبیر کی گئی کہ چند سرداروں نے سری پور بندر سے نواڑہ میں پہنچکر اوّل کھاڑی کے دہانہ کو جا روکا اور بعد ازاں الہ یار خاں اور عنایت اللہ نے بردوان سے دفعتاً کوچ کرکے ایک جگہہ سات گانوں اور ہوگلی کے بیچ میں آ ڈیرا کیا۔ اور بہادر نے پانسو سواروں اور پیادوں کی جمعیت کثیر سے مخصوص آباد سے آکر اور خواجہ شید وغیرہ کے ساتھ جو نواڑہ میں سری پور سے آئے تھے شامل ہوکر ہوگلی کی کھاڑی میں ایک تنگ جگہہ کشتیوں سے پُل باندھ کر اُنکے سمندر میں بھاگ جانے کا رستہ بند کردیا اور بعد اسکے دوسری ذی الحجہ ۱۰۴۸ھ ایکہزار اکتالیس ہجری کو کھاڑی اور خشکی دونوں طرف سے آگے کو بڑھے۔ اور قصبہ بالی میں پہنچکر جو یہہ بستی بھی خندق سے اس طرف پرتگیزوں ہی کے متعلق تھی اُن کے ایک گروہ کو تہ تیغ کیا۔ اور جو کچھ ملا لوٹ لیا۔ اور کچھ سپاہ نے کھاڑی کے دونوں طرف اُن کے اجارے

پرتگیزوں کی بداعمالی کا ذکر

امر واقعی یہہ ہے کہ ہِندُوستان میں پرتگیزوں کے زوال طاقت کا باعث اُنکی بداعمالی ہے - اور جیساکہ وہ خود بھی قبول کرتے ہیں اسکو غضب الہی کا ایک نشان سمجھنا چاہیئے - اگلے زمانہ کے پُرتگیزوں کا ہِندُوستان میں بڑا نام تھا - اور تمام ہندوستانی رؤسا اُنکی دوستی کے خواہاں تھے - اور وہ جُرأت اور دینداری اور دولتمندی اور

کے پرگنوں میں داخل ہوکر "نصرانی اجارہ داروں" کو قتل و قید کیا اور سب سے زیادہ کارآمد تدبیر یہہ کی کہ اُن کے نواڑہ کے ملازموں کے اہل وعیال کو بھی جو سب بنگالی تھے پکڑ لائے - جسکے باعث سے ایسی ضرورت کے وقت چار ہزار ملّاح اُنکی نوکری چھوڑکر بادشاہی لشکر میں حاضر ہوگئے - اسکے بعد بادشاہی سرداروں نے خاص ہوگلی کو جاگیرا - اور ایّام محاصرہ میں ساڑھے تین مہینے تک اُنکی یہہ حالت رہی کہ کبھی تو لڑائی لڑتے تھے اور کبھی صلح کے پیغام وسلام بھیجتے تھے اور اس کمبخت و مریز سے اصل مقصود یہہ تھا کہ فرنگستان سے کمک آنیکے منتظر تھے - چنانچہ اسی پیغام وسلام میں اگرچہ بطور تمہید صُلح اور عذر ومعذرت کے ایک لاکھ روپیہ نقد بھی نذر کردیا مگر باوجود اسکے تقریباً سات ہزار بندوقچی جو حالت محاصرہ میں اُنکے پاس موجود تھے اُنکو لڑنیکے لیئے بھی مامور کیئے رکھا - اور جس باغ میں بادشاہی سپاہ اُتری ہوئی تھی اُسکے درختوں کو بھی چھٹوا دیا تاکہ بندوقوں کی زد سے پناہ نہ مل سکے - آخر کار بادشاہی سرداروں نے (جو دریائی لڑائی میں عموماً لاچار تھے) یہہ تدبیر کی کہ بیلدار لگاکر گرجا کی طرف کی خندق میں (جسکا عرض اور عمق کم تھا) چھوٹی چھوٹی نالیاں کھُدوا کر اُسکو پانی سے خالی کرڈالا اور اپنے مورچوں میں سے تین سُرنگیں لگائیں جنمیں سے دو کو تو خبر پاکر اُنہوں نے خراب کردیا - مگر تیسری سُرنگ ٹھیک اُس مکان تک جا پہُنچی جو سب میں اُونچا اور زیادہ مضبوط تھا اور جسمیں بہت سے فرنگی جمع رہتے تھے - اور جب اُس سُرنگ میں بارود بھردیگئی تو چوتھے دھومیں ربیع الاوّل کو اُسی مکان کے سامنے صف لشکر آراستہ کی گئی تاکہ لڑائی کا زور اِسی طرف سمجھکر وہ سب اِدھر ہی آن کر جمع ہوجائیں - اور جب ایسا ہی ہوا

بڑی بڑی عظیم الشان مہموں کے کرنے میں مشہور تھے* اور وہ ایسے تھے جیسے کہ آجکل کے پرتگیز ہیں جو ہر ایک معیوب فعل کو عادی ہیں اور جنکا ہر ایک ذلیل اور پاجیانہ کام میں دل لگتا ہے۔

---

* اس کتاب کے مترجم انگریزی مسٹر اڈونگ براک نے پرتگیزوں کے ہندوستان میں آنے اور اُن کے عروج و زوال کا حال ایک حاشیہ میں بہت تفصیل سے لکھا تھا۔ چونکہ وہ دلچسپ مضمون کسیقدر طولانی ہے اسلیئے خفیف کمی بیشی کے ساتھ ہمنے اس جلد کے خاتمہ میں لگا دیا ہے۔ س م ح

تو اوّل توپ اور بندوق سے لڑائی شروع کرکے آخرکار سرنگ کو آگ دیدی جس سے وہ مکان، اور بہت سے فرنگی دھوئیں کی طرح اُڑ گئے۔ اور باقیماندہ جو اپنی کشتیوں میں جا چڑھنے کو بھاگے تو مارے گھبراہٹ کے اکثر تو پانی میں ڈوب گئے۔ اور جو لوگ ڈوبتے اُچھلتے کشتیوں تک جا بھی پہنچے اُنکو بادشاہی نواڑہ کی فوج نے جالیا یہانتک کہ پرتگیزوں نے اپنی تباہی کو یقینی جانکر اپنے ایک بڑے جہاز کو جسمیں قریب دو ہزار کے مرد و عورت اور بہت سا مال و اسباب اور بارود کا ذخیرہ تھا اس خیال سے کہ غنیم کے ہاتھ نہ پڑے بارود میں آگ دیکر از خود جلا دیا۔ اور اسیطرح جو لوگ چھوٹی کشتیوں میں چڑھ گئے تھے اُنہوں نے بھی اپنے آپ کو جلاکر ہلاک کر ڈالا۔ غرضکہ چوسٹھ بڑے ڈونگوں اور ستاون غراب اور دو سو چالیوں میں سے صرف ایک غراب اور دو جالیے تو (محض اسوجہ سے کہ یورش کے وقت چند تیل کی شاہی کشتیوں میں آگ لگ کر کچھ رستہ کھل گیا تھا) بچکر نکل گئے مگر اسکے سوا جو کچھ آگ اور پانی سے بچا سب بادشاہی لشکر کے قابو میں آگیا۔ اور شروع جنگ سے اسوقت تک اگرچہ لشکر شاہی میں سے تو صرف ایک ہی ہزار آدمی مارے گئے۔ مگر محصوروں کی طرف عورت مرد بوڑھا جوان ان سب قسم کی آفتوں اور لڑائی میں دس ہزار کے قریب ضایع ہوئے۔ اور باقی "نصرانی مرد و عورت" چار ہزار چار سو قید ہوئے۔ اور رعایا بادشاہی میں سے جو دس ہزار آدمی کے قریب انکی قید میں تھے انکو رہائی دیگئی اور ۱۱ محرم ۹۴۲ھ ایجی

نقیب خان صفحہ گرفتہ

جزیرہ سوندیپ اور فراجان نامے ایک بنام پرتگیز درویش کا ذکر۔

اسی زمانہ کے قریب سبکا میں ذکر کر رہا ہوں جزیرہ سوندیپ* کو ان دریائی قزاقوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا جو گنگا کے دہانہ کے اکثر روکے رکھنے کو اُن کے لیئے ایک بہت کارآمد ناکا تھا۔ اور وہ نامی بدمعاش فراجوان جو اگسٹاین فرقہ کے درویشوں میں سے تھا نہ معلوم کن فن و فریب سے وہاں کے حاکم کو نکال کر ایک مدت تک اس جزیرہ کا ایک چھوٹا سا راجہ بنا رہا

* یہ چھوٹا سا جزیرہ خلیج بنگالہ میں چاٹگام کے نزدیک ہے۔ س م ح

Fra Joan Augustine

(ایکہزار بیالیس) کو قاسم خاں کے بیٹے عنایت اللہ مذکور نے بنگالہ سے آکر چھوٹے بڑے چار سو مرد و عورت "اسیران فرنگ" (یا اگر چھاپہ میں کچھ غلطی ہوگئی ہو تو وہی چار ہزار چار سو) مع اُن کے بتوں کے (جو روم کیتھلک عیسائیوں کے گرجاؤں میں اکثر ہوا کرتے ہیں) بادشاہ کی نظر سے گزرانے جنسے انکی نسبت یہ حکم دیا کہ سختی کے ساتھ قید رکھے جائیں اور جو کوئی مسلمان ہو جائے اُسکا گزارہ مقرر کیا جائے۔ اور جو مسلمان نہ ہو وہ برابر قید رہے۔ چنانچہ بعضے تو مسلمان ہو کر مورد عنایات ہوگئے اور بعضے قید ہی میں مر گئے۔ اور اُن کے بتوں میں سے جو موتیں کہ بعض پیغمبروں کی تھیں اُنکو تو اوب کے خیال سے دریائے جمنا میں ڈبوا دیا باقی کو توڑوا ڈالا۔

صاحب سیر المتاخرین نے ملا عبد الحمید کی طرح اُنکو محض سرندیب کے فرنگی نہیں بتایا بلکہ جیسا کہ چاہیئے تھا بتخصیص قومیت "پرتگیس" لکھا ہے۔ اور اس مصیبت کا باعث اُنکا "تمرد اور بغاوت" اور قیدیوں کی تعداد چار ہزار چار سو زن و مرد لکھی ہے۔ اور چونکہ سُرنگ اُڑنے کے بعد بادشاہنامہ میں بھی اتنے ہی آدمیوں کا قید ہونا لکھا ہے اسلیئے غلب ہے کہ یہی شمار صحیح ہو مگر ہاں یہ بھی ممکن ہے کہ چار ہزار چار سو نصرانی قیدیوں میں سے ہندوستانی نصرانیوں کو چھوڑ کر صرف چار سو گورے چٹے فرنگی مردوں اور عورتوں ہی کو چھانٹ کر غلامی کے لیئے حاضر کیا گیا ہو۔ ۱۲ س م ح

تھا - اور یہہ وہی قزاق تو تھے جنکا ذکر مینے پہلے کیا ہے کہ اپنی گیلی* آس قسم کی کشتیوں میں بیٹھکر سلطان شجاع کے پاس ڈھاکہ میں اس غرض سے آئے تھے کہ اُسکو اراکان لیجائیں — اُس موقع پر بھی ان بدمعاشوں نے ایک عجیب چالاکی کی تھی کہ کسی طرح اسکے اسباب کے صندوقوں میں سے بہت سے جواہرات نکال لیے تھے اور اراکان پہنچکر جزوی قیمت پر خفیہ خفیہ بیچتے پھرتے تھے جن میں سے ڈچوں اور اَور فرنگیوں نے اکثر ہیرے یہہ دم دیکر کہ یہہ کچّے ہیں ان بیوقوفوں سے تھوڑی سی قیمت پر اُڑا لیئے تھے

* اہل فرنگ گے لی اور گے لی آس مندرجہ ذیل شکل کی ایسی کھلی کشتیوں کو کہتے ہیں جیسی کہ اکثر پنجاب اور ہندوستان کے بعض بڑے دریاؤں پر ہوتی ہیں - چپوؤں سے کھیئی جاتی ہیں - ضرورت کے وقت انپر بالیں بھی چڑھا سکتے ہیں - ایک مختصر سا بنگلہ بھی ایک سرے پر بنا ہوا ہوتا ہے - اور گے لی اور گے لی آس میں صرف اتنا فرق ہے - کہ گے لی آس قد میں اُس سے زیادہ ہوتی ہے - اور باقی ترکیب اور وضع سب وہی ہے اُسوقت کی فارسی تاریخوں میں بنگالہ کی ان دریائی لڑائیوں کے ذکر میں تین قسم کی کشتیاں لکھی ہیں (۱) غراب یعنی ڈونگہ (۲) ڈونگہ کلاں (۳) جلیبہ فرنگی - پس معلوم ہوتا ہے کہ ڈونگہ کلاں تو گیلی سے مُراد ہے - اور جلیبہ فرنگی گیلی آس سے اور انپر توپوں کے چڑھانے کی بھی گنجایش ہوتی تھی —

Galliass

Galley

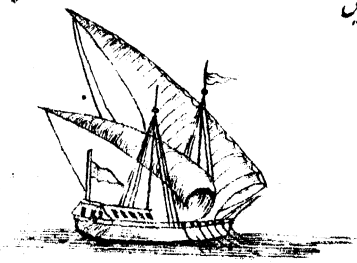

شائستہ خاں کا ان پرتگیز قزاقوں پر چڑھائی کرنا۔ اور اُن کے مطیع کرنے میں ڈچوں سے مدد لینا۔

میں خیال کرتا ہوں کہ جو کچھ مینے بیان کیا ہے اِس امر کے اندازہ کرنیکے لیئے کافی ہے کہ سلاطین مغلیہ کو کسقدر تکلیف اور ایذا اور خرچ اِن ظالم اور زبردست لٹیروں کے سبب سے اُٹھانا پڑتا تھا۔ اور اُن کے بنگالہ میں گھس آنیکے خوف سے ہمیشہ فوج اور گیلیں اُس قسم کی کشتیوں کے نواڑے ناکوں کے روکنے کے لیئے تیار رکھنے پڑتے تھے۔ اور اسپر بھی اُن کے ہاتھ سے مُلک ہمیشہ تباہ و برباد ہوتا رہتا تھا۔ اور یہہ قزاق اسقدر دلیر اور اپنے فن میں ایسے مشاق ہو گئے تھے کہ صرف چار پانچ گیلیں اُس کشتیوں میں بیٹھکر چڑھ آتے تھے اور عموماً چودہ پندرہ گیلیں قسم کی بادشاہی کشتیوں کو گرفتار کر لیتے یا تباہ کر ڈالتے تھے۔ اسلیئے شائستہ خاں نے بنگالہ کا صوبہ دار مقرر ہوکر اُن کی بیخ کنی کی تجویز کی۔ اور اِسمیں اُسکے دو مطلب تھے کہ سرِدست تو ان بیرحم وحشی قزاقوں کے متواتر اور برباد کُن حملوں سے اپنے صوبہ کا بچانا اور آخرکار اراکان کے راجہ پر چڑھائی کرنا۔ اور اُس بیرحمی کی سزا دینا جو اُسنے سُلطان شجاع اور اُسکے اہل و عیال کی نسبت کی تھی کیونکہ اورنگ زیب کا مستقل ارادہ تھا کہ اُن عالی منزلت لوگوں کے خوں کا انتقام لے اور اِس مثال سے قرب و جوار کے تمام رئیسوں کو یہہ سبق دے کہ خاندان شاہی کے لوگ خواہ کسی حالت میں کیوں نہ ہوں انسانیت اور ادب کے ساتھ سلوک کیئے جانیکے مستحق ہیں۔

چنانچہ شائستہ خاں نے اپنی تجویز کے ابتدائی امور کو غایت درجہ کی ہوشیاری کے ساتھ پورا کیا۔ اور چونکہ دریاؤں اور ندّی نالوں کی وجہ سے جو راستہ میں پڑتے ہیں خشکی کی راہ سے اراکان میں فوج کا لیجانا بہت مشکل تھا اور بسبب اُس فوقیت کے جو ان بحری قزاقوں کو جہازی لڑائی میں حاصل تھی سمندر کے راستہ سے فوج کشی کرنا اِس سے بھی زیادہ دشوار تھا اسلیئے اُسنے ڈچ لوگوں سے مدد لینا مناسب سمجھا اور جس طرح پر شاہ عبّاس بادشاہ ایران نے انگریزوں کے اتفاق سے جزیرہ ہُرمُز[۵۱] پر قبضہ کر لیا تھا اُسی طرح اسنے بھی ڈچوں کی امداد سے اراکان پر قبضہ کر لینا چاہا۔ اور بَٹَیوِیا کے گورنر کے پاس اپنے ایلچی کو چند خاص شرطوں کے ساتھ عہد و پیمان کرنے کو بھیجا۔ اور یہہ پیغام دیا کہ آؤ ہم تم ملکر اراکان پر مشترکہ قبضہ کر لیں۔ بَٹَیوِیا کا گورنر اس تجویز کے قبول کر لینے پر اِس وجہ سے آسانی کے ساتھ مائل ہو گیا کہ اسکے ذریعہ سے اُنکو ہندوستان کے معاملات میں پُرتگیزوں کی مداخلت کے کم کرنے کا (جس سے ڈچ کمپنی[۵۲] کا بہت فائدہ تھا) زیادہ تر موقع ہاتھ آتا تھا۔ اور اُسنے اپنے دو جنگی جہاز بنگالہ کو

---

۵۱ اس مقام کو پرتگیزوں نے ایرانیوں سے چھینا ہوا تھا۔ مگر ۱۶۲۲ سولہ سو بائیس عیسوی میں ایرانیوں نے انگریزوں کی مدد سے پھر واپس لے لیا۔ (تاریخ ہند منشی ذکاء اللہ)

۵۲ ہندوستان کی دولتمندی کی شہرت نے مدتوں سے یورپ کی اکثر قوموں کو اِس مُلک کے ساتھ تجارت کا سلسلہ جاری کرنے کے لیئے بیچین کر رکھا تھا۔ مگر خشکی کے راستہ کی مشکلات اور سمندر کی راہ معلوم نہونے کی وجہ سے سب لاچار تھے لیکن پُرتگیزوں کے بادشاہ امان ویل کے عہد میں اُسکا اولوالعزم امیر البحر واسکوڈی گاما

بھیجدیئے تاکہ شائستہ خاں کی فوج کو آسانی کے ساتھ چاٹگام میں پہنچا دیں چونکہ اس عرصہ میں شائستہ خاں نے بھی گنجی اس وغیرہ قسم کی بڑی بڑی کشتیاں جمع کر لی تھیں پس اُسنے اِن قزاقوں کو اس طرح پر دھمکایا کہ اگر فوراً اطاعت قبول نکروگے تو نیست و نابود کر دیئے جاؤ گے۔ کیونکہ اورنگ زیب نے اراکان کے راجہ کی سزادہی کا ارادہ مصمم کر لیا ہے۔ اور ڈچوں کے جنگی جہازوں کا ایک طاقت ور بیڑا بھی جسکا تم مقابلہ نکر سکوگے بہت جلد آنے والا ہے۔ پس اگر تمکو کچھ عقل ہے۔ اور اپنی اور اپنے اہل و عیال کی خیریت چاہتے ہو تو راجہ کی نوکری چھوڑ کر شاہی ملازمت اختیار کر لو اور جسقدر تمکو ضرورت ہو بنگالہ میں زمین عطا کیجائیگی اور راجہ کے ہاں سے جتنی تنخواہ ملتی ہے اُس سے دوچند دیجائیگی"۔

جب اپنے بادبانی جہازوں کے ذریعہ سے ایک پُرمصیبت اور خطرناک اور طولانی سفر طے کر کے ۱۴ جولائی ۱۵۹۸ چودہ سو اٹھانوے عیسوی میں ساحل ملابار پر آپہنچا (جسکا مفصل حال اُس حاشیہ میں درج ہے جو اس جلد کے خاتمہ میں لگایا گیا ہے) تو اُس وقت سے تو برس کے عرصہ تک تو مشرقی سمندروں اور جزیروں اور سواحل ہندوستان میں انہیں کا غلبہ اور دور دورا رہا۔ مگر جب سنہ ۱۶۰۱ سولہ سو عیسوی میں ڈچ لوگ سپین کی حکومت سے آزاد ہو گئے تو انہوں نے بھی ہندوستان کی تجارت کے لیئے کمپنیاں بنائیں اور ایسے بڑھے کہ بحرالہند میں دا استوا کے قریب جزیرہ جاوا وغیرہ پر جہاں ابتک شہر بٹیویا انکی حکومت کا صدر مقام ہے قابض ہو گئے۔ اور پھر جہاں کہیں قابو پایا پرتگیزوں کو بھی پس پا کرنا شروع کیا یہانتک کہ مشہور اور زرخیز جزیرہ لنکا بھی جو اب گورنمنٹ انگریزی کی حکومت میں ہے ڈچوں نے پرتگیزوں سے چھین لیا۔ اور اسقدر ترقی پائی کہ پرتگیز پست ہو گئے اور خاص ہندوستان کی تجارت اور بندرگاہوں میں بھی آخر کار انہیں کا غلبہ ہو گیا۔ اسی زمانہ کے قریب یعنی ۱۵۹۹ پندرہ سو ننانوے میں انگریزوں نے بھی اپنی نا

اتفاقاً انہیں ایام کے قریب اِن قزاقوں نے راجہ اراکان کے ایک بڑے عہدہ دار کو مار ڈالا تھا۔ اَب اگرچہ یہہ بات تو ٹھیک معلوم نہیں کہ راجہ کی سزا دہی کے اندیشہ نے انہیں ڈرایا یا شائستہ خان کی دھمکیوں اور وعدہ وعیدوں نے اثر کیا۔ مگر یہہ امر متحقق ہے کہ ایک دن اِن نالائق پرتگیزوں پر ایسا خوف طاری ہوا کہ یک لخت چالیس پچاس گالیاسوں میں بیٹھکر بنگالہ کو چل پڑے۔ اور ایسے اضطراب سے روانہ ہوئے کہ اس ہڑبڑاہٹ میں جورو بچّے اور مال و اسباب بھی مشکل ساتھ لا سکے۔ شائستہ خان اِن نئے ملاقاتیوں سے بڑے اخلاق کے ساتھ ملا اور بہت سا روپیہ اُن کو دیا اور شہر ڈھاکہ میں اُن کے اہل وعیال کے رہنے کے لیئے عمدہ بندوبست کر دیا۔ اور اس طرح پر اُن کو اُسکے حُسن سلوک کا ایسا بھروسہ ہوگیا کہ از خود بادشاہی لشکر کے ساتھ مہم پر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ اور جزیرہ

نقشہ کاشفہ صفحہ ۳۱۳ ملکہ کوئین الزبتھ کی اجازت سے ہندوستان کی سوداگری شروع کی۔ اور اُن کے بعد ۱۶۱۲ء سولہ سو میں ڈنمارک والوں نے جو یورپ کی ایک چھوٹی سی قوم ہے اور جنکو ڈینز کہتے ہیں اوّل مدراس کی طرف سمندر کے کنارے ترنکی بار میں (جسکا صحیح نام تلنگم باڑی معلوم ہوتا ہے) جو تنجور کے راجہ سے خرید لیا تھا۔ اور پھر کلکتہ کے قریب سیرام پور میں اپنی کوٹھیاں کھولیں اور سب سے پیچھے ۱۶۶۴ء سولہ چونسٹھ عیسوی میں فرانس کے قابل دلایق وزیر کول برٹ نے بھی جسکو ڈاکٹر برنیر نے اپنا خط جو اس جلد کے خاتمہ میں ہے نذر کیا تھا) تجارتی کمپنی کھڑی کی اور فرنچوں نے قصبہ چندرنگر معروف فرانس ڈانگا کے علاوہ جو کلکتہ کے پاس ہے مدراس کے قریب* پانڈے چری کو اپنا صدر مقام قرار دیکر ایسے زور و شور سے قدم جمائے چاہے کہ گویا ہندوستان کے مالک ہی ہو چلے تھے۔ مگر اتفاقات وقت سے اِن سب قوموں کا فروغ یکے بعد دیگرے گھٹتا گیا۔ اور خداوند تعالیٰ نے صرف انگریزوں کو

* صاحب جام جہاں نما اسکا صحیح نام پتوچری بتاتے ہیں۔ س م ح۔

سوندیپ پر چڑھائی کرنے اور فتح کر لینے میں (جو کچھ دنوں سے راجہ اراکان کے قبضہ میں چلا گیا تھا) شریک ہوئے اور پھر یہاں سے بادشاہی فوج کے ساتھ چاٹگام کو گئے۔ اب اگرچہ ڈچوں کے وہ دونوں جنگی جہاز بھی آ پہنچے مگر شائستہ خاں نے اُن کے سرداروں کی مہربانی کا شکریہ ادا کرکے یہہ کہلا بھیجا کہ اب آپ کے تکلیف کرنے کی کچھ حاجت نہیں رہی۔

بنگالہ میں یہہ جہاز مینے بھی دیکھے تھے اور اُن کے عہدہ داروں سے مُلاقات بھی ہوئی تھی جو اس بات کے شاکی تھے کہ اس ہندوستانی سردار نے محض زبانی جمع خرچ اور خشک شکریہ پر ہی اُنکو ٹالا اور شروط مقررہ کا کچھ لحاظ نکیا۔

پرتگیزوں کے ساتھ شائستہ خاں کے طرز سلوک کا ذکر۔

شائستہ خاں کا برتاؤ اِن پرتگیزوں کے ساتھ اگرچہ ویسا نہیں ہے جیسا کہ شاید لحاظ اُنکی خدمات کے ہونا چاہیئے تھا مگر ہاں وہ اُن سے اُس سلوک سے پیش

جو اِن سب میں دور تر جزیرہ کے رہنے والے اور تعداد میں چار پونے چار کروڑ سے زیادہ تھے اوصاف و اقبال خداداد کی وجہ سے اِس ملک کا شہنشاہ اور یہاں کے چھبیس ستائیس کروڑ باشندوں کا مختار مطلق بنا دیا۔ منجملہ اِن پانچوں قوموں کے ہندوستان میں اب ڈچوں اور ڈنمارکیوں کی حکومت کسی جگہ نہیں ہے۔ البتہ گورنمنٹ انگریزی کی رعایت اور اُس باہمی لحاظ و ملاحظہ سے جو اِن سلطنتوں کے باہم یورپ میں ہے فرنچوں کی حکومت پانڈیچری میں مع اُسکے علاقہ متعلقہ کے اور نیز قصبہ چندرنگر میں ملی آتی ہے اور پرتگیزوں کی حکومت بھی گوا میں اور نیز جزیرہ دیو متعلقہ کاٹھیاواڑ میں باقی ہے مگر فی زمانہ یہہ دونوں حکومتیں ہندوستان کی عام نظم و نسق کے اعتبار سے ایسی عیسوں اور بے وقعت ہیں کہ یہاں کے اُمور پولیٹکل میں اُن کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ س م ح

آتا ہے جسکے کہ وہ واقع میں لایق ہیں۔ اُسنے چاٹگام سے تو اِن کو اُکھیڑ ہی دیا ہے۔ اور وہ اَب اپنے اہل وعیال سمیت اُسی کے قابو میں ہیں۔ اور اُن کی امداد کی بھی کچھ حاجت نہیں رہی اسلیئے اُسنے سمجھ لیا ہے کہ جو وعدے ان سے کیئے گئے تھے اُن میں سے اَب کسی کے بھی ایفا کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ کئی کئی مہینے گزر جاتے ہیں کہ تنخواہ کی بابت پھوٹی کوڑی تک نہیں ملتی۔ اور وہ علانیہ کہا کرتا ہے کہ یہہ ایسے دغاباز اور نالایق ہیں کہ جس راجہ نے اِن سے اسقدر سلوک کیئے تھے یہہ پاجی اُسی کے ساتھ بے ایمانی سے پیش آئے۔ اور اسلیئے اِن پر بھروسہ کرنا نادانی ہے۔ اور اس طرح سے اُسنے چاٹگام میں اِن پرتگیزوں کی طاقت کے چراغ کو بجھا دیا جنہوں نے بنگالہ کے نیچے کے حصّہ میں اسقدر اندھیر مچا کر تمام ملک کو ویران اور بے چراغ کر دیا تھا۔ اور یہہ امر زمانہ کے گزرنے پر معلوم ہوگا کہ آیا شائستہ خاں کو ایسی ہی کامیابی اراکان کی مہم میں بھی ہوتی ہے یا نہیں*

* دریائی غارتگری اور عایاے بادشاہی کو لوٹ لینے اور پکڑ لیجانیکے الزام جس تفصیل و توضیح سے مصنف نے اپنے اس تمام بیان میں چاٹگام کے پرتگیزوں کی نسبت لکھے ہیں بہ سبب اِسکے کہ اُسکی یہہ تحقیقات ایک یورپین قوم کے حالات سے متعلق ہے ہمارے نزدیک بالنسبت کسی فارسی مورخ کی تحریروں کے یہی بیان زیادہ اعتماد اور سند کے لایق ہے۔ مگر صاحب عالمگیرنامہ نے جس طرح پر اس مہم کے واقعات کو لکھا ہے وہ یوں ہے کہ اُسنے چاٹگام کے پرتگیزوں کی نسبت کوئی الزام نہیں لگایا۔ اور بیان واقعات میں جو عموماً بدنیتی کے بیان کے قریب قریب ہے اِن کل حرکتوں کا ملزم خود اراکانیوں کو بتایا ہے اور دریائی لڑائی اور فن کشتی رانی میں جو فوقیت اُسنے پرتگیزوں سے منسوب کی ہے صاحب عالمگیرنامہ نے اسکو بھی اراکانیوں

اورنگ زیب کے بیٹوں محمد سلطان اور محمد معظم کا ذکر

محمد سلطان تو ابتک قلعہ گوالیار میں قید ہے۔ لیکن کہتے ہیں کہ اُسکو وہ پوستوں کا معمولی قلیہ اب نہیں پلایا جاتا۔ اور محمد معظم بدستور اپنی ہوشیاری اور سلامت روی کی چال پر چلے جاتا ہے۔ لیکن ایک واقعہ سے ایسا پایا جاتا ہے کہ شاید بادشاہ اُس سے کچھ ناراض تھا۔ اور اس ناراضی کا سبب یا تو یہ ہوگا کہ اپنے باپ کی شدت مرض کے زمانہ میں کوئی خفیہ کارروائی کی ہوگی یا کوئی اور نامعلوم سبب ہوگا۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر کسی مخفی رنجش کے صرف اُسکی جرات اور اطاعت کا امتحان ہی منظور ہو۔ مگر بہرحال اورنگ زیب نے ایک روز بھرے دربار میں اسکو

ہی سے منسوب کیا ہے۔ بلکہ بلالحاظ خوشامد و چاپلوسی اپنے بادشاہ یا حکام سلطنت اس امر کو صاف صاف لکھدیا ہے کہ بہ نسبت بادشاہی نوازہ کے اپنے فن میں یہ لوگ شاق بھی زیادہ تھے۔ اور ان کی جنگی کشتیاں سامان توپخانہ اور مضبوطی اور استحکام میں بھی بہت کشتیوں سے بہت بڑھ کر اور زیادہ عمدہ تھیں اور وجوہ فوج کشی کے متعلق شجاع کے واقعہ کا تو کوئی اشارہ نہیں صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ یہ لوگ اپنی کشتیوں میں چڑھ کر چونکہ چاٹگام کے رستہ سے صوبہ بنگالہ میں داخل ہوکر مذکورہ بالا بدعتوں کے مرتکب ہوتے تھے اسلئے شائستہ خاں نے علاوہ اموری و گشت نوازہ بادشاہی اور زیادہ مستحکم کرنے اپنی سرحد کے مقاموں نواکھالی اور سنگرام گڈھ اور بھلوہ وغیرہ کے خود چاٹگام کا چھین لینا مناسب جانا۔ اور اس ارادہ کی تکمیل کے لئے اوّل تو جزیرہ سوندیپ کو جو چاٹگام کے قریب نواکھالی کے محاذی ہے۔ چاکا دیناسے وہاں کے زمیندار یعنی راجہ سے جو شائستہ خاں کے فرستادہ سرداروں کے ساتھ ایک دوبہت خاصی

یہہ حکم دیا کہ "ایک شیر جو پہاڑ سے اُتر آیا ہے اور گرد نواح کے لوگوں کو تکلیف دیتا ہے اُسکو جاکر مار آئیے" اور اگرچہ بادشاہی میر شکار نے ذرا جُرأت کرکے عرض کیا کہ جہاں پناہ وہ بڑے بڑے جال بھی تو ساتھ جانے مناسب ہیں جو اس خطرناک شکار کیواسطے مخصوص ہیں۔ لیکن بادشاہ نے نہایت رُکھائی سے کہا کہ نہیں!! اُنکی کچھ حاجت نہیں۔ کیونکہ ایّام شہزادگی میں ہمنے تو کبھی اِس قسم کی احتیاطوں کا خیال بھی نہیں کیا۔ اور یہہ حکم ایسے قطعی طور پر دیا کہ شہزادہ کو بلا عذر جانا ہی پڑا۔ اور اگرچہ اس معرکہ میں دو تین آدمی کام آئے اور کچھ گھوڑے بھی زخمی ہوئے اور شیر زخم کھاکر اور جست کرکے شاہزادہ کے ہاتھی کے سر پر بھی آن پڑا مگر مار لیا گیا۔ اور جب سے یہہ جُرأت

لڑائیاں لڑا تھا چھین لیا۔ اور اُسکو اور شریف نامے اُسکے بیٹے کو جو لڑائی میں زخمی ہوگیا مع اہل و عیال کے قید کرلیا۔ کیونکہ یہہ شخص ظاہر میں مطیع سلطنت اور باطن میں اراکانیوں کا مددگار تھا۔ اور باوجودیکہ بذات خود حاضر ہوآنے اور امداد دینے کے وعدے کرچکا تھا۔ مگر اس مہم میں شریک خدمت نہوا تھا بعد اسکے لکھا ہے کہ اُن "فرنگیوں" کی استمالت جو چاٹگام میں رہتے اور راجہ اراکان سے موافقت رکھتے تھے اِس مہم کے سرانجام کے لیئے امر ضروری تھی۔ اسلیئے اَمِیْرُالْاُمَرا نے اُن "فرنگیوں" کو جو اسکے ماتحت بنگالہ کی اور بندرگاہوں میں رہتے تھے بہت سے وعدہ آمیز خطوط لکھکر اُسکی معرفت چاٹگام کے فرنگیوں کے پاس روانہ کیے۔ اتفاقاً اِن میں سے بعض خطوط کرام کبری نام ایک اراکانی سردار نے جسکو راجہ نے اپنے معمول کی موافق دریائی تفرّجی کے لیئے سوندیپ کی طرف بھیجا ہوا تھا پکڑ لیئے اور راجہ کے پاس بھیجدیئے۔ اسلیئے چاٹگام کے فرنگیوں سے راجہ بدظن ہوگیا۔ اور کرام کبری کو لکھا کہ تم اِن سب کو مع انکے متعلقین کے اراکان کو بھیجدو نتیجہ اِس حکم کا یہہ ہوا کہ اراکانیوں سے فرنگی لڑ پڑے اور

اور دلاوری شاہزادہ سے ظہور میں آئی ہے بادشاہ اُس سے بڑی محبت سے پیش آتا ہے۔ اور یہانتک اُسکو بڑھا دیا ہے کہ دکن کی صوبہ داری بھی دیدی ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اُسکے اختیارات خصوصاً صرف زر کے باب میں ایسے محدود ہیں کہ اُس سے کسی تکلیف کے پہنچنے کا اندیشہ نہیں ہوسکتا۔

اُن کی کچھ کشتیوں کو جلا پھونک کر مع اپنے متعلقوں اور متوسلوں کے پچاس جلیوں میں جو سامان جنگ اور توپ بندوق سے بخوبی تیار تھے چاٹگام سے بھاوہ کے تھانہ دار فرہاد خاں کے پاس نواکھالی میں چلے آئے اور اسنے اُن کے بعض سرگروہوں کو امیرالامرا کے پاس بھیجکر باقی کو اپنے پاس ٹھہرالیا۔ امیرالامرا نے اِن کی بہت خاطر کی اور اِن کے ساتھ کئی طرح کی رعایتیں کیں غرضکہ چاٹگام کی فتح کے لیئے جب یہہ ابتدائی بندوبست پورے ہوچکے تو امیرالامرا نے اپنے بیٹے بزرگ امید خاں کو مع چند مسلمان اور ہندو اُمرا اور منصبداروں کے خشکی کے راستہ سے اور فرہاد خاں مذکور اور ابن حسین داروغہ نواڑہ (جو غالباً کوئی عرب تھا) اور میر بحر قضے دار و غہ توپخانہ کو مع کپتان مور سرگروہ فرنگیان چاٹگام اور بعض اُن کے سرداروں کے انعام واکرام وغیرہ سے خوب طرح راضی اور خوش کرکے مع اُن کے کل نواڑہ کے بادشاہی نواڑہ کے ساتھ دریا کے راستہ سے روانہ کیا۔ چونکہ بزرگ امید خاں کو منزل مقصود تک پہنچنے میں جنگلوں کو کٹوا کر اور ندیوں اور دریاؤں کو عبور کرکے بڑی مشکلوں سے کوچ کرنا پڑتا تھا اسلیئے بادشاہی نواڑہ پر جو خشکی کی فوج سے کسیقدر آگے بڑھ گیا تھا اراکانیوں کے نواڑہ نے حملہ کیا۔ اور جانبین سے توپ بندوق اور تیروں سے ایک دریائی لڑائی ہوکر آخرکار اراکانی مغلوب ہوگئے اور دس غراب اور تین جلیے چھنوا کر بھاگ گئے۔ چونکہ ابھی پیچھے سے بڑی بڑی بادشاہی کشتیاں نہیں پہنچ سکتی تھیں اسلیئے ابن حسین نے زیادہ تعاقب کیا۔

مہابت خاں صوبہ دار کابل کا ذکر

(اور مختصر بیان اُن لڑائیوں کا جو ایران اور ہندوستان کے باہم قندھار پر ہوتی رہی ہیں)

اب میں مہابت خاں صوبہ دار کابل کا ذکر کرتا ہوں کہ اسنے بھی آخر کار کابل کی حکومت سے دست بردار ہو کر حاضر ہو جانا ہی مناسب سمجھا۔ اور اورنگ زیب نے بھی از راہ عالی ہمتی اُسکا قصور معاف کر دیا۔ اور فرمایا کہ ایسے سپاہی کی جان بہت قیمتی ہے۔ اور اپنے آقا (شاہجہاں) کے ساتھ اُسکی وفاداری تعریف کے لائق ہے بلکہ عفو قصور کے علاوہ

اور اپنے نواڑہ کو اُن کے نواڑہ سے کسیقدر فاصلہ پر روک لیا۔ جب بزرگ اُمید خاں اس کامیابی کے حال سے مطلع ہوا تو اُسنے میر مرتضےٰ اور فرہاد خاں کو تاکید سے حکم بھیجا کہ جنگل وغیرہ کٹوا کر اور راستہ بنوا کر کوچ کرنے کا خیال تو چھوڑ دیں اور جس طرح بن پڑے ابن حسین کی مدد کو جا پہنچیں۔ چنانچہ جب یہہ لوگ بھی ابن حسین کے نواڑہ کے پاس دریا کے کنارے پہنچگئے تو ابن حسین نے دریائے کرن پھولی میں جہاں اراکانیوں کا نواڑہ ٹھہرا ہوا تھا پہنچکر حملہ کر دیا۔ اور جانبین سے چھ گھنٹہ تک سخت دریائی لڑائی ہوئی جسمیں بہت سے اراکانی مارے گئے۔ بہت سے ڈوب گئے۔ بہت سے پکڑے گئے اور ابن حسین نے فتحیاب ہو کر اپنے بیڑے کو قلعہ چاٹگام کے نیچے جا کھڑا کیا۔ اور اس لڑائی میں کپتان مور مذکورہ صدر نے بھی۔ نہایت عمدہ خدمتیں کیں اور جو فرنگی چاٹگام میں ابتک کسیقدر موجود تھے اور جو اراکان سے اُن کی مدد کو آئے تھے سب ابن حسین کے پاس حاضر ہو گئے۔ اور اس سے دوسرے دن خشکی کے رستہ سے فوج لیکر بزرگ اُمید خاں بھی آن پہنچا اور قلعہ چاٹگام پر دریا اور خشکی دونوں طرف سے حملہ شروع ہوا۔ اہل قلعہ نے اگرچہ

راجہ جسونت سنگھ کی جگہہ (جو شائستہ خاں کی مدد کو سیواجی مرہٹہ کی بیخ کنی کے لیئے) دکن کو بھیجا گیا تھا گجرات کا صوبہ دار بھی مقرر کردیا۔ مگر ہاں اس جگہہ یہہ بات بھی جتا دینے کے قابل ہے کہ علاوہ اُن تحائف کے جو اُسنے روشن ارا بیگم کو دیئے تھے پندرہ سولہ ہزار اشرفیاں اور بہت سے ایرانی اونٹ اور گھوڑے خود بادشاہ کی نذر کیئے تھے۔ پس تعجب نہیں ہے کہ ان تحفوں ہی نے بادشاہ کے دل کو نرم کردیا ہو۔

مہابت خاں کے ساتھ چونکہ کابل کا ذکر آگیا ہے تو اس وجہ سے اسکے ہمسایہ صوبہ قندھار کا خیال بھی خواہ مخواہ میرے دل میں پیدا ہوتا ہے اور لازم ہے کہ اسکے بیان میں بھی دو ایک صفحہ لکھ ڈالوں۔ یہہ صوبہ فی زمانہ

کچھ عرصہ تک بہت سے ہاتھ پاؤں مارے مگر ناکام رہا اور عالمگیر کے آٹھویں سال جلوس میں آخر جب ۱۰۷۶ھ ایکہزار چھہتر ہجری کو چاٹگام کا مشہور و مستحکم قلعہ اور بندرگاہ جسپر بقول صاحب عالمگیرنامہ اس سے پہلے کسی سلمان بادشاہ کا تسلط نہ ہوا تھا مع ولایت چاٹگام اور توپخانہ اور نواڑہ کے حوالہ کرکے چاٹگام کا حاکم جو رابہ اراکان کے چچا کا بیٹا تھا مع اپنے بیٹے اور چند رشتہ داروں اور کسی سوداگر والی مولی کے قید ہوگیا۔ اور ایک سو تیئیس ۱۲۳ جنگی کشتیاں اور ایکہزار چھبیس ۱۰۲۶ برنجی اور آہنی توپیں اور بہت سی بندوقیں اور زنبورک اور سکہ و باروت بیشمار مع اور مصالح توپ خانہ اور چند ہاتھیوں کے قبضہ میں آیا۔ اور بنگالہ کی رعایا میں سے جو ایک خلق کثیر مدتوں سے انکی قید میں تھی انہوں نے رہائی پائی اگرچہ اسکے بعد بزرگ اُمید خاں کے حکم سے میر مرتضےٰ نے قلعہ بندر رامبو کو بھی جو چاٹگام سے چار منزل آگے مابین چاٹگام اور اراکان کے تھا اور بیچ میں دشوار گزار جنگل اور ندیاں نالے اور پہاڑ واقع تھے رابہ اراکان کے بھائی سے جنگ و جدال کے بعد چھین لیا۔ مگر چونکہ ایام برسات میں چاٹگام اور رامبو کے درمیان پانی ہی پانی ہو جاتا ہے۔ اور گھنے جنگلوں اور ندیوں نالوں

سلطنت ایران کا باجگزار ہے۔ اسکے حالات اور خصوصاً اُس پولیٹکل حسد اور مخالفت کے خیالات سے جو اس ملک کے باعث اِیران اور ہندوستان کے بادشاہوں کے باہم پیدا ہوتے رہتے ہیں لوگ بہت کم واقف ہیں۔

پس واضح ہو کہ یہہ ملک اور اس کا دارالحکومت جو اس زرخیز اور خوشنما صوبہ کے اندر ایک مستحکم قلعہ ہے دونوں کو قندھار ہی کہتے ہیں۔ اور اسپر قبضہ حاصل کرنے کی خاطر ایرانیوں اور سلاطین مغلیہ کے باہم ایک مدت سے برابر خونریز لڑائیاں ہوتی رہی ہیں۔ چنانچہ شہنشاہ اکبر نے اسکو ایرانیوں سے چھین لیا تھا۔ اور اُسکے عہد تک برابر اُسپر قبضہ رہا مگر شاہ عبّاس نے اُسکے بیٹے جہانگیر سے پھر لے لیا۔ اور شاہ جہاں کے وقت میں علی مَردان خان کی نمکحرامی سے جو یہاں کا حاکم تھا اور شاہ جہاں سے سازش کر کے فوراً اپنے اس نئے آقا کی پناہ میں چلا آیا تھا پھر سلطنت مغلیہ کے قبضہ میں آگیا۔ اور باعث اس کا یہہ ہوا تھا کہ دربار ایران میں علی مَردان خان کے بہت سے دشمن تھے اور وہ خوب جانتا تھا کہ اگر ان دشمنوں کی تعمیل کرونگا جو

اور پہاڑوں کے علاوہ دو ایسے دریا بھی ہیں کہ جن سے بدون کشتی کے عبور نہیں ہو سکتا۔ اسلیئے قرب رسات کے اندیشے اور قلت رسد کے خیال سے فتح کے بعد اس مقام کو چھوڑ دیا گیا۔ اور عالمگیر نامہ میں جو تفصیلات ہیں اُن کا حساب لگانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مہم میں دس بارہ ہزار سے کم فوج مامور نہ تھی۔ ۱۲ س م ح

صوبہ کا حساب سمجھانیکے بارہ میں صادر ہوئے ہیں تو کیا نتیجہ ہوگا۔
اسکے بعد شاہ عبّاس کے بیٹے نے محاصرہ کر کے اسکو پھر فتح کر لیا اور
اگرچہ شاہ جہاں نے دو دفعہ فوج بھیجی مگر دونوں دفعہ ناکامیاب ہی ہا
۔ چنانچہ پہلی دفعہ کی ناکامیابی کا سبب تو اُن ایرانی اُمرا کی نمکحرامی
تھی جو شاہ جہاں کے دربار میں سب سے بڑھکر ذی اقتدار تھے اور
باطن میں اپنے ملک کو نہایت عزیز جانتے تھے۔ جنہوں نے اس
محاصرہ میں نہایت قابل شرم پہلوتہی کی اور راجہ بُروپ سنگھ کو جسنے
اپنا نشان اُس دیوار پر جا گاڑا تھا جو سب سے زیادہ پہاڑ کے قریب تھی
مدد نہ دی۔ اور دوسری بار ناکامیاب رہنے کا باعث اورنگ زیب
کا رشک و حسد تھا جسنے اُس راستہ سے جو انگریزوں پرتگیزوں جرمن
اور فرانسیسوں کی توپوں نے دیوار قلعہ کو توڑ کر خاصہ گزر کے قابل بنا دیا
تھا حملہ کر کے داخل ہی ہونا نہ چاہا۔ کیونکہ اس مہم کا آغاز دارا شکوہ نے
کیا تھا جو اُس وقت باپ کے ساتھ کابل میں تھا اور اورنگ زیب کو یہہ
بات گوارا نتھی کہ اس قابل قدر ارادہ میں کامیاب ہونے کی ناموری
دارا شکوہ کو حاصل ہو۔ اگرچہ شاہ جہاں نے شاہزادوں کے باہمی
جنگ سے چند سال پہلے تیسری دفعہ بھی قندھار کا محاصرہ کرنا چاہا
تھا لیکن میر جُملہ نے اس مہم سے روکدیا۔ اور جیسے کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں
اسکی عوض دکن پر فوج کشی کرنے کی صلاح دی اور علی مردان خان
نے بڑے زور سے اُسکے دلائل کی تائید کی بلکہ یہہ عجیب لفظ کہے کہ

"حضور قندھار کو کبھی فتح نہ کر سکینگے جبتک کہ کوئی مجھسا ہی نمک حرام اُسکا پھاٹک نہ کھول دے یا حضور تمام ایرانیوں کو جو سپاہ میں ہیں فوج محاصرہ سے بالکل خارج نکر دیں۔ اور اس مضمون کا اشتہار جاری نہ فرما دیں کہ بازاری لوگوں سے جو فوج کیلئے رسد لائیں کسی طرح کا محصول نہ لیا جائیگا"

چند سال ہوئے کہ اورنگ زیب نے بھی بہ تقلید اپنے بزرگوں کے یا تو اُس نامہ سے جو شاہ ایران نے لکھا تھا یا اُس کم التفاتی سے جو اسکے سفیر تربیت خاں کی تعظیم و تکریم کے باب میں دربار ایران کی طرف سے وقوع میں آئی تھی ناراض ہوکر قندھار پر مہم کی تیاری کی تھی لیکن شاہ ایران کے انتقال کی خبر سُنکر ملتوی کر دی اور یہہ بات بنائی کہ ہمارا دل گوارا نہیں کرتا کہ ایک لڑکے پر جو ابھی تخت نشین ہوا ہے چڑھائی کریں! حالانکہ میرے قیاس میں شاہ سُلیماں کی عمر جو باپ کی جگہہ تخت نشین ہوا ہے پچیس برس سے کم نہیں ہے۔

اورنگ زیب کے گھر سے ہواخواہوں کا ذکر

اَب مَیں اورنگ زیب کے سرگرم رفیقوں کا جنمیں سے اکثر کو بڑے بڑے منصب اور عہدے دیئے گئے تھے ذکر کرتا ہوں۔

واضح ہو کہ اورنگ زیب کا ماموں شائستہ خاں تو جیسا کہ مینے اُوپر ذکر کیا ہے دکن کا صوبہ دار بنایا گیا۔ اور جو فوج وہاں کام دے رہی

تھی اُسکی سپہ سالاری بھی اُسی کو دی گئی اور آخر کار بنگالہ کی صوبہ داری پر سرافراز ہوا۔ اور اَمیر خاں کو کابل۔ خلیل اللہ خاں کو لاہور۔ مہابت خاں کو الہ آباد۔ لشکر خاں کو پٹنہ اور اَلہ ویردی خاں کے بیٹے کو جسکے باپ کی صلاح سے سلطان شجاع نے بھجوہ کے مقام پر شکست کھائی تھی سندھ کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ فاضل خاں کو جسکی معقولیت اور دانشمندانہ صلاح مشوروں سے اورنگ زیب کو بہت بڑی مدد ملی تھی خانسامانی کا عہدہ ملا۔ دہلی کی صوبہ داری دانشمند خاں کو عنایت ہوئی اور اس رسم قدیم کے بجالانیسے کہ ہر ایک امیر کو صبح و شام تسلیمات کے واسطے دربار میں حاضر ہونا لازم ہے (اور اگر اسمیں کبھی فروگزاشت ہو جائے تو جرمانہ بھرنا پڑتا ہے) خصوصیت کے ساتھ اس وجہ سے معاف کیا گیا کہ سیر کتب اور مطالعہ کا اُسکو نہایت شوق ہے۔ اور اسکے علاوہ صیغہ دول خارجہ کے متعلقہ کاموں میں بھی بہت وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔

دیانت خاں کو کشمیر کی صوبہ داری عطا ہوئی۔ جو اگرچہ دشوار گزار اور مختصر سا مُلک ہے۔ مگر ایسا پُرفضا قطعہ ہے کہ ہندوستان کا بہشت گنا جاتا ہے اور جسکو اکبر نے ایک حیلہ سے فتح کر لیا تھا۔ اور اس بات کا فخر اُسکو حاصل ہے کہ اُسکی صحیح تاریخ خود وہیں کی زبان میں موجود ہے جسمیں شاہان سلف کے ایک طول طویل سلسلہ کا دلچسپ حال مندرج ہے جو کسی زمانہ میں ایسے طاقتور تھے کہ تمام ہندوستان کو لنکا تک فتح کر لیا تھا۔ ان تاریخوں کا ترجمہ خلاصہ کے طور پر جہانگیر نے فارسی زبان میں کرایا تھا جسکی ایک نقل

میرے پاس بھی موجود ہے۔ اس موقع پر یہہ امر بھی ذکر کے لایق ہے کہ اورنگ زیب نے نجابت خاں کو جسنے سمونگڑھ اور کھجوہ کے معرکوں میں بڑی شجاعت دکھلائی تھی اُسکے منصب سے گرا دیا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہہ بیعزتی اُسکو اسلیئے نصیب ہوئی تھی کہ اُسنے اپنی حدمتیں بار بار جتلائی تھیں اور منجملہ اُن دو بدذاتوں یعنی جیون خاں اور نذیر کے جیون خاں کے مقدّر کی سرگزشت کہ جسکا وہ حقیقتاً مستحق تھا میں پہلے ہی لکھ آیا ہوں اور یہہ بات کچھ تحقیق نہیں کی گئی کہ نذیر کا انجام کیا ہوا۔

راجہ جسونت سنگھ اور جے سنگھ اور سیواجی مرہٹہ کا ذکر

جسونت سنگھ اور جے سنگھ کی حالت اگرچہ کچھ مبہم سی ہے مگر میں اُسکی توضیح میں کوشش کرونگا۔ واضح ہو کہ بیجاپور میں ایک ہندو نے بغاوت کرکے کئی بڑے بڑے قلعوں اور بندرگاہوں پر جو شاہ بیجاپور کے متعلق تھے قبضہ کرلیا تھا۔ اور اس قسمت آزمائی کرنے والے نڈر شخص کا نام سیواجی ہے جو ایک بڑا ہوشیار صاحب داعیہ اور ایسا متہوّر آدمی ہے کہ اپنے مرنے جینے کی اُسکو پرواہی نہیں ہے۔ چنانچہ جس زمانہ میں کہ شائستہ خاں دکن کا صوبہ دار تھا وہ اسکو شاہ بیجاپور کی تمام سپاہ اور اِن راجاؤں کی متفقہ قوّت کی بہ نسبت جو کسی دشمن عام کے مقابلہ میں اسکے ساتھ شامل ہو جایا کرتے ہیں زیادہ خوفناک پاتا تھا۔

شائستہ خاں پر سیواجی کا حملہ

اِس شخص کی جرأت و جسارت کو اسی پر قیاس

کر لینا چاہیئے کہ باوجودیکہ شائستہ خاں کی سپاہ گرداگرد اُتری ہوئی تھی اور شہر اورنگ آباد فصیل سے بھی محصور تھا مگر اسپر بھی ایک رات صرف چند سپاہیوں کے ساتھ شائستہ خاں کے مکان کے اندر اس ارادہ سے جا پہنچا کہ شائستہ خاں کو پکڑ کر اُسکے تمام مال و دولت پر قابض ہو جائے اور اگر تھوڑی دیر اور خبر نہ ہوتی تو کچھ شک نہیں ہے کہ یہہ اپنے منصوبہ میں ضرور کامیاب ہو جاتا۔ چنانچہ شائستہ خاں اس موقع پر سخت زخمی ہوا۔ اور اُسکا بیٹا میان سے تلوار نکالتے ہوئے مارا گیا۔

سیواجی کا بندرگاہ سورت کو لوٹنا اور جسونت سنگھ کی سازش کا شبہ

اِس سے تھوڑے ہی دنوں بعد اسنے ایسا ہی ایک اَور چھاپا مار اجسمیں زیادہ کامیابی ہوئی یعنی چپکے سے دو تین ہزار چیدہ سپاہی ساتھ لیکر اپنے لشکرگاہ سے نکل کھڑا ہوا۔ اور یہہ مشہور کیا کہ ایک راجہ بادشاہ کے سلام کو دِھلی جاتا ہے اور جب شہر سُورت کے قریب پہنچا اور وہاں کا حاکم اُسکو ملا تو اُسے یہہ دم دیدیا کہ میرا قصد شہر میں جانے کا نہیں ہے سیدھا باہر باہر جاؤنگا (حالانکہ اس منصوبہ کا اصل مُدّعا اسی مشہور اور دولتمند بندرگاہ کو لوٹنا تھا) اور آپ تلوار پکڑ کر شہر میں آن گھُسا اور تین دن تک لوگوں کو سخت تکلیفیں اور عذاب دے دیکر خوب نچوڑا اور بقدر کئی ملین* روپیہ کے سونے۔ چاندی۔ اور موتیوں اور ریشمی کپڑوں اور عمدہ ململوں اور تجارتی جنسوں سے لاد کر چلتا پھرتا نظر آیا۔ اور جو چیز اُٹھا نہ سکا اُسکو پھونک

* ایک ملین دس لاکھ روپیہ کا ہوتا ہے۔

جلا کر خاک سیاہ کر گیا۔

چونکہ اس موقع پر کسی نے اس سے اتنا بھی نہ پوچھا کہ تیرے مونہہ میں کے دانت ہیں اس وجہ سے یہہ شبہ پیدا ہو گیا کہ اسکے اور راجہ جسونت سنگھ کے باہم خفیہ سازش ہے۔ اور شائستہ خاں پر حملہ کرنا اور سورت کو لوٹنا سب اُسکے علم و اشارہ سے ہے۔ اسلیئے راجہ دکن سے واپس بُلایا گیا۔ مگر وہ دہلی آنے کی جگہہ اپنی ریاست کو چلا گیا۔

لو! یہہ کہنا تو میں بھول ہی گیا کہ سیواجی۔ نہیں نہیں وفرم آقا سیواجی صاحب!! نے سورت کو لوٹتے وقت ریورینڈ فادر ایمبروز Ambrose کے مکان کو جو فرقہ کے کپوشین Capuchins میں سے ایک مشنری تھے ہاتھ تک نہیں لگایا اور کہا کہ فرنگیوں کے پادری نیک شخص ہیں اِن کو ستانا نہیں چاہیئے! اسی طرح ایک ہندو کے مکان کو بھی (جو ڈچ سوداگروں کی دلالی کا کام کرتا تھا) اسلیئے نہ چھیڑا کہ وہ بہت سخی اور پُن وان مشہور تھا۔ انگریزوں اور ڈچوں کے مکانات بھی بچے رہے۔ لیکن اس کا سبب یہ نہ تھا کہ سیواجی اِن کا کچھ لحاظ کرتا تھا بلکہ اُنہوں نے اپنی ہمت اور دلیری سے اپنے آپ کو بچایا۔ اور انگریزوں نے تو اپنے جہاز کے خلاصیوں وغیرہ کی مدد سے کمال ہی کر دکھایا اور نہ صرف اپنے ہی مکانات بچائے بلکہ پڑوسیوں تک کے مکانوں کو بھی آنچ نہ آنے دی۔ اس موقع پر ایک قسطنطنیہ کے رہنے والے یہودی نے عجیب ہٹ دھلائی جس سے لوگ حیران رہ گئے۔ سیولجی

* کپوشین عورتوں کی طرح برقع پہننے والے عیسائی درویشوں کے ایک فرقہ کا نام ہے۔ س م

نے یہ سُنکر کہ اُسکے پاس نہایت قیمتی یاقوت ہیں (جنکو وہ بیچنے کے لیئے اورنگ زیب کے پاس لیجانا چاہتا ہے) اُسکو تین دفعہ گھٹنوں ٹھلاکر اور ننگی تلواریں تول تول کر ہرچند ڈرایا۔ مگر اُسنے ہرگز نہ بتایا۔ اور یہودیوں کی اس عادت کو کہ روپیہ کو جان سے زیادہ عزیز جانتے ہیں خوب ہی نباہا۔

راجہ جیسنگھ کا سپہ سالار دکن مقرر ہونا اور سیواجی کے ساتھ صلح

سُورت کے واقعہ کے بعد اورنگ زیب نے جَیسنگھ کو فوج نامور دکن کی سپہ سالاری قبول کرنے پر رضامند کیا اور سُلطان محمد معظم کو بھی اُسکے ساتھ بھیجا مگر شاہزادہ کو کسی قسم کا اختیار نہیں دیا۔ اَب راجہ نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ سیواجی کے سب سے بڑے قلعہ پر زور شور سے حملے کرنے شروع کر دیئے۔ مگر اسکے ساتھ اپنے معمولی فن کے موافق جوڑ توڑ اور اور وعدہ وعید سے بھی کام لیتا رہا جسکا حسب دلخواہ یہ نتیجہ ہوا کہ قبل اس سے کہ اہل قلعہ نہایت لاچار ہوکر مغلوب ہوتے سیواجی نے قلعہ حوالہ کر دیا۔ اور یہ شرط بھی قبول کر لی کہ اگر بیجاپور پر فوج کشی کیجائے تو بادشاہی فوج کا ساتھ دونگا۔ اور اورنگ زیب نے بالطاف شاہانہ اُسکو راجہ کا خطاب عنایت کیا اور اُسکے بیٹے کو اُمرا کی ذیل میں داخل کرکے مثل اور امیروں کے وظیفہ مقرر کر دیا۔

سیواجی کے دِھلی میں حاضر ہونے اور پھر خوف کھاکر بھاگ جانے کا ذکر

اس سے کچھ دنوں بعد جو ایران پر چڑھائی کا ارادہ ہوا تھا تو اورنگ زیب نے سیواجی

کو نہایت عنایت آمیز اور خوش آیند الفاظ میں فرمان لکھا اور اُسکی فہم و فراست اور سخاوت و شجاعت وغیرہ کی بہت تعریف کی اور راجہ جیسنگھ بھی جان اور آبرو کی حفاظت کا ضامن بنا - اسلیئے سیواجی بھی مطمئن ہوکر دہلی میں حاضر ہوگیا تھا - مگر اتفاق وقت سے شائستہ خاں کی بیوی بھی اسوقت دہلی میں موجود تھی اور برابر اس امر پر مصر تھی کہ ایسا شخص جسنے میرے بیٹے کو قتل کیا - شوہر کو زخمی کیا - اور بندر سورت کو لوٹا ضرور گرفتار اور قید ہونا چاہیئے - جسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ سیواجی یہہ دیکھکر کہ تین چار امیر اُسکے خیموں کو ہمیشہ تاک میں رکھتے ہیں ایک رات بھیس بدلکر بھاگ گیا - اور اسوجہ سے کہ یہہ شخص قابو سے نکل گیا شاہی محل میں بیگمات کو بہت رنج اور افسوس ہوا اور جیسنگھ کے بڑے بیٹے پر قوی شبہہ ہوا کہ اُسنے سیواجی کو مدد دیکر بھگا دیا ہے - اور اُسکو دربار میں حاضر ہونے سے ممانعت کی گئی -

جے سنگھ کی وفات اور اورنگ زیب کا اُسکے بیٹے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا -

چونکہ اورنگ زیب راجہ جے سنگھ اور اسکے بیٹے دونوں ہی سے خواہ بدل خواہ محض ظاہری طور پر ناراض معلوم ہوتا تھا اس سبب سے راجہ جے سنگھ کو یہہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں اورنگ زیب اس حیلہ سے میری ریاست ہی ضبط نہ کرلے - پس نہایت عجلت کے ساتھ اپنے ملک کے بچانے کو دکن سے واپس آیا لیکن راستہ ہی میں برہان پور پہنچکر مرگیا -

یہہ خبر سُنکر جے سنگھ کے بیٹے کی نسبت اورنگ زیب نے جو اظہار عنایت کیا اور اُسکی اس مصیبت پر اپنا دلی افسوس ظاہر فرمایا اور اُسکے باپ

کے منصب اور جاگیر وغیرہ پر اُسکو بحال کر دیا تو اس سے بہت لوگوں کی یہہ رائے ہوگئی کہ میواجی کا بھاگ جانا خود اورنگ زیب ہی کی چشم پوشی اور اغماض سے ہوا ہے اور وہ یہہ گمان کرتے تھے کہ چونکہ بیگمات کو میواجی سے نہایت ہی نفرت تھی اور اُن کے رنج اور تلخی و تندی کا کچھ ٹھکانا نتھا اور وہ یہہ سمجھتی تھیں کہ وہ ایک ایسا خبیث ہے کہ جسنے اُن کے عزیزوں اور قرابت داروں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہیں۔ اسلیئے اورنگ زیب بھی دربار میں اُسکی موجودگی سے دق ہوگیا ہوگا۔

مُلک دکن میں سلطنت گولکنڈا اور بیجاپور کی اصل و بنا اور شاہان مغلیہ کے ساتھ اُنکے تعلّقات اور لڑائی جھگڑوں وغیرہ کا ذکر

اَب مَیں دکن کے واقعات پر ایک مجمل نظر ڈالنا چاہتا ہوں جو ایک ایسا مُلک ہے کہ چالیس برس سے زیادہ عرصہ سے برابر لڑائیوں بھڑائیوں کا گھر رہا ہے۔ اور جسکے واسطے سلاطین مغلیہ شاہان گولکنڈا اور بیجاپور اور ان سے کم درجہ کے رئیسوں کے ساتھ اکثر اُلجھے ہی رہتے ہیں تاوقتیکہ اسکے فرمانرواؤں کی حالت اور اُن بڑے بڑے واقعات سے جو اس مُلک میں ہوتے رہتے ہیں بخوبی واقفیت نہو۔ ان لڑائی جھگڑوں کی حقیقت اچھی طرح سمجھ میں آنی ناممکن ہے۔

مُلک دکن کی وسعت

واضح ہو کہ قریب دو سو برس سے مُلک ہند کے اُس قطعہ کی جو مغرب کی طرف خلیج کھمبایت سے شروع ہوکر مشرق کی

جانب جگن ناتھ کے قریب خلیج بنگالہ تک اور جنوب میں راس کماری تک پھیلا ہوا ہے۔ اور جو اہل یورپ کے جغرافیہ کی اصطلاح میں گریٹ اِنڈین پینن شلا کے نام سے معروف ہے یہ حالت تھی کہ شاید باستثناء چند پہاڑی ضلعوں کے یہ تمام ملک ایک خود مختار خاندان کے زیر فرمان چلا آتا تھا۔ مگر راجہ رام راج کی نالیاقتی سے جو اُسی خاندان میں سب سے اخیر راجہ تھا یہ بڑی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اب یہ ملک مختلف مذہب کے کئی فرمانرواؤں کے زیر حکومت نظر آتا ہے۔

گولکنڈا اور بیجاپور کے بادشاہوں کا راجہ رام راج کی غلامی سے بادشاہ بننا

بات یہ ہے کہ رام* راج کے پاس گرجستان کے رہنے والے تین غلام تھے۔ جنکو اُسنے ہر قسم کی عنایات سے ممتاز کر رکھا تھا یہانتک کہ آخر کار اُنکو تین بڑی بڑی صوبوں کا حاکم بنایا۔ چنانچہ ایک تو تقریباً اُن تمام اضلاع کا جو بالفعل سلطنت مغلیہ کے قبضہ میں ہیں حاکم مقرر ہوا۔ اور یہ صوبہ شہر بیدر اور پریندا اور سُورت سے لیکر دریاے نربدا تک پھیلتا تھا۔ اور دولت آباد اُسکا دار الحکومت تھا۔ دوسرا اُس ملک کا حاکم بنایا گیا جو بالفعل سلطنت بیجاپور کے نام سے مشہور ہے۔ اور تیسرے کو وہ ملک سپرد ہوا جسکو گولکنڈا کی سلطنت کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ تینوں غلام نہایت ہی دولتمند اور طاقتور ہوگئے۔ اور چونکہ ان تینوں نے شیعہ مذہب اختیار کرلیا تھا جو اہل ایران کا عام مذہب ہے۔ اسلیئے رام راج کے دربار کے

* اصل میں رام راس لکھا ہے۔ س م ح

ایرانی اُمرا سے اُن کو بہت مدد ملتی تھی - کوئی یہہ نہ کہے کہ یہہ ہندو کیوں بنگئے اسلیئے کہ ہندو نہیں چاہتے کہ کوئی غیر شخص اُن کے مذہبی اسرار سے مستفید ہو - پس اگر وہ چاہتے تب بھی ہندو نہیں بن سکتے تھے - القصّہ اِن تینوں نے متفق ہوکر بغاوت کی جسکا انجام یہہ ہوا کہ رام راج مارا گیا - اور یہہ اپنے اپنے صوبوں میں واپس آکر بادشاہ بن بیٹھے - اور چونکہ رام راج کی اولاد میں کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا جو اِن کا مقابلہ کرسکتا - اسلیئے وہ صرف اُس مُلک میں چپ چاپ بیٹھے رہے جو کرناٹک کے نام سے مشہور ہے اور جسکو ہمارے جہاز رانی کے مختصر نقشوں میں (جنکو چارٹ کہتے ہیں) بِسْ نگر* لکھا ہے اور جہاں اُسکی اولاد ابتک راج کرتی ہے - اور اس جزیرہ نما کے باقی قطعات اُسی وقت سے اُن تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوگئے جو ابتک قایم ہیں اور جنکے رئیس راجہ یا نایک کہلاتے ہیں - اِن تینوں غاصبوں کی اولاد میں جب تک اتفاق رہا اُنپر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکا - اور سلاطین مغلیہ کا خوب مقابلہ کرتے رہے - لیکن جب سے باہمی رشک و حسد نے جگہہ پائی اور اُنہوں نے یہہ چاہا کہ ایک دوسرے کی مدد کے بغیر خود سر ہوکر رہیں تب سے وہ نااتفاقی کے خوفناک خمیازے اُٹھا رہے ہیں اور پینتیس ۳۵ یا چالیس برس ہوئے کہ شہنشاہ مغل نے یہہ دیکھکر کہ اُن کے باہم اتفاق نہیں ہے نظام شاہ کی سلطنت پر جو بانی ریاست سے پانچویں یا چھٹی پشت میں تھا چڑھائی کرکے اُسکو فتح کرلیا ہے - اور

* ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہہ لفظ بجے نگر کی خرابی ہے جو راجہ رام راج کا دارالحکومت تھا - س م ح

دیر ہوئی کہ نظام شاہ اپنے سابقہ دارالحکومت دولت آباد ہی میں قید رہکر قید زندگی سے بھی چھوٹ چکا ہے۔

گولکنڈا کی ضعیف حالت اور سلطنت مغلیہ سے اُسکے تعلقات کا ذکر۔

البتہ شاہان گولکنڈا ابتک حملہ سے محفوظ رہے ہیں۔ لیکن اُن کا یہہ بچا رہنا اُن کی زور و قوت کے سبب سے نہیں ہے بلکہ صرف اسوجہ سے کہ شہنشاہ مُغل کو اوّل اُسکی دونوں ہم جنس اور ہمسایہ ریاستوں پر مہم کرنے اور اُن کے مستحکم مقامات اَمبَر۔ پرینڈا۔ اور بیدر کے لے لینے کی زیادہ ضرورت تھی تاکہ اسکے بعد گولکنڈا پر حملہ کرنا اور بھی آسان ہوجائے اور اُنکی یہہ دانائی اور حسن تدبیر بھی کچھ اُن کے بچاؤ کا باعث تھی کہ اپنی بیشمار دولت میں سے مخفی طور پر شاہ بیجاپور کو ہمیشہ مدد بھیجتے رہتے تھے۔ اور جب کبھی بیجاپور پر حملہ کا اندیشہ ہوتا تھا تو یہہ اپنی فوج بھی سرحد پر بھیجدیا کرتے تھے تاکہ شہنشاہ مغل کو یہہ بات جتلائی جائے کہ گولکنڈا نہ صرف اپنے بچاؤ کے لیئے مستعد ہے بلکہ اگر بیجاپور پر سخت وقت آن پڑیگا تو ہم اُسکے بھی آڑے آنے کو تیار ہیں۔ علاوہ بریں یہہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مغل سپہ سالاروں کو بہت کچھ رشوتیں بھی دی جایا کرتی ہیں اور وہ اسوجہ سے گولکنڈا کے عوض بیجاپور پر مہم کرنے کی رائے کو ہمیشہ اس دلیل سے ترجیح دیتے رہتے ہیں کہ وہ دولت آباد سے زیادہ قریب ہے۔ اور جب سے اورنگ زیب اور گولکنڈا کے بادشاہ حال کے باہم ایک عہدنامہ ہوچکا ہے تب سے تو اصل میں بھی اورنگ زیب کا

چنداں میلان خاطر اسپر چڑھائی کرنے کی طرف معلوم نہیں ہوتا۔ اور اُس روز سے غالباً وہ اُسے اپنا ہی سمجھتا ہے۔ اور چونکہ وہ مدّت سے باجگزار ہے۔ اور بہت سا روپیہ اور وہاں کی بنی ہوئی نہایت عمدہ عمدہ چیزیں اور پیشکو اور سراندیپ اور سیام کے ہاتھی سال بسال خراج کے طور پر بھیجتا رہتا ہے اور اب گولکنڈا اور دولت آباد کے مابین کوئی ایسا قلعہ بھی باقی نہیں رہا جو کسی مخالف کے قبضہ میں ہو اسلیئے اورنگ زیب کو یقین ہے کہ ایک ہی دفعہ کی چڑھائی اس مُلک کی فتح کے لیئے کافی ہوگی۔ لیکن میری رائے میں اورنگ زیب کو گولکنڈا کی فتح سے بجز اسکے اور کسی بات نے نہیں روکا کہ مبادا شاہ بیجاپور اپنے اس اندیشہ سے کہ کل کو یہی دن اُسکے لیئے بھی پیش آنے والا ہے کہیں خود صوبہ دکن ہی کی تاخت و تاراج شروع کردے۔ بیان بالا سے اُمید ہے کہ ناظرین تصوّر کرسکینگے کہ سلطنت مغلیہ اور گولکنڈا کے باہم کس قسم کے تعلّقات ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ گولکنڈا کے قیام و بقا کی حالت بالکل غیر متیقّن ہے۔

اور جب سے کہ وہ مکروہ معاملہ پیش آچکا ہے جو میر جملہ کی تجویز کے موافق اورنگ زیب نے اُس سے برتا تھا۔ شاہ گولکنڈا کے قوائے دماغی میں بھی بالکل فتور آگیا ہے۔ اور سلطنت کی باگ اُسنے نہایت ڈھیلی چھوڑ دی ہے۔ اور رسم مُلک کے موافق نہ کبھی دربار میں آکر بیٹھتا ہے اور نہ انصاف و عدالت کرتا ہے۔ بلکہ اتنی ہمّت بھی نہیں رہی کہ کبھی قلعہ کی دیوار سے باہر نکلے۔ جسکا طبعی اور لازمی نتیجہ یہ ہے

کہ ملک میں ابتری اور بے انتظامی پھیل رہی ہے۔ اور امرا و حکام جو نہ اب بادشاہ کا کچھ حکم ہی مانتے ہیں اور نہ اُس سے کچھ محبت ہی رکھتے ہیں بیحد ظلم کرتے ہیں۔ اور اُمید ہے کہ اگر کبھی موقع ہوا تو رعایا جو اس ظلم و بدعت سے تنگ آرہی ہے بہت جلد اورنگ زیب کی اطاعت قبول کرلیگی جسکی حکومت گولکنڈا کی بہ نسبت بہتر اور منصفانہ ہے۔

اب میں چند باتیں وہ بیان کرتا ہوں کہ جن سے اُس متبدل حالت کا ثبوت ہوتا ہے جسکو یہہ بدبخت بادشاہ پہنچگیا ہے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک تو یہہ ہے کہ ۱۶۶۷ء سولہ سو سرسٹھ میں جبکہ میں گول کنڈا میں تھا اورنگ زیب کی طرف سے ایک سفیر خاص یہہ پیغام لیکر آیا کہ یا تو دس ہزار سوار بیجاپور کی مہم کے لیئے حاضر کرو۔ یا تم بھی مقابلہ کے لیئے تیار رہو۔ پس اگرچہ اس نے فوج کا بھیجنا تو قبول نکیا لیکن اُسقدر روپیہ جو دس ہزار سواروں کی تنخواہ کے لیئے کفایت ہوسکتا ہے۔ اور جس سے اورنگ زیب اور بھی زیادہ خوش ہوا دیدیا اور سفیر کی بہت ہی آؤ بھگت کی۔ اور بہت سے گراں بہا تحایف خود اُسکو دیئے اور ایک بڑا بھاری پیشکش اورنگ زیب کے لیئے روانہ کیا۔

دوسری یہہ کہ اورنگ زیب کا معمولی سفیر جو گول کنڈا میں متعین رہتا ہے احکام جاری کرتا ہے! راہداری کے پروانے دیتا ہے! اور لوگوں کو دھمکاتا اور بدسلوکی کرتا ہے! غرضکہ اُسکی گفتار و رفتار ایسے مطلق العنان طور کی ہے کہ گویا بجائے خود ایک بادشاہ ہے۔

تیسری یہہ کہ میر جملہ کا بیٹا محمد امین خان جو زاید برین ہے کہ اورنگ زیب

کے دربار کا صرف ایک امیر ہے گول کنڈا میں اُسکا اسقدر ادب کیا جاتا ہے کہ اُسکا "ٹاپتا" یعنی دلّال یا گماشتہ جو مچھلی پٹن میں رہتا ہے۔ بندرگاہ کے حاکم کا اختیار رکھتا۔ تمام تجارتی جنسیں خریدتا ہے۔ بیچتا ہے۔ جہازوں پر مال چڑھاتا ہے۔ اُتارتا ہے۔ مگر محصول کی ایک کوڑی تک نہیں دیتا۔ اور نہ اسکے کام میں کوئی دخل دیسکتا ہے۔ عجب بات ہے! کہ میر جملہ کا رعب و داب اس ملک میں اس درجہ تک تھا کہ اُسکے مرنیکے بعد گویا وہ بھی وراثت میں محمد امین خاں کو ملگیا ہے۔

چوتھی یہہ کہ کبھی کبھی ڈچ لوگ گول کنڈا کے سوداگروں کے تمام جہازوں کو مچھلی پٹن کی بندرگاہ میں روکے رکھتے ہیں اور جبتک یہہ بادشاہ اُنکی بات نہیں مان لیتا اُن کو باہر نہیں جانے دیتے۔ اور خود مینے اس بادشاہ پر اُن کو یہہ بیہودہ اعتراض کرتے دیکھا ہے کہ "مچھلی پٹن کے حاکم نے ہمکو انگریزوں کے ایک جہاز پر جبراً قبضہ کر لینے سے کیوں روکا! اور لوگوں کو ہمارے مقابلہ کے لیئے ہتھیار دیکر ہمارے اس ارادہ میں کیوں مزاحم ہوا اور ہمکو یہہ دھمکی کیوں دی کہ تمہاری کوٹھی کو جلادونگا اور تم پردیسی بدمعاشوں کو قتل کرڈالوں گا"

پانچویں علامت اس سلطنت کے زوال کی یہہ ہے کہ یہاں کا چلنی سکّہ نہایت مبتذل حالت میں ہے اور اسلیئے اس مُلک کی تجارت کے حق میں نہایت مضر ہے۔

چھٹی یہہ کہ یہانتک تو نوبت پہنچی ہوئی ہے کہ پرتگیز بھی باوجود اپنی

شکستہ حالی اور افلاس اور حقیر حالت کے اُسکو لڑائی کی دھمکی دینے میں مذبذب نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر مقام سین طامس (جو چند سال ہوئے انہوں نے خود ہی شاہ گول کنڈا کو اس خیال سے دیدیا تھا کہ ڈچ جو اِن سے طاقت میں زیادہ ہیں اُنکو اُسکے حوالہ کر دینے کی ذلّت اُٹھانی نہ پڑی) ہمکو نہ دیدگے تو ہم مچھلی پٹن اور اَور مقامات پر قبضہ کر لینگے اور لوٹ لینگے۔ مگر باوجود اِن سب باتوں کے گول کنڈا ہی میں چند ذی فہم لوگ مجھ سے یوں بھی کہتے تھے کہ بادشاہ کے فہم و فراست میں کچھ بھی فرق نہیں اور اُسنے ضعیف العقلی اور ناقابیم مزاجی اور سلطنت کے معاملات سے بے پروائی کی یہہ سالت صرف اپنے دشمنوں کے دھوکہ دینے کو بنا رکھی ہے۔ اور اسکے ایک ایسا جری بیٹا بھی ہے جو نہایت تیز مزاج بلند خیال گویا ایک پرکالہ آتش شاہزادہ ہے۔ جسکو مصلحتاً عوام کی نظروں سے چھپا رکھا ہے اور کبھی موقع پاکر اُسکو تخت پر بٹھلا دیگا۔ اور جو عہد و پیمان اور رنگ و سب سے کر رکھا ہے اُسکو بالائے طاق رکھدیگا۔

بیجاپور کی کیفیت اَب میں اِن رایوں کی غلطی اور صحت کے فیصلہ کو آیندہ زمانہ پر چھوڑ کر چند الفاظ بیجاپور کی بابت کہنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ شہنشاہ مغل کی طرف سے اس سلطنت کے ساتھ اکثر لڑائی بھڑائی رہتی ہے مگر ابتک یہہ خودسر اور آزاد کہلاتی ہے۔ لیکن اصل بات یہہ ہے کہ جو سپہ سالار بیجاپور کی مہم پر مامور ہوتے ہیں اُن سرداروں کی طرح جو ایسی ہی اَور مہموں پر بھیجے جاتے ہیں یہہ سالار بننے رہنے کے شوق میں اس امر کو غنیمت جانتے ہیں

کہ دربار سے دور رہکر فوج پر سفاہانہ طور سے حکومت کرتے ہیں۔ اور اسلیئے اپنے کام میں دیر و دنگ کرتے اور طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں سے لڑائی کو جو اُن کے اعزاز و اکرام کے علاوہ اُن کی آمدنی کا بھی ذریعہ ہے خواہ مخواہ طول دیتے رہتے ہیں اور اسوجہ سے یہہ بات ہندوستان میں ایک ضرب المثل ہوگئی ہے کہ مُلک دکن تو ہندوستانی سپاہی کی روٹی اور گزارہ ہے!

علاوہ بریں سلطنت بیجاپور میں پہاڑیوں کے اندر دشوار گزار مقاموں میں اسقدر قلعے اور گڑھیاں ہیں کہ جنکا فتح کرنا بہت ہی مشکل ہے اور جو مُلک سلطنت مغلیہ سے ملتا ہوا ہے وہ خصوصیت کے ساتھ چارے اور پانی کے موجود نہ ہونے کے باعث دشوار گزار ہے۔ خصوصاً شہر پایتخت ایک نہایت بے آب و علف زمین پر واقع ہونے کی وجہ سے نہایت ہی مستحکم مقام ہے یہانتک کہ پینے کے قابل پانی صرف شہر ہی کے اندر ملتا ہے۔ مگر باینہمہ اس سلطنت کو بھی چراغ سحری ہی سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ شہنشاہ مغل نے قلعہ پرینڈا پر جو اس مُلک کا دروازہ سمجھنا چاہیئے اور بیدر پر جو ایک مستحکم اور خوبصورت شہر ہے اور اور بڑے بڑے مقامات پر دخل کرلیا ہے۔ اور ان سب سے بڑھکر یہہ امر ہے کہ بادشاہ لاولد مرگیا ہے اور اُسکی بیگم نے جو شاہ گولکنڈا کی بہن ہے ایک لڑکے کو جو اپنا متبنےٰ بناکر پرورش کیا تھا اُسنے اسکا بیہہ اجرویا ہے کہ ابھی چند روز ہوئے جو یہہ شاہزادی حج کرکے واپس آئی تو اُس سے سرد مہری اور حقارت

کے ساتھ پیش آیا۔ اور یہہ بہانہ بنایا کہ ڈچوں کے جہاز میں (جسپر وہ سوار ہوکر مخا کو گئی تھی) اُسکا رویّہ اُسکے رتبہ اور ستورات کی حالت کے مناسب نہ تھا۔ بلکہ یہانتک کہا کہ دو تین جہازیوں سے (جو اپنے جہاز سے علیحدہ ہوکر کمہ تک اُسکے ساتھ گئے تھے) ناجائز تعلق رکھتی تھی۔ *

---

* گول کنڈا اور بیجاپور کے بادشاہوں کا حسب و نسب جس طرح پر برنیر نے بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اصل بات یہہ ہے کہ یہہ بادشاہ راجہ رام راج کے غلام تھے بلکہ بھنیہ خاندان کے بادشاہوں کے غلام تھے۔ چونکہ بھنیہ خاندان کا ذکر لکھے بدون یہہ مضمون مکمل نہیں ہو سکتا اسلیئے پہلے ہم کچھ اسی کا حال لکھینگے اور بعد ازاں اُن کا۔

پس واضح ہو کہ سلطنت بھنیہ کا بانی حسن نامے ابتدا میں ایک گمنام اور ایسا مفلس شخص تھا جو فخر الدین جونا المشہور سلطان محمد شاہ تغلق بادشاہ دہلی کے ایک نجومی برہمن کے پاس کہیں سے آکر نوکر ہو گیا تھا۔ اور دہلی کے پاس جو کچھ سکی زمین تھی اُسمیں کاشتکاری کیا کرتا تھا۔ اس جوتشی کا نام تاریخ فرشتہ میں کانکو بھمن لکھا ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت کے نو وارد مسلمان صحیح لفظ کان کیجی برھمن کی جگہہ اُسکو کانکو بھمن کہتے ہوں گے۔ اتفاقاً حسن مذکور کو اپنے مالک کی اُس زمین میں ہل چلاتے ہوئے کچھ دفینہ مل گیا جو اُسنے اپنے آقا کی خدمت میں بیکم و کاست حاضر کر دیا۔ اس ایمانداری کے باعث سے وہ جوتشی اُسکو اسقدر چاہنے لگا کہ تعریف و توصیف کر کے محمد شاہ کی سرکار میں نوکر کرا دیا۔ اب حسن نے یہہ ایک اور حق شناسی کی کہ بادشاہ کا ملازم ہوکر جو کسیقدر عروج پایا تو اُسمیں اپنا نام ہی حسن کانکو بھمن کندہ کرا لیا۔ جب محمد شاہ تغلق نے دیوگڈہ واقع دکن کا نام دولت آباد رکھکر اُسکو ہندوستان کا دار السلطنت بنانا چاہا۔ تو یہہ شخص بھی مثل اور تحت سرداروں کے قتلغ خاں اور ملک لاچین اُسکے نائبوں کے پاس دیوگڈہ میں تھا اور جب اس بادشاہ کی خبطیانہ اور ظالمانہ

حرکتوں سے سلطنت میں خلل پیدا ہوئے۔ اور دکن میں بغاوت ہوکر ملک لاچین مارا گیا۔ اور تغلقوں کی حکومت جاتی رہی تو اتفاقات وقت سے ۷۴۸ھ سات سو اڑتالیس ہجری میں یہ شخص دکن کا بادشاہ بن بیٹھا۔ اور اپنے پہلے نام اور لقب پر علاء الدین کا لفظ بڑھاکر علاء الدین حسن کانکو بھمن کہلانے لگا۔ حسن آباد گلبرگہ اور احمد آباد بیدر (بدر) اس خاندان کے دارالحکومت تھے۔ اور اس گھرانے کے سترہ بادشاہ ایکسو ستتر برس تک ممالک دکن کے فرمانروا رہے۔ گول کنڈا اور بیجاپور کے سوا ملک بڑاڑ۔ و خاندیس وغیرہ بھی اسی سلطنت میں داخل تھے۔

نظام شاہ بھمنی بارھویں بادشاہ سے لیکر اس خاندان کے اخیر شخص ولی اللہ شاہ بھمنی تک بادشاہی کا تو ایک نام ہی نام تھا۔ کیونکہ امرای سلطنت اپنے اپنے متعلقہ صوبوں میں خود مختارانہ حکومتیں کرتے تھے۔ مگر آخر کار ۹۳۵ھ نو سو پینتیس ہجری میں انہوں نے اس نام کو بھی مٹا ڈالا۔ اور بیجاپور۔ گول کنڈا۔ بڑار۔ خاندیس۔ وغیرہ میں خود اپنے اپنے نام سے جدا جدا بادشاہتیں قائم کرلیں۔ چونکہ اکبر کے وقت سے شاہجہاں کے زمانہ تک خاندیس و بڑاڑ وغیرہ کی حکومتیں سب دہلی کی شہنشاہی میں جذب ہوچکی تھیں۔ اسلئے ہم انکا ذکر قلم انداز کرتے ہیں اور خاندان گولکنڈا اور بیجاپور کا حال لکھتے ہیں۔

گولکنڈا کے خاندان کا بانی سلطان قلی نامے ہمدان کا رہنے والا ایک ترک اور محمود شاہ بھمنی کا غلام تھا۔ اور رفتہ رفتہ ایسا بڑھا کہ اس سلطنت کا وزیر ہوگیا۔ قطب الملک کا خطاب پایا۔ گولکنڈا کا "طرفدار" یعنی صوبہ دار بنا۔ اور آخر کار (جیساکہ اوپر بیان ہوچکا ہے) ۹۳۵ھ نو سو پینتیس ہجری میں خود اپنے ہی نام سے سکہ و خطبہ جاری کرکے قطب شاہ بن بیٹھا۔ اسکی نسل کے یہ بادشاہ ایکسو چھبیس برس تک حکومت کرتے رہے۔ لیکن جب اس خاندان کا اخیر فرمانروا عبداللہ قطب شاہ ساٹھ برس بادشاہت کرکے مرگیا تو اسکا داماد سیدابوالحسن معروف تانا شاہ اسکا جانشین ہوا۔ ڈاکٹر برنیر اپنے بیان سنہ ۱۶۶۵ء میں غفلت اور سستی کا اشارہ اسی کی طرف کرتا ہے۔ اور فی الواقع یہ بادشاہ اپنے وقت کا راجہ اندر

اور گویا عیش و عشرت کا پتلا تھا۔ جسکے عیش و نشاط اور لطافت و نفاست مزاج کے فسانے ابتک زبان زد خلایق اور ضرب المثل چلے آتے ہیں چونکہ یہ اسقدر سست اور کاہل مزاج تھا کہ اپنی پندرہ برس کی حکومت کے زمانہ میں شہر حیدرآباد اور قلعہ گولکنڈا یا اپنے باغ میں جانے آنے کے سوا اسنے اپنے مُلک کو کبھی سیر و شکار کی خاطر بھی جاکر نہ دیکھا تھا۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے سابقہ ہم جنسوں کی طرح آخر یہ بادشاہی بھی دہلی کی اعلیٰ سلطنت کا ایک جزو ہوگئی۔ یعنی جفاکش اور اولوالعزم شہنشاہ اورنگ زیب نے اپنی عمر کے بہترہویں سال مطابق ۱۰۹۸ھ ایکہزار چھیانوے ہجری میں شہر حیدرآباد کو اور بعد ازاں ۱۰۹۹ھ ایکہزار اٹھانوے ہجری میں قلعہ گولکنڈا کو مدت کے محاصرے اور سخت حملوں کے بعد تاناشاہ سے چھین لیا۔ اور اسکی پچاس ہزار روپیہ سالانہ پنشن مقرر کرکے قلعہ دولت آباد میں نظربند کر دیا۔

اسی طرح بیجاپور کی سلطنت کا بانی گرجستان کا رہنے والا محمد یوسف نام ایک دوسرا غلام تھا۔ جسکو بعض خوشامدی مورخوں نے سلاطین آل عثمان یعنی روم کے ترک بادشاہوں کی نسل میں جا ملایا ہے۔ اسکو شہاب الدین محمود بہمنی نے خریدا تھا جو خوش قسمتی سے رفتہ رفتہ بیجاپور کا طرفدار اور آخر کار خود سر ہوکر عادل خاں سے عادل شاہ بن گیا۔ اسی کے پوتے ابراھیم عادل شاہ کی کتاب نورس پر مُلّا نورالدین ظہوری ترشیزی نے اپنی وہ فصیح و بلیغ نثر میں جو خوبی و لطافت انشا کی وجہ سے ایران و ہندوستان میں اب تک متداول و مشہور اور سنہ نثر ظہوری کے نام سے معروف ہیں لکھی تھیں۔ یہ سلطنت بھی ۱۰۹۷ھ ایکہزار ستانوے ہجری میں اورنگ زیب نے چھین لی۔ اور سکندر عادل شاہ کو جو ایک لڑکا تھا اپنے امیروں کی ذیل میں داخل کرکے اور خان کا خطاب دیکر لاکھ روپیہ سالانہ گزارہ مقرر کر دیا۔ اگرچہ یہ دونوں گھرانے اخیر تک بادشاہ کہلاتے اور اپنے آپ کو خود مختار سمجھتے تھے۔ مگر سلاطین مغلیہ نہ تو ان کو خود مختار ہی مانتے تھے۔ اور نہ ان کے لقب شاہی کو ہی تسلیم کرتے تھے۔ اور ہمیشہ پیشکشوں اور نذرانوں کے متقاضی اور طلبگار اور اُسوقت کے رسم و دستور کے موافق ہر ایک جائز و ناجائز حیلے سے ان کے پامال کرنے کے لیے آمادہ اور تیار رہتے تھے۔ اور خط کتابت میں ان کے وہی اصلی خطاب

قطب الملک اور عادل خاں اور الفاظ القاب اپنے نوکروں اور صوبہ داروں کی طرح لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ نمونے اِن دونوں کے القابوں کے یہہ ہیں۔

عنوان فرمان از طرف شاہ جہان بنام قطب شاہ سنہ ۱۰۴۶ھ

"ایالت و امارت پناہ ارادت و عقیدت دستگاہ عمدہ امجد کرام سلالۂ اکارم عظام نقاوۂ خاندان عز و علا عضادۂ دودمانِ مجد و اعتلا زبدۂ مخلصانِ صلاح اندیش علامۂ مخصصان سعادت کیش مورد الطاف شاہنشاہی مصدر آیات خیر خواہی جوہر مراۃ صفا و صفوت فروغ ناصیۂ دولت و رفعت سزاوار عاطفت بیکران المخصوص بعنایت الملک المنان قطب الملک مشمول عنایات بادشاہانہ بودہ بداند۔"

ایضاً بنام عادل شاہ بستہ مذکور

"ایالت و شوکت پناہ عدالت و نصفت دستگاہ زبدۂ ارباب دول عمدۂ اصحاب دل خلاصۂ مریدان عادل خاں بوفور عنایات بادشاہانہ مفتخر و مستظہر بودہ بداند۔"

بھمنیہ خاندان کے غلام اور متوسل بادشاہ (جیسا کہ بونیر نے لکھا ہے) سب کے سب شیعہ نہ تھے۔ مگر ہاں گولکنڈا اور بیجاپور والے ضرور شیعہ تھے چنانچہ سلاطین مغلیہ اِن سے کاوش کرنے کے لیئے کبھی کبھی کسی مذہبی بحث کو بھی حیلہ بنا لیتے تھے مگر آخری وجہ گولکنڈا اور بیجاپور کی بربادی کے لیئے یہہ تھی کہ یہہ لوگ سیواجی کے بیٹے سنبھاجی کو مدد دیتے تھے۔ اورنگ زیب نے بذات خود دکن میں پہنچکر گولکنڈا۔ بیجاپور۔ اور سنبھاجی تینوں پر ایک ہی زمانہ میں فوج کشی شروع کی تھی اور راجہ رام راج کا ذکر جس طرح پر ڈاکٹر بونیر نے لکھا ہے وہ بھی درست نہیں ہے۔ بلکہ (بقول سر رمنٹ الفنسٹن صاحب) صحیح حال اُسکا یوں ہے کہ وہ خاص دکن میں (یعنی مدراس کی طرف) شہر سنجے نگر میں ایک بہت بڑا زبردست راجہ تھا۔ بھمنیہ خاندان کے سب غلام بادشاہوں نے جنکا ذکر اوپر ہو چکا ہے متفق ہو کر اُسکا ملک چھیننے کا ارادہ کیا اور چنانچہ یکم جنوری سنہ ۱۵۶۵ع ایکنزار بانسو بیٹھ مطابق بستم جمادی الثانی سنہ ۹۷۲ نوسو بہتر ہجری کو دریائے کرشنا کے کنارے تالی کوٹ کے قریب جانبین سے بڑے اہتمام اور جوش و خروش کے ساتھ ایک نہایت خونریز لڑائی ہوئی جسمیں یہہ ضعیف العمر اور بہادر راجہ مغلوب ہو کر پکڑا اور مارا گیا۔ مگر اصل مطلب

سیواجی کی خودسری اور اُسکی روزافزوں طاقت کا ایک مختصر ذکر

سیواجی جسکا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے اس سلطنت کی یہہ حالت دیکھکر بہت سے قلعوں پر جو اکثر پہاڑوں کے اندر ہیں قابض ہوگیا ہے۔ اور خود سربادشاہ کی طرح جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ اور شہنشاہ مغل اور شاہ بیجاپور جو کبھی اُسکو دھمکاتے ہیں تو اُن کی باتوں پر ہنس دیتا۔ اور سورت سے لیکر گوا کے دروازے تک کُل مُلک کو تاخت و تاراج کرتا رہتا ہے۔ اور اگرچہ وقتاً فوقتاً بیجاپور کی ریاست کو سیواجی بڑے بڑے صدمے پُہنچاتا رہتا ہے۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ یہہ جری شخص عین وقت پر اُسکے کام بھی آجاتا ہے۔ کیونکہ اورنگ زیب کو ہمیشہ اسی کی تاخت و تاراج کا فکر رہتا ہے۔ اور اُسکی فوجیں ہمیشہ اسکے پیچھے لگی رہتی ہیں اور

کے لحاظ سے نتیجہ اسکا مفسدوں کے حق میں چنداں مفید نہوا۔ کیونکہ مُلک مفتوحہ کی تقسیم پر باہم جھگڑے پیدا ہوگئے۔ اور اسوجہ سے اس راج کے ٹکڑے ٹکڑے ہوکر وہاں کے "پالی گار" یعنی زمیندار ہی اپنے اپنے علاقوں میں راجا بنگئے۔ اور رام راج کے بھائی نے بجے نگر سے اپنی دارالریاست کو مشرق کی جانب منتقل کیا۔ اور آخر کو چندرگڈھی کو اپنی ریاست گاہ بنایا۔ جو مدراس سے شمال و مغرب کی طرف ستّر میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اور زمین کا وہ قطعہ جو انگریزوں نے اپنے کارخانہ کے لیئے پہلے پہل مدراس میں لیکر آخر کار قلعہ سینٹ جارج تعمیر کیا اسی شخص کی اولاد کے ایک راجہ سے سنہ ۱۶۳۹ع ایکہزار چھ سو چالیس عیسوی میں لیا تھا۔ س م ح

(ماخوذ از تاریخ فرشتہ۔ عالمگیر نامہ۔ مآثر عالمگیری۔ سیر المتاخرین۔ تاریخ الفنسٹن۔ تاریخ منشی ذکاءاللہ)

اس طرح پر بیجاپور کا پیچھا چھوٹا رہتا ہے۔ اور سب سے مقدم کام یہی سمجھا جاتا ہے کہ سیواجی کی جڑ کس طرح اکھاڑی جائے۔ سیواجی کو سورت میں جو کامیابی ہوئی ناظرین اُسکو پڑھ چکے ہیں۔ اسکے بعد اِسنے جزیرہ Bardes بارڈیز پر جو گوا کے نزدیک پرتگیزوں کی ایک بستی ہے قبضہ کرلیا ہے*

---

* سیواجی کا مختصر حال جو ڈاکٹر برنیر نے لکھا ہے اُسکو پڑھ کر خواہ مخواہ یہہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس عجیب شخص کا حسب ونسب کیا تھا۔ اور اسنے اسقدر اقتدار کس طرح پایا۔ اور اسکے متعلق جو واقعات برنیر نے لکھے ہیں اُنکی مفصل اور صحیح روداد کیا تھی پس واضح ہو کہ انسائکلوپیڈیا برطانیکا میں اسکو غیر صحیح النسب طور پر اودے پور کے رانا کی نسل سے (یعنی چھتری) لکھا ہے۔ مگر سر مونٹ الفنسٹن صاحب سابق گورنر بمبئی جنکی تحقیق اُدھر کی توموں وغیرہ کے بارہ میں زیادہ بھروسہ کے قابل ہے اپنی مشہور تاریخ ہندوستان میں سیواجی کے اُن تمام ہمقوم لوگوں کو جو مہاراشٹر دیس کی سکونت کے باعث مرہٹے کہلائے عموماً شودر بتاتے ہیں۔ اور سیواجی کے حسب ونسب کی حقیقت کو اس طولانی تمہید سے بیان کرتے ہیں کہ گولکنڈا۔ بیجاپور۔ اور احمدنگر کے مسلمان بادشاہوں کے وقت میں مرہٹوں کو قلعوں وغیرہ کے پیدل سپاہیوں میں نوکریاں ملا کرتی تھیں۔ مگر جب معلوم ہوا کہ جنگی سواروں میں بھی اچھی خدمت دیسکتے ہیں تو رسالوں میں بھرتی ہونے لگے۔ اور اِن میں سے ایسے لوگ جو ہمارے مُلک کے دانہ چودھری اور نمبردار وغیرہ کہلاتے ہیں اور اُس مُلک میں اُن کا لقب پٹیل اور دیس مکھ وغیرہ ہوتے تھے موروثی عزت کے باعث سے رسالداریوں اور جمعداریوں کے عہدوں

---

* ہندوؤں کی حکومت کے قدیم زمانہ میں مہاراشٹر کا اطلاق مُلک کے اُس وسیع قطعہ پر ہوتا تھا جو دریائے نربدا کے جنوب کی طرف نربدا چیف کمشنری ناگپور اور ریاست حیدرآباد دکن اور پریزیڈنسی بمبئی کی مختلف حکومتوں میں منقسم ہے۔ چنانچہ خاندیس وبرار دکوکن وغیرہ کے علاقے جو علی الترتیب مذکورہ بالا حکومتوں میں واقع ہیں مہاراشٹر کے عام خطہ میں داخل تھے

سیواجی

تک نامور ہوجاتے تھے۔ منجملہ ان کے اگرچہ بعضوں نے قدر و منزلت بڑھانے کو راجپوت ہونے کا دعوی کیا ہے مگر الفنسٹن صاحب کی تحقیق میں قومیت کی حیثیت سے سارے ہی شودر تھے۔ اور سولہویں صدی عیسوی سے پہلے نہ تو مرھٹے بطور ایک قوم ہی کے مشہور تھے۔ اور نہ ان میں کوئی ایسا سردار تھا جو پولیٹکل لحاظ سے نامور اور ذی اقتدار گنا جاتا ہو۔ مگر اس صدی کے آغاز میں ان کے اقبال کا زمانہ اسطرح شروع ہوا۔ کہ ملک عنبر نے (جو احمدنگر والوں کے ہاں ایک مشہور اور نہایت زبردست امیر تھا) مرھٹوں کو اپنے سواروں میں زیادہ بھرتی کیا۔ چنانچہ اسکی فوج میں لکھجی نامے ایک سردار نے (جسکو بطور اعزازی لقب کے جادوراؤ کہتے تھے) ایسی ترقی پائی کہ دس ہزار سواروں کی سرداری کے منصب پر سرفراز ہوگیا اور یہانتک اقتدار حاصل کیا کہ شاہ جہاں اور احمدنگر والوں کی لڑائی کے زمانہ میں جب اس نے شاہ جہاں سے سازش اور پیوستگی کرلی تو ملک عنبر کی تقدیر الٹ گئی اور لڑائی ہار گیا الفنسٹن صاحب خیال کرتے ہیں کہ مرھٹوں میں اگر کسیکو راجپوت ہونے کا دعوی پہنچتا ہو تو البتہ یہہ دعوا اسی کے گھرانے کو شایاں و سزاوار ہوسکتا تھا۔ کیونکہ دیوگڈھ (دولت آباد) کا وہ راجہ جو دکھنی راجاؤں میں سب سے بڑا تھا۔ اور جس سے مسلمانوں نے ملک دکن فتح کیا تھا جادوبنسی ہی کہلاتا تھا۔ اسلئے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہہ شخص غالبا دیوگڈھ کے کسی قریب ضلع کا دیرمکھ اور جادوبنسی راجپوتوں کی نسل سے ہونے کے باعث جادوراو کہلاتا ہوگا۔ المختصر مالوجی بھونسلا۔ سیواجی کا دادا اسکے سلسلوں میں ایک ایسا شخص تھا جو اگرچہ کسیقدر خاندانی اور ذیعزت گنا جاتا تھا مگر حیثیت اسکی اس سے زیادہ نہ تھی کہ چند خود اسپہ سواروں سمیت اسکے ہتھنوں میں تھا

قضائے کردگار ایکدفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ جادوراؤ کے یہاں کسی تہوار وغیرہ کی تقریب میں بہت سے لوگ جمع ہوئے۔ جنمیں مالوجی بھی اپنے پانچ برس کے بیٹے شاہو کو ساتھ لیکر آیا تھا۔ اس محفل میں جہاں حسب معمول ہنسی خوشی کی باتیں ہورہی تھیں اتفاقا جادوراؤ نے ساہوجی اور اپنی سہ سالہ لڑکی دونوکو زانوؤں پر بٹھاکر ہنسی اور پیار کے طور پر کہیں یہہ بات کہدی کہ یہہ دونوں بالک تو بنابنی بنانے کے قابل ہیں! جادوراؤ کا یہہ کہنا تھا

بقیہ حاشیہ سیواجی

کہ مالوجی فوراً بول اُٹھا کہ ساری سبھا گواہ رہے میرے بیٹے کا رشتہ جادو راؤجی کی لڑکی سے ہوگیا!!! اگرچہ جادو راؤ اپنے خاندان و منصب کے غرور کے باعث مالوجی کے اس بڑے بول سے ایسا ناراض ہوا کہ دونوں کے باہم بدمزگی ہوگئی۔ مگر مالوجی برابر اس سگائی کا دعوا کیئے جاتا تھا۔ اور چونکہ تھوڑے ہی عرصہ میں خوش قسمتی سے یہ بھی ایسا بڑھا کہ اُسی ریاست میں پانچہزاری سواروں کی رسالداری کے منصب پر سرفراز اور صاحب جمعیت ہوگیا۔ اور مضافات ملک کوکن میں بمقام پونا (جو اب پریذیڈنسی بمبئی میں ایک مشہور شہر ہے) اسکو ایک بڑی سی جاگیر مل گئی جسمیں چاکنہ اور سوپا کے دو قلعے بھی شامل تھے۔ تو آخر کار لکھجی جادو راؤ کو بھی بہ خواہ مخواہ کی سگائی کا دعوا ماننا ہی پڑا۔ اور ساھوجی کی شادی اُسکی بہن سے ہوگئی جس سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک وٹھاجی۔ دوسرا سیواجی (جو ماہ اپریل ۱۶۲۷ سوا سو برس عیسوی میں پیدا ہوا)

جب شاہ جہاں نے دایئے بیجاپور کے اتفاق سے احمد نگر کی حکومت کو پامال کرکے ملک کو آپسمیں بانٹ لیا اور نظام شاہ کے کوکن کا علاقہ بیجاپور کے حصہ میں آیا تو ساھوجی نے دایئے بیجاپور کی نوکری اختیار کر لی۔ اور اسکی جاگیر واقع پونا بھی جو بیجاپور کے حصہ میں آگئی تھی بدستور اسکے قبضہ میں رہی اور وہ بیجاپور کی طرف سے کرناٹک میں ملک گیری کرتا رہا جسکے باعث سے میسور کے نزدیک بھی اُسکو ایک بہت بڑی جاگیر حاصل ہوئی جسمیں بنگلور وغیرہ بڑے بڑے شہر داخل تھے۔

الغرض وٹھاجی تو اپنے باپ کے ساتھ کرناٹک میں رہتا تھا۔ اور خورد سال سیواجی پونا میں۔ اُس زمانہ میں مرہٹے سردار خود تو ناخواندہ ہوتے تھے اور اُن کے کاروبار کا انتظام اُن اہل قلم برہمنوں کے اختیار میں ہوتا تھا۔ جو دکن کے مسلمان بادشاہوں کے عہد میں بڑے بڑے کارآمد عہدوں پر مامور ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ ساھوجی کی اس جاگیر کا انتظام اور سیواجی کی سرپرستی دادا جی کنڈدیو نامے ایک برہمن کو سپرد تھی اُسوقت کے نوجوان مرہٹوں کو شہسواری۔ شکار بازی۔ اور نیزہ بازی وغیرہ سپاہیانہ ریاضتوں کے سیکھنے کا شوق ہوتا تھا۔ اور چونکہ پونا ایسی جگہ ہے کہ وہاں میدان اور پہاڑی ملک

بقیہ حاشیہ سیواجی

آپسمیں ملتے ہیں تو اُن سپاہیانہ شوق اور سیر و شکار کے سپاٹوں کے باعث سے سیواجی کے بڑے رفیق ابتدا ہی سے ایسے لوگ ہوئے جو باتوا کے باپ کے سواروں میں بھرتی تھے پاگھاٹوں (یعنی کوہستان سیادری کے سلسلوں کے) پاس پڑوس کے رہنے والے ڈاکو اور لٹیرے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسا بھی اتفاق ہوا کہ بعض ڈکیتی کی وارداتوں میں مخفی طور سے یہہ اُن کا شریک بھی ہوتا رہا غرض کہ اِن جانکش اور مضبوط آدمیوں کی صحبت سے اور اُن دیہاتی راگوں (یعنی ساکھوں) کے سننے سے جن میں اُس مُلک کے بعض سورما لوگوں کی کہانیاں گائی جاتی تھیں اُسکی طبیعت میں بڑے بڑے خیال پیدا ہوئے۔ اور جب یہہ آفت کا پرکالہ سولہ برس کی عمر کو پہنچا تو اپنے آبائی داداجی کے قابو سے بھی نکل گیا۔ اور باپ کی جاگیر کے کاروبار میں خواہ مخواہ دخل دینے لگا۔ اور جب تھوڑے عرصہ بعد وہ برہمن بھی مرگیا۔ تو قلعہ چاکنہ پر قلعدار سے بلکر قبضہ کرلیا۔ اور قلعہ سُوپا کو چھاپہ مار کر چھین لیا۔ اور وہ جانکش مرہٹے جو پُونا کی سمت مغربی کے اُجاڑ علاقہ کے رہنے والے (اور ایک پرانے قصبہ ماہول متصل شولاپور کے قرب وجوار کی سکونت کی مناسبت سے) ماہولی کہلاتے تھے۔ اور بھیل اور کولی اور راموسی وغیرہ لٹیرے لوگوں کو جو پُونا کے پاس مُلک کوکن کے پہاڑوں اور جنگلوں میں بستے اور مثل اسکی سب بیجاپور کی رعایا تھے جمع کرکے آس پاس کے ملک کو کہ جہاں کے حالات سے سیر و شکار اور چوریوں ڈکیتیوں کی شرکت اور اُن لٹیروں کی رہنمائی سے بخوبی واقف ہوچکا تھا لوٹنا شروع کیا اور کہیں زور سے کہیں تابعداری سے اور کہیں فریب اور مکاری سے محمد عادل شاہ فرمانروائے بیجاپور کی حکومت کے اخیر زمانہ میں بسبب حاکموں کی غفلت اور ضعف وغیرہ کے علاقہ کوکن کے بہت سے قلعوں پر اپنا دخل کرلیا۔ اور منجملہ انہیں حرکتوں کے ایک حرکت یہہ بھی تھی کہ اپنے مقاصد کا مخالف سمجھکر ایک راجہ کو جو پُونا کے جنوب میں اکثر پہاڑی علاقوں پر حکومت رکھتا تھا کسی حکمت سے قتل کرایا تھا۔ اور علی عادل شاہ کے ایام خوردسالی میں باوجودیکہ اسکا باپ اور بڑا بھائی اُن کے نوکر تھے اور اسکو ان حرکتوں سے بہت منع کرتے

تھے - علانیہ باغی ہوکر یہہ عجیب دانوں کھیلا کہ ۱۶۹۹ سولہ سو ننانوے عیسوی میں افضل خاں نامے اُن کے ایک بہت بڑے سردار کی خدمت میں جو اسکی سزادہی کے لیئے فوج لیکر آیا تھا اور جسکی شجاعت اور زور و قوت سے فی الحقیقت یہہ خائف تھا یہہ درخواست پیش کی کہ اگر خانصاحب میرے حال پر ترس کھائیں تو مہربانی فرماکر میرا خوف اور اندیشہ دور کرنے کے لیئے ایک جگہہ لشکر سے اکیلے ہوکر تشریف لائیں اور اسی طرح میں بھی اکیلا ہی حاضر ہوجاتا ہوں اور جب وہ میری معروضات سنکر تسلی و تشفی فرادینگے تو فرمانبرداری اور اطاعت سے مجھے کچھہ عذر نہیں - چنانچہ جب اس قرارداد کے موافق خانصاحب باریک ململ کا جامہ پہنے ہوئے - اور صرف شاں ذریعاش کے لیئے ایک سیف ہاتھہ میں اُٹھائے اور محض ایک خدمتگار ساتھہ لیئے ہوئے خراماں خراماں آگے کو بڑھے اور سیواجی بھی قلعہ پرتاب گڈھ سے سہمی صورت بنائے لرزتا کانپتا سامنے سے صرف ایک ہمراہی سمیت نظر آیا - اگرچہ ظاہر میں کوئی ہتھیار اُسکے پاس موجود نتھا - مگر ردی کے دگلے کے نیچے زرہ پہنے اور ایک آبدار تیغہ چھپائے ہوئے اور اُنگلیوں پر فولادی کانٹے جسکو بگھ نوہ یعنی ناخن شیر کہتے تھے چڑھائے ہوئے تھا - افضل خاں نے اُسکو خوف زدہ دیکھکر اظہار عنایت کے لیئے بغلگیر ہونے کو جوں ہیں ہاتھہ پھیلائے تو اسنے چھپ سے فولادی پنجہ کو جو آستین میں چھپا ہوا تھا بڑے زور سے اُسکے پیٹ میں گڑو دیا - اور ہنوز وہ اس حرکت بیجا کے تعجب سے فارغ نہوا تھا کہ بغل سے تیغہ نکالکر کام تمام کیا - اور خانصاحب نے جو پنجہ کھاکر سیف کا وار کیا تھا وہ اسکی زرہ کے باعث سے کارگر نہوا - اس کامیابی کے بعد اور اس دشوار گذار پہاڑی ملک میں جسکی حد سمندر تک منتہی ہوتی ہے ایسا زبردست شخص ہوگیا کہ ۱۶۶۲ سولہ سو باسٹھہ عیسوی تک اُسکے پاس سات ہزار سوار اور پچاس ہزار پیدل کی جمعیت ہوگئی جنکی معاش کا مدار بہ نسبت مقررہ تنخواہ کے زیادہ تر لوٹ کھسوٹ پر تھا - اور سمندر کے کنارہ تک مع چند بندرگاہوں کے اپنی حکومت کو پہنچا دیکر کچھہ کچھہ مغلیہ سلطنت کے علاقوں واقع دکن میں بھی غارتگری اور دست درازی شروع کردی تھی اسلیئے امیرالامرا شائستہ خاں صوبہ دار نے عالمگیر کے دوسرے

سیواجی کی جفاکشی

سال جلوس میں دولت آباد سے فوج کشی کر کے قلعہ پونا اور چاکنہ کے مضبوط قلعہ کو سیواجی سے چھین لیا۔ مگر اسکے ناہموار اور پہاڑی مُلک کی دشوار گزاری اور مرہٹوں کی سخت جفاکشی کی عادت سے شائستہ خاں کو حسب دلخواہ کامیابی نہوئی۔ اگرچہ ظاہر ہے کہ سیواجی کے اس ابتدائی زمانہ میں اُسکے گروہ کے لوگ اور بھی زیادہ جفاکش ہوں گے مگر اسکے مرجانیکے بعد بھی مرہٹوں کا یہ حال تھا کہ جب اورنگ زیب اپنے بڑھاپے کے دنوں میں گولکنڈا اور بیجاپور کو نیست و نابود کر کے مرہٹوں کے پیچھے دوڑ دھوپ کر رہا تھا تو الفنسٹن صاحب نے اس عالی ہمت بڈھے بادشاہ کی ناکامیابی کی وجوہات کے ذکر میں مرہٹوں کی عادت جفاکشی کا بیان اس طرح پر لکھا ہے کہ "اُنکی سواری میں چالاک اور دودم گھوڑے ہوتے تھے جن پر بجاے زین کے کمبل کے تہہ پر صرف ایک گدی سی کس لیتے تھے اور توڑہ دار بندوق اور ڈھال تلوار کے علاوہ عموماً ایک لمبا برچھا رکھتے تھے خوراک و لباس میں اسی پر قناعت تھی کہ جوار کی ٹکیہ اور کچی پیاز اُنکی معمولی غذا تھی! اور لباس میں ایک پگڑی چست جانگیہ اور ایک چھوٹی سی کملی! سوائے سرداروں کے خیمہ کسی کے پاس نہوتا تھا۔ اور لڑائی بھڑائی کے موقعوں میں مرہٹے سوارا اپنے برچھوں اور بھالوں کو زمین میں گاڑکر گھوڑوں کی لگامیں اپنے بازو سے باندھکر زین پر پڑے رہا کرتے تھے" غرض کہ اس شعر کے مصداق تھے۔ شعر

"لنگر زیر لنگر بالا ۔ نے غم فرود نے غم کالا" نہ بارہبرداری کی ضرورت نہ کمر پیٹ کی حاجت۔ اور ان کے مقابلہ میں مغلیہ فوجوں کی یہ صورت تھی کہ اگرچہ بہادری اور سپاہگری کی توان میں بھی کچھ کمی نہ تھی مگر عموماً یہ خرابی پھیلی ہوئی تھی کہ امیر سے لیکر سپاہی تک ساز و سامان بہت رکھتے تھے یہانتک کہ دن کے لشکروں میں اہل خدمت اور اہل بازار وغیرہ کی یہہ بھیڑ بھاڑ ہوتی تھی کہ پہر کے لوگ سپاہیوں سے دس گنے ہوجاتے تھے جسکا لازمی نتیجہ یہہ تھا کہ رسد اور بارہبرداری دونوں کی نہایت ہی غیر ضروری ضرورت رہتی تھی اور اسکے باعث سے کوچ و مقام میں وہ چستی و چالاکی جو مرہٹوں جیسے جفاکش اور سبک بار دشمنوں کے مغلوب کرنے کو خصوصاً ایسے پہاڑی مُلک میں ضروری تھی۔ اسسے نہیں ہوسکتی تھی۔ بلکہ جہاں کہیں انکا لشکر جاکر

ٹھہرتا تھا رسد و باربرداری کی ضرورتوں کی وجہ سے وہاں کے باشندوں پر ایک تباہی آن پڑتی تھی۔

غرضکہ جب شائستہ خاں کو کامیابی نہوئی تو مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور صوبہ دار گجرات کو بھی مع اُسکی کُل فوج کے مدد کے لیئے بھیجا گیا۔ اگرچہ یہہ بھی مدت تک مامور رہا مگر کوئی کارنمایاں اس سے بھی ظہور میں نہ آیا۔ بلکہ اورنگ زیب کے جلوس کے چھٹے سال ۱۰۷۳ھ (یکہزار تہتر) ہجری میں جبکہ شائستہ خاں پُونا میں اُترا ہوا تھا سیواجی نے یہانتک جسارت کی کہ ایک روز سرِشام اپنے پہاڑی قلعہ سنگم نیر سے جو پُونا سے بارہ میل کے فاصلہ پر تھا روانہ ہوا۔ اور راستہ میں تھوڑے سپاہی اس خیال سے چھوڑتا آیا کہ اگر ضرورت پڑے تو کام آئیں اور خود صرف پچیس ماہولی مرھٹوں کو ساتھ لیکر ایک برات میں جو حسب اتفاق پُونا کو جاتی تھی ملکر شہر میں داخل ہوگیا۔ اور اس طرح پر شائستہ خاں کے چوکی پہروں کی مزاحمت سے بچ نکلا۔ چونکہ شائستہ خاں اُسی مکان میں رہتا تھا جسمیں سیواجی نے پرورش پائی تھی۔ اور اسوجہ سے اسکو اُس مکان کی کُل حالت بخوبی معلوم تھی اسلیئے اُسکے ایک دروازہ سے جو پشت مکان کی طرف تھا چپکے سے شائستہ خاں کی خوابگاہ میں جا گھسا اور یکایک اس طرح سے حملہ کیا کہ اس ہڑبڑاہٹ میں ایک کھڑکی کے راستہ نیچے کے مکان کی طرف کود کر بھاگتے ہوئے شائستہ خاں کی تو ایک اُنگلی کٹ گئی اور ابوالفتح اُسکا بیٹا مقابلہ میں مارا گیا۔ چونکہ سیواجی اپنے ارادہ کے موافق شائستہ خاں کو قتل یا گرفتار نہ کرسکا تو قبل اسکے کہ باہر کے پہروں والے اس حادثہ سے خبردار ہوں پھُرتی سے باہر نکل آیا۔ اور جوں جوں آگے بڑھتا گیا تو وہ لوگ جو راستہ میں بٹھائے ہوئے تھے ساتھ ملتے گئے اور صحیح وسلامت اپنے قلعہ میں جا داخل ہوا اور اس کامیابی کی اسقدر خوشی منائی گئی کہ چراغوں اور مشعلوں کی روشنی بادشاہی فوج کو پُونا میں بخوبی دکھائی دیتی تھی سیواجی کے اس کارنامہ سے اُسکے اور اُسکی قوم کے حق میں ایک نہایت ہی مفید اثر پیدا ہوا۔ بادشاہ نے اس حادثہ کو امیرالامرا کی غفلت پر محمول کیا اور علیٰ جملہ کی وفات کے باعث

بقیہ حاشیہ سیواجی

سے بنگالہ کی صوبہ داری پر بدل دیا اور بجاے اسکے شاہزادہ محمد معظم کو دکن کا صوبہ دار مقرر کرکے راجہ جی سنگھ کچھواہہ کو جو لیاقت اور دانائی میں مشہور اور ایک بڑا رکن سلطنت تھا راجہ جسونت سنگھ کی جگہ جسکی نسبت سیواجی سے ساتھ سازش رکھنے کا شبہ تھا اپنے جلوس کے ساتویں سال ۱۰۷۴ھ (ایکہزار چوہتر) ہجری میں مع دلیرخاں وراجہ راے سنگھ سسودیہ اور اور دس بارہ ہندو اور مسلمان بڑے بڑے سرداروں کے چودہ ہزار سواروں کی جمعیت سے روانہ کیا۔ خلاصہ یہہ کہ راجہ جی سنگھ نے اورنگ آباد پہنچکر اول شاہزادہ سے ملازمت حاصل کی۔ اور بعدازاں پونا میں جاکر راجہ جسونت سنگھ سے مہم کا چارج لیا اور قلعہ رودرمال وغیرہ خصوصاً سیواجی کے کلاں ترقلعہ پورن دھر کو کہ جسمیں اُسکا بہت سا ساز و سامان اور چار ہزار لڑاکے سپاہی اور تین ہزار اور مرد و عورت اور بعض عزیز و اقارب اور کتنے ہی کارآزمودہ افسر موجود تھے زور شور سے دلیرخاں اور کیرت سنگھ نے گھیر لیا سیواجی جو اسوقت قلعہ راج گڈہ میں مع اہل و عیال خود موقعہ جنگ سے قریب ہی تھا حملہ آوروں کی شجاعت و لیاقت کے باعث پورن دھر کے بچاؤ سے مایوس ہوگیا اور مجبور ہوکر عجز و نیاز کا اظہار شروع کیا جسکے جواب میں راجہ نے یہہ کہلا بھیجا کہ اگر مجرموں کی طرح ہتھیار کھولکر حاضر ہوجاے تو اسکی اطاعت قبول کیجائیگی غرض کہ جب ۱۰۷۶ھ (ایکہزار چھہتر) ہجری عالمگیر کے آٹھویں سال جلوس میں اسیطرح حاضر ہوگیا تو راجہ نے اُسکی بہت خاطر کی اور اول قلعہ پورن دھر کو جو قریب الفتح ہوگیا تھا مع کل سامان جنگ وغیرہ اُس سے لیکر آخران شرائط پر صلح کرلی کہ مُلک کوکن کے پینتیس ۳۵ قلعوں میں سے جو اسوقت اُسکے قبضہ میں تھے تیئس ۲۳ قلعے مع بندر چیول و علاقجات جسمیں دس لاکھ ہُن* کے سرکار بادشاہی میں آگئے۔ اور

* ہندوستان کے ساحل مغربی و جنوبی پر مُلک کا وہ تنگ اور طولانی قطعہ جسکو کنھڑ کہا جاتا ہے اور شمال کی طرف علاقہ کوکن سے شروع ہوکر جنوب کی سمت میسور کے قریب ختم ہوتا ہے وہاں کی زبان میں جسے کنھڑی کہتے ہیں ھُن یا ھونو سونے کو کہتے ہیں اور اسجگہہ اس سے سونے کا سکہ مراد ہے۔ اور تعجب نہیں ہے

بقیہ حاشیہ سیواجی

باقیماندہ بارہ تعلقے مع علاقہ جمعی ایک لاکھ ہن سیواجی کے پاس چھوڑے گئے۔ اور اُسکے ہشت سالہ بیٹے سنبھاجی کے نام پنجہزاری پنجہزار سوار کا منصب عطا ہوگیا۔ اور سیواجی نے یہہ بھی قبول کرلیا کہ اُس نواح میں اگر کوئی مہم پیش آئیگی تو بذات خود بادشاہی فوج میں شامل ہوکر خدمت کرونگا۔ غرض کہ جب شرطیں طے ہوچکیں اور سنبھاجی بھی راجہ کے لشکر میں پہنچگیا تو سیواجی کو جو بغیر ہتھیار باندھے دربار میں آیا کرتا تھا راجہ جے سنگھ نے اپنے سامنے ہتھیار بندھوادیئے۔ اور خلعت دیکر عزت کے ساتھ رخصت کردیا۔ اور چونکہ راجہ کو اسی جگہ سے بیجاپور پر فوج کشی کرنے کا حکم آگیا تھا۔ اسلئے سیواجی بذات خود مع پندرہ سو سواروں اور ستائیس ہزار پیادوں کے اس مہم میں کام دیتا رہا اور اگرچہ اس سے کچھ عرصہ بعد اُسنے اوّل سنبھاجی کو عالمگیر کے دربار میں بھیجدیا اور راجہ جسونت سنگھ کی معرفت جان وعزت کی حفاظت اور حسن سلوک کا وعدہ لیکر اور اپنی جگہہ فوج کی سرداری پر اپنے داماد کو راجہ کے پاس چھوڑ کر دربار جشن سالانہ کے موقع پر بادشاہ کو سلام کرنے کے لیئے بطور جریدہ اکبرآباد کو چلا آیا۔ اور بادشاہ کی طرف سے بھی یہہ مدارات ہوئی کہ کنور رام سنگھ پسر راجہ جے سنگھ اور مخلص خان ناظم ایک اور امیر اُسکو استقبال کرکے دربار جشن میں لائے اور بادشاہ کے حضور میں اُسکے کھڑے ہونے کو بقول صاحب عالمگیرنامہ جگہہ بھی

بقیہ حاشیہ لفظ ھن

کہ فارسی اور بھاشا میں جو سین اور ھاء ھوز کہیں کہیں (مثل آماسیدن وآماہیدن - وماہ وماس - ودہ ودس یا ہور وسور - وپوس وپوہ وبیاس وبیاہ وغیرہ) باہم بدل بایا کرتے ہیں اسیطرح اس لفظ میں سونے کا سین ھونو کی ہے سے بدل گیا ہو - اگرچہ یہہ امر تحقیق ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے ممالک دکن میں سکہ رائج الوقت سونے ہی کا ہوتا تھا - لیکن ٹھیک طور پر یہہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ بودھ مت والوں کے زمانہ میں یا اُس سے پہلے ان سکوں کا عام نام کیا تھا - مگر البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی عیسوی میں

ایسی معقول دی گئی کہ جو امرا و خاص کے لیئے تھی اور اُسی دن کچھ اور اعزاز و اکرام بھی ہونیوالے تھے اور یہہ امر مقرر ہو چکا تھا کہ چند روز حاضر دربار رکھکر عزت و توقیر کے ساتھ رخصت کر دیا جائیگا - مگر اس اکھڑ مزاج شخص کو اپنے کھڑے ہونے کی جگہہ جو بعض مورخوں کے نزدیک تیسرے درجہ کے امیروں یعنی پنجہزاری کے منصب والوں کے لیئے مقرر تھی - اور اور رسوم دربار کچھ ایسی ناگوار اور اپنی عزت کے منافی معلوم ہوئیں کہ اُسنے کنور رام سنگھ کو علیحدہ لیجاکر اُسی وقت سخت شکایت کی اور بقول صاحب عالمگیر نامہ جو "توقعات بیجا و مقاصد دور از کار و خیال ہائے خام" پکائے ہوئے تھے نہایت رنجیدگی سے اُنکا اظہار کیا - اگرچہ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اُسکو مارے رنج و غیرت کے دربار میں غشی ہو گئی تھی - مگر یہہ قول کچھ معتبر نہیں معلوم ہوتا — کیونکہ صاحب عالمگیر نامہ کو اسکے چھپانے کی بحسب ظاہر کچھ ضرورت نہ تھی المختصر بادشاہ نے اس حرکت سے ناراض ہو کر بغیر اُن مراسم اعزاز و عنایت کے جو اُسکے لیئے تجویز ہوئے تھے حکم دیا کہ ڈیرہ کو چلا جائے اور کنور رام سنگھ کو جو اُسکے معاملات میں متوسط تھا یہہ ارشاد ہوا کہ اُسکو اپنے ڈیرے پاس (جو شہر سے باہر تھا) اُتار کر نگرانی کرتا رہے - اور اُسکے بیٹے سنبھاجی کو جو منصب پنجہزاری پر بدستور مامور تھا کبھی کبھی اپنے ساتھ دربار میں لاتا رہے اور اُسکے بھاگ جانیکے اندیشہ سے فولاد خاں کوتوال کو حکم ہوا کہ اُسکے ڈیرہ کے

اُس خاندان کے راجاؤں نے جنکو ڈاکٹر بیڈی صاحب چلوکیہ لکھتے ہیں جب اودہ سے جاکر دکن میں اپنی بادشاہی قائم کی تو منجملہ اُن علامتوں کے جو بطور اپنے نشان کے وہ سکّوں وغیرہ پر لگاتے تھے ویراہ کی تصویر (جو سنسکرت میں سُوَر کو کہتے ہیں خواہ ویراہ اوتار کی مناسبت سے یا کسی اور وجہ سے) اُنکے سکّہ پر منقش ہوا کرتی تھی - چونکہ اس خاندان کی شاہانہ حکومت مدراس - حیدرآباد دکن - اور بمبئی کے ایک بہت بڑے حصّہ پر تقریباً آٹھ نو سو برس تک بڑی شان و شوکت سے قائم رہی تو اسوجہ سے

اردگرد پہرے لگادے - اور راجہ جے سنگھ کو کہ جسکی وساطت سے وہ حاضر ہوا تھا لکھا گیا کہ اسکے معاملہ میں جو مناسب جانے رپوٹ کرے - اس عرصہ میں اگرچہ سنبھاجی دربار میں حاضر ہوتا رہتا تھا - مگر سیواجی کو ایسا ہراس غالب ہوا کہ وہ سب ہوا اُسکے باغ سے نکل گئی اور اُمرا کے پاس جاجا کر گڑگڑانے لگا - اسی اثنار میں راجہ جے سنگھ کا جواب بھی آگیا کہ چونکہ میں اسکے ساتھ عہد کرچکا ہوں اور ہنوز بیجاپور کی مہم میں مشغول ہوں اگر درگزر کیجائے تو اس میں میری بھی سرخروئی ہے - اور کاروبار مہم کے لیئے بھی یہہ امر مناسب اور قرین مصلحت ہے - اسپر بادشاہ نے اُسکی خطا معاف کردی - اور پہرے اُٹھوا دیئے اور سنبھاجی پر بھی کچھ اور زیادہ اظہار عنایات ہونے لگا - اور ارادہ تھا کہ چند روز بعد خود اُسکو بھی حاضر دربار ہونے کی اجازت دیکر باعزاز واکرام رخصت کردیا جائیگا - مگر سیواجی کو اپنی سابقہ اور حالیہ حرکتوں کے باعث اور بادشاہ کے "قہر وغضب" کے اندیشہ سے ایسی بیقراری تھی کہ جب اُسنے دیکھا کہ پہرے اُٹھ گئے اور کنور رام سنگھ نے بھی خواہ غفلت سے خواہ سازش سے نگرانی میں کوتاہی کی تو شائستہ خاں صفر ۱۰۷۶ھ (اگست ۱۶۶۵ء چھتر) ہجری مطابق سال نہم جلوس عالمگیری کو بھیس بدل کر آگرہ سے ایسا بھاگا کہ پھر کبھی قابو میں نہ آیا - اور جب آٹھ نو مہینے کے بعد خدا جانے کن کن حکمتوں اور تدبیروں سے اپنی اور اپنے بیٹے کی تلاش اور تعاقب کرنیوالوں سے جان بچاکر ماہ دسمبر ۱۶۶۶ء (سولہ سو چھیاسٹھ عیسوی میں راجگڈھ واپس جا پہنچا -

---

اُس مُلک میں انکا سکہ عموماً ویراھا مشہور تھا - اور اگرچہ ان کی حکومت تقریباً ۱۲۵۰ء (بارہ سو پچاس) عیسوی میں جاتی رہی تھی مگر اس مُلک کے سونے کے سکہ پر لفظ ویراھا کا اطلاق بعد میں بھی جاری رہا - چنانچہ کمال الدین عبدالرزاق سمرقندی نے جو نویں صدی ہجری مطابق ۱۴۴۱ء (چودہ سو اکتالیس) عیسوی میں سُلطان شاہ رُخ والی خراسان کی طرف سے راجہ دیوراے کے پاس (جسکو چلوکیہ خاندان سے کچھ تعلق نہ تھا) اسکی دارالحکومت وجے نگر

سے بنگالہ کی صوبہ داری پر بدل دیا اور بجاے اسکے شاہزادہ محمد معظم کو دکن کا صوبہ دار مقرر کرکے راجہ جے سنگھ کچھواہہ کو جو لیاقت اور دانائی میں مشہور اور ایک بڑا رکن سلطنت تھا راجہ جسونت سنگھ کی جگہہ جسکی نسبت سیواجی کے ساتھ سازش رکھنے کا شبہ تھا اپنے جلوس کے ساتویں سال ۱۰۷۴ھ (ایکہزار چوہتر) ہجری میں مع دلیر خاں وراجہ راے سنگھ سسودیہ اور اور دس بارہ ہندو اور مسلمان بڑے بڑے سرداروں کے چودہ ہزار سواروں کی جمعیت سے روانہ کیا۔ خلاصہ یہہ کہ راجہ جے سنگھ نے اورنگ آباد پہنچکر اول شاہزادہ سے ملازمت حاصل کی۔ اور بعدازاں پونا میں جاکر راجہ جسونت سنگھ سے مہم کا چارج لیا اور قلعہ رودرمال وغیرہ خصوصاً سیواجی کے کلاں تر قلعہ پورن دھر کو کہ جسمیں اُسکا بہت سا ساز وسامان اور چار ہزار لڑاکے سپاہی اور تین ہزار اور مرد وعورت اور بعض عزیز واقارب اور کتنے ہی کارآزمودہ افسر موجود تھے زور شور سے دلیر خاں اور کیرت سنگھ نے گھیر لیا سیواجی جو اسوقت قلعہ راج گڈہ میں مع اہل و عیال خود موقعہ جنگ سے قریب ہی تھا حملہ آوروں کی شجاعت و لیاقت کے باعث پورن دھر کے بچاؤ سے مایوس ہوگیا اور مجبور ہوکر عجز و نیاز کا اظہار شروع کیا جسکے جواب میں راجہ نے یہہ کہلا بھیجا کہ اگر مجرموں کی طرح ہتھیار کھولکر حاضر ہوجاے تو اسکی اطاعت قبول کیجائیگی غرض کہ جب وہ ۱۰۷۶ھ (ایکہزار چھہتر) ہجری عالمگیر کے آٹھویں سال جلوس میں اسیطرح حاضر ہوگیا تو راجہ نے اُسکی بہت خاطر کی اور اول قلعہ پورن دھر کو جو قریب الفتح ہوگیا تھا مع کل سامان جنگ وغیرہ اُس سے لیکر آخر ان شرایط پر صلح کرلی کہ ملک کوکن کے پینتیس ۳۵ قلعوں میں سے جو اسوقت اُسکے قبضہ میں تھے تیئس ۲۳ قلعے مع بندر چیول وعلاقجات جسمیں دس لاکھ ہُن* کے سرکار بادشاہی میں آگئے۔ اور

---

* ہندوستان کے ساحل مغربی وجنوبی پر ملک کا وہ تنگ اور طولانی قطعہ جسکو کنھڑ کہا جاتا ہے اور شمال کی طرف علاقہ کوکن سے شروع ہوکر جنوب کی سمت میسور کے قریب ختم ہوتا ہے وہاں کی زبان میں جسے کنھڑی کہتے ہیں ھُن یا ھونو سونے کو کہتے ہیں اور اسجگہہ اس سے سونے کا سکہ مراد ہے۔ اور تعجب نہیں ہے

باقیندہ بارہ قلعے مع علاقہ جمعی ایک لاکھ ہُن سیواجی کے پاس چھوڑے گئے اور اُسکے ہشت سالہ بیٹے سنبھاجی کے نام پنجہزاری پنجہزار سوار کا منصب عطا ہوگیا۔ اور سیواجی نے یہہ بھی قبول کرلیا کہ اُس نواح میں اگر کوئی مہم پیش آئیگی تو بذات خود بادشاہی فوج میں شامل ہوکر خدمت کرونگا۔ غرض کہ جب شرطیں طے ہوچکیں اور سنبھاجی بھی راجہ کے لشکر میں پہنچگیا تو سیواجی کو جو بغیر ہتھیار باندھے دربار میں آیا کرتا تھا راجہ جے سنگھ نے اپنے سامنے ہتھیار بندھوادیئے۔ اور خلعت دیکر عزّت کے ساتھ رخصت کردیا۔ اور چونکہ راجہ کو اسی جگہ سے بیجاپور پر فوج کشی کرنے کا حکم آگیا تھا۔ اسلیئے سیواجی بذات خود مع پندرہ سو سواروں اور ستّر ہزار پیادوں کے اس مہم میں کام دیتا رہا اور اگرچہ اس سے کچھ عرصہ بعد اُسنے اوّل سنبھاجی کو عالمگیر کے دربار میں بھیجدیا اور راجہ جسونت سنگھ کی معرفت جان وعزّت کی حفاظت اور حسن سلوک کا وعدہ لیکر اور اپنی جگہہ فوج کی سرداری پر اپنے داماد کو راجہ کے پاس چھوڑکر دربار جشن سالانہ کے موقع پر بادشاہ کو سلام کرنے کے لیئے بطور جریدہ اکبرآباد کو چلا آیا۔ اور بادشاہ کی طرف سے بھی یہہ مدارات ہوئی کہ کنور رام سنگھ پسر راجہ جے سنگھ اور مخلص خان ناظر ایک اور امیر اُسکو استقبال کرکے دربار جشن میں لائے اور بادشاہ کے حضور میں اُسکے کھڑے ہونے کو بقول صاحب عالمگیرنامہ جگہہ بھی

کہ فارسی اور بھاشا میں جو سین اور ھاء ھوز کہیں کہیں (مثل آماسیدن وآماہیدن - وماہ وماس - ودہ ودس یا ہور وسور - وپوس وپوہ وبیاس وبیاہ وغیرہ) باہم بدل جایا کرتے ہیں اسیطرح اس لفظ میں سونے کا سین ھونو کی ہے سے بدل گیا ہو - اگرچہ یہہ امر تحقیق ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے ممالک دکن میں سکہ رائج الوقت سونے ہی کا ہوتا تھا - لیکن ٹھیک طور پر یہہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ بودھ مت والوں کے زمانہ میں یا اُس سے پہلے اِن سکّوں کا عام نام کیا تھا - مگر البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی عیسوی میں

ایسی معقول دی گئی کہ جو امرا خاص کے لیئے تھی اور اُسی دن کچھ اور اعزاز و اکرام بھی ہونیوالے تھے اور یہ امر مقرر ہو چکا تھا کہ چند روز حاضر دربار رکھکر عزت و توقیر کے ساتھ رخصت کر دیا جائیگا - مگر اس اکھڑ مزاج شخص کو اپنے کھڑے ہونے کی جگہ جو بعض مورخوں کے نزدیک تیسرے درجہ کے امیروں یعنی پنجہزاری کے منصب والوں کے لیئے مقرر تھی - اور اور رسوم درباری کچھ ایسی ناگوار اور اپنی عزت کے منافی معلوم ہوئیں کہ اُسنے کنور رام سنگھ کو علیحدہ لیجاکر اُسی وقت سخت شکایت کی اور بقول صاحب عالمگیر نامہ جو "توقعات بیجا و مقاصد دور از کار و خیال ہائے خام" پکائے ہوئے تھے نہایت رنجیدگی سے اُنکا اظہار کیا - اگرچہ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اُسکو مارے رنج و غیرت کے دربار میں غشی ہو گئی تھی - مگر یہ قول کچھ معتبر نہیں معلوم ہوتا — کیونکہ صاحب عالمگیر نامہ کو اسکے چھپانے کی بسبب ظاہر کچھ ضرورت نہ تھی المختصر بادشاہ نے اس حرکت سے ناراض ہو کر بغیر اُن مراسم اعزاز و عنایت کے جو اُسکے لیئے تجویز ہوئے تھے حکم دیا کہ ڈیرہ کو چلا جائے اور کنور رام سنگھ کو جو اُسکے معاملات میں متوسط تھا یہ ارشاد ہوا کہ اُسکو اپنے ڈیرے پاس (جو شہر سے باہر تھا) اُتار کر نگرانی کرتا رہے - اور اُسکے بیٹے سنبھاجی کو جو منصب پنجہزاری پر بدستور مامور تھا کبھی کبھی اپنے ساتھ دربار میں لاتا رہے اور اُسکے بھاگ جانیکے اندیشہ سے فولاد خاں کوتوال کو حکم ہوا کہ اُسکے ڈیرہ کے

اُس خاندان کے راجاؤں سے جنکو ڈاکٹر میڈوز صاحب چلوکیہ لکھتے ہیں جب اودہ سے جاکر دکن میں اپنی بادشاہی قائم کی تو منجملہ اُن علامتوں کے جو بطور اپنے نشان کے سکّوں وغیرہ پر لگاتے تھے ویراہ کی تصویر (جو سنسکرت میں سُوَر کو کہتے ہیں خواہ ویراہ اوتار کی مناسبت سے یا کسی اور وجہ سے) اُنکے سکہ پر منقش ہوا کرتی تھی - چونکہ اس خاندان کی شاہانہ حکومت مدراس - حیدرآباد دکن - اور بمبئی کے ایک بہت بڑے حصہ پر تقریباً آٹھ نو سو برس تک بڑی شان و شوکت سے قائم رہی تو اسوجہ سے

ارد گرد پہرے لگا دے - اور راجہ جے سنگھ کو کہ جسکی وساطت سے وہ حاضر ہوا تھا لکھا گیا کہ اسکے معاملہ میں جو مناسب جانے رپورٹ کرے - اس عرصہ میں اگرچہ سنبھاجی دربار میں حاضر ہوتا رہتا تھا - مگر سیواجی کو ایسا ہراس غالب ہوا کہ وہ سب ہوا اسکے باغ سے نکل گئی اور اُمرا کے پاس جا جا کر گڑگڑانے لگا - اسی اثنا میں راجہ جے سنگھ کا جواب بھی آگیا کہ چونکہ میں اسکے ساتھ عہد کر چکا ہوں اور ہنوز بیجاپور کی مہم میں مشغول ہوں اگر درگزر کیجائے تو اس میں میری بھی سرخروئی ہے - اور کار دربار ہم کے لیئے بھی یہ امر مناسب اور قرین مصلحت ہے - اسپر بادشاہ نے اسکی خطا معاف کردی - اور پہرے اُٹھوا دیئے اور سنبھاجی پر بھی کچھ اور زیادہ اظہار عنایات ہونے لگا - اور ارادہ تھا کہ چند روز بعد خود اسکو بھی حاضر دربار ہونے کی اجازت دیکر باعزاز واکرام رخصت کر دیا جائیگا - مگر سیواجی کو اپنی سابقہ اور حالیہ حرکتوں کے باعث اور بادشاہ کے "قہر وغضب" کے اندیشہ سے ایسی بیقراری تھی کہ جب اُسنے دیکھا کہ پہرے اُٹھ گئے اور کنور رام سنگھ نے بھی خواہ غفلت سے خواہ سازش سے نگرانی میں کوتاہی کی تو ستائیسویں صفر ۱۰۷۸ھ (اکہتر چھہتر) ہجری مطابق سال نہم جلوس عالمگیری کو بھیس بدل کر آگرہ سے ایسا بھاگا کہ پھر کبھی قابو میں نہ آیا - اور جب آٹھ نو مہینے کے بعد خدا جانے کن کن حکمتوں اور تدبیروں سے اپنی اور اپنے بیٹے کی تلاش اور تعاقب کرنیوالوں سے جان بچاکر ماہ دسمبر ۱۶۶۶ء (سولہ سو چھیاسٹھ عیسوی میں راجگڈھ واپس جا پہنچا -

---

بقیہ حاشیہ صفحہ ھٰذا

اُس مُلک میں انکا سکہ عموماً ویراھا مشہور تھا - اور اگرچہ ان کی حکومت تقریباً ۱۲۵۰ء (بارہ سو پچاس) عیسوی میں جاتی رہی تھی مگر اس مُلک کے سونے کے سکہ پر لفظ ویراھا کا اطلاق بعد میں بھی جاری رہا - چنانچہ کمال الدین عبدالرزاق سمرقندی نے جو نویں صدی ہجری مطابق ۱۴۴۳ء (چودہ سو تراسی) عیسوی میں سُلطان شاہ رُخ والی خراسان کی طرف سے راجہ دیو رائے کے پاس (جسکو چلوکیہ خاندان سے کچھ تعلق نہ تھا) اسکی دارالحکومت وجے نگر

تو فروغ اُسکا زیادہ سے زیادہ ہوگیا - یہانتک کہ اُسنے تیرھویں سال جلوس مطابق سنہ ۱۰۸۰ (ایکہزار اسی) ہجری میں نہ صرف بندر سورت کو ہی لوٹا اور جلایا بلکہ اکثر قلعے وغیرہ بھی جو اُس سے چھین لیے گئے تھے اُنپر بھی پھر قابض ہوگیا - اور چونکہ وہ کسی طرح بادشاہی فوجوں کے قابو میں نہ آتا تھا اورنگ زیب نے دق ہوکر اس مناسبت سے کہ اُس مُلک کے پہاڑوں اور جنگلوں میں چوہے بہت کثرت سے ہوتے ہیں اُسکا نام "موش کوہی" رکھ دیا تھا -

اسنے عالمگیر کے جلوس کے تیئیسویں سال میں چوبیسویں ربیع الثانی سنہ ۱۰۹۱ (ایکہزار نوّے) ہجری کو (حسب قول مصنف مآثر عالمگیری) وبقول الفنسٹن صاحب پنجم اپریل سنہ ۱۶۸۰ (سولہسو اسی) عیسوی کو تریپن برس کی عمر میں اجلگڈھ میں جو اُسکا دارالریاست تھا انتقال کیا - اسکی موت کا باعث مآثر عالمگیری میں یہہ لکھا ہے کہ "کہیں سواری سے اُسکو شدّت گرمی سے دو دفعہ خون کی قے کی اور مرگیا" اور انسائیکلوپیڈیا میں اُسکا مرنا ذات الصدر کی بیماری میں اور مرہٹوں کی تاریخ میں مرنے سے پہلے وجع المفاصل یا نقرس کے باعث سے گھٹنوں کے درد اور تپ میں اُسکا مبتلا ہونا لکھا ہے -

---

میں مغارت پر آیا تھا اپنی کتاب مطلع السودین و مجمع البحرین میں وجے نگر کے عظیم الشان راجہ کے سکہ کا نام ویراھا ہی لکھا ہے - اور وزن اسکا ایک مثقال (یعنی ساڑھے چار ماشہ) بتایا ہے -

اغلب ہے کہ جب مسلمانوں کی حکومت دکن و مدراس میں قائم ہوئی تو ویراہ (سوَر) کے لفظ کو مکروہ سمجھکر اس سکہ کو اُسکی جنس کے نام سے بجائے ویراھا کے ھُن کہنا شروع کردیا - جیساکہ فی زمانہ بخارا کے سونے کے سکہ کو عموماً طلا کہتے ہیں - غرضکہ دکن میں زمانہ دراز سے ہندوؤں کے مختلف العلامات سونے کے سکوں کا نام ھُن ہے - مگر اقوام یورپ اور اہل اسلام کے سکّوں کی طرح انپر اکثر صاحب سکّہ کا نام اور سال و مقام ضرب نہیں ہوتا اسلیئے اِن سے

بقیہ حاشیہ سیواجی

انتقال کے وقت اُسکی حکومت چار سو میل طول اور ایکسو بیس میل عرض کے قطعہ زمین پر پھیلی ہوئی تھی۔ اور راج تلک کی رسم باقاعدہ اور ازادانہ طور پر بڑی شان و شوکت سے ادا کرکے خود سر راجہ بن چکا تھا۔ جسکو چھٹی جون ۱۶۷۴ء (سولہ سو چوہتر) عیسوی کو ایسٹ انڈیا کمپنی انگریزی کے کارخانہ بمبئی کے ایک ایجنٹ نے جو مبارکباد دینے کے لیئے ایمپی بنکر گیا تھا بچشم خود دیکھا تھا اور اُسنے ایک ایسی مستقل اور دیرپا حکومت قائم کرلی تھی اور اپنی قابلیت اور تدبیروں سے پولیٹکل اغراض کو مذہبی تعصبات کا رنگ چڑھا کر اور شائع لوگوں کو ایسے اشارے اور کرشمے دیکھا کر جس سے معلوم ہو کہ اُسکے حال پر دیوی دیوتاؤں کی طرف سے بھی دیا کی نگہ ہے۔ جیساکہ دنیا کے اکثر حصّوں میں ہوتا رہا ہے اپنے مُلک کے بھوکے اور جاہل باشندوں میں ایک ایسی سپاہیانہ اُمنگ اور مذہبی جوش پیدا کردیا اور اپنے مُلک کے گمنام باشندوں کا پیشرو بنکر اُنکو بہادر اور جنگجو قوم مرٹہ کے نام سے ہندوستان کی تاریخ میں نامور اور مشہور کردیا۔ اور ایک ایسی بنیاد ڈال گیا جو اُسکے پیچھے آنے والوں کے لیئے مغلیہ سلطنت کے ضعف کے زمانہ میں مُلک و حکومت حاصل کرنے میں بہت ہی کارآمد ہوئی۔

بقیہ حاشیہ لفظ ھُن

علم تاریخ کے لیئے چنداں فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور اگرچہ اِن سکوں کا مقدار وزن کسیقدر مختلف رہا ہے اور ایک بڑے مقدار کا سکہ رام ٹنکہ کے نام سے بھی مضروب ہوچکا ہے۔ مگر اکثر یہ وزن اس سکہ کا قریب ایک تولہ مروجہ اشرفی کے رہا۔ چنانچہ ایک ھُن جو ہمارے کرمفرما مولوی چراغ علیخاں صاحب بہادر عہدہ دار گورنمنٹ نظام نے مع بعض کوائف تاریخی متعلقہ سکہ ھُن کے حیدرآباد دکن سے بھیجا ہے۔ اسکا وزن ساڑھے تین ماشہ ہے اسکے رو کی طرف تین ہندوانی مورتیں ہیں جنمیں سے ایک بیچ کی بڑی اور دو آس پاس کی چھوٹی چھوٹی ہیں۔ اور پشت کی جانب صرف باریک باریک دانے یا نقطے سے ہیں اور اسکا قطر انگریزی دو انچ سے کچھ کم ہے اور سیدھ

عالمگیر نامہ وغیرہ فارسی تاریخوں میں جو اُسکے مخالفوں کی لکھی ہوئی ہیں جہاں اُسکی مکّاری اور غارتگری اور فن وفریب وغیرہ کی جو لکھی ہے اُسی کے ساتھ اُسکی چستی و چالاکی اور بیحد دلاوری و جرأت کا بھی اقرار کیا ہے۔ اور الفنسٹن صاحب کہتے ہیں کہ بلحاظ اُس وقت کے اُسکا ملکی اور فوجی انتظام دونوں عمدہ تھے۔

سے یہ کسیقدر مُحدّب یعنی کچھ اُبھرا ہوا ہے۔ اور ایک اَور ھُن جو ہمارے کرمفرما کرنل سی۔ ایچ۔ ٹی۔ مارشل صاحب بہادر نے حیدرآباد ہی سے بھیجا ہے اُس سے چھوٹا ہے۔ اور اسکے نقوش بھی اُس سے مختلف ہیں۔ یعنی رو کی طرف گردڈ پرندہ (نیکنٹھ) بنایا ہوا ہے۔ اور اُسکی دونوں چونچوں اور دونوں پنجوں میں ہاتھی لٹکتے ہیں۔ اور پشت کی جانب سنسکرت کے کچھ حروف ہیں اور بحسب ظاہر شکل اُسکی مطابق اُس نقشہ کے پائی جاتی ہے جو ڈاکٹر بیڈی نے راجہ دیورائے وجے نگر والے کے ایک سکّہ کا اپنے مضمون کے خاتمہ میں چھاپا ہے۔ جب پرتگیزوں۔ ڈچوں۔ انگریزوں نے ہندوستان کے ساحل جنوبی ومغربی پر ابتداءً دخل پایا۔ تو بعض راجاؤں کے ہنوں پر مندر کی صورت مضروب دیکھکر انہوں نے بجائے پہلے ناموں ویراھا یا ھُن کے عموماً اسکا نام پیگوڈا رکھدیا۔ جسکو بعض انگریزی ڈکشنریوں میں لفظ بُتکدہ کی خرابی بتایا ہے۔ لیکن بارٹال میو نامے ایک یورپین محقق سیاح نے جو مدراس میں ۱۷۰۶ء (سترہ سو چھتہر) عیسوی سے لیکر ۱۷۸۹ء (سترہ سو نواسی) عیسوی تک رہا اسکی اصل یہہ بتائی ہے کہ بعض پر "بھگوتی یا بھگودی (دیوی) کی تصویر ہوتی تھی۔ اسوجہ سے اُسکو بھگوتیہ یا بھگودتیہ کہتے تھے تو ان نووارد فرنگیوں نے اسکو پیگوڈا بنالیا۔ بہرحال حیدر نایک، اور اُسکے بیٹے سلطان ٹیپو کے زمانہ میں بھی ھُن مضروب ہوتے تھے جو بہادری اور سُلطانی ھُن کہلاتے تھے۔ اور آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی دکن کی ٹکسالوں میں بھی برابر ۱۸۱۸ء (اٹھارہ سو اٹھارہ) تک پیگوڈا مضروب ہوتے رہے۔

بقیہ حاشیہ سیواجی

اور انسائکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ اسکی حکومت کا کل زمانہ مسلسل لڑائیوں اور پولیٹکل سازشوں کا ایک ایسا منظر ہے کہ جسمیں وہ ایک نہایت ہوشیار جنرل اور ایک قابل مگر مکار مدبر کی سی لیاقتیں ظاہر کرتا رہا۔ اور ہر ایک خوفناک ضرورت کے وقت خواہ وہ کیسے ہی انتہا درجہ کی اور یکایک پیش آئی ہو اسکی شجاعت و جرات میں ذرا بھی فرق نہ آتا تھا۔ بلکہ فی الفور اُسکا ایسا تدارک کرتا جو عین موقعہ وقت کے موافق ہوتا۔ اور کسی جان جوکھوں میں پڑتے وقت موت و زندگی کی اُسکو مطلق پروا نہوتی تھی"۔

خلاصہ یہہ کہ حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر بہادر اور سیواجی مہاراج اپنے اپنے طور پر دونوں ہی عجیب و غریب شخص تھے۔ اور اگرچہ مختلف قالبوں میں ڈھلے ہوئے تھے مگر مادّہ ایک ہی تھا

س م ح

بقیہ حاشیہ لفظ ھون

اور سرکاری حساب کتاب اور لین دین میں بھی بجائے روپیہ کے پیگوڈا ہی کا چلن تھا۔ مگر ۱۸۱۹ء (اٹھارہ سو اُنیس) عیسوی سے حکام انگریز نے آخر کار بجائے اُس طلائی سکّے کے روپیہ کو تمام ہندوستان کے لیئے سکہ رائج الوقت قرار دیدیا اور ویراھا۔ ھن۔ پیگوڈا۔ سب متروک ہوکر انکے نام کتابوں میں لکھنے کو رہگئے۔

ماخوذ از

خط مولوی چراغ علی صاحب بہادر عہدہ دار گورنمنٹ نظام۔

چٹھی مسٹر چارلس راجرس صاحب سابق پرنسپل شنری نارمل سکول امرتسر حال ارجیولاجی کل سرویر۔

رسالہ ڈاکٹر بیڈی صاحب سرجن میجر و سوپرنٹنڈنٹ عجائب خانہ مدراس مندرجہ جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال مطبوعہ ۱۸۳۳ء جلد ۳۲ حصہ اوّل نمبر اوّل۔

س م ح

شاہ جہاں کی وفات کا ذکر

میں ابھی گولکنڈا ہی میں تھا کہ شاہ جہاں کے انتقال کی خبر سنی گئی اور یہہ بھی سُننے میں آیا کہ اورنگ زیب نے باپ کے مرنے کا بڑا غم کیا اور سوگ کی وہ تمام علامتیں ظاہر کیں جو بیٹے کو باپ کے ماتم میں کرنی چاہییں۔ اور فوراً آگرہ کو کوچ کر دیا۔ اور وہاں پہنچنے پر بیگم صاحب نے بڑی دھوم سے اُسکا استقبال کیا اور کمخواب کے تھان لگا کر بادشاہی مسجد سجائی گئی۔ اور اسی طرح وہ مکان بھی سجایا گیا جہاں قلعہ میں داخل ہونے سے پہلے ٹھہرنے کا ارادہ تھا۔ اور جب محل میں پہنچا تو شاہزادی نے ایک بڑا سا سونے کا تھال جواہرات سے بھرا ہوا اندر کیا جنمیں سے کچھ تو شاہ جہاں کے ترکہ تھے اور کچھ اُسنے اپنے پاس سے پیشکش کیے تھے۔ بہن کیطرف سے یہہ گرمجوشی اور محبت کا برتاؤ دیکھکر اورنگ زیب کا بھی دل پسیج گیا۔ اور اُسنے اُسکی گزشتہ باتوں سے درگزر کی۔ اور اُسوقت سے اُسکے ساتھ مہربانی اور فیاضی سے پیش آتا ہے۔ [1]

---

[1] شاہ جہاں کی وفات کا احوال جو کچھ عالمگیر نامہ میں لکھا ہے اُسکا ماحصل یہہ ہے کہ اس قیدی بادشاہ کو بارہویں رجب ۱۰۷۶ھ (ایکہزار چھہتر) ہجری کو حسب بول کا وہی پُرانا عارضہ جسکو مرض الموت کہنا چاہیئے پھر لاحق ہوا۔ حکیم مومنا مے شیرازی نے جو اُسوقت کے شاہی طبیبوں میں ایک مشہور شخص تھا ہر چند علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بلکہ اسہال وغیرہ کئی طرح کے اَور عوارض پیدا ہو کر زندگی سے یاس ہو گئی۔ جب یہہ خبر عالمگیر کو پہنچی تو باپ کی آخری زیارت کو دِلّی سے آگرہ جانے کا ارادہ کیا۔ مگر چونکہ بادشاہی کوچ و مقام کے لیئے

خاتمہ اورنگ زیب کی نسبت مصنف کی رائے

اب مَیں اپنی تاریخ کو ختم کرتا ہوں۔ جن جن ذریعوں سے اورنگ زیب نے یہہ عروج اور اقتدار حاصل کیا یقیناً ناظرین اُنکو بہت ناپسند کرینگے کیونکہ وہ حقیقتاً بیرحمانہ اور نامنصفانہ تھے۔ لیکن شاید یہہ ناانصافی ہوگی کہ ہم اُنکو اُسی سخت نظر سے جانچیں جس سے اپنے مُلک یورپ کے شاہزادوں کے افعال کو جانچتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے مُلک میں جانشینی کے لیئے معقول قواعد مقرّر ہیں

دستور سلطنت کے موافق نہایت بھاری سامانوں کی ضرورت تھی اسلیئے باوجود تاکید اختصار سامان کے بھی چند روز کا توقف ہونا ضروری تھا۔ اسعرصہ سے اپنے بڑی بیٹی محمد معظم کو اپنی روانگی سے پہلے احتیاطاً جلدی سے روانہ کردیا ابھی شاہزادہ آگرہ سے سات کوس اس طرف ہی تھا کہ شاہ جہاں پر حالت نزع طاری ہوگئی۔ اور چھبیسویں رجب شب یکشنبہ کو آدھی رات سے پہلے انتقال ہوگیا۔ بیچاری مصیبت زدہ بیگم صاحب نے جو باپ کے ایام قید میں ایک وہی اُسکی غمخوار اور رنج و راحت کی شریک تھی رَھْدانانْ خان قلعدار اور بھلول خواجہ سرا کو جو قیدی بادشاہ اور قلعہ کے محافظ تھے مکان مروف غسلخانہ میں طلب کرکے اور اُنکی معرفت اُسوقت قلعہ کے دروازوں کی کھڑکیاں کھلواکر غسل و کفن کی تیاری کے لیئے سَیِّدْ مُحَمَّدْ قَنَوْجِیْ کو جو بڑے عالم اور درویش مسلک تھے۔ اور اس قید کے زمانہ میں اکثر شاہ جہاں کی صحبت میں رہا کرتے تھے مع مُلّا قُرْبَان قاضی دارالخلافہ آگرہ قلعہ میں بُلوالیا۔ چنانچہ آدھی رات کیوقت جب وہ دونوں حاضر ہوئے تو قضاے روزہ و نماز کے عوض (اگرچہ بقول صاحب عالمگیرنامہ اُسکی نماز و روزہ کبھی قضا نہوے تھے) برسم "اسقاط" اوّل بہت سا روپیہ خیرات کیا گیا۔ اور بعد ازاں برج مثمن سے کہ جہاں انتقال کیا تھا لاش کو اُٹھاکر ایک قریب کے مکان میں غسل و کفن دیکر صندل کے تابوت میں رکھا گیا۔ اور برج مثمن کے نیچے کا دروازہ جو مسدود کیا ہوا تھا کھلواکر اُسکے راستہ سے اور فصیل بیرونی کے

اور بڑے بیٹے کے سوا کوئی جانشین نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہندوستان میں باپ کے بعد شاہزادوں میں سلطنت کے لیئے ہمیشہ جھگڑا ہوتا ہے اور اِن دو بیرحمانہ باتوں میں سے ایک بات اختیار کرنی پڑتی ہے۔ یا سلطنت کی خاطر خود قربان ہو جائیں یا بھائیوں کو قربانی بنائیں۔ تاہم اُن

اُس دروازہ سے جو اُسکے محاذی تھا جنازہ کو باہر لائے اور ہوشدار خاں صوبہ دار نے مع اَور بادشاہی ملازموں کے ساتھ ہوکر "باَئین شائستہ" (یعنی مراسم اعزاز و احتشام شاہانہ کے ساتھ) علی الصباح جمنا کے کنارہ جا پہنچایا۔ اور دریا سے پار ہوکر سیّد محمّد قنوجی۔ قاضی قربان وغیرہ علما و صلحا نے جنازہ کی نماز پڑھکر اُسیکی زوجہ ممتاز الزمانی ارجمند بانو بیگم معروف بہ تاج محل کے مقبرہ میں کہ جسکا حال اس کتاب کے بعض اَور مقامات میں مفصل درج ہے دفن کر دیا۔ لکھا ہے کہ اورنگ زیب کو جب باپ کے انتقال کی خبر پہنچی تو بہت رویا اور سوگواری کی اَور رسموں کے علاوہ اُسنے اور تمام اہل دربار نے جیسا کہ اَب بھی ہندوستانی ریاستوں میں دستور ہے لباس سفید پہنا۔ اور بسواری کشتی دھلی سے آگرہ پہنچکر زیارت قبر کے وقت بھی بہت سا گریہ و بکا کیا۔ اور مجالس مولود اور ختم و فاتحہ جیسا کہ بادشاہوں کی وفات کے موقع پر دستور تھا منعقد کرکے دھوم دھام سے خیر و خیرات کی۔ اور اپنی غمزدہ بڑی بہن بیگم صاحب کے پاس بھی کئی بار قلعہ میں گیا۔ اور نہایت تسلّی و تشفی کی بلکہ بہتیرے جتن کرکے خاطر و مدارات کی کہ تمام اہل دربار کو حکم دیا کہ اُنکی ڈیوڑھی پر حاضر ہوکر نذریں پیش کریں۔ چنانچہ جب ایسا ہی ہوا تو بیگم صاحب نے بھی جو دریا دلی اور فیاضی میں مشہور اور بڑی ہی سیر چشم شاہزادی تھی تمام اہل دربار کو عموماً ہزاری کے منصب تک۔ بھاری بھاری خلعت مرحمت کیئے اور اسکے بعد جب اورنگ زیب پھر ملنے کو گیا تو رسم پائے انداز و رسم نثار بجالاکر ایک نہایت قیمتی پیشکش جسکا بزیادہ نے اشارہ کیا ہے نذر کیا۔ اگرچہ صاحب

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

لوگوں کو بھی جو مُلک کے دستور اور رسم خاندان اور تعلیم و تربیت کے اثر کے عذر کو قبول نہیں کرتے یہہ تو ماننا ہی پڑیگا کہ اورنگ زیب کو خدا نے مستثنےٰ طور کی عقل و فکر اور انتقال فہم عطا کیا ہے۔ اور یہہ کہ وہ بڑا ہی مدبّر اور عالیشان بادشاہ ہے۔ فقط

نقل حاشیہ عمل صالح

عالمگیر نامہ اس امر کو نہیں لکھ سکتا تھا کہ شاہ جہاں کا جنازہ شاہانہ اہتمام سے نہیں اُٹھایا گیا۔ اور ایسے سادہ طور سے دفن کیا گیا جو اُسکے مرتبہ کے شایان نتھا اور یہہ عمل خواہ عالمگیر کے حکم سے ہوا ہو خواہ قلعہ دار و صوبہ دار کی کم فہمی سے مگر صاحب عمل صالح نے اس امر کو بہت ہی رنج و افسوس کے ساتھ عبرت ناک الفاظ میں جتایا ہے۔ اور چونکہ شاہزادہ محمد معظّم (بموجب بیان مندرجہ عالمگیر نامہ) شاہ جہاں کے انتقال کیوقت آگرہ سے صرف سات کوس کے فاصلہ پر موجود تھا اور ابھی پہنچا بھی نتھا کہ جنازہ بہت سویرے ہی دفنا دیا گیا۔ تو اس سے مصنف عمل صالح کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال اورنگ زیب کے جلوس کے آٹھویں سال ۱۰۷۵ھ (ایکہزار پچھتر) ہجری کے ماہ رجب میں بیچارے شاہ جہاں نے جو ھندوستان کے نہایت نیکنام بادشاہوں میں سے تھا چھہتّر برس تین مہینے شمسی دن کی عمر میں بحساب قمری اور تین دن کم چوہتّر برس کی عمر میں بحساب شمسی قلعہ آگرہ میں آٹھ برس کے قریب قید بکر قید ہستی سے رہائی پائی۔ جسمیں سے اکتیس برس دو مہینے تیس دن بحساب قمری اور تیس برس چار مہینے اٹھارہ دن بحساب شمسی تخت نشین رہا۔ فقط

صاحب عالمگیر نامہ نے اسکے سال انتقال کی نسبت اپنی تصنیف کی ہوئی ایک تاریخ لکھی ہے جسکو ہم بھی پر مضمون سمجھکر اس جگہہ نقل کرتے ہیں۔

چوں شاہ جہاں خدیو قدسی ملکات — برخاست بعزم عقبیٰ از تخت حیات

جستم از عقل سال تاریخش را — گفتا خردم "شاہ جہاں کرد وفات"

مُصنّف کا عریضہ مانشیور کول برٹ[۵۱] Col Bert وزیر فرانس کے نام جسمیں مفصلہ ذیل اُمور کا دلچسپ بیان ہے۔

ہندوستان کی وسعت - سونے چاندی کا اسملک میں پہنچکر یہیں کھپ جانا - ملک کی دولتمندی - سپاہ - انتظام عدالت - ایشیائی سلطنتوں کے زوال کے اصلی سبب

خداوندمن - ممالک [ایشیا] میں اُمرا اور حُکّام کی خدمت میں کوئی شخص خالی ہاتھ نہیں جاتا - چنانچہ شہنشاہ مغل کے[۵۲] دامن قبا کو بوسہ دینے کا اعزاز جب مجکو حاصل ہوا تو مینے بھی نذر کے طور پر جو تعظیم کی ایک علامت ہے آٹھ روپیہ پیش کیئے تھے - اور ایک نائف کیس[۵۳] - ایک کانٹا اور کہربا کے دستہ کا ایک قلمتراش فاضل خاں کی نذر کیا تھا - کیونکہ یہہ نامور

---

۵۱ یہہ عالی نسل شخص جسکا پورا نام جی آں بپ ٹسٹ کولبرٹ ہے اور مارکوئس آف سینگلی لے کے خطاب سے مخاطب تھا فرانس کے وزرا میں ایک ایسا نامور مدبر سلطنت ہو گزرا ہے کہ ایسے لایق فایق وزیر کم ہوتے ہیں (۱۶۱۹ء سولہسو اُنیس) میں بمقام پیرس پیدا ہوا تھا اور کہتے ہیں کہ اسکے بزرگ دراصل سکاٹلینڈ کے

Jean Baptiste Colbert
Marquis of signelay

---

۵۲ شاہان مغلیہ جو جلال و عظمت اور ترفع کے اظہار کے لیئے دیوان عام کے تخت نشین میں زمین سے کئی ہاتھ اونچے ہو کر تخت پر بیٹھتے تھے دامن قبا وغیرہ کو بوسہ دینے کی رسم اُن کے دربار میں تھی چنانچہ بعض سفیروں کے حاضر دربار ہونیکے چشم دیدہ حالات جو خود مصنف نے

۵۳ نائف کیس knif case غالباً پیش قبض کا میان ہوگا - س م ح

شخص وزرائے سلطنت میں سے تھا۔ بڑے بڑے کام اسکے متعلق تھے اور طبیبوں کی ذیل میں میری تنخواہ کا تجویز کرنا اُسیکی رائے پر منحصر تھا۔ اگرچہ میری یہہ مجال نہیں ہے کہ فرانس میں کسی نئی رسم کو جاری کروں لیکن جبکہ میں ھندوستان سے مدّت کے بعد ابھی واپس آیا ہوں تو یہہ امر خلاف توقع ہے کہ مَیں اُس دستور کو جسکا ذکر ابھی کر چکا ہوں ایسی جلدی سے بھُول جاؤں پس اگر مَیں اپنے بادشاہ کے حضور میں جسکا ادب میرے دل میں بہ نسبت اورنگ زیب کی تعظیم کے اَور ہی قسم کا ہے یا اُسکے وزیر کی خدمت میں جو فاضل خاں کی نسبت بہت زیادہ ادب کا مستحق ہے بغیر ایک

رہنے والے تھے اور کسی اتفاق سے فرانس میں جا رہے تھے۔ اسکا دادا شراب کا سوداگر تھا۔ مگر اسکا باپ کچھ عرصہ کے بعد یہہ شغل چھوڑ کر نوکری پیشہ ہو گیا تھا۔ کولبرٹ نے بعد تحصیل علوم و فنون بذریعہ اپنے برادر نسبتی کے جو اُسوقت فرانس کا (منسٹر آف سٹیٹ) یعنی وزیر السلطنت تھا۔ امور سلطنت میں دخل پایا۔ اور رفتہ رفتہ حسن لیاقت اور کارگزاری اور ایمانداری کے باعث لوئیس چہاردہم کا جو اُسوقت کے یورپین بادشاہوں میں نہایت ہی نیکنام بادشاہ تھا وزیر ہو گیا۔ اس خوش تدبیر شخص نے اپنے عہد وزارت میں انواع و اقسام کی ایسی عمدہ عمدہ اصلاحیں کیں اور ایسے مفید قاعدے اور قانون جاری کیے کہ جن سے حقیقتاً اُسکی قوم اور سلطنت کو بڑی ہی ناموری اور ترقی حاصل ہوئی۔ (از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)

Louis The 14th

س م ح

اسی کتاب میں لکھے ہیں اُسنے بھی یہی ظاہر ہے کہ ایسا دستور نتھا اور درحالیکہ برابر کے بادشاہوں کے سفیروں کو بھی اسقدر قرب نصیب نہو تو غریب بونیر کو یہہ رتبہ کہاں؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اُسوقت دربار فرانس میں کوئی ایسی تعظیمی رسم ہوگی جسکے لحاظ سے مصنف نے شرف یابی کے اس عام مطلب کو مجازاً اِن الفاظ خاص میں استعمال کیا ہوگا یا ایک ایسے مسلمان بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونیکی رسم کو جسکے درباری آداب رسوم سے مصنف کے ہموطنوں کو واقفیت نتھی اسوجہ سے اِن لفظوں

حقیر پیشکش کے جو پیش کرنیوالے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنی ندرت کے اعتبار سے قابل قدر و قیمت ہے حاضر ہونے میں تامل کروں تو مجھے اُمید ہے کہ معاف کیا جاؤنگا۔

ھندوستان کا گزشتہ انقلاب جو عجیب و غریب حادثوں پر مشتمل ہے ہمارے غظیم الشان بادشاہ کی توجہ کے لایق ہے۔ اور یہہ عریضہ جسمیں ایسی بڑی بڑی باتیں مندرج ہیں اسکا ملاحظہ فرمانا اُس رُتبہ کے شایان ہے جو اِنکو دربار شاہی میں حاصل ہے اور بیشک اسکا ایسے ہی شخص کی خدمت میں پیش کیا جانا زیبا تھا جسکی خوش تدبیری سے سلطنت کے بہت سے صیغوں کا جو میرے جانیکے وقت ناقابل علاج حالت میں پڑے ہوئے معلوم ہوتے تھے نہایت عمدہ طور پر انتظام ہوگیا ہے۔ اور جسنے اپنی کوشش اور محنت سے ہماری بادشاہ کی شان و عظمت کو تمام عالم میں پھیلا دیا اور یہہ ثابت کردیا ہے کہ قوم فرنچ اُن باتوں کو کس قابلیت سے عمل میں لاتی ہے جو اُسکے فواید اور نام آوری کی خاطر تجویز کی جائیں۔

میں بیان کیا ہوگا کہ خلفاے بنی عباس کے زمانہ میں اُنکی تخت نشینی وغیرہ کو بوسہ دینے کی رسم تھی جسکے تاریخی حالات سے اہل یورپ اکثر واقف تھے۔ س م ح

+ صفحہ گزشتہ اور اس صفحہ کے اُن الفاظ سے جنپر خط ہے۔ اور بادشاہ اور وزیر دونو کو علیحدہ علیحدہ نذریں دینے کی مندرجہ صدر تمہید سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے کتاب کا یہہ حصہ جسمیں شاہ جہاں کے بیٹوں کی لڑائیاں اور انقلاب سلطنت کے واقعات لکھے ہیں اپنے بادشاہ کو نذر کیا۔ اور یہہ خط اُسکے وزیر کو۔ س م ح

خداوندِ من - میں ہندوستان سے بارہ برس کے واپس آیا ہوں - اور میں وہیں تھا کہ فرانس کی خوشحالی اور اُس نیکنامی کی شہرت بخوبی سُن لی تھی جو آپنے اپنی غیر منقطع توجہ اور نمایاں قابلیتوں سے اُسکو ترقی دینے میں حاصل کی ہے - اگرچہ فرانس کی خوشحالی اور آپکی نیکنامی کا دلچسپ مضمون میں بڑے شوق و رغبت سے لکھتا - لیکن تمام عالم جن باتوں کا پہلے ہی معترف اور مدّاح ہو وہ میرے بیان کی محتاج نہیں ہیں اسلیئے بہتر ہے کہ اپنے وعدہ کے موافق صرف وہی غیر معلوم اور نئی باتیں لکھکر نذر کروں جن سے ہندوستان کی واقعی حالت کا نقشہ کسیقدر آپ کے خیال عالی میں آسکے اور مجھے یقین ہے کہ آپ بھی زیادہ تر اسیکو پسند فرمائینگے -

ہندوستان کی وسعت کا بیان ممالک ایشیا کے نقشوں سے ظاہر ہے کہ سلطنت مُغلیہ جو سلطنت ہند کے نام سے مشہور ہے کیسا لمبا چوڑا مُلک ہے - اگرچہ میں نے قواعد مساحت کے موافق صحیح طور پر پیمایش نہیں کی لیکن ایک معمولی سفر کی مسافت کا اندازہ کرکے اور یہہ دیکھکر کہ گولکنڈے کی سرحد سے غزنین بلکہ اُس سے بھی پرے قندھار کے قریب تک جو سلطنت ایران کا پہلا شہر ہے تین مہینے کا سفر ہے یہہ حساب لگایا گیا ہے کہ ان دونوں مقاموں میں ڈیڑھ ہزار میل سے کم فاصلہ نہیں ہے - یعنی جسقدر پیرس اور لائیمس میں فاصلہ ہے اُس سے پچگنا سمجھنا چاہیئے -

ہندوستان کی قدرتی اور مصنوعی چیزیں - یہہ امر قابل لحاظ ہے کہ اسملک کا ایک بڑا حصّہ نہایت زرخیز ہے - مثلاً ایک بنگالہ ہی ایسا ہے

جو نہ صرف باعتبار گیہوں اور چاول وغیرہ اشیاے ایحتاج کی پیداوار کے مصر سے افضل ہے بلکہ بلحاظ ریشم روئی اور نیل وغیرہ بیشمار تجارتی جنسوں کی پیداوار کے بھی جو مصر میں پیدا نہیں ہوتیں اُس سے کہیں بڑھکر ہے اسکے سوا ھِندوستان کے اَور حصّے بھی بخوبی آباد ہیں اور زراعت بھی خاصی ہوتی ہے اور اگرچہ یہاں کے اہل حرفہ بالطبع کاہل ہیں مگر تاہم کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہتے ہیں۔ مثلاً قالین کمخاب چکن۔ کارچوبی اور زردوزی وغیرہ کے کام اور اَور قسم کی ریشمی اور سوتی چیزیں جو مُلک کے اندر برتی جاتی یا باہر کو بھیجی جاتی ہیں بناتے رہتے ہیں۔

غیر ملکوں سے سونے چاندی کے ھند وستان میں آنے اور یہیں کھپ جانے کا سبب

یہہ امر بھی نذر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ سونا چاندی دُنیا میں پھر پھرا کر جب ھِندوستان میں پہنچتا ہے تو یہیں کھپ جاتا ہے۔ چنانچہ اِفرنگیہ سے جو روپیہ اگر فرنگستان کے مُلکوں میں پھیلتا ہے اُسمیں سے کسیقدر تو اُن چیزوں کے مبادلہ میں جو ٹرکی (روم) سے آتی ہیں مختلف ذریعوں سے ٹرکی میں چلا جاتا ہے۔ اور کسیقدر بندرگاہ سمرنا کے راستے سے اِیران میں پہنچ جاتا ہے۔ جہاں سے ریشم فرنگستان میں آتا ہے۔ اَب ٹرکی کا یہہ حال ہے کہ وہاں کے لوگ قہوہ کے بغیر نہیں رہ سکتے جو یمن سے آتا ہے۔ اور ٹرکی اور یمن اور ایران تینوں کو ھِندوستان کی چیزوں کی احتیاج رہتی ہے۔ پس اسطرح پر بندر مُخا میں جو بحر احمر کے کنارے باب المندب کے قریب ہے اور بصرہ میں جو خلیج فارس کے سر پر ہے اور بندر جناوی

میں جو جزیرہ ھُرمز کے نزدیک ہے اِن مُلکوں سے روپیہ آتا ہے اور یہاں سے اُن جہازوں کے ذریعہ سے جو ہر سال ہوائے موافق کے موسم میں ھِندوستان کا مال لیکر اِن مشہور بندرگاھوں میں آتے ہیں ھندوستان میں پہنچ جاتا ہے - یہہ بھی ملحوظ رہے کہ ھِندوستانیوں - ڈچوں - انگریزوں اور پُرتگیزوں کے تمام جہاز جو ہر سال ھِندوستان کا مال پیگو - تناسرم (جہاز) سیام - سیلان - آچین - مکاسر - جزایر مالدیپ - موزمبیق وغیرہ مقامات کو لیجاتے ہیں وہ بھی اُسکے مبادلہ میں سونا چاندی ہی لاتے ہیں اور یہہ بھی اُس روپیہ کی طرح جو بندرِ مُخا - بصرہ - اور بندرِ عبّاس سے آتا ہے یہیں رہجاتا ہے - اور جو سونا چاندی ڈچ لوگ جاپان کی کانوں سے نکالتے ہیں اُسمیں سے بھی تھوڑا بہت کسی نہ کسی وقت یہاں آرہتا ہے - اور جو روپیہ براہ راست فرانس اور پُرتگال سے آتا ہے وہ بھی شاذونادر ہی یہاں سے پھر باہر جاتا ہے کیونکہ اُسکے عوض بھی مال و اسباب ہی دیا جاتا ہے - اگرچہ مَیں جانتا ہوں کہ لوگ یہہ اعتراض کرینگے کہ ھِندوستان کو تانبا - لونگ - جائپھل - دارچینی وغیرہ چیزوں اور ہاتھیوں کی ضرورت رہتی ہے کہ جنکو ڈچ فرنگستان - جاپان - مَلاکا اور سیلان سے لاتے ہیں اور سیسہ بھی باہر ہی سے آتا ہے - جسمیں سے تھوڑا سا انگلستان سے انگریز بھیجتے ہیں - اور فرانس سے بانات اور اَور چیزیں آتی ہیں اور غیر ملک کے گھوڑوں کی بھی احتیاج رہتی ہے - جو ہر سال ۲۵ پچیس ہزار سے زیادہ مُلک اُزبک (ترکستان) سے اور بہت سے قندھار

کے رستے ایران سے۔ اور بندر مُخا اور بَصرہ اور بندر عَبّاس کی راہ سے اتھوپیا (حبش) اور عرب اور فارس سے آتے ہیں۔ اسی طرح بہت سا تر و خشک میوہ سَمَرقند۔ بلخ۔ بُخارا۔ اور ایران سے آتا ہے مثلاً سردے۔ سیب۔ ناشپاتی۔ اور انگور جو کثرت سے دِھلی میں خرچ ہوتے ہیں۔ اور جاڑے بھر بڑی قیمت پر بکتے رہتے ہیں اور بادام۔ پستہ فندق۔ زرد آلو۔ خوبانی۔ کشمش وغیرہ جو بارہ مہینے ملتے ہیں۔ اسی طرح کوڑیاں جزائر مالدیپ سے آتی ہیں جو بنگالہ اور اَور مقامات میں بجائے پیسے دھیلے وغیرہ کم قیمت سکوں کے مستعمل ہیں۔ اور عنبر جزائر مالدیپ اور مَوزَم بیق سے آتا ہے۔ اور گینڈے کی سینگ اور ہاتھی دانت اور غلام اتھوپیا سے اور مُشک اور چینی کے برتن چین سے اور موتی بحرین اور ٹوٹی کارن سے جو سیلان کے نزدیک ہے آتے ہیں۔ مگر باوجود اسکے ان چیزوں کے بدلے سونا چاندی نہیں جاتا کیونکہ جو سوداگر یہہ جنسیں لاتے ہیں وہ اِسمیں زیادہ فائدہ سمجھتے ہیں کہ اُنکے مبادلہ میں یہاں کی جنسیں ہی اپنے مُلک کو لیجائیں۔ پس اگرچہ ہندوستان میں غیر ملکوں سے قدرتی یا مصنوعی چیزیں آتی ہیں مگر وہ دُنیا بھر کے سونے یا چاندی کے ایک بڑے حصّہ کی جو بہت سے ذریعوں سے یہاں آتا ہے یہیں رہجانے کی مزاحم نہیں ہیں۔ اور پھر وہ بمشکل ہی یہاں سے کہیں کو واپس جاتا ہے

شہنشاہ مغل کی دولتمندی کے ذریعوں اور اُسکے مخالف امور کا ذکر

یہہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب کوئی امیر یا منصبدار چھوٹا یا بڑا مرتا ہے تو اُسکی جائداد سرکار بادشاہی

میں ضبط ہوجاتی ہے اور اس سے بڑھکر یہہ امر ہے کہ ہندوستان کی تمام زمین مکانات اور باغات کے سوا جنکے فروخت وغیرہ کی اجازت بعض اوقات رعایا کو دیدی جاتی ہے بادشاہ کی ملکیت ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ اس تمام بیان سے میں نے یہہ ثابت کردیا ہے کہ اگرچہ سونے چاندی کی کانیں یہاں نہیں ہیں مگر تاہم سونا چاندی یہاں کثرت سے ہے اور یہہ کہ شہنشاہ مغل جو اس ملک کے ایک بڑے حصہ کا مالک ہے اُسکا محاصل بیشمار اور وہ نہایت ہی دولتمند ہے۔ لیکن باوجود اسکے بہت سے ایسے اسباب مخالف بھی ہیں جو بالموازنہ اُسکی دولتمندی کے نقصان کے باعث ہیں۔ مثلاً ملک کے بہت سے وسیع حصے جن سے ہندوستان کی شہنشاہی مرکب ہے۔ خشک پہاڑوں اور ریت کے بیابانوں سے کچھ ہی اچھے ہیں۔ طریق زراعت بھی خراب ہے۔ اور آبادی بھی بہت ہی کم ہے۔ اور قابل زراعت زمین کا ایک بڑا حصہ کاشتکاروں کی قلت کی وجہ سے جو اکثر حکام کی بدسلوکی سے تباہ اور برباد ہوجاتے ہیں خالی پڑا رہتا ہے* چنانچہ یہہ بیچارے غریب آدمی جب اپنے سخت گیر اور لالچی حاکموں کی خواہشوں کو پورا نہیں کرسکتے تو نہ صرف اُن کے رزق کا ذریعہ ہی چھین لیا جاتا ہے بلکہ اُن کے بال بچے بھی پکڑ کر لونڈی غلام بنا لیئے جاتے ہیں۔ اور یہہ بیچارے اپنا گھر بار چھوڑ کر کسیقدر آرام سے دن کاٹنے کے لیئے شہروں یا لشکر گاہوں میں چلے جاتے اور حمالی سقائی یا سائیسی وغیرہ کرکے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ اور بعضے کسی راجہ کے علاقہ میں جہاں یہہ ظلم وستم کسیقدر کم دیکھا

* جیساکہ راجپوتانہ میں اب بھی ہے۔ س م م

دیتا ہے[1] اور یہاں کی نسبت کچھ آرام ملتا ہے بھاگ جاتے ہیں۔ اور اس سلطنت میں بہت سی قومیں ایسی بھی آباد ہیں جنپر بادشاہ کی کامل حکومت نہیں ہے اور اکثر اُن میں سے ایسی ہیں جنکا رئیس خود انہیں میں کا ایک شخص ہے اور صرف اسقدر خراج ادا کرتے ہیں جبکہ سلطنت کی طرف سے کچھ زور ڈالا جاتا ہے۔ اور اُن میں سے اکثر تو بہت تھوڑا خراج دیتے ہیں۔ اور بعض کچھ بھی نہیں دیتے۔ اور بعض ایسی ہیں کہ دینا تو کیا اُلٹا کچھ لیتے رہتے ہیں۔ مثلاً وہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں جو سرحد ایران پر ہیں شاذ و نادر ہی ایران یا ہندوستان کو کچھ خراج دیتی ہیں۔ ایسا ہی حال بلوچستان اور اور پہاڑی قوموں کا ہے جو شہنشاہ

---

[1] یہہ بات بالکل سچ ہے۔ چنانچہ اُن سببوں کے بیان میں جنکے باعث کوچ بہار کی فتح کے بعد اُس علاقہ کی رعایا نے بغاوت کی اور اپنے بھاگے ہوئے راجہ پیم نراین کو واپس بُلاکر پھر قائم کرلیا خود صاحب عالمگیر نامہ نے بضمن واقعات سنہ ۱۰۷۱ و سنہ ۱۰۷۲ ہجری مطابق سال چہارم و پنجم جلوس اورنگ زیب جو کچھ لکھا ہے مزید وثوق کے لیئے ہم اسجگہ بعینہٖ نقل کرتے ہیں "و ایں سانحہ بداں جہت وقوع یافت کہ چمعے کہ بنظم و نسق مہمات مالی آن ولایت متعین گشتہ بودند باقتضاے مصلحت و تدبیر کارنکردہ بدستورے کہ در ممالک محروسہ بادشاہی معمول است شروع در جمعبندی آن ولایت و مطالبت اہوال از رعیت نمودند۔ از انجا کہ زمینداران مملکت ہندوستان بمقتضاے تدبیر بجہت تسخیر قلوب و استمالت رعایا کہ سرِ از ربقۂ اطاعت و انقیاد نمی آنہا برندارند در مال زمینداری خویش مساہلہ در اخذ مال کار می برند و دستور و قانونے کہ در ممالک محروسہ معمول است بعمل نمی آرند و پیم نراین نیز بریں قرار عمل میکرد کافہ رعایا از انجا از وقوع آن معاملہ و قرار آن دستور کہ از آئین معہود آن دیار بعید بود و بایستے بتدریج سمت ظہور و استمرار گیرد متوحش و نفور گشتہ خواہاں پیم نراین شدند و او را بفرود آمدن از کوہستان و تحریک سلسلہ فساد ترغیب نمودند و ہمگی اہل آن دیار بہ او پیوستند و دگر بارہ او را بحکومت و ریاست برگرفتہ بر سر محمد صالح نام یکے از منصبداران بادشاہی کہ در موضع کمل پاڑی بود ریختند" ۱۲ مع

مغل کو بجز قدر قلیل کچھ نہیں دیتیں اور اپنے آپکو قریب خودسر اور آزاد کے سمجھتی ہیں اور اُنکی خودسری اور آزادی اس سے ثابت ہے کہ شہنشاہ مغل نے جب قندھار کے محاصرہ کی غرض سے کابل جانیکے لیئے مقام اٹک سے کوچ کیا (جو دریاے سندھ کے کنارے آباد ہے) تو اِن قوموں نے پہاڑوں سے پانی کا اُن میدانوں میں پہنچنا بند کردیا جو شاہراہ کے متصل تھے اور جبتک بادشاہ سے انعام حاصل نکرلیا جو خیرات کے نام سے عنایت کیا گیا تھا فوج کا آگے کو بڑھنا اس طرح پر بالکل روکے رکھا۔ پٹھان لوگ بھی بڑے سرکش ہیں اور یہہ وہ مسلمان قوم ہے جو پہلے بنگالہ[1] کی جانب گنگا کے کنارے آباد تھی اور مغلوں کے ھندوستان پر حملہ کرنے سے پہلے اکثر مقامات میں انکو بہت قوت حاصل تھی اور بالتخصیص دھلی[2] میں تو بہت ہی زور تھا۔ اور اُسکے قرب جوار کے بہت سے راجہ اِن کے خراج گزار تھے اس قوم کے ادنی شخص یہانتک کہ ایسے لوگ بھی جو سقائی کرکے گزران کرتے ہیں دلیر اور سپاہی منش ہیں۔ اور جب کسی بات کی صداقت پر زور دینا چاہتے ہیں تو اُنکا یہہ معمولی مقولہ ہے "کہ اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو دِھلی کا تخت مجھے نصیب نہو"

یہہ ھندو اور مغل دونوں کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنے پہلے رتبہ اور اقتدار کو یاد کرکے مغلوں سے (جنہوں نے اِن کے بزرگوں کو اُنکی بڑی بڑی ریاستوں سے بیدخل کردیا اور دِھلی اور آگرہ سے

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ شیرشاہ سور کی سلطنت سے مُراد ہے۔ س م ح

[2] لودیوں کی سلطنت سے مُراد ہے۔ س م ح

دور پہاڑوں کی جانب نکالدیا) سخت نفرت رکھتے ہیں اور ان میں سے اگرچہ بعض بعض پہاڑوں میں چھوٹے چھوٹے رئیس بن بیٹھے ہیں مگر کچھ زیادہ طاقتور نہیں ہیں۔

شاہ بیجاپور بھی کچھ خراج نہیں دیتا بلکہ اپنے ملک کے بچانیکو لیئے شہنشاہ ہندوستان سے ہمیشہ لڑتا رہتا ہے۔ لیکن اُسکے مُلک کی حفاظت کا ذریعہ صرف اُسکی فوج ہی نہیں بلکہ اَور بھی بہت سی خاص حالتیں ہیں۔ مثلاً اُسکا مُلک آگرہ اور دھلی سے جو شہنشاہ مغل کے دارالسلطنت ہیں بہت فاصلہ پر ہے۔ اور شہر بیجاپور بذات خود بھی ایک مستحکم مقام ہے اور قرب وجوار کے مُلک میں گھاس اور پانی کی کمیابی اور خرابی کی وجہ سے حملہ آور فوج کو آسانی کے ساتھ وہانتک پہنچنا دشوار ہے۔ اور بہت سے راجہ خود اپنے بچاؤ کی خاطر غنیم کے حملہ کے وقت اپنی اپنی فوجیں لیکر اُسکی مدد کو آجاتے ہیں۔ چنانچہ تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ سیواجی نامے ایک مشہور شخص نے خاص شاہی علداری میں گھسکر بندر سورت کو جو دولتمندی کے لحاظ سے ایک مشہور جگہہ ہے خوب لوٹا اور جلایا۔ اور یہہ چال چلکر بیجاپور کو عین ضرورت کیوقت بادشاہی فوجوں کے زور اور غلبہ سے بچالیا۔

اِن باتوں کے علاوہ شاہ گولکنڈا بھی جو ایک دولتمند اور طاقتور بادشاہ ہے مخفی طور پر اُسکو روپیہ پیسے سے مدد دیتا رہتا ہے۔ اور سرحد پر ہمیشہ اس غرض سے فوج متعین رکھتا ہے کہ ایک تو اپنے مُلک کی حفاظت کرے اور دوسرے اگر بیجاپور پر زیادہ زور پڑے تو اُسکو بھی مدد دے سکے

الغرض جو لوگ شہنشاہ مغل کو کچھ خراج نہیں دیتے اُن میں سو[۵] سے زیادہ اچھے طاقتور ہندو راجہ بھی شامل ہیں جنکی ریاستیں دھلی اور آگرہ سے کوئی دور کوئی نزدیک تمام سلطنت کے اندر جا بجا پھیلی ہوئی ہیں اور اِن میں سے پندرہ[۱۵] یا سولہ[۱۶] تو بہت ہی دولتمند اور زبردست ہیں۔ خصوصاً رانا ے اودے پور

---

[۵] فی زمانہ ہندوستان کے چھوٹے بڑے ہندو اور مسلمان والیان ملک جو ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریا قیصر ہند کے ظل عاطفت شاہنشاہی میں گورنمنٹ ہند کی پولیٹکل نگرانی کی پنجہ ہندوستان کے مختلف حصّوں میں اپنے اپنے علاقوں میں فرمانروائی کا اختیار رکھتے ہیں چار سو پچاس کے قریب ہیں۔ جن میں بعض سے گورنمنٹ انگریزی قابل برداشت اور معینہ طور پر کچھ سالانہ خراج لیتی ہے۔ اور بعض سے کچھ بھی نہیں بلکہ جنکی ریاستوں کی بقا اور قیام کے لیئے اپنی بے نظیر فیاضی سے شہنشاہی سرکار نے اُنکے بے اولاد ہونے کی حالت میں عموماً متبنے کر لینے کا بھی اختیار دیا ہوا ہے۔ باعتبار رقبہ کے پانچ لاکھ میل مربع زمین اور پانچ کرور رعایا پر انکی حکومت ہے۔ اور فوج اِن کُل ریاستوں کی شمار میں تین لاکھ پینتالیس[۳۴۵] ہزار ہے۔ مگر باقاعدہ اور کام کے لایق کم اور مختلف الکیفیت ہونیکی وجہ سے کمی زیادہ تر ہے۔ اور بمقابلہ اسکے کُل سلطنت ہند کا رقبہ مع مُلک برھما مقبوضہ جدید (مگر باستثنار بلوچستان ونیپال وبھوٹان کی ریاستوں کے جنکی پیمائش اور مردم شماری ابھی نہیں ہوئی) پندرہ لاکھ میل مربع اور قریب چھبیس[۲۶] کرور کے مردم شماری ہے۔ پس اس حساب سے منجملہ کُل رقبہ سلطنت کے مذکورہ بالا ہندوستانی والیان مُلک کے قبضہ میں ایک ثلث زمین ہے۔ اور کُل مردم شماری میں سے پانچویں حصّہ سے کچھ کم انکی رعیت ہے۔

اور گورنمنٹ ہند کی آمدنی جو ۱۸۸۶ء کی بجٹ کی رو سے چھہتر[۷۶] کرور روپیہ ہے اسکے مقابلہ میں اِن سب ریاستوں کی آمدنی من کُل الوجوہ قریب ایک چوتھائی کے ہے۔ مگر گورنمنٹ انگریزی کی چھہتر[۷۶] کرور سالانہ آمدنی خزانہ میں وہ کروروں روپیہ شامل نہیں ہے جسکو لوکل فنڈ لوکل ریٹ میونسپل فنڈ وغیرہ کہتے ہیں۔ اور جسکا مقصود یہ ہے کہ جس شہر یا ضلع سے جن مقاصد مخصوصہ رفاہ رعایا کے لیئے لیا جاتا ہے۔ اُنہیں مقاصد اور اُنہیں مقامات کے سوا اور کسی کام اور مقام میں صرف نہیں

(جو کسیوقت اِن راجاؤں کا شہنشاہ خیال کیا جاتا تھا اور جسکو راجہ پُورَس[1] کی نسل سے بتاتے ہیں) اور جَے سِنگھ اور جسونت سِنگھ ایسے ہیں کہ اگر یہہ تینوں اتفاق کرلیں تو شہنشاہ کے لیئے بیشک خطرناک ثابت ہوں - کیونکہ اِن میں سے ہر ایک بیس ہزار سوار لڑائی کے لیئے ہر وقت مہیّا کرسکتا ہے اور وہ بھی ایسے عمدہ کہ ہندوستان میں کوئی اُن کے مقابلہ کا نہیں ہے - یہہ سوار راجپوت کہلاتے ہیں جسکے معنی ہیں راجاؤں کی اولاد - سپاہ گری انکا آبائی پیشہ ہے اور اس شرط پر اِن کو جاگیریں ملتی ہیں کہ ہمیشہ گھوڑے پر چڑھکر راجہ کی رفاقت میں رہیں - یہہ لوگ بڑے جفاکش ہیں اور اگر لڑائی کے فن کی تعلیم دیجائے تو نہایت ہی عمدہ سپاہی بن سکتے ہیں - یہہ بات بھی

نہیں کیا جاتا - البتہ چھہتر کرور روپیہ کی رقم ایسی ہے کہ سرکار جسطرح چاہتی ہے اُسکے خرچ کی تفریق کرتی ہے - مگر ہندوستانی ریاستوں کی طرح اُس میں سے بھی خزانہ سلطنت میں پس انداز اور جمع کچھ نہیں کیا جاتا - سال واربقدر آتا ہے اُسیقدر رعایا کی بہتری اور انتظام سلطنت کے کاموں میں خرچ کردیا جاتا ہے - اور برخلاف شاہ جہاں اور عالمگیر کے زمانہ کی طرز حکومت کے جس میں ریاستوں کی رعایا شاہی رعیت سے زیادہ آرام پاتی تھی - اب گورنمنٹ انگریزی کی رعایا زیادہ خوشحال اور فارغ البال ہے - س م ح

[1] یہہ وہی شخص ہے جسکا نام نظامی نے سکندر نامہ میں پُور لکھا ہے جو ایک زبردست راجا تھا جسکا راج کوہ کملیوں سے لیکر قنوج تک تھا اور جو ستلج کے شمالی کنارہ پر سنہ مسیحی سے تین سو اٹھائیس برس پہلے مقدونیا کے مشہور و معروف بادشاہ سکندر اعظم سے لڑکر مغلوب ہوگیا تھا - اور سکندر کی سلطنت ہندوستان میں قنوج تک ہوگئی تھی - س م ح

جتلانی ضرور ہے کہ شہنشاہ مغل مسلمانوں کے "سُنّی" فرقہ میں سے ہے جیسے کہ ترک لوگ ہیں جو پیغمبر اسلام کا سچا خلیفہ عثمان کو جانتے اور عثمانی[1] کہلاتے ہیں - مگر دربار کے اُمرا زیادہ تر ایرانی ہیں جنکا مذہب شیعہ ہے اور اس امر کے معتقد ہیں کہ برحق خلیفہ علی تھے - اِن باتوں کے سوا شہنشاہ مغل اس مُلک میں اجنبی ہے - کیونکہ وہ تیمور کی نسل سے ہے جو اُن مغلوں کا سردار تھا جو ممالک تاتار سے آئے تھے - اور جسنے سنہ ۱۴۰۱ء (ایکہزار چار سو ایک) میں ہندوستان کو تاخت و تاراج اور فتح کیا تھا اور بدیں نظر وہ گویا دشمنوں کے ملک میں یا کم سے کم ایسے مُلک میں جہاں ایک مغل بلکہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں سیکڑوں ہندو موجود ہیں سلطنت کرتا ہے پس ایسی حالت میں کہ جہاں ایسے زبردست اور اندرونی دشمن موجود ہیں قوت قایم رکھنے اور سرحد پر اُزبکوں اور ایرانیوں کے حملوں کے روکنے کے کو مستعد رہنے کے لیئے اُسکو صلح کے زمانہ میں بھی ایک بڑی فوج تیار رکھنی پڑتی ہے - جسمیں یا تو اس ملک کے باشندے بھرتی ہیں جیسے راجپوت اور پٹھان - یا اصل مغل اور وہ لوگ جو اگرچہ مغل نہیں ہیں اور اسی وجہ سے اُنکی ویسی قدر بھی نہیں ہے - مگر پردیسی اور مسلمان اور گورے رنگ کے ہونیکی وجہ سے مغل ہی کہلاتے ہیں - لیکن زمانہ سابق کے موافق اُمرا دربار اب اکثر اصل مغل نہیں ہیں - یا تو ازبک (ترکستانی) - ایرانی - عرب - تُرک (رومی) وغیرہ لوگوں کا مجموعہ ہیں - یا اِن سب قسم کے لوگوں کی ہندوستان زاد اولاد میں سے

---

[1] سلاطین عثمانیہ کے عثمانی کہلانے کی وجہ اور مصنف کے اس بیان کی غلطی ہم ایک حاشیہ میں اسی جلد کے سولہویں صفحہ میں لکھ چکے ہیں اُسکو ملاحظہ کرنا چاہیئے - س م ح

ہیں۔ مگر ان سب اقسام کے لوگوں کو ایک عام لقب کے طور پر مغل ہی کہا جاتا ہے۔ مگر ہاں مجھے اس بات کا بیان کر دینا بھی مناسب ہے کہ مذکورہ بالا اقسام کے نو وارد مسلمانوں کی اولاد کے لوگ جو تیسری چوتھی پشت میں گندمی رنگ اور ہندوستانیوں کے سے کاہل مزاج ہو جاتے ہیں اُنکی قدر تازہ وارد لوگوں کی سی نہیں کیجاتی۔[۵] اور اُنکو شاذ و نادر ہی کوئی عہدہ دیا جاتا ہے۔ اور وہ اُسکو اپنی خوش طالعی سمجھتے ہیں کہ کہیں سواروں یا پیدلوں میں نوکری مل جائے۔

شہنشاہ مغل کی فوجی قوت

خداوندمن۔ اَب اس بات کا موقع ہے کہ میں شہنشاہ مغل کی سپاہ کا خاص طور سے کچھ ذکر کروں تاکہ آپ بلحاظ اُن اخراجات کثیر کے جو اُسکو فوج کی بابت کرنے پڑتے ہیں اپنی رائے قائم کر سکیں کہ آیا حقیقتاً اُسکی فوج کسقدر ہے اور وہ کن لوگوں میں سے بھرتی کیجاتی ہے۔ پس پہلے میں اُس دیسی فوج کا ذکر کرتا ہوں جسکی تنخواہ کا ادا کرتے رہنا بادشاہ پر واجبات سے ہے۔

واضح ہو کہ جے سنگھ۔ جسونت سنگھ اور اَور راجہ جنکو بڑی بڑی رقمیں اس غرض سے ملتی ہیں کہ اپنے ہمقوم راجپوتوں کی ایک خاص تعداد شاہی خدمات کے لیئے ہمیشہ تیار رکھیں۔ اُنکی فوجیں اِسی ذیل میں ہیں۔ اور اُن سے خواہ اُس فوج میں کام لیا جائے جو ہمیشہ حاضر رکاب رہتی ہے خواہ کسی صوبہ میں مگر منصب مسلمان اُمرا کے برابر ہیں۔ اور جن قاعدوں کی پابندی اُنپر واجب ہے

---

[۵] جیسا کہ ہمارے زمانہ میں بھی بمقابلہ ولایت زا انگریزوں کے مخلوط النسل اور ہندوستان زا انگریزوں کی قدر و منزلت کم ہے۔ س م ح

اپنے بھی واجب ہے یہانتک کہ اپنی جمعیت کے ساتھ معمولی چوکی دینے کو حاضر ہوتے ہیں۔ مگر اتنا فرق بیشک ہے کہ جب کبھی بادشاہ قلعہ میں ہوتا ہے تو یہ باہر اپنے خیموں ہی میں رہکر نوکری بجالاتے ہیں۔ اور چوبیس گھنٹے تک قلعہ کی دیواروں کے اندر محصور رہنے کو گوارا نہیں کرسکتے۔ اور جبتک کہ انکے جانباز راجپوت سپاہی ساتھ نہوں کسی قلعہ کے اندر جانا قبول نہیں کرتے۔ راجپوتوں کی جانبازیوں کا امتحان ایسے موقعوں پر بخوبی ہوچکا ہے جبکہ کسی راجہ کی نسبت یہہ ارادہ کیا گیا کہ فریب سے قید کیا جائے۔

راجپوت راجاؤں کے فوج میں بھرتی کیئے جانے کے سبب۔

بادشاہ جو اُن راجاؤں کو اپنی ملازمت میں رکھتا ہے اسکے کئی سبب ہیں۔ اوّل یہہ کہ راجپوت نہ صرف عمدہ سپاہی ہیں بلکہ جیسا کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں بعض راجہ ایک روز میں بیس ہزار سپاہی لڑائی کے لیئے حاضر کرسکتے ہیں۔ دوسرے یہہ کہ جو راجہ بادشاہی ملازم نہیں ہیں اور خراج دینے یا ضرورت کیوقت جنگی خدمات کے بجالانیکے عوض خود مقابلہ کو تیار ہوجاتے ہیں اُنکی مزاحمت اور تنبیہ و تادیب کا کام اُن سے لیا جاتا ہے۔ تیسرے یہہ کہ شہنشاہ مغل کی یہہ پالیسی ہے کہ اُن راجاؤں کے باہم نااتفاقی اور حسد و رشک قائم رہے۔ چنانچہ جب چاہتا ہے کسی ایک کی نسبت اپنی مہربانی و التفات کا اظہار کرکے اُن میں لڑائی کرادیتا ہے چوتھے یہہ کہ راجپوت لوگ پٹھانوں یا کسی باغی امیر یا صوبہ دار کے دبانیکے لیئے کارآمد ہوتے ہیں۔ اور اس کام کے لیئے ہمیشہ مستعد اور تیار ملتے ہیں پانچویں یہہ کہ جب کبھی گولکنڈے کا بادشاہ خراج ادا نہیں کرتا یا شاہ بیجاپور یا اپنے

کسی اور ہمسایہ راجہ کی مدد کو جب کوئی شہنشاہ مغل مطیع کرنا چاہتا ہے تیار ہو جاتا ہے تو اُسکے مقابلہ کے لیئے اِن راجاؤں کو اور اُمرا پر جو اکثر ایرانی اور بادشاہ گولکنڈے کے ہم مذہب ہیں ترجیح دیجاتی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ یہہ راجہ اُسوقت کام آتے ہیں جبکہ شاہ ایران سے لڑائی کا موقع آن پڑتا ہے۔ اور امراء دربار جو ایران کے رہنے والے ہیں جیسا کہ مینے ابھی بیان کیا ہے اس خیال سے کانپتے ہیں کہ اپنے اصلی بادشاہ سے لڑیں خصوصاً وہ اُسکو اولاد علی* اور اپنا امام اور خلیفہ ماننے کی وجہ سے اُسکے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھانیکو نہایت گناہ سمجھتے ہیں۔

پٹھانوں کی فوج کے ملازم رکھنے کا سبب

اور جن خیالات سے راجپوتوں کی فوج رکھی جاتی ہے اُسی قسم کے وجوہات سے شہنشاہ مغل کو پٹھانوں کی بھی ایک فوج موجود رکھنی پڑتی ہے۔

ولایت زایا سپاہ مغلیہ کا بیان

اَب ولایت زایا سپاہ مغلیہ کا (جیسا کہ میں لکھچکا ہوں) تیار رکھنا بھی ایسا ہی ضروری ہے اور چونکہ سلطنت کی اصل فوج یہی سپاہ ہے۔ اور اسپر بڑا روپیہ صرف ہوتا ہے۔ پس اُمید ہے کہ آپ کے نزدیک بھی اسکا کسیقدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جانا بیموقع نہوگا۔ اِس فوج میں سوار بھی ہیں اور پیادے بھی۔ اور اسکے دو حصّے خیال کیئے جاسکتے ہیں جنمیں سے ایک تو ہمیشہ حاضر رکاب اور دوسرا مختلف صوبوں میں متعیّن رہتا ہے

* مصنف کے زمانہ میں یہہ ایک اتفاقی بات تھی کہ شاہان صفویہ فرمانروائے ایران ذات کے سیّد تھے مگر اُن کا امام یا خلیفہ ماناجانا بالکل غلط ہے۔ گو سیادت کے باعث سے کیسے ہی واجب الادب سمجھے جاتے ہوں۔ س م ج

فوج حاضر رکاب میں سے مَیں پہلے اُمرا پھر منصبدار پھر روزینہ دار اور سب سے اخیر میں معمولی سواروں کا ذکر کرکے اُسکے بعد فوج پیادہ اور اُسکے ضمن میں بندوقچیوں اور تمام پیدل سپاہیوں کا جو دونوں قسم کے توپخانوں میں کام دیتے ہیں بیان کرتا ہوں۔

دربار مغلیہ کے امیروں کے موروثی اور خاندانی امیر نہونے کی وجہ۔

یہہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ دربار مغلیہ کے امیر بھی اُمرائے فرانس کی طرح موروثی امیر ہیں۔ کیونکہ سلطنت کی تمام زمین بادشاہ کی ملکیّت ہے اور اسیوجہ سے یہاں کوئی ایسی خاندانی ریاست نہیں ہے جیسے کہ ہمارے کسی ڈیوک یا مارکوئس کی ہوتی ہے اور نہ کوئی ایسا خاندان پایا جاسکتا ہے جو خود اپنی ملکیّت کی زمین اور جائداد جدّی و خاندانی کی وجہ سے صاحب ثروت گنا جاتا ہو۔ اور اُسکی آمدنی سے اُسکے اخراجات چلتے ہوں۔ بلکہ برعکس اسکے یہاں کے اہل دربار تو اکثر ایسے ہیں جنکے باپ تک بھی امیر نتھے۔ اور چونکہ اُمرا کی کُل جائداد اُن کے مرتے ہی ضبط سرکار ہوجاتی ہے اسلیئے ظاہر ہے کہ کسی خاندان کا اعزاز و امتیاز دیر تک کسطرح قائم رہ سکتا ہے۔ بلکہ اکثر تو امیر کے مرتے ہی سب کچھ نیست و نابود ہوجاتا ہے۔ اور اُسکے بیٹوں کی نہیں تو پوتوں کی حالت تو ضرور فقیروں کی سی ہوجاتی ہے۔ اور عام لوگوں کی طرح کسی امیر کی فوج کے سواروں میں نوکری کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ مگر ہاں اتنی رعایت ضرور ہوتی ہے کہ جو امیر مرجاتا ہے جائداد ضبط کرلینے کے بعد بادشاہ اُسکی بیوہ کے لیئے تو عموماً اور اہل خاندان کے لیئے اکثر کسیقدر وظیفہ مقرر کردیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی امیر بڑی عمر پاتا ہے

تو اپنے جیتے جی اپنی اولاد کے لیئے بشرطیکہ بادشاہ کی مہربانی ہو کوئی منصب بھی حاصل کر سکتا ہے خصوصاً اُس حالت میں جبکہ وہ ڈیل ڈول اور چہرے مہرے کے اچھے اور رنگ کے بھی گورے چٹے ہوں۔ جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وہ اصل مغل ہیں۔ لیکن اس شاہی عنایت کی صورت میں بھی بیٹا باپ کا جانشین نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ یہ معمولی قاعدہ ہے کہ چھوٹے اور قلیل تنخواہ کے منصب سے بڑی ذمہ داری اور کثیر تنخواہ کے منصب تک رفتہ رفتہ اور بہت تدریج کے ساتھ ترقی ملتی ہے۔ اسلیئے امرائے سلطنت ایسے مختلف الاقوام شخصوں کا مجموعہ ہیں۔ جو ایکدوسرے کی دیکھا دیکھی قسمت آزمائی کے لیئے ممالک غیر سے یہاں آ گھستے ہیں۔ اور اکثر کم نسلے بلکہ غلام۔ اور باستثنا بعض خاص شخصوں کے عموماً علم سے بے بہرہ ہیں اور اِن کا اعلیٰ سے اعلیٰ منصب پر پہنچا دینا یا بالکل ذلیل و خوار بنا دینا محض بادشاہ کی خوشی اور تلوّن طبع پر موقوف ہے۔

اُمرا کے مدارج اور تنخواہ وغیرہ کا ذکر بعض امیروں کا منصب اور لقب ہزاری ہے یعنی ایکہزار کا مالک اور بعض کا دوہزاری اور بعض کا پنجہزاری اور بعض کا ہفت ہزاری۔ اور بعض کا دہ ہزاری۔ اور کسیوقت کوئی امیر دوازدہ ہزاری بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ شہنشاہ مغل کا بڑا بیٹا تھا۔ مگر اِن کی تنخواہ کا اندازہ سوار کے شمار پر نہیں ہے۔ بلکہ بلحاظ گھوڑوں کی تعداد کے ہے۔ اور عموماً ہر ایک سوار کو دو گھوڑے رکھنے کی اجازت ہے تاکہ نوکری میں حرج نہو۔ کیونکہ اُس گرم مُلک میں یہہ ایک کہاوت ہے کہ ایک گھوڑے کا سوار لنگڑا ہے۔ لیکن یہہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ امیروں کو فی الواقع دوازدہ ہزاری وغیرہ بڑے بڑے

القابوں کے موافق اتنے ہی گھوڑے ضرور رکھنے پڑتے ہیں۔ یا کہ یہ عظیم الشان لقب جو زور و اعتقاد اور اجنبی لوگوں کے بہکانے اور دھوکا دینے کے لیئے ایجاد کیئے گئے ہیں ٹھیک انہیں کے موافق تنخواہ ملتی ہے۔ بلکہ اصل بات یہہ ہے کہ بادشاہ خود مقرر کر دیتا ہے کہ ہر ایک امیر کو حقیقتاً کتنے گھوڑے رکھنے لازم ہیں اور کتنے رعایتاً معاف اور فرضی ہیں جنکی تنخواہ اُسکو ملتی رہیگی۔ اور یہہ فرضی سواروں کی تنخواہ ہی امیروں کی تنخواہ کا ایک بہت بڑا حصّہ ہے۔ مگر یہہ لوگ ہر ایک سوار کی تنخواہ میں سے کچھ وضع کر کے اور اُن گھوڑوں کی جو حاضر رکھنے لازمی ہیں جھوٹی فردیں پیش کر کے اپنی آمدنی اَور بھی بڑھا لیتے ہیں جو اس طرح پر مِل جُل کر بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ خصوصاً جبکہ خوش قسمتی سے تنخواہ کے عوض جاگیر ملجائے۔ چنانچہ مَیں ایک پنجہزاری امیر کے ماتحت ملازم تھا جسکے پاس جاگیر بھی تھی اور صرف نقد تنخواہ خزانہ سے ملتی تھی۔ مگر اسپر بھی پانسو گھوڑوں کی تنخواہ وغیرہ کے ادا کرنیکے بعد جو اُس کو حاضر رکھنے لازمی تھے پانچہزار کراؤن یعنی ساڑھے بارہ ہزار روپیہ ماہوار اُسکی آمدنی تھی۔ مگر باوجود اِن بڑی بڑی آمدنیوں کے مینے یہہ امیر دولتمند بہت کم دیکھے بلکہ بہت مفلس اور نہایت قرضدار ہیں۔ اور یہہ قرضداری اسوجہ سے نہیں ہے کہ اَور ملکوں[۵۱] کے امیروں کی طرح کھانے کھلانے میں بہت کچھ خرچ کر دیتے ہیں بلکہ نہایت قیمتی پیشکش جو سالانہ جشنوں کے موقعوں پر بادشاہ کو دینے پڑتے ہیں اور انکی عورتوں اور نوکر چاکروں کا ایک لشکر اور

۵۱ یورپ کے لارڈوں وغیرہ سے مراد ہے۔ س م ح

اونٹوں اور گھوڑوں کی کثرت اسکا باعث ہیں۔ ※

اُمرا کی تعداد اور اُنکی سواری کے طریقہ کا ذکر

اُمرائے متعینہ صوبہ جات۔ اور اُمرائے مامور با افواج اور اُمرائے حاضرین دربار بہت ہی ہیں مگر کچھ تعداد مقرر نہیں ہے۔ اور میں معلوم نہیں کرسکا کہ سب کتنے ہیں۔ لیکن دربار میں پچیس[۲۵] یا تیس[۳۰] سے کم مینے کبھی نہیں دیکھے جو سب وہ بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں جنکا مینے ابھی ذکر کیا ہے۔ اور جو گھوڑوں کی تعداد پر موقوف ہے۔ جو ایکہزار سے لیکر بارہ[۱۲] ہزار تک مقرر ہے۔ انہیں امرا کو افواج مامورہ مہمات اور صوبجات اور دربار میں بڑے بڑے عہدے ملتے ہیں۔ اور یہی لوگ ارکان سلطنت ہیں جیسے کہ وہ خود بھی کہتے ہیں۔ اور دربار کی شان و شوکت انہیں کے وجود سے قائم ہے۔ اور یہہ نہایت عمدہ پوشاک کے بغیر

※ آئین اکبری میں جو درجہ وار فہرستیں ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمرا اور منصبدار کو باندازہ اپنے اپنے منصب کے گھوڑے یابو۔ ہاتھی۔ اونٹ۔ خچریں اور چھکڑے گاڑیوں کا ایک مقررہ تعداد کے موافق اپنے پاس موجود رکھنا امر لازمی تھا۔ مثلاً پنجہزاری امیر کو تین سو تینتیس[۳۳۳] گھوڑے اور یابو اور ایک سو ہاتھی اور انسی قطار اونٹ اور بیس[۲۰] قطار خچریں اور ایکسو ساٹھ[۱۶۰] ارابہ یعنی چھکڑے اور گاڑیاں رکھنی واجب تھیں اور اِن کے خرچ خوراک وغیرہ کے لیئے پنجہزاری کے منصبدار کو (علاوہ تنخواہ فوج کے جو اُسکو رکھنی پڑتی تھی) تیس[۳۰] ہزار روپیہ ماہوار سرکار شاہی سے ملتا تھا۔ اور چارہزاری کے منصبدار کو دوسو ستر[۲۷۰] گھوڑے۔ اور انسی ہاتھی اور پینسٹھ[۶۵] قطار اونٹ اور ستّرہ[۷۰] قطار خچریں اور ایکسو تیس[۱۳۰] ارابہ رکھنے پڑتے تھے۔ اور بائیس[۲۲] ہزار روپیہ ماہوار ملتا تھا۔ س م ح

کبھی گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ اور کبھی ہاتھی اور کبھی گھوڑے پر اور اکثر پالکی میں سوار ہوتے ہیں جنکے ساتھ بہت سواروں کے علاوہ بہت سے نفر خدمتگار وغیرہ ہوتے ہیں جو سوار کے آگے آگے اور دونوں طرف پاپیادہ چلتے ہیں جو نہ صرف راستہ میں سے لوگوں کو ہٹاتے ہیں بلکہ مورچھل ہلاتے اور گرد و غبار جھاڑتے اور خلال اور پیکدان اور پانی کی صراحی اور کبھی کبھی کوئی قصہ کہانی کی کتاب یا کاغذ لیکر ساتھ رہتے ہیں۔

امراء کے تسلیمات کے لیئے حاضر ہونے اور چوکی دینے اور شاہی عنایت سے کھانا عنایت ہونے کی کیفیت۔

ہر ایک امیر پر واجب ہے کہ ہر روز صبحکو دس گیارہ بجے جبکہ بادشاہ دربار میں عدالت کرنیکو بیٹھتا ہے۔ اور پھر شام کو چھ بجے تسلیمات کے لیئے حاضر ہو ورنہ سزا ملتی ہے۔ اور ہر ایک کو اپنی اپنی باری پر قلعہ میں حاضر ہو کر ہفتہ وار ایک رات دن چوکی دینی پڑتی ہے۔ اُسوقت یہہ لوگ اپنا بستر اور قالین اور اَور سامان ساتھ لاتے ہیں مگر کھانا شاہی خاصہ میں سے عنایت ہوتا ہے جسکے لینے کیوقت ایک خاص رسم ادا کیجاتی ہے۔ یعنی کھڑے ہو کر اور بادشاہ کے محل کی طرف رُخ کر کے امیر تین دفعہ تسلیمات بجالاتا ہے۔ یعنی اپنا ہاتھ اوّل زمین تک لیجاکر پھر ماتھے تک اُٹھاتا ہے۔

بادشاہ کی سواری کے وقت اُمراء کے حاضر رکاب رہنے کا ذکر۔

جب کبھی بادشاہ پالکی یا ہاتھی یا تخت رواں پر سوار ہو کر نکلتا ہے تو تمام اُمرا کو بجز اُن کے جو بیمار یا ضعیف العمر یا کسی خاص کام کی وجہ سے معاف ہوں حاضر رکاب رہنا ضروری ہے۔ البتہ جب کبھی شہر کے قرب و جوار میں شکار کو یا کسی باغ کو یا نماز کے لیئے

مسجد کو جاتا ہے تو بعض اوقات جریدہ بھی چلا جاتا ہے - یعنی صرف وہی اُمرا ساتھ ہوتے ہیں جنکی اُس روز چوکی ہوتی ہے - اور دستور ہے کہ بادشاہ پر تو خواہ شکار میں ہو خواہ فوج کو ساتھ لیکر کسی مہم پر جائے خواہ ایک شہر سے دوسرے شہر کو جاتا ہو بخوبی سایہ ہوتا ہے - مگر امرا کو خواہ کیسی ہی دھوپ یا بارش کیوں نہ ہو اور گرد و غبار سے دم کیوں نہ گھٹا جائے عموماً گھوڑے پر چڑھکر بغیر کسی طرح کے سایہ کے ساتھ رہنا پڑتا ہے -

منصبداروں کی تنخواہ وغیرہ کا بیان

منصبدار ایک قسم کے سوار ہیں جو منصب کی تنخواہ پاتے ہیں اور وہ ایک خاص قسم کی بخشش قرار اور عزت کی تنخواہ ہے - اور اگرچہ اُمرا کی تنخواہ کے برابر نہیں ہے - مگر معمولی سواروں سے بہت زیادہ ہے اور اسیوجہ سے یہہ کم درجہ کے اُمرا میں شمار ہوتے ہیں - اور انہیں میں سے اُمرا منتخب کیئے جاتے ہیں - اور یہہ بادشاہ کے سوا کسی کے ماتحت نہیں ہیں اور جو کام اُمرا سے لیئے جاتے ہیں وہی اِن سے لیئے جاتے ہیں - اور اگر اِن کے پاس بھی کسیقدر سوار ہوں جیساکہ پہلے دستور تھا تو یہہ بھی اُمرا کے برابر ہوجائیں مگر آجکل اِن کے پاس صرف دو یا چار یا چھ گھوڑے ہوتے ہیں جنپر بادشاہی داغ لگا ہوا ہوتا ہے - اِنکی تنخواہ بعض اوقات ڈیڑھ سو روپیہ مہینہ ہوتی ہے - اور سات سو روپیہ ماہوار سے زیادہ کبھی نہیں ہوتی - اِن کی تعداد معیّن نہیں ہے - لیکن اُمرا کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں اور اُن کے سوا جو صوبوں میں یا افواج مامورہ مہمات میں متعیّن ہیں مینے دربار میں دو تین سو سے کم کبھی نہیں دیکھے*

* اُمرا اور منصبداروں کی اسم وار فہرستیں جو بادشاہ نامہ میں موجود ہیں اُن سے ظاہر ہے

روزینہ داروں کی تنخواہ اور اُنکی خدمات اور مندرس سبا کا حکماً بجا جانا

روزینہ دار بھی ایک قسم کے سوار ہی ہیں جنکی تنخواہ روزمرہ ملجاتی ہے جیساکہ خود لفظ روزینہ دار سے ظاہر ہے۔ مگر اُنکی تنخواہ بخش قرار ہے۔ اور بعض اوقات تو اکثر منصبداروں سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ مگر یہہ تنخواہ چونکہ خاص طور کی ہوتی ہے اسوجہ سے کچھ زیادہ عزّت کی بات خیال نہیں کیجاتی۔ اور منصبداروں کی طرح یہہ لوگ "اجناس" یعنی ایسے قالین اور فرش فروش وغیرہ کے قیمتاً لینے پر بھی مجبور نہیں ہیں جو بادشاہی مکانوں میں استعمال میں آنیکے بعد منصبداروں کو حکماً لینے پڑتے ہیں۔ اور بعض اوقات ایک غیر واجب قیمت لگا دیجاتی ہے۔ ان لوگونکی تعداد بہت زیادہ ہے اور چھوٹے چھوٹے کام انکے متعلق ہیں۔ چنانچہ ان

حاشیہ صفحہ گزشتہ

کہ شاہ جہاں کی حکومت کے دہ سالہ اوّل کے خاتمہ تک کُل امیر اور منصبدار ہفت ہزاری سے پانصدی تک پانسو بانوے تھے جنمیں سے ایکسو اڑسٹھ شخص اسی دہ سالہ میں مر گئے تھے اور اِن کے علاوہ شہزادہ دارا شکوہ پندرہ ہزاری اور شجاع۔ اور اورنگ زیب دوازدہ ہزاری تھے اور شاہزادہ مُراد بخش کو محض پانسو روپیہ روزینہ ملتا تھا۔ کیونکہ شاہزادوں کے لیئے (بقول خافی خاں) دستور یہہ تھا کہ جب تک اُمرا کی طرح کسی مہم وغیرہ پر مامور ہوں منصب نہیں دیا جاتا تھا۔ اور صرف یمین الدولہ آصف خان خانخانان سپہ سالار و وزیر اعظم (بطور ایک غیر معمولی عنایت کے) نہ ہزاری تھا۔ اور دہ سالہ دوئم کے خاتمہ میں جو فہرست ہے اُسمیں شاہزادہ دارا شکوہ بست ہزاری اور شجاع اور اورنگ زیب پندرہ ہزاری اور مُراد بخش دوازدہ ہزاری تھے۔ اور آصف خاں کے مرجانیکے بعد نہ ہزاری کا منصب پھر کسی کو نہیں ملا۔ ہفت ہزاری کے درجہ تک (جو معمولی طور پر اس سے زیادہ منصب ہی نتھا اور "بقول خافی خاں" ایک وقت میں چار امیروں سے زیادہ ہفت ہزاری ہوتے

میں سے بہت سے متصدی اور نائب متصدی ہیں اور بہت سے اس کام پر مامور ہیں کہ "برات" یعنی اُن احکام پر جو روپیہ کے ادا کرنیکے باب میں صادر ہوتے ہیں سرکاری مُہر لگائیں اور وہ اِن احکام کے جلد جاری کر دینے کی عوض بیدھڑک رشوتیں لیا کرتے ہیں۔

عام سواروں کی تنخواہ وغیرہ کا بیان

عام سوار اُمرا کی ماتحت کام دیتے ہیں اور دو قسم کے ہیں۔ ایک دو اسپہ جنکا بادشاہی خدمت کیواسطے حاضر رکھنا اُمرا پر لازم ہے اور جنکے گھوڑوں کی رانوں پر اُن امیروں کے داغ لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ دوسرے ایک اسپہ۔ دو گھوڑوں والوں کی تنخواہ اور قدر بہ نسبت ایک گھوڑے والوں کے زیادہ ہے۔ اور اگرچہ سرکار سے ایک اسپہ سوار کی بابت پچیس ۲۵

تھے) اس دہ سالہ میں صرف چھ امیر پہنچے تھے۔ خان دَوْراں بہادر نصرت جنگ علیمردان خاں امیر الاُمرار۔ سَعِیْد خاں بہادر ظفر جنگ۔ اِسْلَام خاں علامی سَعْدُ اللہ خاں۔ اَفضل خاں۔ اور شش ہزاری کا منصب سَیِّد خان جہاں بارہہ وال۔ اَعظم خاں۔ عَبْدُ اللہ خاں بہادر فیروز جنگ۔ صدر الصدور سَیِّد جَلَال بُخَارِی۔ خسرو ولد نذر محمد خاں اُزبک والی توکستان صرف پانچ شخصوں نے پایا تھا۔ ھندو اُمرا کی حد ترقی (جنکو آجکل کی انگریزی اصطلاح کے موافق نیٹو کہنا چاہیئے) دوسرے دہ سالہ تک پنجہزاری سے زیادہ نتھی) اور اس دہ سالہ کی فہرست میں کُل پانسو اسّی ۵۸۰ نام ہیں جنمیں سے ایکسو آٹھ ۱۰۸ یا بقدر پانچویں حصّہ کے ھندو ہیں۔ اور ایک اَور فہرست سے جو تاریخ عمل صالح کے خاتمہ میں مندرج ہے شاہ جہاں کے عہد اخیر تک اُمراء اور منصبداروں کی تعداد آٹھ سو اڑسٹھ ۸۶۸ معلوم ہوتی ہے جسمیں ایکسو تریسٹھ ۱۶۳ ھندو امیروں کے نام درج ہیں۔ مگر چونکہ اُس میں آصف خاں و علیمردان خاں و سَعْدُ اللہ خاں

روپیہ ماہوار کے حساب سے تنخواہ ملتی ہے۔ لیکن سواروں کو کم یا زیادہ دینا بہت کچھ امیر کی فیاضی پر موقوف ہے۔

پیدل سپاہیوں اور گولہ اندازوں کی تنخواہ وغیرہ کا ذکر۔

پیدل سپاہیونکی تنخواہ سب قسم کے مذکورہ بالا تنخواہ داروں سے کمتر ہے۔ اور منجملہ اُن کے جو لوگ بندوقچی ہیں حقیقت یہہ ہے کہ وہ تو اچھے خاصے آرام کے وقت میں بھی بہت ہی بدہیئت معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً بندوق چلانے کو جب زمین پر پھسکڑا مار کر! بیٹھتے ہیں اور اپنی بندوقوں کو لکڑی کے سہ پایوں پر رکھکر جو بندوق کے ساتھ لٹکتے رہتے ہیں!! چلاتے ہیں تو انکی یہہ وضع دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ اور ماشاء اللہ اس احتیاط پر بھی یہہ خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں ہماری لمبی لمبی داڑھیاں اور آنکھیں نہ جل جائیں!!! یا کسی جن بھوت کے خلل سے ہماری بندوق نہ پھٹ جائے!!!

پیدل سپاہ میں کسی کی تنخواہ بنیں روپیہ مہینا ہے۔ کسی کی پندرہ اور کسی کی دس۔ مگر گولہ اندازوں کی تنخواہ بہت زیادہ ہے۔ خصوصاً فرنگی

---

* غالباً یہ مصنف کی اپنی رائے ہے۔ ۱۲ س م ح

دغیرہ کے نام بھی درج ہیں جو شاہ جہاں کے مقید ہونے سے پہلے ہی مر چکے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اُس فہرست میں اس بادشاہ کے سب زندہ و مردہ امیروں کو گن ڈالا ہے۔ اور اگرچہ حسب شرح بالا دہ سالہ اوّل و دوم میں کوئی فیلڈ امیر پنجہزاری سے زیادہ نہ تھا۔ مگر دورِ اخیر میں یہہ قید بھی توڑ دی گئی تھی۔ چنانچہ مہاراجہ جسونت سنگھ سہت ہزاری اور راجہ میرزا جے سنگھ شش ہزاری ہو گئے تھے۔ ۱۲ س م ح

گولہ اندازوں یعنی پرتگیزوں - انگریزوں - ڈچوں - جرمنوں - اور فرانسیسوں کی جو گوآ - اور ڈچوں - اور انگریزوں کی کمپنیوں کے کارخانوں میں سے بھاگ آتے ہیں - اوّل جب مغل توپ کے فن سے بہت کم واقف تھے تو اہل فرنگ کی تنخواہ زیادہ تھی اور اُن میں سے اب بھی کچھ لوگ باقی ہیں کہ جنکو دوسو روپیہ ماہوار ملتا ہے - مگر اب بادشاہ اِن لوگوں کو مشکل سے نوکر رکھتا ہے - اور بتیس ۳۲ روپیہ سے زیادہ تنخواہ نہیں دیتا -

توپ خانہ کا ذکر توپ خانہ دو قسم کا ہے ایک بھاری دوسرا ہلکا جسکو ہمراہ توپخانہ کہتے ہیں - بھاری توپ خانہ کی بابت مجھے یاد ہے کہ جب بادشاہ بیماری کے بعد فوج سمیت لاہور کے راستہ سے گرمی کاٹنے کو کشمیر کو گیا تھا جسکو ہندوستان میں "کشمیر جنت نظیر" کہتے ہیں - تو اُس سفر میں زنبورکوں کے علاوہ جو دو تین سو چالاک اُونٹوں پر اُسی طور سے کسے ہوئے تھے جس طرح ہمارے چھوٹے جہازوں میں رہکلے بندھے رہتے ہیں اور جو وزن میں دو دو بندوقوں کے برابر تھے - ۱۰۰ شتر بھاری توپیں جو اکثر برنجی تھیں ساتھ تھیں -

بادشاہ کے سفر کشمیر کا حال میں کسی اَور موقع پر بیان کرونگا - اور یہہ بھی لکھونگا کہ اُس لمبے سفر میں بادشاہ اکثر اپنا دل شکار میں کس کس طرح بہلاتا رہا - یعنی کبھی شکاری پرندوں کو کلنگ وغیرہ جانوروں پر چھوڑا اور کبھی نیل گائے کا شکار کیا - جو "ایلک" کی قسم کا جانور ہے - اور کسی دن چیتوں سے ہرنوں کو پکڑوایا - اور کبھی شیر کا شکار کھیلا جو بالتخصیص بادشاہی

شکار ہے۔

ہمرکاب توپ خانہ جو لاہور اور کشمیر کے سفر میں ساتھ گیا تھا مجھکو نہایت باقرینہ معلوم ہوتا تھا۔ اور اُسمیں پچاس یا ساٹھ چھوٹی چھوٹی برنجی توپیں تھیں جو سب مضبوط اور خوبصورت رنگین تختوں پر چڑھی ہوئی تھیں جنکے ساتھ گولے بارود کے لیئے ایک آگے اور ایک پیچھے دو دو پیٹیاں تھیں اور اُنپر سجاوٹ کے لیئے مختلف وضع کی سُرخ جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں اِن میں دو دو عمدہ گھوڑے جُتتے تھے۔ جنکو ایک ایک سوار ہانکتا تھا اور ایک تیسرا گھوڑا اور ایک اور سپاہی مدد کیواسطے ساتھ لیئے رہتا تھا۔

بھاری توپ خانہ بادشاہ کے ساتھ نہیں رہتا تھا۔ کیونکہ شکار کھیلنے یا پانی سے نزدیک رہنے کی غرض سے بادشاہ شاہراہ سے علیحدہ ہوکر چلتا تھا اور یہہ توپیں ایسی بھاری تھیں کہ دشوار گزار راستوں یا کشتیوں کے پُلوں پر سے جو شاہی لشکر کے عُبور کے لیئے بنائے گئے تھے گزر نہیں سکتی تھیں لیکن ہلکا توپ خانہ ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہتا ہے۔ اور اسی لیئے اُسکو ہمرکاب توپ خانہ کہتے ہیں۔ اور جب بادشاہ علی الصباح کوچ کرتا ہے۔ اور شکارگاہوں میں جو بادشاہ کیواسطے محفوظ رکھی ہوئی ہوتی ہیں اور جانوروں کے روکے رکھنے کے لیئے جنکی ناکہ بندی بھی شکار کیوقت کیجاتی ہے بندوق سے یا اَور طرح شکار کھیلنا چاہتا ہے تو یہہ توپخانہ جسقدر جلد ممکن ہوتا ہے سیدھا اگلی منزل پر جہاں بادشاہ اور بڑے بڑے اُمرا کے خیمے پہلے سے لگے ہوئے ہوتے ہیں جا رہتا ہے۔ اور خیام شاہی کے سامنے توپوں کی لیں لگا دیجاتی ہیں

اور جب بادشاہ خیمہ گاہ میں داخل ہوتا ہے تو اہل لشکر کی اطلاع کے لیئے سلامی کیجاتی ہے۔

صوبوں کی فوج اور سواروں کی کل فوج کی تعداد کا ذکر۔

جو فوج صوبوں میں مامور رہتی ہے اُسکی اور حاضر رکاب فوج کی حالت میں اسکے سوا اور کچھ فرق نہیں ہے کہ صوبوں کی فوج تعداد میں زیادہ ہے۔ اور ہر ایک صوبہ میں اُمرا منصبدار روزینہ دار۔ معمولی سوار۔ پیادے۔ اور توپخانہ موجود رہتا ہے۔ چنانچہ ایک صوبہ دکن ہی میں بیس ۲۰ پچیس ۲۵ اور بعض اوقات تیس ۳۰ ہزار سوار رہتے ہیں جو گولکنڈے کے طاقتور بادشاہ کے دھمکانے اور بادشاہ بیجاپور اور اُن راجاؤں سے لڑنیکے لیئے ضرورت سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ جو باہمی بچاؤ کی خاطر اپنی اپنی فوجیں لیکر شاہ بیجاپور کے ساتھ شامل ہوجاتے ہیں — صوبہ کابل میں جو فوج ہے اور جسکا ایران۔ بلوچستان۔ افغانستان اور اور پہاڑی مُلکوں کی مخالفانہ حرکات کی روک تھام کے لیئے رہنا ضروری ہے بارہ ۱۲ یا پندرہ ۱۵ ہزار سے کم نہیں ہوسکتی — صوبہ کشمیر میں چار ہزار سے زیادہ فوج ہے۔ اور بنگالہ میں جہاں ہمیشہ لڑائی بھڑائی رہتی ہے بہت زیادہ فوج رہتی ہے۔ اور چونکہ کوئی صوبہ ایسا نہیں ہے کہ جسمیں لحاظ اُسکی وسعت اور خاص موقع کے کم یا زیادہ فوج کا رکھنا ضروری نہو۔ اسلیئے کُل فوج کی تعداد اسقدر ہے جسپر مشکل سے اعتبار ہوسکتا ہے۔ چنانچہ فوج پیادہ کو جو شمار میں کم ہے الگ رکھکر اور گھوڑوں کی اُس تعداد کو جو صرف نام کے لیئے ہے۔ اور جسکو سُنکر ناواقف شخص دھوکھا کھاسکتا ہے چھوڑکر میں اور اور واقف کار

لوگ خیال کرتے ہیں کہ سوا جو بادشاہ کے ہمرکاب رہتے ہیں راجپوتوں اور پٹھانوں سمیت پینتیس ۳۵ یا چالیس ۴۰ ہزار ہونگے جو صوبوں کی فوج کے ساتھ ملکر دو لاکھ سے زیادہ ہوتے ہیں

پیدل فوج کی اصلی تعداد اور لوگوں کے غلط اندازہ کرنے کی وجہ۔

میں نے بیان کیا ہے کہ پیدل تھوڑے ہیں چنانچہ میری دانست میں پیادہ فوج جو بادشاہ کی ہمرکاب رہتی ہے بندوقچیوں اور توپخانہ کے پیدل سپاہیوں اور اور لوگوں سے جو توپخانہ سے متعلق ہیں مل جلکر پندرہ ۱۵ ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ اور اسی سے صوبوں کی فوج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر میں نہیں جانتا کہ بعض لوگ پیدل فوج کی تعداد کیوں بہت زیادہ بتاتے ہیں شاید نفروں خدمتگاروں بھٹیاروں اور تمام اہل بازار کو جو ساتھ رہتے ہیں فوج ہی میں گن لیتے ہونگے۔ اور واقعی اگر اس سب بھیڑ بھاڑ کو شامل کر لیا جائے تب تو صرف اسی لشکر کی تعداد جو بادشاہ کی ذات خاص کے ساتھ رہتا ہے خصوصاً جبکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ بادشاہ کا ارادہ کچھ مدت کے لیئے تخت گاہ سے باہر رہنے کا ہے دو تین ۳ لاکھ پیادوں سے کم نہیں رہتی اور جب ان امور پر غور کیا جائے کہ کسقدر ڈیرے خیمے اور باورچیخانے اور اسباب اور ساز و سامان اور عورتیں عموماً لشکر کے ساتھ رہتی ہیں اور ان سب کے اٹھانیکے لیئے کسقدر ہاتھی۔ اونٹ۔ بیل۔ گھوڑے اور خچر ضروری ہیں تو اس تعداد میں جو میں نے خیال کی ہے مبالغہ نہیں معلوم ہوگا[1]

---

[1] بادشاہ نامہ میں جو شاہ جہان کے عہد سلطنت کے بیسویں سال کی بہت معتبر تاریخ ہے سوار فوج کی تعداد بموجب تفصیل ذیل دو لاکھ لکھی ہے۔ منصبدار آٹھ ہزار۔ احدی اور برقنداز سات ہزار

بادشاہ کے لشکر میں بھیڑ کی کثرت کا سبب

خداوندمن - یہہ بات یاد رکھنے کے لایق ہے کہ اس مُلک کی طبعی حالت اور طرز حکمرانی کے لحاظ سے کہ (جہاں سلطنت کی زمین کا صرف بادشاہ ہی مالک ہے) اس مُلک کی دارالحکومت شہر آگرہ یا دھلی کے باشندوں کی معاش کا بڑا دارومدار صرف فوج کی موجودگی پر ہے - اور اسلیئے وہ مجبور ہیں کہ جب کبھی بادشاہ کوئی لمبا سفر اختیار کرے تو وہ بھی ساتھ جائیں - اور یہہ شہر پیرس سے کچھ مشابہت نہیں رکھتے بلکہ انکی زیادہ صحیح تشبیہ ایک کمپ سے دیجاسکتی ہے - اور صرف اتنا فرق ہے کہ بجائے خیموں کے اِن میں مکان ہیں اور آسایش کے اَور سامان بھی کمپ کی نسبت کسیقدر اچھے ہیں -

عام سوار ایک لاکھ پچاسی ہزار - اور پیدل فوج کی تعداد جسمیں گولندار - بان اندازاور بندوقچی سب شامل ہیں چالیس ہزار لکھی ہے - جسمیں سے دس ہزار حاضر رکاب اور تیس ہزار صوبوں اور قلعوں میں متعین رہتی تھی -

اور اَب ہمارے زمانہ میں گورنمنٹ انگریزی کی اُس فوج تبری کی تعداد جو "رگولر" یعنی فوج آئین کہلاتی ہے حسب شرح ذیل دو لاکھ سولہ ہزار دو سو دو ہے -

یوروپین	ہندوستانی
۷۰۲۶۳	۱۴۵۹۳۹

	ماتحت نواب کمانڈر انچیف پسالار کشور ہند	ماتحت گورنمنٹ ہند
پیدل	۵۲۶۰۱	۱۰۴۵۸۹	۱۲۸۳۸
سوار	۵۶۵۷	۲۱۲۷۵	۴۸۴۹
توپخانہ	۱۲۰۰۵	۱۸۳۲	۵۵۵
میزان	۷۰۲۶۳	۱۲۷۶۹۷	۱۸۲۴۲

ٹھیک وقت پر تنخواہ ملنے کے خراب نتیجوں کا ذکر

یہہ امر بھی بیان کرنا واجب ہے کہ اُمرا سے لیکر سپاہیوں تک کی تنخواہ کا دوماہہ وار تقسیم ہوجانا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ تنخواہ کے سوا جو بادشاہی خزانہ سے ملتی ہے کوئی اور ذریعہ اُنکی معاش کا نہیں ہے۔

فرانس میں اگر کسی وجہ خاص سے واجب الادا تنخواہ کے دینے میں گورنمنٹ کی طرف سے کچھ دیر ہوجاتی ہے تو سردار تو کیا سپاہی بھی اپنی کسی خاص آمدنی سے گزارہ کرسکتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں اگر فوج کو تنخواہ کے ملنے میں کبھی غیر معمولی توقف ہوتا ہے تو یقیناً نہایت خوفناک نتایج پیدا ہوتے ہیں! یعنی سپاہی اپنا خفیف سا اسباب جو اُنکے پاس ہوتا ہے بیچ کھوچ کر چل دیتے اور بھوکے مرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ جس زمانہ میں کہ

فقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

مگر ایک لاکھ پینتالیس ہزار ایکسو چار باقاعدہ فوج پولیس جو اندرونی نظم سلطنت کے قایم رکھنے کو لیئے مختص ہے اسکے علاوہ ہے۔ جسمیں سے تیس ہزار اٹھائسی سوار ہیں اور باقی سب پیدل۔ اور دیہات میں جو چوکیدار متعلقہ پولیس مامور رہتے اور گانوں سے تنخواہ پاتے ہیں وہ اس حساب سے خارج ہیں اور سوائے فوج آئین اور فوج پولیس کے ستّرہ ہزار فوج والنٹیر ہے جسمیں سوار تھوڑے اور پیدل زیادہ ہیں۔ اور اسمیں ابتک صرف یوروپین یا یوریشین وغیرہ عیسائیوں ہی کو داخل ہونے کا استحقاق ہے۔ یہہ لوگ سرکار سے تنخواہ یا لباس جنگی وغیرہ کچھ نہیں پاتے۔ البتہ آئین وقانون اور اُن کے عہدہ داروں کے منصب اور درجے سرکار مقرر کرتی ہے۔ اور جن بڑے بڑے مقامات میں یوروپین اور یوریشین زیادہ رہتے ہیں وہاں کے سوداگر اہل حرفہ۔ دفتروں کے کلرک وغیرہ اہل قلم اپنی مرضی اور خوشی سے اس جماعت میں داخل ہوکر جنگی قواعد اور آلات حرب کا استعمال کرنا سیکھتے ہیں اور اپنی قوم اور سلطنت کی حفاظت کے لیئے بوقت ضرورت کام دینے کو مستعد رہتے ہیں۔ پس اس حساب سے فی زمانہ میزان کل تینوں قسم کی

شاہزادوں کا باہمی جنگ وجدال قریب ختم ہونیکے تھا میںنے بچشم خود دیکھا ہے کہ سواروں کا میلان اس طرف بڑھتا جاتا تھا کہ اپنے گھوڑے بیچ ڈالیں اور کچھ شک نہیں ہے کہ اگر لڑائی کو طول ہوتا تو ضرور ایسا ہی کرتے - اور یہہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے - کیونکہ شہنشاہ مغل کے لشکر میں کوئی ایسا سپاہی مشکل سے مل سکتا ہے جو جورو بچے نوکر چاکر اور لونڈی غلام نرکھتا ہو - اور ان سب کی گزران اسی تنخواہ پر موقوف ہے جو اسکو سرکار بادشاہی سے ملتی ہے اور اسیوجہ سے میںنے ایسے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جو اس حالت کو دیکھکر سخت حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ خرچ کے لیئے اتنا بیشمار روپیہ کہاں سے آتا ہے کہ جس سے لاکھوں بندگان خدا کی پرورش ہوتی ہے - جنکا مدار معاش محض بادشاہی تنخواہ کے ذریعہ پر ہے -

شہنشاہ مغل کے اخراجات کثیر کا بیان

مگر یہہ لوگ اس امر کا خیال نہیں کرتے کہ شہنشاہ ہند اس ملک میں کس طرز خاص سے حکومت کرتا ہے اور اسکی دولتمندی کے ذریعہ کسقدر ہیں - اور میںنے تو اسکے اخراجات کا گویا ابھی ذکر ہی نہیں کیا مثلاً خیال فرمائے کہ آگرہ اور دھلی کے صطبل میں دو یا تین ہزار تو صرف عمدہ گھوڑے ہی ہیں جو اوقات ضرورت کے لیئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں - اور آٹھ یا نو سو ہاتھی اور بارکشی کے لیئے بہت سے ٹٹو اور خچریں اور حمال جو ان بیشمار اور بہت وسیع اور بڑے بڑے

فوج کی تعین لاکھ اٹھتر ہزار سے کچھ زیادہ ہے - اور ہند کی فوج بحری جو منجملہ انگلینڈ کی جہازی فوج کے ہے مگر ہندوستان کے لیئے تحت ایک جداگانہ افسر اعلی کے مامور رہتی ہے اور جسکے سولہ جہاز بحر احمر سے خلیج فارس تک اور لنکا سے خلیج بنگالہ تک اور بمبئی سے سواحل افریقہ تک گشت لگاتے رہتے ہیں اس سے بالکل الگ ہے - س م ع

خیموں اور اُنکے متعلقہ چھوٹے خیموں اور بیگموں اور محل کی اور عورتوں اور ساز و سامان اور باورچیخانہ کے اسباب اور گنگا جل اور اور بہت سی چیزوں کے اُٹھانیکے لیئے جنکا بادشاہ کے ساتھ رہنا سفر اور حضر میں ضروری ہے اور جو یورپ میں کسی کے خیال میں بھی نہیں آتیں رکھنے پڑتے ہیں۔ اسکے سوا محلسرا کے بیشمار اخراجات ہیں جسمیں عمدہ ململیں اور زربفت اور ریشمی اور زریدار کپڑے اور موتی اور مشک اور عنبر اور عطر اسقدر صرف میں آتا ہے کہ خیال میں نہیں آسکتا پس اگرچہ شہنشاہ مُغل کے داخل بیشمار ہیں مگر مخارج بھی اُسیقدر ہیں اور اسیوجہ سے (جیساکہ بہت سے لوگ غلطی سے خیال کرتے ہیں) بہت زیادہ روپیہ پس انداز نہیں ہوتا۔

ہندوستان اور ایران اور روم کے محاصل کا مقابلہ

میں مانتا ہوں کہ سُلطان رُوم اور شاہ ایران دونوں کے محاصل کو اگر ملائیں تو شہنشاہ مغل کا محاصل غالباً اُس سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن اگر میں اُسکو دولتمند بادشاہ کہوں تو اسکے یہ معنی ہونگے کہ گویا وہ ایک ایسا خزانچی ہے جو ایک ہاتھ سے بیشمار روپیہ لیتا اور دوسرے ہاتھ سے دیدیتا ہے۔ اور میرے نزدیک واقعی دولتمند اُس بادشاہ کو کہنا چاہیئے کہ جسکا محاصل اسقدر ہو کہ بغیر اسکے کہ ظلم اور زیادہ ستانی سے رعایا فقیر ہو جاے اُمرا اور اہل دربار کا ایک عظیم الشان مجمع قائم رکھنے اور مفید خلائق اور عالیشان عمارتیں بنانے اور فیاض و کریم الطبع ہونے اور مُلک کی حفاظت کے لیئے فوج کثیر تیار رکھنے کے علاوہ اسقدر روپیہ پس انداز رکھ سکتا ہو کہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ کسی اتفاقیہ لڑائی بھڑائی کے وقت جو خواہ کئی برس تک جاری رہے کام میں لاسکے۔ اور اگرچہ شہنشاہ ہند کو ان میں سے اکثر باتیں حاصل ہیں لیکن اُسقدر نہیں جسقدر کہ لوگ

خیال کرتے ہیں۔

شہنشاہ مغل کی دولتمندی کی مبالغہ آمیز شہرت اور خزانے اور جواہرات کا ذکر

شہنشاہ مغل کے اخراجات کثیر اور لازمی کی نسبت جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اُس سے اور اُن دو باتوں سے جو مجکو بخوبی تحقیق ہو چکی ہیں غالباً آپکی راے بھی یہی قرار پائیگی کہ شہنشاہ مغل کی دولتمندی کی شہرت مبالغہ سے خالی نہیں۔ چنانچہ اُن میں سے ایک تو یہ ہے کہ گزشتہ لڑائی کے خاتمہ کے قریب اورنگ زیب کو نہایت فکر تھی کہ فوج کی تنخواہ کس طرح ادا کیجائے۔ حالانکہ لڑائی صرف پانچ برس رہی تھی اور فوج کی تنخواہ بھی معمول سے کم تھی اور بنگالہ کے سوا جہاں سلطان شجاع ابتک لڑتا تھا اور سب صوبوں میں بالکل امن وامان تھا اور باپ کے اکثر خزانے بھی اُسکے قبضے میں آچکے تھے۔

دوسری یہہ کہ شاہجہاں جو بڑا کفایت شعار تھا اور کسی جنگ عظیم میں پھنسے اور اُلجھنے کے بغیر چالیس[1] برس سے زیادہ عرصہ تک سلطنت کرتا رہا کبھی چھ کرور روپیہ سے زیادہ جمع نہیں کرسکا۔ لیکن اس رقم میں میں اُن کثیر التعداد سونے چاندی کی طرح طرح کی مرصع چیزوں کو جن پر نہایت عمدہ عمدہ کام بنے ہوئے ہیں اور بڑے بڑے قیمتی موتیوں اور قسم قسم کے کثیر التعداد جواہرات کو شامل نہیں کرتا اور مجھے شک ہے کہ اس سے زیادہ جواہرات شاید ہی دُنیا کے کسی اور بادشاہ کے پاس ہوں۔ چنانچہ اُسکا ایک تخت ہی (اگر میری یاد میں کچھ غلطی نہو)

---

[1] شاہجہاں کی مدت سلطنت کی صحیح تعداد اس جلد کے ۳۶۰ صفحہ کے حاشیہ میں مندرج ہے۔ س ام ح

تین کرور[۵۱] روپیہ کی قیمت کا ہے - یہہ سب جواہرات اور قیمتی چیزیں ہیں - راجپوتوں کے قدیمی خاندانوں - اور پٹھان بادشاہوں - اور اُمرا سے لوٹی ہوئی اور ایک مدّت دراز میں جمع کی ہوئی ہیں - اور ہر ایک بادشاہ کے عہد میں اُمرائے سلطنت کے معمولی سالانہ پیشکشوں کے ذریعہ سے جو انکو مجبوراً دینے پڑتے ہیں - اِنکا شمار بڑھتا گیا ہے - اور یہہ سب خزانہ تخت کا مال سمجھا جاتا ہے اور اِسکو چھیڑنا ممنوع ہے یہانتک کہ خود بادشاہ بھی کیسی ہی ضرورت کیوں نہو اسکی کفالت پر تھوڑا سا روپیہ بھی نہایت مشکل سے حاصل کر سکتا ہے - [۵۲]

---

۵۱ اِسکا مفصّل حال جلد دوم کے صفحہ ۲۸۹ کے حاشیہ میں دیکھنا چاہیئے - س م ح

۵۲ شاہ جہان کی سلطنت کے بیسویں سال کے خاتمہ پر مُلّا عبد الحمید لاہوری نے بادشاہنامہ میں جو عبارت خزانہ اور جواہرات کی نسبت لکھی ہے اُسکا خلاصہ یہہ ہے - "خزانہ کہ امروز دریں دولت خداداد فراہم آمدہ محاسب وہم وخیال ودرک اندازۂ آن بعجز وقصور معترف است - اگرچہ خزانہ کہ حضرت عرش آشیانی (محمّد اکبر بادشاہ) در مدّت پنجاہ[۵۰] و یک سالِ فرمانروائی جمع نمودہ بودند و اکثر آنرا حضرت جنّت مکانی (جہانگیر بادشاہ) در سلطنت بست[۲۲] و دو سال خرج نمودند ہیچ یکے از سلاطین ہندوستان را میسر نشدہ تا بفرمانروایان دیگر ولایت چہ رسد - اما آنچہ دریں عہد بیمن نیت عالم آرا و معدلت گیتی پیرا باوجود فراواں اخراجات گرد آمدہ بمراتب ازاں افزون است و آنچہ در سرکار مقدّس از افراد کائنات اقسام جواہر و زواہر و زر سُرخ و سفید و طلا آلات و نقرہ آلات جمع شدہ غالباً بحسب کمیّت و کیفیّت نزد کُل فرمانروایان عالم نباشد"

اور میر محمد ہاشم خافی المخاطب بہ ہاشم علیخاں و آخر کار مخاطب بہ خافی خاں نظام الملکی نے اکبر اور شاہ جہان دونوں کے خاتمہ احوال میں جو عبارتیں لکھی ہیں اُنکا خلاصہ یہہ ہے - (عبارت متعلق ذکر خزانہ عہد اکبر)

"در وقت وفات محمّد اکبر بادشاہ زیادہ از پنجہزار فیل کہ گاہ قریب شش ہزار

ہندوستان میں سونے چاندی کے بظاہر کم دیکھائی دینے اور لوگوں کے متمول معلوم نہونے کا سبب۔

اپنے اس خط کے ختم کرنے سے پہلے میں یہہ بات بیان کرنی چاہتا ہوں کہ اگرچہ سونا اور چاندی اکثر ملکوں میں پھر پھرا کر آخر کار ہندوستان میں آجاتا ہے۔ مگر اسپر بھی بہ نسبت اور ملکوں کے یہاں زیادہ محسوس نہیں ہوتا۔ اور ہندوستانی لوگ اور ملکوں کے باشندوں کیطرح متمول معلوم نہیں ہوتے جسکا سبب یہہ ہے کہ اوّل تو بہت سا مال بار بار کلاے جانے اور عورتوں کے ہاتھوں کی چوڑیوں اور پاؤں کے کڑوں اور توڑوں وغیرہ اور بالیوں اور نتھوں اور انگوٹھیوں کے بنانے میں چھیج جاتا ہے اور اس سے بھی زیادہ مقدار زر دوزی اور کارچوبی کام کے کپڑوں اور الاچوں اور پگڑیوں کے طرّوں اور سنہری روپہری کپڑوں اور اوڑھنیوں اور پٹکوں اور سندیلوں اور کمخابوں کے بنانے میں خرچ ہوجاتی ہے اور یہہ چیزیں اسقدر بنائی جاتی ہیں کہ سننے والے کو یقین نہیں آسکتا اور تمام فوجوں

میرسید در فیل خانہ او موجود بود و دوازدہ ہزار اسپ در طویلہ و ہزار یوز در جیہ خانہ داشت و بعد وفات او کہ عرض خزانہ گرفتند دہ کرور روپیہ را اشرفی یازدہ ماشہ و سیزدہ ماشہ و چہارده ماشہ سوائے اشرفیہاے کلاں کہ از صد تولہ تا پانصد تولہ ہزار اشرفی در خزانہ موجود بود و دو صد و ہفتاد و دو من طلاے غیر مسکوک و سہ صد و ہفتاد من نقرہ و یک من جواہر خاصہ کہ قیمت آن از سہ کرور روپیہ تجاوز نمودہ بود برآمد۔" (عبارت متعلقہ حال خزانہ عہد شاہجہاں)

"بر عقلا ظاہر ہست کہ اگرچہ در ملک گیری و استقلال بہ از محمد اکبر بادشاہ رونق افزاے سلطنت ہندوستان در تیموریہ نبودہ اما در بندوبست و نسق لشکر و آوردن خزانہ و آبادکاری ملک و قدردانی سپاہ و در فراہم آوردن خزانہ از شاہجہاں بادشاہ در عرصہ پہناوری ہندوستان نشان نداے نگردیدہ۔ سواے خرچ لازم و ملزوم سلطنت و آنچہ بخرج عمارات و قلعہ و مساجد شاہجہان آباد و دیگر بلاد و بانعام اکرام و مہم قندہار

میں اُمرا سے لیکر سپاہیوں تک کچھ نہ کچھ ملمع اور طلا کاری کی چیزیں زیب و زینت کے لیے پہنتے ہیں اور ایک ادنیٰ سپاہی بھی (کنبہ خواہ بھوکوں کیوں نہ مرجائے جو ایک معمولی امر ہے) اپنی بیوی اور بچوں کو کچھ نہ کچھ زیور ضرور پہناتا ہے۔

مستاجروں اور جاگیرداروں کے ظلم و تعدی اور داد رسی کے کافی انتظام نہونے کا ذکر۔

بادشاہ جو زمین کا مالک ہے اہل سپاہ کو کسیقدر زمینیں تنخواہ میں دیدیتا ہے کہ جسکو یہاں "جاگیر" اور سلطنت ٹرکی میں "تیمار" کہتے ہیں اور جسکے معنی ہیں وہ جگہہ کہ جہاں سے کچھ لیا جائے یا تمام وصول تنخواہ اور اسی قسم کی جاگیریں صوبہ داروں کو بھی اُنکی اور اُنکی فوج کی تنخواہ میں اس شرط پر دیجاتی ہیں کہ فاضل آمدنی میں سے ایک خاص رقم سال بسال خزانہ شاہی میں داخل کرتے ہیں اور جو زمینیں جاگیر میں نہیں دیجاتیں اور خاص بادشاہ اور اُسکے اہل خاندان کے متعلق ہیں اور شاذ و نادر ہی کسی کو جاگیر میں دیجاتی ہیں وہ مستاجروں کو دیدیجاتی ہیں جو سال بسال زر معینہ ادا کرتے رہتے ہیں اور اس طرح پر جو لوگ زمین پر قبضہ حاصل کرتے ہیں خواہ تیماردار ہوں خواہ صوبہ دار یا مستاجر۔ کاشتکاروں پر اُنکے اختیارات ایسے غیر محدود ہیں کہ گویا مطلق العنان ہی کہنا چاہیئے۔ اور کاشتکاروں ہی پر منحصر نہیں بلکہ اپنے علاقہ کے گانوؤں اور قصبوں کے اہل حرفہ اور سوداگروں پر بھی ویسا ہی اختیار ہے۔ اور جن طریقوں میں یہہ اپنے اِن اختیارات کو عمل میں لاتے ہیں اُس سے

و بلیغ کہ آخر الگاں رفتہ در آمدہ۔ بہشت و چہار کرور روپیہ واز جنس اشرفی۔ سوائے طلا و نقرۂ غیر مسکوک و ظروف طلائی و نقرئی و جواہر کہ تخمیناً تا پانزدہ شانزدہ کرور تومان نیز ے شد ماندہ بود"

س م ح

زیادہ کوئی بیرحمانہ اور تکلیف دہ امر خیال میں نہیں آسکتا اور ایسا کوئی شخص نہیں ہے کہ جسکے پاس یہہ مظلوم کسان اور کاریگر اور سوداگر اپنا استغاثہ پیش کرسکیں یعنی نہ تو فرانس کی طرح یہاں کوئی گریٹ لارڈ ہے اور نہ پارلیمنٹ اور پریسائڈل کورٹ کے جج جو ان بیرحم ظالموں کے ظلم کو روکیں اور جو قاضی یہاں مقرر ہیں انکو ان بدنصیب لوگونکی دادرسی کا کافی اختیار نہیں ہے۔ مگر ان ملاقید اختیارات کی یہہ بداستعمالی بڑے بڑے شہروں مثلاً دہلی۔ اور آگرہ اور بندرگاہوں اور بڑے بڑے قصبوں کے قرب وجوار میں اس درجہ تک محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ ایسے مقاموں میں کوئی بڑی ناانصافی کا کام دربار شاہی سے مخفی رہنا آسان نہیں ہے۔

غلامانہ حالت سے تجارت اور لوگوں کے اوضاع واطوار اور طریق معاشرت پر اثر کا ذکر۔

رعایا کی یہہ غلامانہ حقیر حالت ترقی تجارت کی مانع اور لوگونکے اوضاع واطوار اور طریق معاشرت کی خرابی کا باعث ہے اور تجارت کرنے کا کسی کو اسلیئے حوصلہ نہیں ہوتا کہ منافع کی صورت میں بجاے اسکے کہ وہ اُسے اپنے عیش وآرام میں صرف کرے اُسکو دیکھکر کسی ظالم اور ذی اختیار ہمسایہ کے مونہہ میں پانی بھر آتا ہے جسکا میلان طبع ہمیشہ اس طرف ہے کہ کسی شخص کو اُسکی محنت کے ثمرہ سے محروم کردے اور اگر کسی کو دولت حاصل ہو بھی جاتی ہے (جیسا کہ بعض اوقات ہونا ضرور ہے) تو برخلاف اسکے کہ سابق کی نسبت آسودہ حالت میں رہے اور آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرے مفلسوں کی سی صورت بنائے رہتا ہے۔ اور لباس اور مکان اور اسباب خانہ داری بہت ہی ذلیل رکھتا ہے۔ اور سب سے زیادہ کھانے پینے میں خست دکھاتا ہے۔ اور اس حالت میں اُسکا روپیہ اور شہرتی

زیر زمین کسی عمیق گڑھے میں گڑا رہتا ہے - اور سب لوگوں میں خواہ کاشتکار ہوں خواہ کاریگر یا اہل بازار ہندو ہوں یا مسلمان عموماً یہی طریقہ جاری ہے علی الخصوص ہندوؤں میں جنکے ہاتھ میں مُلک کی دولت اور تجارت ہے اور جنکا یہہ عقیدہ ہے کہ جو دولت ہم اپنے ایام حیات میں چھپا کر رکھینگے مرنے کے بعد ہمارے* کام آئیگی - البتہ بعض اشخاص جو بادشاہ یا اُمرا کے ہاں نوکر ہیں یا جنکا کوئی بڑا وسیلہ ہے اُنکو اپنی تنگدستی دکھانے کی کچھ حاجت نہیں ہوتی اور عیش و آرام سے عمر بسر کرتے ہیں اور مجھے کچھ شک نہیں ہے کہ سونے چاندی کو زیر زمین دفن رکھنے اور اس طرح پر اُسکے ایک کے ہاتھ میں سے دوسرے کے ہاتھ میں جانے سے روکنے کی یہہ عادت ہی اُس ملک میں سونے چاندی کے بظاہر کم دکھائی دینے کا بڑا سبب ہے -

ہندوستان میں رعایا کو حق ملکیت زمین حاصل نہونے سے جو مضر نتیجے حکام اور رعایا کے لیئے پیدا ہوتے ہیں اُن کا مفصل بیان -

اَب جو کچھ مَیں بیان کر چکا ہوں اُس سے طبعاً یہہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ زمین کی مالکیت بالکل چھوڑ دے - اور یہہ حق رعایا کو حاصل ہو جائے تو آیا یہہ امر رعیت اور بادشاہ دونوں کے حق میں مفید ہوگا ؟ یا نہیں ؟

اسکے جواب میں مَیں یہہ کہتا ہوں کہ میں نے فرنگستان کی حالت کا کہ جہاں حق ملکیت زمین رعایا کو حاصل ہے اور اُن ملکوں کی حالت کا جہاں یہہ

* شائد فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ ہونیکے وقت کچھ غلطی ہوئی ہے - کیونکہ ہندوؤں میں کوئی ایسا عام عقیدہ نہیں ہے غالباً اصل میں یوں ہوگا کہ مرنیکے بعد اولاد کے کام آئیگا - س م ح

حق اُنکو حاصل نہیں ہے احتیاط کے ساتھ مقابلہ کیا ہے - اور بعد غور میری رائے
یوں قائم ہوئی ہے کہ یہ امر نہ صرف رعایا بلکہ خود بادشاہ کے فوائد کے لیئے بھی
بہت ہی مضر ہے - چنانچہ مَیں یہہ امر بیان کر چکا ہوں کہ ہندوستان میں سونے
چاندی کے کم دکھائی دینے کا کیا باعث ہے یعنی جاگیرداروں صوبہ داروں اور
مستاجروں کا ظلم کہ جسکا انسداد اگر بادشاہ بھی چاہے تو نہیں ہوسکتا - خصوصاً اُن
صوبوں میں جو پائے تخت کے قریب نہیں ہیں اور یہہ ظلم اسقدر بڑھا ہوا ہے
کہ کاشتکاروں اور اہل حرفہ کے پاس بسر اوقات کے لیئے کچھ بھی نہیں رہنے دیتا
اور وہ حالت افلاس اور تنگدستی میں پڑے مرتے ہیں اور اسی ظلم کے سبب سے
اوّل تو ان بیچاروں کے کچھ اولاد ہی نہیں ہوتی - اور اگر ہوتی ہے تو فاقوں کے
مارے بچپن ہی میں چل بستی ہے خلاصہ یہہ کہ اس ظلم وستم کی وجہ سے کاشتکار
اپنے کمبخت وطن کو چھوڑ کر کسیقدر آسایش ملنے کی اُمید پر کسی ہمسایہ ریاست کے
علاقہ میں جا رہتے ہیں یا فوج میں جاکر کسی سوار کے پاس نوکری کر لیتے ہیں - اور
چونکہ زمین کا تردد شاذ و نادر ہی جبر کے بغیر ہوتا ہے اور کوئی شخص اس قابل
پایا نہیں جاتا کہ اپنی خوشی سے اُن نہروں اور نالیوں کی مرمت کرے جو آبپاشی
کے لیئے بنی ہوئی ہیں - اسوجہ سے تردد بخوبی نہیں ہوتا - اور خشکی کے سبب سے
زمین کا ایک بڑا حصّہ خالی پڑا رہتا ہے - اور زمین ہی پر کیا موقوف ہے مکانات
بھی اکثر ویرانی اور تباہی کی حالت میں رہتے ہیں اور بہت ہی کم لوگ ایسے
ہیں جو نئے مکان بناتے یا اُنکی مرمت کرتے ہیں اور ایک طرف تو کاشتکار
اپنے دل میں ہمیشہ یہہ خیال کرتے ہیں کہ کیا ہم اسلیئے محنت کریں کہ کوئی ظالم

آئے اور سب کچھ چھین لیجائے - اور اگر چاہے تو ہماری بسر اوقات کے لیئے بھی ہمارے پاس کچھ نہ چھوڑے - اور دوسری طرف جاگیردار اور صوبہ دار اور ساہوکار یہہ سوچتے ہیں کہ ہم کیوں افتادہ اور ویران زمین کا فکر کریں اور اپنا روپیہ اور وقت اُسکے بار آور بنانے میں لگائیں - کیونکہ نہ معلوم کسوقت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے اور ہماری کوشش اور محنت کا ثمرہ نہ تو ہمکو ہی حاصل ہو اور نہ ہماری اولاد کو - پس زمین سے جو کچھ وصول ہوسکے کرلیں اور ہماری بلا سے ! کاشتکار بھوکے مریں یا اُجڑ جائیں ! اور جب ہمکو اسکے چھوڑ دینے کا حکم ملیگا تو ویران اور غیر آباد چھوڑ کر چلے جائینگے - *

---

* خافی خاں نے بھی اپنی تاریخ میں (جو اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے صرف بارہ برس بعد محمد شاہ کے زمانہ میں لکھی گئی تھی) جلال الدین محمد اکبر کے عہد دولت اور اُسکے مشیر خوش تدبیر راجہ ٹوڈرمل کے ذکر میں زمینداروں کی پرورش اور مالگذاری کے عمدہ بندوبستوں کی تعریف و توصیف لکھکر پھر اپنے زمانہ کے عاملوں اور ساہوکاروں کے ظلم و ستم کی جو دردناک کیفیت نہایت ہی افسوس کے ساتھ لکھی ہے ہم اُسکو اس جگہ نقل کرتے ہیں یہہ شخص اور اس کا باپ ابتداءً اورنگ زیب کے بھائی مُراد بخش کے ملازموں میں سے تھے - اور اپنے شاہ جہاں کے خوشحال عہد سلطنت سے لیکر محمد شاہ کے پُرخلال زمانہ حکومت تک بہت کچھ دیکھا بھالا تھا جن خرابیوں کا اسنے ذکر لکھا ہے اُنکی نسبت یہہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اورنگ زیب کے بعد یا سدا رنگیلے محمد شاہ ہی کے زمانہ میں پیدا ہوگئی تھیں بلکہ ظاہر ہے کہ انتظامیہ اصولوں کی خرابی کے باعث پہلے ہی سے چلی آتی تھیں

قولہ ایں ابر عقلاے باہوش تجربہ کار ظاہر ہست کہ الحال موافق تقاضاے وضع روزگار طریقہ غور اُمور ملکی در عیت پروری و آبادی ملک و افزونی محصول ازمیاں برخاستہ و عمال اجارہ دار کہ مبلغہا خرچ دربار دادہ بر سر محالات میروند و باعث وبال حال رعایا و مال گذار میگردند آنہارا اصلا نظر بر آبادی ملک و خرابی حال رعایا نیست و از انکہ اعتماد بر بحال ماندن

شخصی حکومت سے جو نتیجے ہندوستان میں پیدا ہوے وہی ایشیا کو چک اور مصر میں بھی ہوئے۔

پس جو حقایق میںنے بیان کیئے ہیں وہ اس امر کے ثبوت کے لیئے کافی ہیں کہ ایشیائی سلطنتیں جلد جلد کس طرح زوال پذیر ہوتی ہیں اور حکومت کے اسی ناقص طریقہ کا یہ نتیجہ ہے کہ ھِندُوستان کے بہت سے شہروں کے مکانات کچّے یا گھاس پھوس وغیرہ سے بنے ہوئے ہیں۔ اور یہاں کے شہر اور قصبے خواہ بالفعل خستہ حال اور ویران نہوں مگر ایسا کوئی بھی نہیں کہ جس پر جلد تباہ اور خراب ہوجانیکی علامتیں موجود نپائی جائیں۔ اور ھند وستان ہی پر کیا منحصر ہے یہ تو ہم سے ایک بہت دور کی سلطنت ہے ہم اپنے قریب ہی

سال دیگر بلکہ تمام سال اندہر دو حصّہ محصول را فروختہ میگیرند و زہے خدا ترسی کہ بر ہمیں ظلم اکتفا نمودہ کار بفروختن گاؤ و ارابہ کہ مدار قلبہ رانی بر آنست نرساند و باز بخرج دربار و سہ بندی و نقصان تہمے کہ نمودہ وفا نماید و بساط باقیماندۂ رعایا را حتّی اشجار میوہ دار و زمین ہلکی و موروثی آنہا را بفروش نیار دو تاخت و تاراج مُفسدان آن نواح علاوہ موجب ویرانی مُلک و خرابی حال رعایا میگردد۔ از آنست کہ دہ کردہ بست کردہ زمین نامزروع افتادہ بجای زراعت اشجار خاردار دامنگیر سافران و نشتر جگر جاگیرداران بے سرمایہ سہت بسیار پرگنہ و قصبہ جات سیر حاصل بمرتبہ خراب و ویران از تعدی حکّام بدانجام گردیدہ کہ بیشۂ شیر و مسکن سباع گشتہ و آنقدر دیہات خرابہ محض و بیچراغ شدہ کہ نام آبادی راہ نابرخاستہ اگرچہ از شامت نفس رعایا و تقاضاے ایام بدفرجام ہست کہ روز بروز ملک زیادہ ازیں خراب شود و رعایا پامال جور و جفاے عمال بیآل گردد و جاگیرداران گرفتار وبال آہ عیال مزارعان مظلوم گردند اما ظلم و تعدّی و بیداد حاکمان از خداے بیخبر بجاے رسیدہ کہ اگر خواہد شمّہ شیہ آنرا باطاق بیان آرد از سر رشتہ کلام دور مے افتد و در صورتیکہ یکے از عمال کہ فی الجملہ اندیشۂ روز جزا داشتہ باشد و خواہد برخلاف دیگر ظلم پیشگان بنحتی و تعدی را جزو اعظم شیوۂ عالمی نداند و ترحمے بر حال رعایا نماید و در پرداخت حال رعیت مال گزار و افزونی محصول سال بسال و نیکی عاقبت و مآل کار خود و فرزندان خود داند مردم روزگار او را مطعون ساختہ از جملہ بیوفان ناکردہ کار محسوب مینمایند

تفصیل اس عریضہ کی جو بنام گورنر پانڈیچری لکھا گیا

کے بعض ایشیائی ملکوں کی حالت کا مقابلہ کر کے شخصی حکومتوں کے بیرحمانہ برتاؤ کے نتیجوں کی نسبت اپنی رائے قائم کر سکتے ہیں۔ مثلاً دریائے دجلہ اور فرات کے دوآبے کو اور ایشیاء کوچک اور فلسطین اور انطاکیہ کے قرب وجوار کے عمدہ میدانوں اور بہت سے اضلاع کو دیکھ لیجئے کہ قدیم زمانہ میں کس کثرت سے زراعتیں ہوتی تھیں اور کیسے زرخیز اور آباد تھے اور اب ویران پڑے ہیں بلکہ اُنکے بہت سے حصے دلدل ہو جانے اور آب وہوا کی خرابی سے انسان کی بود و باش کے بھی قابل نہیں رہے۔ یہی اندوہناک صورت مصر کی دکھائی دیتی ہے جہاں کی رعایا غلامانہ حالت میں ہے اور اشتی برس کے عرصہ میں یہہ بے نظیر ملک دسویں حصہ سے زیادہ ویران ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس مدت میں کسی نے دریائے نیل کی نہروں کی کچھ خبر نہیں لی جسکا یہہ نتیجہ ہوا کہ دریا اپنے معمولی پاٹ کے اندر نہیں بہتا اور نیچی زمینیں بالکل غرقاب ہو جاتی ہیں۔ اور ریت سے اسقدر اٹ گئی ہیں کہ بغیر بہت سے روپئے اور محنت کے صاف نہیں ہو سکتیں۔ پس ایسی حالت میں کیا یہہ کچھ تعجب کی بات ہے؟ کہ ان ملکوں میں صنعت اور حرفت کو ویسی ترقی نہو جیسی کہ ہمارے خوش نصیب فرانس اور اُن ملکوں میں ہے۔ جہاں کا طرز حکومت عمدہ ہے۔

واگر خدانکردہ سال را بتمام نرسانید و تغیر گردید خراب و پامال خرج سہ بندی وغیرذلک گشتہ بوبال نقصان مایہ و شماتت ہمسایہ گرفتار میگردد۔ چنانچہ کمر بر مسود و اوراق گزشتہ!! حق سبحانہ وتعالیٰ ہمہ بندہا ے عاصی را ازیں آفت در پناہ خود نگاہ دارد۔ بحق محمد وآلہ الامجاد۔"

اس مضمون کو پڑھکر امید ہے کہ ناظرین کتاب کے دل میں خود بخود یہہ خیال پیدا ہوگا کہ ہمارے زمانہ میں گورنمنٹ انگریزی کی شائستہ حکومت کیسی خیر و برکت کی حکومت ہے۔ ملک کیسا سرسبز و کیسا آباد ہے اور رعایا کس امن و امان سے بے خلش زندگی بسر کرتی ہے۔ س م ح

کیونکہ کسی صناع سے ایسے لوگوں میں رہ کر اپنے پیشہ میں جی لگانے کی اُمید نہیں کیجاسکتی جو مفلس اور غریب ہوں یا اپنے تئیں مفلس ظاہر کرتے اور چیز کی خوبصورتی اور عمدگی کی جگہ صرف اُسکے ارزاں ہونے کا خیال رکھتے ہوں اور بڑے آدمیوں کا یہہ حال ہو کہ صرف اپنی مرضی سے چیز کی حیثیت سے بہت کم قیمت جو چاہتے ہوں دیدیتے ہوں اور کسی کاریگر یا سوداگر کے اصرار کرنے کی حالت میں اُسکو کوڑوں سے پٹوانے میں بھی اُنکو تامل نہ ہوتا ہو (کوڑا ایک لمبے اور دہشت ناک چابک کو کہتے ہیں جو ہر ایک امیر کے دروازہ پر لٹکتا رہتا ہے) اور کیا کسی صنّاع کا حوصلہ پست کردینے کے لیئے یہہ امر کچھ کم ہے کہ اُسکو کسی اعزاز کے پانے یا اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیئے کسی منصب سرکاری کے حاصل ہونے یا زمین کے خریدنے کی اجازت ملنے کی اُمید نہیں اور اس خوف سے کہ کوئی دولتمندی کا شبہ نکرے نہ کبھی اچھی پوشاک پہن سکتا ہے اور نہ اچھا کھانا کھا سکتا ہے اور نہ یہہ ظاہر کرسکتا ہے کہ اسکے پاس کچھ تھوڑا سا بھی روپیہ ہے۔ ہِنْدُوستان کی صنعت کی خوبصورتی اور لطافت مدّت سے جاچکی ہوتی اگر بادشاہ اور بڑے بڑے اُمرا کے ہاں بہت سے کاریگر نوکر نہ ہوتے جو خود اُنہیں کے گھروں پر اور سرکاری کارخانوں میں بیٹھکر کام بناتے اور اپنے شاگردوں اور لڑکوں کو سکھایا کرتے ہیں اور انعام کی اُمید اور کوڑوں کا خوف اُنکو محنت کے ساتھ اپنے کام میں لگائے رکھتا ہے اور کچھ یہہ بھی سبب ہے کہ بعضے دولتمند تاجر اور سوداگر ایسے بھی ہیں کہ جنکو بڑے بڑے اُمرا کی سرکاروں سے تعلق اور توسّل ہے اور وہ کاریگروں کو شرح مروجہ سے کسیقدر زیادہ مزدوری دیکر کام بنوایا کرتے ہیں۔ میں نے "کسیقدر زیادہ مزدوری" اسلیئے

کہا ہے کہ یہہ تو سمجھنا ہی نچاہیئے کہ اچھی چیزیں بنانے سے کاریگر کی کچھ قدر کیجاتی ہے یا اُسکو کچھ آزادی حاصل ہوتی ہے - کیونکہ وہ تو جو کچھ کرتا ہے صرف ضرورت یا کوڑوں کے خوف سے کرتا ہے - اور چونکہ تمول اور آسودگی حاصل ہونیکی کبھی اُمید نہیں ہوتی اسلیئے اگر روکھا سوکھا ٹکڑا کھانے کو اور موٹا جھوٹا کپڑا پہننے کو ملجاے تو اُسی کو غنیمت سمجھتا ہے - اور روپیہ حاصل بھی ہوجائے تو اُسکو کیا !! کیونکہ وہ تو اُس سوداگر کا مال ہے جو خود ہی اسی اندیشہ سے ہمیشہ مضطرب رہتا ہے کہ اگر کوئی زبردست ظلم وزیادتی کرنا چاہے تو اُس سے کسطرح بچے -

ہندوستانیوں کی بیعلمی اور جہالت کا ذکر

لوگوں کی اِس حالت کا بالطبع یہہ نتیجہ ہے کہ تمام ملک میں علی العموم بیحد جہالت پھیلی ہوئی ہے - اور یہہ یہاں ممکن ہی نہیں کہ ایسے دارالعلوم اور کالج قائم ہوسکیں کہ جنکے اخراجات کے لیئے کافی سرمایہ بذریعہ وقف کے موجود ہو اور ایسے لوگ کہاں جو اِس طرح پر مدرسے اور کالج قائم کریں اور بالفرض ایسے لوگ میسّر بھی آجائیں تو طالبعلم کہاں اور لوگوں میں اتنی استطاعت کہاں کہ اپنے بچّوں کو کالج میں رکھکر اُنکے اخراجات کا سرانجام کرسکیں اور بالفرض ایسے ذی مقدور لوگ موجود بھی ہوں تو یہہ جُرأت کون کرسکتا ہے کہ اس طرح علانیہ اپنی دولتمندی ثابت کرے اور شاید ! اگر کوئی شخص یہہ جھقانہ حرکت کر بھی بیٹھے تو عمدہ تعلیم سے جن دنیاوی فواید کی توقع ہوتی ہے وہ کہاں اور ایسے اعتماد اور اعزاز کے عہدے اور منصب کہاں جو نوجوان طالبعلموں کی اُمیدوں اور ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کے شوق کو اُبھارتے رہتے ہیں اور جنکے لیئے علم اور قابلیت کی ضرورت ہے - *

* خدا کا شکر ہے کہ ہمارے زمانہ میں ایسا حال نہیں ہے بلکہ جب سے اس ملک میں گورنمنٹ برطانیہ

ھند وستان کی تجارت کی پست حالی کا ذکر۔

جس مُلک میں اس قسم کی حکومت ہو وہاں اُس چستی اور کامیابی کے ساتھ تجارت بھی نہیں ہوسکتی جیسے کہ فرنگستان میں ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں کہ جو اپنی خوشی سے محنت اور تکلیف اُٹھانے اور کسی دوسرے شخص کے فائدہ کے لیئے خطرے میں پڑنے کو گوارا کریں (دوسرے شخص سے میری مُراد کوئی ایسا حاکم ہے جو لوگوں کی کمائی کو چھین لینے سے دریغ نہیں کرتا) اور خواہ کتنا ہی نفع کیوں نہ حاصل ہو کمانیوالے کو مفلسانہ لباس پہنا اور اپنے غریب ہمسایوں سے بڑھکر کھانے پینے میں تکلّف نہ کرنا ضروریات سے ہے۔ مگر ہاں جب کبھی کسی فوجی سردار سے کسی سوداگر کو توسّل ہوجاتا ہے تو البتہ وہ بڑے بڑے تجارتی مُعاملے کرنے لگتا ہے مگر اس حالت میں اُسکو اپنے مربی کی غلامی میں رہنا ضروری ہے جو حفاظت کے بدلے جس قسم کی شرطیں اُس سے چاہتا ہے کرالیتا ہے۔

کا مبارک قدم آیا ہے علاوہ اور تدابیر رفاہ وفلاح کے مدبّران سلطنت نے ابتدا ہی سے اہل ھند وستان کی تعلیم میں نہایت کوشش کی ہے۔ اگرچہ شروع میں ملک کے مذاق کے موافق پُرانے طرز پر عربی۔ فارسی۔ سنسکرت زیادہ پڑھائی جاتی تھی۔ انگریزی اور علوم مروجہ یورپ کم۔ اور نہ اتنے سرکاری مدرسے اور کالج ہی تھے۔ اور نہ بی اے۔ اور ایم اے وغیرہ ڈگریاں جو دس بارہ برس کی محنت شاقہ اور سخت امتحانوں کے بعد دیجاتی ہیں۔ مگر آخر کار مدبّران سلطنت کے باہم ایک مدت تک بحث ومباحثہ اور غور وفکر کے بعد طے ہوا کہ باشندگان ہند کو زبان انگریزی کے ذریعہ سے وہ تمام علوم وفنون بمانند یورپ سکھائے جائیں کہ جنکے علم وعمل نے ممالک یورپ کو اُن کے موجودہ درجہ کمال پر پہنچایا ہے۔ چنانچہ ۱۸۵۴ء (اٹھارہ سو چون) عیسوی سے اس اصول پر تعلیم جاری ہے۔ جسکے انتظام واہتمام کے لیئے اوّل کلکتہ۔ مدراس۔ بمبئی میں جو تینوں پریزیڈنسیوں کے صدر مقام ہیں

امرائے ہندوستان کا خاندانی اور عالی نسب ہونا اور اُن کی جہالت اور غرور کا ذکر۔

شہنشاہ ہند کو یہہ بات میسر نہیں ہے کہ ملازمت کے لیئے اپنی رعایا میں سے ایسے لوگوں کو منتخب کر سکے جو قدیمی رئیس زادے اور خاندانی امیروں اور شریفوں کے لڑکے اور بڑے بڑے کارخانہ داروں اور متموّل سوداگروں کے بیٹے پوتے ہوں اور جنھوں نے بخوبی تعلیم پائی ہو اور اپنی عادات اور اطوار میں معقولیّت اور سنجیدگی کا بدرجۂ اعلیٰ خیال رکھتے ہوں اور جنکو اپنے بادشاہ سے محبّت ہو اور دلیری و دلاوری کے کاموں سے اپنے خاندان کی ناموری اور شہرت بڑھانیکے لیئے مستعد اور بوقت ضرورت اس قابل ہوں کہ اپنی گرہ سے کھاکر دربار یا فوج میں بخوشی کام دے سکیں اور کسی اچھے وقت کی اُمید پر صرف بادشاہ کے ہنس کر بول لینے اور شاباش کہدینے پر قانع ہوں بلکہ بجاے اس قسم کے لوگوں کے شہنشاہ ہند کے اِردگرد جاہل اور وحشی غلام یا وہ خوشامدی لوگ رہتے ہیں جنہوں نے بہتیرے

تین یونیورسٹیاں قائم کی گئی تھیں اور اب لاہور اور الہ آباد میں بھی جو گورنمنٹ پنجاب اور ممالک مغربی وشمالی کے صدر مقام ہیں دو نئی یونیورسٹیاں اور قائم ہوگئی ہیں۔ ان یونیورسٹیوں کے تحت میں بڑے شہروں سے لیکر اکثر دیہات تک بہت سے مختلف حیثیتوں کے کالج اور مدرسے اور مکتب ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی تعلیم میں علاوہ علوم اور زبان انگریزی کے عربی فارسی سنسکرت تینوں میں سے کسی ایک زبان کا بقدر مناسب جاننا بھی ضروریات سے ہے۔ اور تعلیم عام اور درجۂ ادنیٰ کے لیئے ہندوستان کے اضلاع مختلفہ کی دیسی بولیوں میں سے اٹھارہ زبانوں میں مفید کتابیں تصنیف و تالیف و ترجمہ ہوکر پڑھائی جاتی ہیں۔ بعض مقامات میں خاص طرح کے کالج اور سکول ہیں۔ جن میں فن انجنیری۔ طبابت۔ زراعت۔ قانون۔ بیطاری (طب حیوانات) صنعت و حرفت۔ فارسٹری (علمی طریقوں سے جنگل اُگانا اور اُسکی حفاظت کرنا) وغیرہ کی تعلیم دیجاتی ہے۔ اگرچہ پادری لوگ اپنے قائم کیئے ہوئے مدرسوں میں مذہب عیسوی کی

ادنیٰ اور ذلیل حالت سے درجہ اعلیٰ پر ترقی پائی ہے - اور جو وفاداری اور حب الوطنی اور معقولیت اور مردانگی اور عزت داری کے خیال سے بالکل خالی اور ناقابل برداشت غرور و تکبر سے بھرے ہوئے ہیں -

دربار اور فوج کے اخراجات کثیر کے باعث سے رعایا کی سخت تباہ حالی -

ملک کا یہ حال ہے کہ بسبب اُس مصارف کثیر کے (جو دربار کی شان و شوکت قائم رکھنے اور اُس بڑی فوج کی تنخواہ ادا کرنیکے لیئے لابُدی ہے جسکا ہونا رعایا کے قابو میں رکھنے کیواسطے ضروری ہے) تباہ و برباد ہے اور لوگ ایسی تکلیف اور مصیبت میں ہیں کہ خیال میں نہیں آسکتی اور صرف تھپیوں اور کوڑوں کے خوف سے غیروں کے فائدوں کے لیئے کام میں لگے رہتے ہیں اور اگر فوج کا ڈر نہو تو ایسی بیرحمانہ بدسلوکیوں سے مایوس ہوکر کہیں کو بھاگ جائیں یا فساد برپا کریں - اور اس بدقسمت ملک کی مصیبت اُسوقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جبکہ کسی صوبہ کی حکومت بہت سا روپیہ لیکر کسی کو

تعلیم دیتے ہیں اور ہندو مسلمان بھی اپنے قائم کیئے ہوئے سکولوں اور مدرسوں میں علاوہ تعلیم دنیاوی کے اپنے مذہب کی تعلیم دیتے ہیں مگر از راہ دانشمندی سرکاری مدرسوں میں کسی قسم کی مذہبی تعلیم مطلقاً نہیں دیجاتی - اور اگرچہ اس پچاس برس کے اندر اشاعت علوم کے بارہ میں بہت کچھ ہوا ہے اور چھاپہ کے فن کی ترقی نے جسکو گورنمنٹ انگریزی کے زمانہ سے پہلے اس ملک میں کوئی جانتا بھی نتھا - اور دیسی زبانوں میں اخباروں اور رسالوں کے شایع ہونے نے (گو ابھی وہ بہت پست حالت میں ہیں) عامہ خلایق کے قوائے عقلی کے شگفتہ کرنے اور خیالات کی عام تاریکی کم کرنے میں بہت بڑی مدد دی ہے - لیکن جو کچھ کیا گیا ہے فیاض طبع مدبران سلطنت اسکو ابھی بہت تھوڑا سمجھتے ہیں اور علوم و فنون کی اشاعت و ترقی مزید کے لیئے ہمیشہ کچھ نہ کچھ کیئے ہی جاتے ہیں - چنانچہ گورنمنٹ کی ان حکیمانہ کوششوں کی بدولت ایک نہایت ہی مفید نتیجہ جس سے آیندہ کے لیئے بہت پائیدار اور اصل ترقی کی اُمیدیں بندھتی ہیں پیدا ہوا ہے

دیدیجاتی ہے جو عموماً مروّج ہے اور لڑائی اور ہنگامہ کے وقت خصوصیت کے ساتھ جسپر عمل کیا جاتا ہے اور جسکا بالطبع یہہ نتیجہ ہے کہ جو شخص اس طرح پر حکومت حاصل کرتا ہے اُسکا مقدم کام یہہ ہوتا ہے کہ جو روپیہ اُسنے بہت بھاری سود پر قرض لیکر اپنی مطلب براری کے لیئے خرچ کیا تھا اُسکو وصول کرے۔ حقیقت یہہ ہے کہ کسی صوبہ کی حکومت خواہ نذرانہ دیکر لی گئی ہو یا یوں ہی مل گئی ہو ہر ایک صوبہ دار اور جاگیر دار اور ستاجر کو کسی نہ کسی طرح ہر سال بڑے بڑے نذرانے کسی وزیر یا خواجہ سرا یا محل کی کسی معزز بیگم یا کسی اور شخص کی خدمت میں کہ جسکو دربار میں ذی اقتدار خیال کرتا ہو پیش کرنا اور معہذا بادشاہی خراج بھی معمولی وقت پر خزانہ شاہی میں پہنچاتے رہنا ضروری امر ہے۔ اور اگرچہ یہہ لوگ دراصل صرف ذلیل اور قرضدار غلام ہوتے ہیں اور کچھ بھی جائداد نہیں رکھتے مگر حکومت

کہ آپ خود باشندگان ملک باہمی چندہ وغیرہ کرکے خود اپنے خرچ اور اپنے اہتمام سے باقاعدہ کالج اور مدرسے قایم کرنے کی ضرورت پر متوجہ ہونے لگے ہیں۔

بالفعل تمام قسم کے مدارس میں ۳۵ لاکھ لڑکے اور ایک لاکھ لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ کل خرچ اُن مدارس کا جو براہ راست سرکار کے اہتمام میں ہیں۔ یا جنکی کچھ امداد اور نگرانی وغیرہ سرکار سے ہوتی ہے اسوقت ڈھائی کروڑ روپیہ سالانہ ہے۔ جسمیں سے اسّی لاکھ تو خاص سرکاری خزانہ سے دیا جاتا ہے جو سلطنت کے تمام سول انتظام کے بیسویں حصّہ کے مساوی ہے اور باقی لوکل ریٹ لوکل فنڈ اور چندہ اور اوقاف وغیرہ سے ادا ہوتا ہے۔ جو طالبعلم یہاں تعلیمی امتحانوں میں اعلیٰ رہتے ہیں اُنکو علاوہ علمی انعاموں کے زمرہ اہل قلم میں اچھی نوکریاں ملجاتی ہیں یا جو یہاں سے تکمیل تعلیم کے لیئے یورپ جاکر یا اسی جگہ مدارس انجنیری وغیرہ میں انگریزوں کے مساوی علمی لیاقت میں کامیابی کی سندیں حاصل کرتے ہیں تو انکو سول کے کاموں میں کچھ ایسے اعلیٰ عہدے بھی ملنے لگے ہیں جو پہلے صرف انگریزوں ہی کے لیئے مخصوص تھے۔ س م ح

ملتے ہی بڑے دانشمند اور متموّل امیر بنجاتے ہیں۔ اور اِس طرح پر تمام مُلک میں ویرانی اور بربادی پھیلی ہوئی ہے۔ اور جیساکہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں یہہ تمام صوبہ دار اپنی اپنی جگہہ میں چھوٹے چھوٹے فرعون بے سامان ہیں جو نامحدود اختیارات رکھتے ہیں۔ اور کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے کہ جسکے پاس مظلوم رعایا استغاثہ کرسکے۔ اور خواہ کیسا ہی اور بار بار ظلم کیوں نہوا ہو اُسکو اپنی داد رسی کی کسی طرح اُمید نہیں ہے۔ اگرچہ یہہ بات درست ہے کہ بادشاہ تمام صوبوں میں "واقعہ نویس" مقرر کرتا ہے۔ جنکا یہہ کام ہے کہ جو امر وقوع میں آئے اُسکی اطلاع دیتے رہیں۔ لیکن اُن نالایق واقعہ نویسوں اور صوبہ داروں کے باہم خود ہی سازش ہوجاتی ہے۔ پس وہ ظلم جو رعایا پر ہوتا ہے اُنکی موجودگی سے شاذونادر ہی رُکتا ہے۔

حکام کے تقرّر کے باب میں ٹرکی اور ایران اور ھند وستان کے عملدآمد اور اصول حقیت ملکیّت کے لحاظ ہونے سے جو نتیجہ متوقع ہے اُسکا ذکر۔

ھند وستان کے صوبہ داروں کی طرف سے جو بیش قیمت ہدیے اور تحفے موقع بموقع دیئے جاتے ہیں اگرچہ تقریباً وہ اُنکے عہدوں کی قیمت ہی کا کام دیتے ہیں۔ مگر تاہم صوبوں کی حکومت جسقدر علانیہ اور جلد جلد سُلطان رُوم کی سلطنت ٹرکی میں فروخت ہوتی ہے اُسقدر علانیہ اور جلدی سے ھِنْدُوستان میں نہیں بکتی اور ھِنْدُوستان کے صوبہ دار روم کی بہ نسبت چونکہ اپنے عہدوں پر قائم بھی زیادہ عرصہ تک رہتے ہیں اسوجہ سے بہ نسبت اُسوقت کے کہ جب پہلے پہل وہ افلاس اور لالچ کی حالت میں صوبہ دار مقرر ہوکر جاتے ہیں رفتہ رفتہ رعایا کی نسبت اُنکا ظلم کم بھی ہوجاتا ہے۔ اور ایک یہہ وجہ بھی کم ظلم

کرنے کی ہے کہ اُنکو یہہ خیال رہتا ہے کہ کہیں یہہ لوگ مُلک کو چھوڑ کر کسی راجہ کی عملداری میں نہ چلے جائیں جو فی الواقع اکثر ہوتا رہتا ہے - اور رُوم کی طرح ایران میں بھی جلد جلد اور علانیہ طور پر سکّام کی تبدیلی نہیں ہوتی - کیونکہ وہاں اکثر باپ کی جگہہ بیٹا ہی حاکم مقرّر کیا جاتا ہے - اور یہہ عملدرآمد سلطنت رُوم کے دستور سے اچھا ہے اسکا یہی نتیجہ یہہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ایران کی رعیّت رُوم کی رعایا کی بہ نسبت خوشحال ہے اور ایرانی ادب اور شایستگی میں بھی رُوم کے ترکوں سے بہتر ہیں - بلکہ یہ قدیم کتابوں کے مطالعہ اور پڑھنے لکھنے میں بھی مصروف رہتے ہیں مگر اِن تینوں مُلکوں یعنی رُوم - ایران - اور ہندوستان میں "می ام اینڈ ٹوام" یعنی حق ملکیت کے اُصول کو زمین اور اور حقیقت کی چیزوں کے باب میں کوئی نہیں جانتا اور اس اصول کے نہونے سے جو درحقیقت تمام خوبیوں اور برکتوں کی جڑ ہے - یہہ تینوں مُلک لازمی طور پر اُمور عملی میں باہم مشابہ ہیں اور ایک ہی قسم کی سخت غلطیوں میں پڑے ہوئے ہیں - اور جلدی خواہ دیر میں بالضرور ظلم اور بربادی اور مصیبت جو اِن غلطیوں کے طبعی نتیجے ہیں اِن کو بھگتنے پڑینگے -

ممالک فرنگستان کی خوشحالی اور سرسبزی اور روز افزوں ترقی اور اسکا سبب

جناب من - ہمکو خُدا کا نہایت شکر کرنا اور خوش ہونا چاہیئے کہ ہمارے ممالک فرنگستان میں بادشاہ زمین کے مالک علی الاطلاق نہیں ہیں - اور اگر ایسا ہوتا تو اسقدر آبادی اور زراعت کیونکر ہوتی اور ایسے عمدہ اور آسودہ شہر کہاں ہوتے اور شایستہ اور فارغ البال اور پھولی پھلی خلقت کسطرح دیکھنے میں آتی - اور اگر یہہ بربادکن علی الاطلاق حق بادشاہوں کو یہاں بھی حاصل ہوتا تو اب کی بہ نسبت اُنکی دولت اور

اُنکی رعایا کی وفاداری اور عقیدت مندی کی کچھ اور ہی کیفیت ہوتی اور وہ صرف بیابان اور سنسان ملکوں اور وحشیوں اور ٹکڑ گداؤں کے بادشاہ ہوتے۔

حقیقت یہہ ہے کہ بادشاہان ایشیا شریعت الہی اور قانون قدرت سے بڑھکر ناجائز خود مختاری حاصل کرنے کی حرص میں ایسے اندھے ہوجاتے ہیں کہ ہر چیز کو اپنے ہی ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں جسکا نتیجہ یہہ ہوتا ہے کہ آخر کار ہر ایک چیز اُنکے ہاتھ سے نکل جاتی ہے[۱]۔ یا اگر ہمیشہ ہی ایسا نہوتا ہو کہ سب کچھ اُن کے ہاتھ سے نکل جاوے۔ مگر تو بھی اتنا تو ضرور ہی ہوتا ہے کہ جسقدر مال و دولت کے جمع کرنے کی طمع اُنکو دامنگیر رہا کرتی ہے بخلاف اپنی اس آرزو کے اُسکے حاصل کرنے سے ہمیشہ مایوس اور محروم ہی رہتے ہیں۔

مَیں پھر کہتا ہوں کہ اگر ہمارے ملک کا طرز حکومت بھی یہی ہوتا تو ایسے رؤسا اُمرا علماے دین متمول اہل شہر ترقی کناں اہل تجارت۔ ذہین اہل حرفہ اور تیز فہم کارخانہ دار کہاں ہوتے اور ایسے شہر جیسے فرانس میں پیرس[۱] لائن[۲] تولوز[۳] اور رائن[۴]۔ اور انگلستان میں لندن یا اور بڑے بڑے شہر ہیں کہاں پائے جاتے۔ اور اسقدر قصبات دیہات کنٹری ہوس[۵] "خوش نما میدان پہاڑ اور وادی جنمیں نہایت ہوشیاری اور ہنرمندی اور محنت سے زراعت کیجاتی ہے کس طرح دکھائی دیتے اور ہمارے محاصل کثیر کی جو اس محنت اور مشقت کا نتیجہ ہے۔ اور جو بادشاہ اور رعایا دونوں کے لیئے مفید ہے کیا

---

[۱] الحق۔ طَلَبُ الْکُلِّ فَوْتُ الْکُلِّ۔ س م ح

[۵] کنٹری ہوس۔ مکان مع باغیچہ کو کہتے ہیں جو اہل یوروپ تبدیل آب و ہوا اور تفریح طبع کے لیئے آبادی سے دور مضافات شہر میں بنا لیتے ہیں۔ فقط س م ح

1. Paris - 2. Lyons - 3. Toulouse - 4. Rouen - 5. Country house

حالت ہوتی بلکہ سب کچھ اس خوبصورت تصویر کے برعکس ہوتا۔ اور ہمارے بڑے بڑے شہر ناموافق ہوا کی وجہ سے سکونت کے قابل نہ رہتے اور ڈھے کر کھنڈر ہو جاتے اور کسی کو انکی مرمت کرنے اور زوال سے روکنے کی فکر نہ ہوتی۔ اور زرخیز پہاڑوں کو لوگ چھوڑ کر چلے جاتے اور میدان اس سرے سے اُس سرے تک جھاڑ جھنکار اور گھاس پھوس سے بھر جاتے۔ اور مضر صحت اور وبائی امراض پیدا کرنے والی دلدلیں سطح زمین کو ڈھانک لیتیں۔ اور مسافروں کے آرام و آسائش کے ذریعے معدوم ہو جاتے۔ مثلاً وہ اِنّ[1] جو پیرس اور لائیئنس کے راستہ میں بنے ہوئے ہیں اپنے رتبہ سے گر کر دس بارہ کارواں سرائیں رہجاتیں اور مسافروں کو خانہ بدوشوں کیطرح ہر شے اپنے ساتھ لیئے پھرنی پڑتی۔

ممالک ایشیا کی کاروانسراؤں کا ذکر

ممالک ایشیا کی کاروانسرائیں[2] ایک بڑی بارن (غلہ خانہ) کے مشابہ ہوتی ہیں جنکے چاروں طرف ہمارے پونٹ نیوف[3] کی طرح پختہ دیواریں بنی ہوئی اور پختہ فرش لگا ہوا ہوتا ہے۔ جنمیں سیکڑوں انسان مع اپنے گھوڑوں خچروں اور اونٹوں کے نظر آتے ہیں۔ اور گرمی کے موسم میں تو یہ مکانات ایسے گرم ہوتے ہیں کہ دم گھٹا جاتا ہے۔ اور جاڑوں میں سردی کے مارے مرنے سے بچنے کا کوئی ذریعہ بجز ان بہت سے حیوانات کے سانس کے نہیں ہوتا۔ اِس موقع پر اُمید ہے کہ بعض لوگ عمداً یہ کہینگے کہ ایسے کئی مُلک ہیں۔ مثلاً سلطان رُوم کا مُلک کہ جہاں "می ام اینڈ توام"[4]

1-Inn. 2-Barn 3-Pont nouf 4-Meum and tuum

کے اصول کو کوئی بھی نہیں جانتا - مگر پھر بھی نہ صرف بحال خود قائم اور موجود ہیں بلکہ انکی عظمت اور اقتدار یوماً فیوماً ترقی پر ہے - مگر اسکا جواب یہہ ہے کہ ایسی وسیع اور بڑی سلطنت جیسی کہ سلطان روم کی سلطنت ہے اور جسمیں بہت سے صوبوں کی زمین ایسی طاقتور اور زرخیز ہے کہ کامل تردد کے بغیر بھی بہت برسوں تک اُسکا زور قائم رہتا ہے بالضرور دولتمند اور طاقتور ہونی چاہیئے - مگر غور کرنا چاہیئے کہ بمقابلہ اُسکی وسعت اور قدرتی خوبیوں کے اُسکی دولت اور طاقت کسقدر کم ہے اور اگر فرض کرلیا جاے کہ وہ ایسی ہی آباد ہے - اور اُسمیں ایسی ہی ہوشیاری سے کاشتکاری اور زراعت ہوتی ہے جیسی کہ بحالت اصل ہونے حق ملکیت زمین کے رعایا کو ممکن ہے - تو اس صورت میں بیشک یہہ ہونا چاہیئے کہ یہہ سلطنت ایسی ہی بڑی اور عمدہ فوجیں نوکر رکھ سکتی ہے جیسی کہ قدیم زمانہ میں تھیں حالانکہ آجکل تو خاص قسطنطنیہ ہی میں یہہ حال ہے کہ اگر پانچ چھہ ہزار سپاہی بھرتی کرنے ہوں تو تین مہینے لگتے ہیں - چنانچہ میں قریباً اس تمام ملک میں پھرا ہوں اور میںنے اسکو نہایت ہی افسوسناک طور پر تباہ اور اُجڑا ہوا دیکھا ہے - البتہ عیسائی غلام جو اُس سلطنت کے تمام حصوں سے یہاں آتے ہیں اُنسے اِس ملک کو کسیقدر مدد ملتی ہے - لیکن اگر اس سلطنت کا طرز حکمرانی آیندہ بہت برسوں تک ایسا ہی رہا تو بالضرور یہہ اپنی ہی اندرونی کمزوری کی وجہ سے تباہ ہوجائیگی اگرچہ بخوبی ظاہر ہے کہ بالفعل یہہ کمزوری ہی اسکے قیام کا باعث ہے - کیونکہ کسی صوبہ کا کوئی فرمانروا یا کوئی اور شخص اتنی استطاعت نہیں رکھتا کہ کوئی چھوٹی سی بھی مہم کرسکے یا اسقدر سپاہی کہ جو اُسکے لیئے کمتنفی ہوں بہم پہنچا سکے کیا عجیب

بات ہے کہ جو امر اس سلطنت کے زوال کا باعث ہے وہی اُسکے چند روزہ قیام کا موجب ہے۔

پیگو کے وزیر کی ایک عجیب اور مضحکہ آمیز تدبیر کا ذکر۔

حقیقت یہہ ہے کہ ان صورتوں میں بغاوت اور فساد کے روکنے اور اس قسم کے خطرات کے انسداد کا مل کی غرض سے وہی عجیب و غریب تدبیر اس مُلک کے بھی مناسب حال معلوم ہوتی ہے جو مُلک پیگو کے ایک برہمن* نے اختیار کی تھی کہ بہت عرصہ تک زمین کا جوتنا بونا بند کر دیا۔ مُلک کو جنگل اور بن بنا دیا اور سچ مچ آدھی رعیت بھوکھوں مار ڈالی۔ مگر اس سے بھی کچھ نہوا اور اُسکی یہہ عمدہ تدبیریوں ہی گئی۔ کیونکہ مُلک کئی حصّوں میں تقسیم ہوگیا۔ اور تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ اس ملک کے دارالحکومت شہر آوا پر تھوڑے سے چینی جو بھاگ کر آئے تھے قبضہ کرنے والے تھے۔

مگر بہرحال ہمکو تسلیم کرنا چاہیئے کہ ہمارے جیتے جی غالباً سلطنت روم کی بالکلیہ برباد ہو جانے کی کم اُمید ہے۔ اور ہم خوش ہونگے کہ اس سے زیادہ اسکی خراب حالت نہ دیکھیں کیونکہ اسکی ہمسایہ ریاستوں کا تو یہہ حال ہے کہ اسپر حملہ آور ہونا تو کیا بیرونی امداد کے بغیر اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکتیں۔ اور بیرونی امداد کی یہہ کیفیت ہے کہ بُعد مسافت اور حسد اور رقابت کی وجہ سے اُسکے پہنچنے میں دیر ہوتی ہے اور اسی وجہ سے وہ امداد ناکافی بھی ہے اور ناقابل اعتماد بھی

اگر کوئی شخص یہہ اعتراض کرے کہ اس امر کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ

---

* ملک بوھما کے باشندے چونکہ بودھ مت کے پیرو ہیں اسلیئے اُنکے مذہبی مقتدا اگرچہ برہمن نہیں ہوتے مگر اصل کتاب میں ایسا ہی لکھا ہے۔ س م ع

ایشیا کی سلطنتیں مفید قوانین سے کیوں مستفید نہیں ہوسکتیں اور صوبجات کے لوگ وزیر اعظم یا خود بادشاہ کے حضور میں استغاثہ کیوں نہیں کرسکتے تو میں قبول کرتا ہوں کہ البتہ وہاں بھی عمدہ قوانین ہیں اور بشرطیکہ اُنپر کامل طور سے عمل ہو تو ایشیا بھی دُنیا کے اَور مُلکوں کی طرح پسندیدہ بود و باش کے قابل ہوجائے۔ لیکن جبکہ اُنپر عمل نہو اور نہ اس امر کا امکان ہو کہ بزور اُنپر عمل کرایا جاسکے تو ایسے قوانین سے کیا فائدہ اور جبکہ حکّام صوبجات اُسی وزیر یا خود بادشاہ کے مقرر کردہ ہیں جُنکی نسبت نالش سُننے کی طاقت رکھتا ہے۔ اور جبکہ فی الواقع ایسے ہی ظالم لوگوں کے سوا حکّام کا مقرر کرنا وزیر اور بادشاہ کی دسترس سے بھی خارج ہے یا وہ وزیر یا خود بادشاہ کے نذرانہ لیکر مقرر کیے ہوئے ہیں تو اُنکی نالش کسکے پاس کیجائے۔ اور بالفرض اگر وزیر یا بادشاہ کا میلان خاطر لوگوں کی سماعت نالش کیطرف ہو بھی تو یہہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک غریب کسان یا ستم رسیدہ کاریگر چار سو یا پانسو میل کے سفر کا خرچ کثیر اُٹھاکر دار السلطنت تک پہنچ سکے۔ اور اسکے سوا ایک یہہ آفت ہے کہ یہہ زبردست ظالم جیسا کہ اکثر ہوا ہے مستغیث کو راستہ ہی میں قتل کرا دیتے ہیں یا پیش ازوقت اُسکو اپنے قابو میں لاکر جو دل میں آتا ہے سو کرتے ہیں۔ اور اگر کسی اتفاق سے کوئی مستغیث بادشاہ تک پہنچ بھی جاتا ہے تو صوبہ دار کے طرفدار لوگ اصل حقیقت کو چھپاکر کچھ اَور کا اَور ہی بادشاہ سے کہدیتے ہیں۔ غرضکہ صوبہ داروں کو اُنکے صوبجات کا بالکل مالک اور خود مختار حاکم سمجھنا چاہیئے وہ خود ہی جج ہیں۔ خود ہی پارلیمنٹ خود ہی پریسائڈل کورٹ[1] (عدالت اعلیٰ) خود ہی اسیسر[2] (تشخیص جرم کرنیوالے) اور خود ہی محاصل شاہی کے وصول کنیوالے

1. Presidial court - 2. Assessor

چنانچہ ایک ایرانی نے اِن ظالم اور لالچی صوبہ داروں اور جاگیرداروں اور مستاجروں کی نسبت کیا ہی خوب کہا ہے کہ "اینہا کہ از ریگ روغن میکشند" اور اصل بات تو یہہ ہے کہ اُنکی عورتوں اور بچّوں اور غلاموں اور لٹیرے مصاحبوں کے اخراجات کے لیئے تو کوئی بھی آمدنی کمتفی نہیں ہوسکتی۔

اگر کوئی یہہ کہے کہ ہمارے مُلک فرانس کے بادشاہوں کی ملکیّت خاص کی زمینیں ایسی ہی جوتی بوئی جاتی ہیں اور نہایت کثرت سے لوگ اُن میں آباد ہیں جیسی کہ رعایا کی ملکیّت کی زمینیں جوتی بوئی جاتی ہیں تو اسکا جواب یہہ ہے کہ ایسی سلطنت کا جہاں کا بادشاہ صرف چند قطعات کا مالک ہے ایسی سلطنت کے ساتھ کہ جسکی کُل زمین بادشاہ ہی کی ملکیّت ہے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا اسکے علاوہ فرانس میں آئین وقوانین ایسے معقول ہیں کہ اُسکی تعمیل سب سے اوّل بادشاہ پر واجب ہے۔ اور جو زمینیں اُسکے قبضہ میں ہیں اُن میں جو حق کسی کاشتکار کو حاصل ہے وہ اُسکو زائل نہیں کرسکتا۔ اور اُسکے کارندوں اور مستاجروں پر قانون کے موافق نالش ہوسکتی ہے۔ اور مظلوم کسان یا کاریگر بیشک اپنے انصاف کو پہنچ سکتا ہے۔ لیکن ایشیا میں کمزوروں اور مظلوموں کے لیئے کوئی جاے پناہ نہیں ہے۔ اور قانون جس سے تمام جھگڑے فیصلہ پاتے ہیں صرف حاکم کا سونٹا یا اُسکی بے ٹھکانے اور رنگا رنگ رائے ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ بعض لوگ یہہ کہینگے کہ بعض فوائد ایسے ہیں کہ درحقیقت حکومت شخصیّہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً وکلاے عدالت بہت کم ہوتے ہیں اور مقدمات بھی زیادہ دائر نہیں ہوتے۔ اور جو دائر ہوتے ہیں وہ بہت جلد

فیصل ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ مَیں بھی تسلیم کرتا ہوں کہ مقدمات کے انفصال میں طوالت کا ہونا ہر ایک سلطنت کے لیئے سخت عیب ہے۔ اور بالضرور بادشاہ پر اس خرابی کی اصلاح واجب ہے لیکن یہہ لوگ خواہ کچھ ہی کہا کریں مگر ہم تو ایران کی اس پُرانی مثل کی بہت بڑھ کر تعریف نہیں کر سکتے کہ "ناحق کوتاہ بہتر از حق دراز" کیونکہ یہہ امر یقینی ہے کہ اس طوالت کے رفع کرنے کا اس سے زیادہ موثر علاج اَور کچھ نہیں ہے کہ رعایا کا حق ملکیت مٹا دیا جائے۔ اور جب یہہ حق نہ رہیگا تو بیشمار قانونی کارروائیوں کی ضرورت خود ہی نہیں رہیگی۔ خصوصاً اُن کارروائیوں کی جو اہم اور طول وطویل اور پیچیدہ مقدمات میں ہوتی ہیں۔ اور نہ بہت سے مجسٹریٹوں اور ججوں کے رکھنے کی حاجت ہوگی۔ اور نہ بڑے بڑے وکلا اور مختار کاروں کی جماعت کثیر کی۔ جنکی گزراوقات صرف مقدمات ہی پر موقوف ہے احتیاج ہوگی۔ لیکن کچھ شک نہیں ہے کہ یہہ علاج مرض سے بدتر ہوگا اور جو مصیبت اس سے مُلک پر پڑیگی اُسکا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور بجائے مجسٹریٹوں اور ججوں کے جنکی دیانت اور امانت پر بادشاہ بھروسہ کر سکتا ہے رعایا کے لوگ اُسی قسم کے حکّام جابر کے اختیار میں جا پڑینگے جنکا مینے ابھی ذکر کیا ہے۔ حقیقت یہہ ہے کہ ممالک ایشیا میں اگر کبھی انصاف ملتا ہے تو صرف اُن غریب اور کم درجہ کے لوگوں کو ملتا ہے جو قاضیوں کو رشوت دینے کا مقدور نہیں رکھتے۔ یا کچھ دیکر جھوٹے گواہ نہیں بنا سکتے جو ہمیشہ بہت سستے اور کثرت سے مِل سکتے ہیں اور جو کبھی سزا نہیں پاتے

میرا یہہ بیان اپنے کئی برس کے تجربہ پر مبنی ہے۔ اور مجھے مختلف ذریعوں

سے اِن امور سے واقفیت حاصل ہوئی ہے اور یہ اُس تحقیق کا نتیجہ ہے جو ہندوستانی اور یوروپین سوداگروں سے جو عرصہ سے اِس مُلک میں کاروبار کرتے ہیں اور مختلف سلطنتوں کے سفیروں اور کانسلوں اور ترجمانوں سے نہایت کوشش کے ساتھ مینے کی ہے - مَیں جانتا ہوں کہ میری یہہ شہادت میرے اکثر ہموطن سیّاحوں کے بیان کے برخلاف ہے شاید اُنہوں نے کسی شہر میں راستہ چلتے دو ذلیل شخصوں کو دیکھ لیا ہوگا کہ قاضی نے اُن میں سے ایک کے یا دونوں کے تلوؤں[۱] پر سخت چوٹیں لگوا کر جلدی

---

[۱] مجرموں کے تلوؤں پر قاضیوں کا چوٹیں لگوانا جو مصنف نے لکھا ہے - چونکہ تعزیر کا یہہ وحشیانہ طریقہ نہ تو شرع اسلام کے موافق ہے نہ ھندوستان کی رسوم متعارفہ میں سے ہے اسلیئے کچھ اسکا حال لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے -

واضح ہو کہ سزا دہی کے اس طریقہ کو ایرانی لوگ چوب و فلک یا چوب فلک کردن کہتے ہیں - اور پایا جاتا ہے کہ اُس مُلک میں سیکڑوں برس سے یہہ سزا نہ صرف چوروں بدمعاشوں کو دیجاتی ہے بلکہ ایرانی میانجی اپنے مکتبوں کے شریر لڑکوں کو بھی یہی سزا دیتے رہتے ہیں - چنانچہ راے ٹیک چند بہار کی کتاب مصطلحات بہار عجم میں جو آج سے ایک سو باوَن برس پہلے یعنی ۱۱۵۲ ہجری کی تصنیف ہے لکھا ہے کہ "فلک چوبے باشد طولانی کہ در ہر دو سرش دو جا سوراخ کنند و ریسمانے ازاں گذرانند و مسلمان ہر دو پاے اطفال بازی کوش را دراں بندکردہ تاب دہند الحکاہ چوب زنند و چوب فلک نیز عبارت ازہمیں عمل ہست علی خواسانی گفتہ ؎ تا مکتب سرگشتگی گردید پیدا در فلک * مانند طفلاں باشدم پاے تمنّا در فلک * ایضاً محمّد قلی سلیم گفتہ ؎ زمانہ مکتب اطفال گشتہ پنداری * کہ ہر کہ ہست دو روشکوہ از فلک دارد * ایضاً محمد سعید اشرف گفتہ ؎ چوں زولم بروں جہند نالہ بچرخ برکشم * چارہ بے فلک بود طفل گریز پاے را * ملّا محسن تاثیر گفتہ ؎ رود چو طفل سرشکم بروں ز مکتب چشم *

سے کچہری سے باہر نکلوا دیا ہوگا - دیا دونوں کو "مے بیل بابا" (معلوم نہیں کونسے الفاظ کی خرابی ہے) یا کچھ اور ایسے ہی ملائم الفاظ کہکر جو قاضی لوگ اُسوقت کہا کرتے ہیں جبکہ اُنکو فریقین میں سے کسی سے کچھ فتوح کی اُمید نہیں ہوتی جلدی سے رخصت کر دیا ہوگا - اور کچھ شک نہیں ہے کہ کارروائی کا یہہ مختصر طریقہ دیکھکر اُنکو بہت بڑا تعجب ہوا ہی تھا - اور وہ اسیوجہ سے فرانس میں یہہ کہتے ہوئے پہنچے کہ "واہ واہ کیا خوب اور کیسا جلدی انصاف ہوتا ہے اور اے! راستی شعار قاضیان ہندوستان فرانس کے مجسٹریٹوں کو تمہارے نمونہ پر چلنا چاہیئے"

نہ ہ پاش رشگاں ادیب نم فلکے * ملا نورالدین ظہوری گفتہ ؎ گرچہ تادیب خلق بر فلک است * کہکشاں ہم برائے او فلک است * واغلب چو بے بود کہ در وسط آن تسمہ باشد"

اور رائے ٹیک چند کے مستاد سراج الدین علی خان آرزو نے اپنی کتاب مصطلحات فارسی مسمّے بہ چراغ ہدایت میں جو بہار عجم سے چند سال پیشتر کی تصنیف ہے یوں لکھا ہے کہ "فلک کردن" نوعے از تہذیب اطفال باشد کہ معلّمان کنند آن را تا زود آویختن است" اور اس لٹکے لٹکانے کے معنی استنباط اپنے شاعرانہ خیال میں محمّد قلی سلیم کے مذکورہ بالا شعر سے بمناسبت لفظ فلک (یعنی آسمان) کر کے پھر ملا نورالدّین ظہوری کا وہی شعر نقل کیا ہے اور اسمیں کہکشاں کو اپنے تصوّر میں تسمہ سے مشابہ گردان کر یہہ عبارت لکھی ہے کہ "لیکن ازیں شعر ظہوری بمعنی تسمہ کہ معلمان بر اطفال زنند معلوم میشود" چونکہ فارسی زبان کے ان ہندوستانی نامور محققوں نے "چوب و فلک" کے معنوں میں امثالی باتیں لکھی ہیں اس سے ظاہر ہے کہ ان کے وقت میں جو سنہ و سال کا حساب لگانے سے محمّد شاہ کا عہد سلطنت معلوم ہوتا ہے جسنے ۱۱۳۱ ہجری میں تخت نشین ہوکر ۱۱۶۱ ہجری میں وفات پائی تھی

اور ان بیچاروں کو اسکا خیال بھی نہیں ہوا کہ جھوٹے شخص کو اگر اسقدر استطاعت ہوتی کہ پانچ سات روپیوں سے قاضی یا اُسکے محرروں کی مٹھی گرم کر دیتا یا دو چار روپیہ خرچ کر کے دو جھوٹے گواہ بہم پہنچا لیتا تو بیشک جیت جاتا یا مقدمہ کو جسقدر طول دینا چاہتا دے سکتا۔

ہندوستان میں یہہ سزا مروج نہیں تھی۔ انگریزی زبان میں اس طرح سزا دینے کا نام بسٹی نیڈو ہے۔ چنانچہ ویبسٹر کی ڈکشنری میں جو زمانہ حال کی معتبر کتب لغات میں سے ہے۔ اسکی تصویر بھی لکھی ہے۔ اور بیان کیا ہے کہ دراصل یہہ لفظ زبان فارسی کا ہے۔ اور اٹلی اور سپین اور فرانس کی زبانوں میں جو لفظ بسٹی نیڈو کے قریب قریب الفاظ ہیں منجملہ اُن کے زبان فرنچ میں پہلے اس لفظ کو بستان کہتے تھے اور اب بتن کہتے ہیں۔ اور وہی مصنف لکھتا ہے کہ اسکے معنی ہیں ایک سخت مار ساتھ چھڑی یا سونٹہ کے۔ اور خصوصاً اُس طریق سزا کو کہتے ہیں جو ٹرکی یا چین وغیرہ سلطنتوں میں اس طرح پر دیجاتی ہے کہ مجرم کے تلووں پر لاٹھیاں مارتے ہیں اور اسی کتاب میں اسکی تصویر اس طرح بنائی ہے کہ ایک شخص کو مونہہ کے بل اوندھا لٹایا ہوا ہے۔ اور اُسکے دونوں پاؤں گھٹنوں تک اس طرح اونچے کئے ہوئے ہیں جیسے کہ پانی میں تیرنیکے وقت اکثر لوگ کرلیا کرتے ہیں اور دونوں پانوؤں کے برابر دو مضبوط کھونٹے گڑے ہیں اور اُسکے ٹخنوں میں بسمیہ یا رسی ڈالکر اُن کھونٹوں کے ساتھ مضبوط باندھ دیا ہے۔ اس طرح سے کہ تلوے رو بآسمان ہیں اور اُسکے پاس ایک شخص دونوں ہاتھوں میں لاٹھی اُٹھائے کھڑا ہے جسکو آجکل کے رُوحی ہلکوں کا سا یورپین لباس پہنا یا ہوا ہے وہ زور سے اُسکے تلوؤں کو کوٹ رہا ہے چوب و فلک کی شکل و صورت اور اُسکے طریق استعمال کی نسبت جہانتک ہمکو اہل ایران سے معلوم ہو سکا ہے۔ خلاصہ اُسکا یہہ ہے کہ ڈنڈے کے طور کی کوئی دو گز لمبی اور ایک فٹ دور کی موٹی لکڑی کے دونوں سروں میں سوراخ کر کے اُن میں کمان کے چلّے

جناب من - میں نہایت سچائی سے پھر عرض کرتا ہوں کہ اگر حق ملکیت جائیداد زائل کر دیا جاوے تو ظلم بے انصافی - افلاس اور وحشت اسکے لازمی نتیجے ہونگے اور زمین کا تردد موقوف ہو کر ملک سنسان اور ویران ہو جائیگا - اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس سے بادشاہ اور قوم دونوں کی تباہی اور بربادی کا راستہ کھل جائیگا - کیونکہ دنیا میں انسان اسی امید پر محنت کرتا

کی طرح کوئی تین بالشت طول کی ایک ڈھیلی رسّی یا تسمہ ڈالے رکھتے ہیں اور جب مجرم کو سزا دینا چاہتے ہیں تو اُسکے پاؤں کو اوّل اُس رسّی میں بل دیکر کس لیتے ہیں اور بعد ازاں دو آدمی اُس ڈنڈے کو دونوں سروں سے پکڑ کر مجرم کے تلوے اِسطرح سے روبآسمان کر دیتے ہیں گویا گھوڑے کی نعلبندی کراتے ہیں اور تیسرا شخص اکثر درخت انار کی شاخوں سے جو لچکدار ہونے کی وجہ سے زمانہ حال کی عدالت اسے انگریزی کے ضرب بید کا سا جوروں بدمعاشوں کی پشت پر مارتے ہیں کام دیتی ہیں مجرم کے تلوؤں کو پیٹتا ہے - غرضکہ لفظ چوب سے وہ شاخیں مُراد اور فلک سے وہ ڈنڈا اور فی زمانہ ایران کے مکتبوں میں اُس ڈنڈے کو فلکہ بھی کہتے ہیں - ہمارے ایک ایرانی دوست نے بمبئی سے مکتب کے بچّوں اور چوروں کی سزا کے طریق میں جو فرق لکھا ہے بہتر ہے کہ اُسکو اُنہیں کے الفاظ میں بیان کیا جائے - وھو ھذا

چوب زدن مخصوص حکّام وسلاطین ست کہ دزد وغیرہ را تنبیہ میکنند و بے فلک در مکتب خانہ مخصوص اطفال کوچک ست و چوب ان یک فرع و شاخ انار باریک دو طفل دیگر گرفتہ خود معلّم میزند بر کف پاے طفل کہ چنداں صدمہ نرسد - و بے گماشتگان شاہی بقسمے چوب میزنند بر کف پاے شخص مجرم کہ تمام پاے شخص مجروح میشود و خون می آید بقسمے میزنند کہ سر چوب بہ قلم پا میخورد و زخم میشود بسیار بد ست ! حال در ایران مروّج ست فقط

س م ح

ہے کہ اُسکا پھل اُسکو اور اُسکی اولاد کو ملے اور یہہ اُمید ہی ہر ایک فائدہ مند اور عمدہ شے کی بُنیاد ہے - اور اگر ہم دُنیا کی سلطنتوں کی حالت پر نظر ڈالیں تو ہمکو معلوم ہو جائیگا کہ اُنکی ترقی یا زوال صرف اِسی اصول کے لحاظ یا عدم لحاظ پر موقوف ہے مختصر یہہ کہ اسی اُصول کے عملدرآمد یا اِس سے غفلت کرنیکا نتیجہ ہے جو ملکوں کی حالت پلٹتی اور بدلتی رہتی ہے -

حاشیہ متعلق صفحہ ۲۹۷

میر جملہ کی فوج کشی کوچ بہار اور آسام کے راجاؤں پر۔

ان راجاؤں کی پیشقدمی مہم کا باعث ہوئی

یہہ مہم (جیساکہ ڈاکٹر برنیر نے لکھا ہے) صرف آسام ہی پر نہیں ہوئی تھی بلکہ کوچ بہار اور آسام دونوں پر ایک ہی وقت میں فوج کشی کی گئی تھی۔ اور اصلی سبب اسکا یہہ ہوا تھا کہ ۱۰۶۷ھ ایکہزار سرسٹھ ہجری کے اخیر میں جب شاہ جہاں کی بیماری نے طول پکڑا اور طرح طرح کی افواہیں اُڑکر حدود سلطنت میں فتور پیدا ہوے۔ اور چاروں شاہزادوں نے اُودھم مچایا اور شجاع نے بنگالہ سے پٹنہ کو کوچ کردیا تو کوچ بہار کے باجگذار راجہ* بیم نارائن نے بھی یہہ ہل چل دیکھکر بادشاہی علاقہ یعنی گھوڑاگھاٹ کو آلوٹا۔ اور وہاں کی رعایا میں سے ایک جماعت کثیر کو جسمیں اکثر مسلمان تھے قید کرکے اپنے مُلک کو لیگیا۔ اور اسپر بھی بس نکرکے بھولا نا تھا۔ اپنے وزیر کو ایک انبوہ عظیم کے ساتھ کامروپ کے علاقہ پر

* عالمگیرنامہ میں لکھا ہے کہ کوچ بہار کے علاقہ کے لوگ نارائن کی سورت پوجتے ہیں، اسلیئے لفظ نارائن ہمیشہ یہاں کے راجہ کے نام کا جزو اخیر ہوتا ہے۔ بلکہ اسیوجہ سے یہاں کے سونیکے سکہ کو بھی نارائنی کہتے ہیں۔ اور قدامت خاندان کے باعث سے کوچ بہار اور آسام کے راجہ اُس زمانہ میں اُس طرف کے لوگوں کی نظر میں بہت معزز اور محترم خیال کیئے جاتے تھے۔ اسکی ریاست بنگالہ کے شمال و مغرب میں مائل بشمال ۱۵۰ کوس کے طول اور ۱۰۰ کوس کے عرض میں دس لکھ روپیہ سالانہ آمدنی کی تھی اور دریائے منکوش جو تبت اور بنگالہ کو تا ہی آسام اور کوچ بہار میں جاکر شامل ہوا ہے

تسلط کر لینے کیواسطے مامور کیا۔

آسام کے راجہ جے دھج سنگھ نے جو اس سے بدرجہا زبردست تھا جب یہہ طور دیکھا تو اسنے بھی ایک لشکر عظیم خشکی اور تری کی راہ سے علاقہ کامروپ پر روانہ کر دیا۔ جسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ کامروپ کا بادشاہی فوجدار اپنے میں کوچ بہار اور آسام کے لشکروں سے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھکر اور بنگالہ کے صوبہ دار (سلطان شجاع) سے کمک پہنچنے کی امید منقطع سمجھکر جہانگیر نگر (راج محل) کو بھاگ آیا۔ اور چونکہ بھولا ناتھ بھی اپنے کو آسامیوں سے کمزور سمجھکر پیچھے کو ہٹ گیا۔ اسوجہ سے انہوں نے بیمقابلہ و مزاحمت بادشاہی ملک پر متسلط ہوکر خوب لوٹا اور اپنے دستور کے موافق بہت سی رعیت کو پکڑ کر قیدی بنالیا۔ اور یہانتک بڑھے کہ بے روک ٹوک جہانگیر نگر سے تقریباً پانچ منزل کے فاصلہ پر موضع مسمت سلا پرگنہ کری باڑی میں اپنا تھانہ بٹھادیا

اسامیوں کے مغرور اور زبردست ہونے کی وجہ

یہہ آسامی ایسے زبردست اور مغرور تھے کہ پہلے بھی کئی بار ایسی حرکتیں جہانگیر اور شاہ جہاں کے عہد میں کر چکے تھے۔ چنانچہ ایکبار سیّد ابوبکر کو جو جہانگیر کا ایک امیر تھا مع اسکی فوج کے جمدھرا کے پاس سے اور دوسری دفعہ شیخ عبدالسلام حاجو کو فوجدار کوشاہ جہاں کے زمانہ میں گواھٹی سے پکڑ کر لیگئے تھے اور کبھی بھی کسی مسلمان بادشاہ سے مغلوب نہوئے تھے۔ کیونکہ ایک تو یہہ لوگ وحشی خصال اور جنگجو تھے۔ علاوہ بریں انکا ملک بسبب کوہستان اور کثرت ندی نالوں اور عمیق دریاؤں اور جنگلوں اور ناقابل گذر بنوں وغیرہ کے قدرتی طور پر محفوظ تھا

شاہ جہاں کے عہد میں مذکورہ بالا واقعہ کے باعث اگرچہ میر عبد السلام مخاطب بہ اسلام خاں صوبہ دار بنگالہ نے خاص اپنے بھائی کو سپہ سالار بناکر آسام پر فوج کشی کی تھی۔ مگر یہ حملہ آور سردار صوبہ بنگالہ اور آسام کی سرحد موضع کجلی سے ہنوز آگے نہیں بڑھا تھا کہ اتنے میں شاہ جہاں نے میر عبد السلام کو اپنا وزیر مقرر کرکے شجاع کو بنگالہ کی صوبہ داری پر مامور کردیا۔ اور جیسا کہ شخصی ارادے اکثر ادھورے رہجایا کرتے ہیں اس تغیر و تبدل میں یہ مہم ناتمام رہگئی تھی۔

میر جملہ کا راج محل پہنچنا آسام سے معذرت نامہ کا آنا اور قرارداد صلح

القصہ جب میر جملہ عالم گیر کے تیسرے سال جلوس میں شجاع کو دباتا ہوا راج محل میں جا پہنچا تو آسام کا راجہ اُس نامور مدبر کی لیاقت اور شجاعت کی شہرت سے اور یہہ دیکھکر کہ وہ شجاع کو کیسی کامیابی سے مغلوب کرچکا ہے اپنی مذکورہ بالا پیشقدمی اور جسارت کا خیال کرکے خایف ہوا۔ اور وکیل کے ہاتھ میر جملہ کی خدمت میں ایک معذرت نامہ اس مضمون کا بھیجا کہ یہ نواین ہمارا دشمن ہے اور وہ چاہتا تھا کہ کامروپ کے علاقہ پر جو قدیم زمانہ میں آسام کے متعلق تھا متصرف ہوجائے۔ اس سبب سے میری فوج نے اُس ملک پر قبضہ کرلیا تھا اب جسکو حکم ہو سونپ دیا جائے۔

میر جملہ نے مصلحت وقت سمجھکر اُسکی معذرت کو قبول کرلیا اور وکیل کو خلعت دیا۔ اور رشید خاں کو مع اور چند سرداروں کے متعین کیا کہ آسامی جو اس قرارداد کے موافق علاقہ کامروپ کو خالی کرکے مناس ندی کے کنارہ

تک ہٹ گئے تھے جاکر قبضہ کریں۔

پیم نارائن کی معذرت اور اُسکا قبول نہونا۔

اگرچہ اسکے بعد پیم نارائن نے بھی وکیل بھیجکر معذرت کی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اس راجہ نے باوجود بادشاہی باجگذار ہونے کے خلاف طریقہ اطاعت یہہ گستاخی کی تھی اسلیئے میر جملہ نے عذر قبول نکرکے وکیل کو قید کردیا۔ اور راجہ سوجان سنگھ بندیلہ اور میرزا بیگ اپنے ایک ذاتی ملازم کو کچھ اپنی اور کچھ بادشاہی فوج دیکر واسطے پاداش اُسکی گستاخی کے کوچ بہار کو روانہ کردیا۔

چونکہ راجہ سُجان سنگھ نے شہر کوچ بہار کے قریب پہنچکر یہہ اندازہ کیا کہ اپنی موجودہ جمعیّت سے وہ اُسکو فتح نہیں کرسکتا۔ اسلیئے ناچار کچھ دور کے سامنے جو کوچ بہار میں داخل ہونیکے لیئے صدر دروازہ تھا اور جسکا ذکر تفصیل آگے آئیگا متوقّف ہوگیا۔

اسامیوں کا انحراف قرارداد صلح سے

اور ادھر سرحد آسام پر یہہ معاملہ پیش آیا کہ رشید خاں جو بلحاظ قلت فوج از راہ احتیاط کسیقدر جھجک جھجک کر آگے بڑھتا تھا اس باعث سے آسامیوں نے انکو ضعیف سمجھکر ایفاء وعدہ کا خیال چھوڑ دیا اور لڑنے کو مستعد ہوگئے۔

کوچ بہار اور آسام پر میر جملہ کا بذات خود کوچ کرنا۔

آخر کار جب شجاع تباہ و برباد ہوکر بنگالہ سے اراکان کو چلا گیا اور میر جملہ نے اُسکے تعاقب سے فراغت پائی تو کوچ بہار اور آسام کے معاملات پر متوجہ ہوا۔ اور اِن دونوں پر بذات خود فوج کشی کرنا مناسب سمجھکر بادشاہ سے اجازت منگائی اور اُن تمام سرداروں اور

امیروں سمیت جو شجاع کی مہم میں اسکے ساتھ مامور تھے خضر پور سے (جسکا نشان بنگالہ کے نقشہ پر نہیں ملا) اٹھارہویں ربیع الاول ۱۰۷۲ھ اکہترہجری کو (مطابق سال چہارم جلوس عالمگیری) برسات کے بعد کشتیوں میں روانہ ہوا - اور بمقام بدی تلا جو بادشاہی ملک میں کوچ بہار کی سرحد پر تھا جا پہنچا

کوچ بہار کے راستوں کی ناواقفیت اور تلاش کے بعد آخر کس راستہ سے داخل ہوا

چونکہ دانشمندان قوم انگریز فرمانروایان حال کیطرح جو ازراہ دوراندیشی سپہ سالار ہند کے دفتر میں ہمیشہ ایک مستقل محکمہ ہی اندرونی و بیرونی ملکوں کی نسبت ہر قسم کی معلومات جمع کرتے رہنے کا قائم رکھتے ہیں اسوقت پیش بینی کے یہہ سامان کہاں تھے کہ اس سرحدی ریاست کے راستوں وغیرہ کے حالات سے اسکو واقفیت ہوتی اسلیئے ناچار متوقف ہوکر اس ملک میں داخل ہونیکے لیئے راستہ تلاش کرنے لگا اور بعد تحقیقات یہہ تین راستے دریافت ہوئے -

ایک ولایت[1] ہورنگ کی طرف سے - دوسرا بادشاہی ملک کی سمت سے جو مکھہ دوار ہوکر جاتا تھا - اور جدھر سے راجہ سبجان سنگھہ اور دیرنا بیگ نے داخل ہونیکا قصد کیا تھا - تیسرا راستہ گھوڑا گھاٹ اور رنگا ماٹی کی جانب سے - سوا ان تین مشہور راستوں کے بادشاہی ملک کیطرف سے ایک اور بھی غیر متعارف راستہ تھا چنانچہ میر جملہ نے بوجوہ خاص اسکو اختیار کیا

شہر کوچ بہار کس محفوظ حالت میں واقع تھا

شہر کوچ بہار اسوقت اس طرح پر واقع تھا کہ اسکے

---

[1] عالمگیر نامہ وغیرہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت کی اصطلاح میں لفظ ولایت کا اطلاق ایسے علاقوں کی نسبت کیا جاتا تھا جو بادشاہی حکومت سے آزاد اور خود مختار ہوتے تھے - س ح

گرداگرد مدتہاے دراز سے ایک نہایت عریض اور مرتفع بند جسکو اُس مُلک کی اصطلاح میں آل کہتے تھے چوبیس کوس کے دَور میں بطور حصار کے بنا ہوا تھا۔ جسکے اندر نہ صرف یہہ شہر بلکہ کئی پرگنے بھی تھے۔ اور اِس بند کے گرداگرد ایک عمیق خندق کے علاوہ بانس اور بید اور اَور درختوں کا ایسا گھنا جنگل تھا کہ جسمیں سے جانور بھی بمشکل گزر سکے اور اِس بند میں چند مستحکم دروازے تھے جنپر بڑی بڑی توپوں اور لمبی لمبی بندوقوں اور زنبورک وغیرہ سامان جنگ کے ساتھ نگہبانی کے لیئے راجہ کی فوج ہر وقت تعینات رہتی تھی۔ اور اُن سب میں سے بڑا دروازہ جو شہر کے محاذی واقع تھا اُسکو مکھہ دوار کہتے تھے۔

میر جملہ نے جو راستہ اختیار کیا تھا اگرچہ اس طرف آل کا عرض اور ارتفاع کمتر تھا۔ لیکن ندیاں نالے اور بانس کا گھنا جنگل اِس شدّت سے تھا کہ پیم نارائن کو اس طرف سے حملہ ہونیکا ذرا بھی دغدغہ نتھا۔

میر جملہ کی فتحیابی اور راجہ کا بھوٹنٹ کو بھاگنا۔

مگر میر جملہ نہایت محنت کے ساتھ کوچ بکوچ ندی نالوں کو عبور کرتا اور جنگل کٹواتا ہوا غرّہ جمادی الاول سنہ مذکور کو آل تک جا ہی پہنچا۔ اور خفیف سے مقابلہ کے بعد اُس سے پار ہو گیا۔

پیم نارائن جو اسی جنگل اور آل کے بھروسہ پر ساری شوخیاں اور سرکشیاں کرتا تھا شہر کو خالی چھوڑکر اور اہل وعیال کو ساتھ لیکر بھوٹنٹ کے کوہستان بلند اور برفانی کے راجہ دھرم* راج کے پاس جو ایکسو بیس برس

* بھوٹنٹ میں جسکو آجکل انگریزی نقشوں میں اکثر بھوٹان لکھتے ہیں ہمیشہ

کی عمر میں مرد مرتاض - تارک لذات اور صرف کیلہ اور دودھ کی غذا پر جینے والا اور باوجود کبر سن کے تندرست اور صحیح القویٰ اور نہایت منصف اور رعیت پرور بودھ مت کا راجہ تھا چلا گیا - اور میر جملہ ششم جمادی الاوّل سنہ ایکہزار ستر ہجری کو (شہر وع کوچ سے تخمیناً ڈیڑھ مہینے کے بعد) شہر کوچ بہار پر قابض ہوگیا -

ملک کی قدرتی سرسبزی اور خوبی

عالمگیرنامہ میں لکھا ہے کہ فہمندوں نے اس ملک کو طرح طرح کے پھولوں اور میووں اور سیاہ مرچ اور اور انواع اقسام کے خوبصورت درختوں سے اگرچہ مثل ایک قدرتی باغ کے پایا اور نہایت ہی سرسبز و شاداب دیکھا -

باشندے جنگلی اور بدصورت اور اُن کے ہتھیار

مگر وہاں کے سیاہ فام اور قلماق صورت (یعنی گورکھپہ نما) زن و مرد حسن و جمال اور صباحت و ملاحت کے پیرایہ سے عموماً معرّا اور وحشی اور جنگلی خصلت تھے جنکا حربہ تلوار و بندوق کے علاوہ زیادہ تر زہر کے بجھے ہوئے تیر تھے -

شہر کی آبادی راجہ کی نفیس مزاجی اور اُسکے مکانات کی عمدگی

لیکن راجہ کی نسبت لکھا ہے کہ اُسکی طبیعت زینت و نفاست عیش و عشرت اور صفائی و لطافت کی جانب نہایت مائل تھی اور اُسکے مکانات "خلوت خانہ - دیوانخانہ حرم سرا خواص پورہ - حمام - باغچہ - نہر - فوارہ - آبشار" وغیرہ" بہت با قرینہ اور طرحدار زینت و تکلّف کے ساتھ بنے ہوئے تھے اور شہر بھی بہت اچھے قرینہ سے

بیان ۱۲ دو راجہ جو تبیس ایک دینی دوسرا دنیاوی دینی راجہ کا لقب دیباج اور دنیوی کا دھرم راج ہوتا ہے - سم

بسا ہوا تھا۔ اور اکثر کوچوں اور بازاروں میں خیابان اور پھولوں کی کیاریاں تھیں اور ناگ کیسر اور کچنار کے خوبصورت درخت لگے ہوئے تھے۔ اور یہ صفائی اور نفاست کی باتیں جو انہوں نے وہاں جاکر دیکھیں ایسے جنگلی لوگوں کے ملک میں انکی توقع کے نہایت ہی خلاف تھیں۔

میر جملہ نے کوچ بہار میں کیا کیا کیا۔

القصہ جب سب طرح عمل و دخل ہو چکا تو دوسرے دن سید صادق صوبہ بنگالہ کے صدر (متولی اوقاف) نے میر جملہ کے حکم سے پیم نارائن کے سب سے اونچے محل کی چھت پر چڑھکر (گویا بطور علامت اہل اسلام کی فتح کے) اذان دی۔ جو بقول صاحب عالمگیر نامہ۔ اُس ملک میں تحلیل و تکبیر کی یہ پہلی ہی صدا تھی اور بادشاہ کے نام کا سکہ و خطبہ جاری کیا۔ اور مکھ دوار کے استحکام اور عمارت کو مسمار کرادیا۔ اور اُسکے گرداگرد سو سو گز تک جنگل بھی کٹوا ڈالا۔ ایکسو چھ توپیں اور ڈیڑھ سو سے زیادہ زنبورک اور رام جنگی (جو اُس زمانہ میں ایک قسم کی لمبی بندوق کو کہتے تھے) اور بہت سی معمولی بندوقیں اور سامان جنگ ضبط کرلیا گیا۔ اور بھولا نام وزیر جو کوچ بہار کے مغرب کیطرف بھاگ کر مورنگ کے دشوار گزار جنگلوں میں جا گھسا تھا اُسکو بھی بادشاہی فوج نے ڈھونڈ بھال کر جا پکڑا اور راجہ کا بڑا بیٹا بشن نارائن جسکو اسکا باپ اکثر نظر بند اور قید رکھتا تھا باپ سے جدا ہوکر میر جملہ کے لشکر میں آگیا اور اپنی خوشی سے مسلمان ہوگیا۔

بھوٹنٹ کے راجہ کا میر جملہ کے پروانہ کرنا۔

اگرچہ کچھ سپاہ پیم نارائن کی گرفتاری کے لیئے بھوٹنٹ کو بھی روانہ کی گئی تھی اور اس باب میں

میر جملہ نے ایک پروانہ بھی وہاں کے راجہ کے نام لکھا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ مغلیہ فوج جو اکثر سواروں کی ہوتی تھی اسلیئے پہاڑ کے نیچے کے حصہ میں کچھ اخلال شور و غل مچاکر واپس چلی آئی اور اسکے پروانہ کی کسی نے پروا نہ کی۔ اور مصلحتاً یہہ بھی چپ ہو رہا۔ غرضکہ میر جملہ نے سولہ دن کوچ بہار میں ٹھہر کر نظم و نسق ملک کے لیئے اپنے عہدہ دار مقرر کر دیئے۔ اور خود تیئیسویں جمادی الاول کو (شروع کوچ سے تقریباً دو مہینے کے بعد) گھوڑا گھاٹ کے راستہ آسام کو روانہ ہوا۔

* مختصر حال کوچ بہار اور اُسکے راجہ کا جو اسوقت ہے | یہہ ریاست فی زمانا گورنمنٹ برٹانیہ کے ماتحت ڈارجلنگ کے قریب راج شاہی کی کمشنری سے متعلق ہے۔ شمال کی طرف ضلع جلپاگوری کے مغربی دواروں سے محدود ہے۔ اور جنوبی طرف میں ضلع رنگپور اور مشرق میں گوال پاڑا۔ اور مغرب میں دیناج پور ہے۔ رقبہ اسکا تیرہ سو ساٹھ میل مربع اور آبادی خلایق چھ لاکھ دو ہزار چھ سو چونتیس ہے۔ فرمانروا ہے حال کا نام و خطاب مہاراجہ نرپ اندر نارائن بھوپ بہادر ہے۔ اور گورنمنٹ انگریزی سے تیرہ ضرب توپ کی سلامی کا اعزاز اور آنریری میجر کا فوجی لقب بھی حاصل ہے رئیس حال کی نابالغی کے زمانہ میں گورنمنٹ انگریزی نے اس ریاست کے طریق نظم و نسق کی بہت بڑی اصلاح کردی ہے۔ اور اس زمانہ کی شایستہ طرز حکومت کے موافق صیغہ جات مال جوڈیشل۔ پولیس۔ بندوبست۔ تعمیرات عامہ۔ تعلیم۔ اڈیٹ جنرل اور ڈاک خانے۔ اور باقاعدہ انتظام جیلخانہ وغیرہ موجود ہے۔ اور ملک کی آمدنی تخمیناً تیرہ چودہ لاکھ روپیہ سالانہ ہے سر جارلس ایچیسن صاحب کی کتاب عہدنامجات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۷۲ء انگریز سات سو بہتر عیسوی سے یہہ ریاست گورنمنٹ انگریزی کی حمایت میں آئی ہے جبکہ وہاں کے خود سال راجہ کو بھوٹیوں نے مقید کر کے ملک پر اپنا قبضہ کر لیا تھا اور گورنمنٹ ممدوحہ نے نصف ملک کی آمدنی ہمیشہ کے لیئے لینی کر کے انکو نکال دیا اور

آسام کے عام حالات عالمگیر نامہ سے

یہانتک تو ناظرین میر جملہ کا ریاست کوچ بہار میں داخل ہونا اور عمل و دخل کے بعد بادشاہی سکہ و خطبہ وغیرہ کے جاری کر دینے کا حال معلوم کر چکے۔ مگر مہم آسام میں میر جملہ کی جنگی کارروائیوں کے لکھنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کی حدود اور حالات طبعی اور وہاں کے باشندوں کے عادات و خصائل اور رسم و رواج وغیرہ کو (جس طرح پر کہ اسوقت تھے اور جنکو صاحب عالمگیر نامہ نے اپنے طور پر بہت تفصیل سے لکھا ہے) توضیح مطلب کے لیئے اوّل بیان کیا جائے۔ وہو ہذا۔

آسامیوں کا اعتقاد کہ راجہ کا مورث سُرگ سے آیا تھا۔

یہاں کے لوگ اپنے راجہ کو سُرگی راجا کہتے اور یہ عجیب اعتقاد رکھتے تھے کہ اس خاندان کے بزرگ سُرگ کے راجہ تھے اُن میں سے ایک راجہ سونے کا زینہ لگا کر آسام میں اُتر آیا کچھ عرصہ تک رہتے رہتے یہی جگہ پسند آگئی اور سُرگ کو واپس نگیا۔

آسامی راجاؤں کا کسی بادشاہ سے مغلوب نہ ہونا

ان راجاؤں نے کبھی ہندوستان کے کسی بادشاہ کی اطاعت نہیں کی تھی۔ اور جب کبھی فوج بھیجی گئی تو بجز ناکامی کے اور کچھ حاصل نہوا۔ اور یہ ملک جو طبعاً دشوار گزار ہے اکثر رسد کا

کو بحال کر دیا۔ اکتوبر ۱۸۸۵ء اٹھارہ سو پچاسی میں ہز ایکسلنسی لارڈ ڈفرن وائسرے ہند کے دربار میں بمقام شملہ راقم نے رئیس حال کو دیکھا تھا کہ ایک سانولے رنگ کے کشیدہ قامت نوجوان ہیں اور اسوقت فوجی وردی پہنے ہوئے تھے اور اپنے عادات و اطوار لباس پوشاک وغیرہ میں عموماً یورپین وضع رکھتے ہیں اور مذہب میں بودھو طریقہ کے پیرو ہیں۔ بلکہ مابو کیشب چندر سین ساکن کلکتہ مقتدائے فرقہ برہم سماج جو بیچارے ایک غریب آدمی گھڑی ساز اور نیک شخص تھے انکی لڑکی سے انکی شادی ہوئی ہے اور انجمل مع مہارانی صاحبہ ممدوحہ بطریق سیر و سیاحت لندن میں تشریف فرما ہیں۔ نقط س م ح

راستہ روک کر شب خون مار کر اور کسی ایسے ہی آڑ بیچ بیچ سے ہمیشہ آسامی ہی غالب آتے رہتے تھے اور اگر مقابلہ سے بھی عاجز آئے تو رعیت کو پہاڑوں میں بھگا کر اور اشیاء ما یحتاج لشکر کو جلا پھونک کر ملک کو ویران اور سنسان کر ڈالتے تھے اور پھر برسات کے دنوں میں (جو وہاں بشدت ہوتی ہے) فوج غنیم کو دنرات کے حملوں سے تباہ و غارت کر دیتے تھے اور چونکہ اپنے ملک میں کسی باہر والے کو نہ اندر آنے دیتے اور نہ کسیکو باہر جانے دیتے تھے اس سبب سے یہاں کے حالات غیروں سے اسقدر مخفی تھے کہ عموماً یہ مشہور تھا کہ اس ملک کے رہنے والے ساحر اور جادوگر ہیں اور جو کوئی وہاں جا پھنستا ہے جادو کے زور سے پھر باہر نہیں آسکتا۔

آسام کی حدود اور طول و عرض اور راجہ کا دارالحکومت کھڑگانواں

اس ملک کے حالات طبعی کی نسبت مصنف موصوف یوں لکھتا ہے کہ ملک آسام جو بنگالہ کے شمال و مشرق میں واقع ہے تقریباً دو سو کوس طول کا علاقہ ہے اور عرض میں جنوبی پہاڑوں سے لیکر شمالی تک تخمیناً آٹھ دن کا راستہ ہے۔ اور دریائے برھمپتر جو ملک خطا کی طرف سے ان پہاڑوں میں سے آتا ہے جو مابین آسام اور ملک آدا کے ہیں طولاً اس ملک کے وسط میں سے گزرتا ہے۔ اس دریا کے شمالی کنارے کی طرف جو علاقے ہیں انکو اُتّرکون اور جنوب کے علاقہ کو دکن کون کہتے ہیں۔ اُتّرکون کے علاقوں کا مبدا گواھٹی سے ہے جو ممالک بادشاہی کی سرحد ہے اور منتہا سے طول وہ پہاڑ ہیں کہ جنکے باشندوں کو مریی اور بھی (زمانہ حال میں مُرے ا)

کہتے ہیں اور دکن کوہن کے علاقے طولاً کوہستان سیرا لیونی نگر سے شروع ہوکر سدیا کے علاقہ پر ختم ہوتے ہیں۔

ناگ اور ڈفلے قوم کے وحشی

جنوبی طرف کے پہاڑوں سے مشہور پہاڑ نامروپ کے ہیں جو راجہ کے دارالریاست کھٹ گانوں سے چار منزل اوپر ہیں اور ایک وہ پہاڑ بھی مشہور ہے کہ جسکے رہنے والوں کو ناگ کہتے ہیں۔ (جو زمانہ حال میں ناگہ مشہور ہے) یہ لوگ ایسے وحشی ہیں کہ سر سے پانوں تک ننگے رہتے اور کتا۔ بلی۔ سانپ۔ چوہا وغیرہ سب چٹ کرجاتے ہیں۔ اگرچہ راجہ کی تابعداری کرتے ہیں مگر مالگذاری نہیں دیتے۔ اور وہ پہاڑی جنکو ڈفلے کہتے ہیں نام کو بھی تابعداری نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے پہاڑوں سے اُتر کر کبھی کبھی راجہ کے ملک کو لوٹ لیتے ہیں۔

صاحب عالمگیرنامہ شہر کھڑ گانوں کا موقع اس طرح بتلاتا ہے کہ گوہاٹی سے پچھتر کوس ہے اور کھڑ گانوں سے راجہ پیگو کا دارالحکومت شہر آوا پندرہ منزل ہے۔ جنمیں کوہستان نامروپ سے اُس طرف پانچ منزل تک تو جنگل اور دشوار گزار پہاڑ ہیں اور پھر آگے آوا تک زمین ہموار اور دشت ہے۔

دریا دھنگ اور برھما پتر کے فیضان سے آسام کے دو قطعوں کی عجیب و غریب شادابی پھولوں اور میووں وغیرہ کی فراوانی جنگلوں۔ اور ھاتھیوں کی کثرت

اس ملک کے مشہور تر دریا برھما پتر میں جو دریا شامل ہوتے ہیں اُن سب میں بڑا دریا دھنگ ہے جو آسام کے جنوبی پہاڑوں سے اگر لکھوگڈھ کے مقام برھما پتر میں ملتا ہے اور اِن دونوں دریاؤں کے درمیان پچاس کوس تک نہایت ہی آباد اور سرسبز و شاداب زمین ہے اور جسکا منتہا ایسر

دشوار گزار بن پر ہوتا ہے جسمیں ہاتھی بکثرت ہیں آسام میں اس جنگل کے علاوہ چار پانچ بن ہاتھی پکڑنیکے اور بھی ہیں اور اُن سب میں سے ہر برس پانسو چھ سو ہاتھی پکڑے جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا قطعہ کے سوا ایک اور علاقہ جو سیملا گڈھ سے کھڑگانوں تک قریب پچاس کوس کے ہے یہ بھی لہلہاتی کھیتوں اور سرسبز درختوں کی کثرت سے ایسا دلکش اور پُربہار ہے کہ تمام سرزمین گویا ایک باغ ہے اور ان گنجان اور شاداب اور خوبصورت درختوں میں رعیت کے گھر بہت ہی خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ غرضکہ خودرو درختوں اور باغات اور میووں اور پھولوں کا ان دونوں قطعوں میں کچھ شمار نہیں ہے۔

سیملا گڈھ سے کھڑگانوں تک ایک عمدہ سڑک

اور چونکہ موسم برسات میں اکثر ان نشیب کی زمینوں پر پانی پھر جاتا ہے اسلیئے سیملا گڈھ سے کھڑگانوں تک ایک اچھی چوڑی اور اونچی آل (سڑک) بنی ہوئی تھی جسپر سایہ کے لیئے موزونیت کے ساتھ بانس کے درخت لگے ہوئے تھے۔ اور سوائے آل کے خالی اور غیر مزروع زمین تمام کو بھی نتھی۔ میوے اور مصالحے کی اقسام سے آم۔ کیلہ۔ ترنج۔ نارنج۔ لیمو۔ اناناس۔ ادرک۔ پان پونڈہ سُرخ وسیاہ سفید تینوں قسم کا نہایت نرم اور شیریں۔ اور ایک قسم کا نہایت عمدہ اور خوش ذائقہ آملہ۔ اور ناریل۔ سیاہ مرچ اور چھالیہ وغیرہ کے درخت کثرت سے تھے اور کھڑگانوں کے گرد زرد آلو۔ اور خودرو انار بھی بہت تھے اور غلات میں چاول اور ماش بکثرت۔ مسور کم گیہوں بالکل نہیں

ابریشم

ملک میں ابریشم بھی بہت تھا جس سے مشجر اور مخمل اور اور اچھے اچھے

ریشمین کپڑے بُنتے تھے مگر مُلک کی اندرونی احتیاج سے زیادہ نہ بناتے تھے

نمک نمک کمیاب تھا اور اُس ولایت کا اصل نمک جو کیلہ کے درخت سے بناتے تھے نہایت ہی تلخ تھا۔

عُود قوم ناگ کے پہاڑوں میں عُود (اگر) نہایت عمدہ اور کثرت سے تھا۔ جسکو وہ لوگ آسام میں لاکر نمک اور غلہ سے بدلتے تھے۔ عود نامرُوپ۔ سَدیا۔ اور لکھوگڈ کے پہاڑوں میں بھی تھا۔ اور کستورے ہرن بھی۔

دکن کون سے اُترکون کے مُلک کا عمدہ اور خوش آب وہوا ہونا

صاحب عالمگیر نامہ لکھتا ہے کہ دکن کون کی طرف چونکہ بَن اور اماکن دشوار گزار زیادہ ہیں اگرچہ اسلئے آسام کے راجاؤں نے پولیٹکل مصلحتوں سے اپنا دارالحکومت اسیطرف بنا رکھا ہے۔ لیکن دریاے برھماپُتر کی شمالی جانب کا مُلک بلحاظ قدرتی خوبیوں اور کثرت آبادی کے نہایت پُر رونق اور اس سے برھما بہتر ہے اور اس طرف کے پہاڑ جو برھماپُتر کے کنارہ سے کم از کم پندرہ کوس اور زیادہ سے زیادہ پینتالیس ۴۵ کوس کے فاصلہ پر ہیں سب ٹھنڈے اور برفانی ہیں۔ انکے باشندے عموماً توانا قوی ہیکل اور وجیہ اور سڈول ہیں اور سرد مُلکوں کے باشندوں کی طرح انکا رنگ بھی سُرخ وسفید ہے اور یہاں وہ سب میوے بھی پیدا ہوتے ہیں جو اور ٹھنڈے مُلکوں میں ہوا کرتے ہیں اور اسی جانب قلعہ جملھرہ اور گواھٹی کی سمت میں جو علاقہ درانگ کا پہاڑ ہے تمام باشندے یہاں کے عادات واطوار وگفتار میں باہم مماثلت رکھتے ہیں اور صرف اپنے پہاڑوں اور

قبیلوں کے نام سے علیحدہ علیحدہ تمیز کیے جاتے ہیں۔

مشک - چوریاں - گوٹ - ٹانگن اور ریگ شوئی سے سونا نکلنا۔

اِدھر کے پہاڑوں میں مشک اور سُرہ گائے کی چوریاں بھی ہوتی ہیں اور کچھ گوٹ اور ٹانگن بھی - اور ریگ شوی سے سونا بھی نکلتا ہے بلکہ کُل آسام کے دریاؤں کی ریگ شوئی سے سونا ملتا ہے - چنانچہ بارہ ہزار آدمیوں سے بیس ہزار تک یہی کام کیا کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک شخص بطور سالانہ محصول کے ایک تولہ سونا راجہ کو دیتا ہے

آسامیوں کی زبان انکا مذہب کھانے پینے میں مطلقاً بے قیدی گھی کھانے سے نفرت۔

آسامی زبان بنگالہ سے بالکل الگ ہے اور مذہب کے باب میں بھی انکا یہہ حال ہے کہ بخلاف اہل ہندوستان کے کھانے پینے وغیرہ کی قیود متعارفہ میں سے کسی بات کے مطلق پابند نہیں ہیں اور ہر کسی کے ہاتھ کا کھانا بے تکلف کھا لیتے ہیں اور یہانتک بیقید ہیں کہ انسان کے گوشت کے سوائے کسی قسم کا گوشت نہیں چھوڑتے - بلکہ مُردار بھی کھا لیتے ہیں - مگر تعجب یہہ ہے کہ گھی بالکل نہیں کھاتے - اگر کسی کھانے میں اسکی بو بھی آجاے تو اُس سے نفرت کرتے ہیں۔

انکی عورتیں انکا تعدد بدلنا اور بیچڈالنا داڑھی مونچھ کی صفائی - لباس کا جنگلی پن اور بعض بُری خصلتوں کا ذکر۔

عورتوں کے پردہ کی مطلق رسم نہیں حتے کہ راجہ کی رانیاں بھی کھلے مونہہ ننگے سر یوں ہی پھرا کرتی ہیں - آسامیوں کی اکثر چار پانچ عورتیں ہوتی ہیں جنکو بیچ بھی ڈالتے اور بدل بھی لیتے ہیں۔

داڑھی مونچھ منڈاتے ہیں اور جو نہ منڈائے اُسکو بہت بُرا سمجھتے ہیں پوشش جنگلیانہ ہے - پگڑی کی جگہ سر پر کچھ یوں ہی کپڑا سا لپیٹ لیتے ہیں - پاجامہ کے عوض تہ بند باندھکر اوپر سے ایک چادر اوڑھ لیتے ہیں اور جوتا بھی نہیں پہنتے - قوت و توانائی - جرأت - بیباکی - وحشت اور جنگلی پن اُنکی صورت اور سیرت سے ظاہر ہے اور جسمانی محنت اور جفاکشی کے کاموں میں اکثر دُنیا کے لوگوں سے زیادہ مضبوط ہیں اور سب کے سب سخت جان - جنگجو - کینہ خو - غدّار و مکّار ہیں - رحم و شفقت اُنس و الفت سچائی شرم و حیا اور عفّت و وفا اور انسانیت کا انکے وجود میں نام ہی نہیں -

اِن کے گھر اور عمارت اینٹ پتھر کی عمارت سوائے کھوگانوں کے دروازوں اور مندروں کے اور کہیں نہیں - امیر و غریب سب اپنے گھر لکڑی سے یا بانس اور گھاس پھوس سے بناتے ہیں -

سنگھاسن اور ڈولے کی سواری راجہ اور اُسکے اُمرا سنگھاسن پر اور اور بڑے سردار اور رعیّت کے دولتمند لوگ ڈولے میں جو سنگھاسن سے چھوٹا ہوتا ہے سوار ہوتے ہیں - گھوڑا - اونٹ - گدھا اس مُلک میں ہوتا ہی نہیں -

گدھے سے عجیب رغبت اور گھوڑے سے بیخوف اگر کوئی شخص کسی دوسری جگہ سے کوئی گدھا لے آتا ہے تو اُسکو دیکھکر اور رکھکر بہت خوش ہوتے ہیں اور بڑی قیمت لگاتے ہیں اور اُونٹ کو تو دیکھکر نہایت ہی متعجّب ہوتے ہیں - مگر گھوڑے سے بہت ڈرتے ہیں یہانتک کہ فی المثل

اگر ایک سوار سو آسامیوں پر حملہ کرے تو سب ہتھیار ڈال کر بھاگ جائیں یا مطیع ہو جائیں حالانکہ اگر کسی پیادے دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے تو خوب دلیری سے لڑتے ہیں۔

کلتانی سب کاموں میں مقدم ہیں اور آسامی سپاہگری میں اور انکو ہتھیار

اِسملک کے قدیمی باشندے دو قوم ہیں ایک آسامی دوسرے کلتانی۔ اگرچہ کلتانی سب باتوں میں مقدم ہیں لیکن سپہ گری اور لڑائی بھڑائی کے سخت کاموں میں آسامیوں کو ترجیح دیجاتی ہے۔ چنانچہ چھ سات ہزار آسامی راجہ کے مکان کے گرد ہمیشہ مسلح پہرہ دیا کرتے ہیں اور ایسے کاموں میں انہیں پر اعتماد ہے۔ اور راجہ کے جلاد اور میر غضب بھی یہی ہوتے ہیں بندوق۔ تلوار نیزہ کے علاوہ بانس کے تیر و کمان رکھتے ہیں۔ مگر ان کے قلعہ اور نواڑہ میں توپیں اور لمبی بندوقیں بھی ہوتی ہیں اور انکا چلانا خوب جانتے ہیں۔

میر جملہ کا کوچ بہار سے کوچ اور گھوڑا گھاٹ اور رنگا ماٹی پہنچکر دریائے برہما پتر کے راستے آسام میں داخل ہونا۔

القصہ اس ملک میں داخل ہونیکے لیئے میر جملہ نے حسب بیان ماسبق تیسویں ۳۰ تاریخ جمادی الاول کو کوچ بہار سے گھوڑا گھاٹ کی طرف کوچ کیا اٹھائیسویں ۲۸ کو دریائے برہما پتر کے کنارہ پہنچکر رنگا ماٹی میں جہاں یہ دریا پہاڑوں سے باہر نکلتا ہے جا اترا۔ چونکہ دونوں طرف کے پہاڑ بہت بلند اور لشکر کے لیئے ناقابل گزر تھے۔ اور باوجود اسکے کہ دریا کے دونوں کنارے بن اور جنگل اور دلدل اور پانی کثرت سے تھا مگر اُسنے براہ دور اندیشی دریا کا رستہ

اختیار کیا اور دریا کے کنارے جنگل کو کاٹ کاٹ کر رستہ بناتا جاتا تھا

جوگی گوپھا اور پنجہرتن کے قلعے انکا استحکام اور تدابیر حفاظت آسامیوں کا نامردی سے قتل اور قید ہونا اور بہت سا سامان جنگ ہاتھ آنا ——

یہاں تک کہ ششم جمادی الآخر کو بمقام جوگی گپھا جو گواھٹی سے چالیس کوس ہے اور وہاں سے راجہ کا دارالحکومت کھڑگانوں ایک مہینہ کا راستہ تھا جا پہنچا۔ یہاں برھماپتر کے کنارے پر آسامیوں کا ایک بہت مضبوط قلعہ تھا اسکی غربی دیوار جدھر سے حملہ آوروں کا راستہ تھا پہاڑ کی چوٹی تک گھری ہوئی تھی اور سمت جنوبی دریائے برھماپتر سے محفوظ تھی اور مشرق کی طرف دریائے مذکور قلعہ کی دیوار کے ساتھ گزرتا ہوا دریائے برھماپتر سے جا ملتا تھا اور شمال کی طرف حفاظت کے لئے خندق کے علاوہ پہاڑ اور گھنا جنگل تھا اور علاوہ اسکے حملہ آوروں کی روک کے لیے بانسوں کو نیزوں کی طرح تراش کر جابجا دور تک گاڑا ہوا تھا جسکو انکی زبان میں "پھانچا" کہتے تھے۔ پندرہ ہزار فوج مع توپخانہ کے قلعہ میں اور تین سو بیس جنگی کشتیاں مع ساز و سامان دریا میں موجود تھیں اور اسکے محاذی دریا کے پار کوہ پنجہرتن پر ایک دوسرا قلعہ بہت مستحکم اور ایسے موقع کا بنا ہوا تھا کہ اگر پہلے قلعہ پر شکست ہو تو فوج نواڑہ میں بیٹھکر بآسانی دوسرے قلعہ میں چلی جائے۔ اور چونکہ اس تنگ مقام میں دریائے برھماپتر کے اس طرح دو حصے ہو گئے تھے بیچ میں کچھ زمین ٹاپو کے طور پر تھی اسلئے آسامیوں نے فوج کو یہاں پر اس ارادہ سے قائم کیا ہوا تھا کہ جس کنارہ سے دشمن کی سپاہ گزریگی اُسپر آگ برسائینگے۔ میر جملہ نے یہہ تدبیر کی کہ ایک حصہ اپنی فوج کا دریا کے دوسرے پار اُتارا۔

اور کچھ سپاہ کو کوہ جوگی گھپا کے عقب میں دریاے مناس تک جنگل کاٹنے کے لیئے اس مُراد سے، مور کیا کہ اگر آسامی قلعہ چھوڑ کر جنگل کو بھاگنا چاہیں تو راستہ نہ پاسکیں۔ اور حصہ کثیر فوج کا کشتیوں میں چڑھا کر اسطرح سے روانہ کیا کہ دریا کنارہ کی فوج اور کشتیاں ایک دوسرے کی مدد کے لیئے برابر چلتی تھیں۔

میر جملہ کی اس تدبیر کو دیکھکر آسامیوں نے یہہ خیال کیا کہ اگر حملہ آوروں نے قلعہ چھین لیا تو جنگل کیطرف بھاگنے کا راستہ مسدود ہو چکا ہے اسلیئے خوف زدہ ہوکر نواڑہ میں بھیکر لڑنے کو ترجیح دی مگر ایسی نامردی کی کہ باوجود ایسے مضبوط قلعوں اور مقام قلب کے کہ جنکے ہاتھ آجانے کی حملہ آوروں کو ایسی آسانی سے توقع نہ تھی خفیف سے مقابلہ کے بعد اسقدر بے سروپا ہوکر بھاگے کہ کچھ تو جنگل کو بھاگتے ہوئے مارے گئے اور بہت سے غرق اور گرفتار ہوگئے۔ ایکسو اڑتالیس[۱۴۸] کشتیاں اور چھوٹی بڑی چونسٹھ توپیں اور بیشمار بندوقیں اور بہت سا سکہ و بارود وغیرہ سامان جنگ چھین لیا گیا۔

میر جملہ کا سرحی گھاٹ۔ ناندو اور کجلی کے قلعوں اور گواہٹی پر قابض ہونا اور آسامیوں کا بھاگنا اور قتل ہونا وغیرہ

اس کامیابی کے بعد دونوں قلعوں پر قبضہ کرکے گواہٹی پہنچنے کی تدبیریں کی گئیں یہانتک کہ اکیسویں[۲۱] جمادی الآخر کو میر جملہ گواہٹی کے نزدیک جا پہنچا۔ یہاں آسامیوں کے پھر دو مضبوط قلعے تھے۔ ایک بمقام سرحی گھاٹ پہاڑ کی جڑ میں۔ اور دوسرا اُسکے محاذی دریاے برھمپُتر کے اُس پار کوہ ناندو کی چوٹی پر اور ایک لاکھ سے زیادہ آسامی اُن دونوں قلعوں میں جمع تھے میر جملہ یہاں بھی وہی چال چلا اور اپنی فوج کے ایک سردار

کو قلعہ کی سمت شمالی پر (جو آسامیوں کے بھاگنے کا راستہ تھا) مامور کیا۔ چنانچہ اس تدبیر کے نتیجہ سے وہ لوگ ایسے خائف ہوئے کہ رات کو وقت کشتیوں میں بیٹھکر خود بخود بھاگ گئے اور کچھ خشکی کے راستہ سے فرار ہوئے اور کچھ فوج نے دریا کے اُس پار حملہ کرکے قتل کر ڈالے اور موضع کجلی میں[1] قلعہ نانڈو سے سات کوس آگے جو ایک اور بہت مضبوط قلعہ تھا اُسکو بھی خالی کر گئے اور میر جملہ سرحد گھاٹ اور نانڈو اور موضع کجلی کے قلعوں اور گوالھٹی پر جو بادشاہی مُلک کی قدیم سرحد تھی بے کھٹکے قابض ہوگیا یہ ایسے مستحکم اور باسامان قلعے تھے کہ اگر آسامی کچھ دلیری کرکے برسات کا موسم آجانے تک ثابت قدمی اختیار کرتے تو بیشک آسام کا فتح ہونا خود حملہ آوروں کی دانست میں غیر ممکن تھا۔

جمدھرہ۔ سیملاگڈھ۔ اور کلیابو کے قلعے اور اُن کا دلیر خاں اور میر مرتضےٰ کی شجاعت سے فتح ہونا۔

مذکورہ بالا قلعوں اور گوالھٹی پر قبضہ کرنیکے بعد میر جملہ نے پچیسویں جمادی الآخر کو جمدھرہ کے مشہور قلعہ کی طرف (جو دریائے برھماپتر کے شمالی کنارے پہاڑ تراش کرتین حصاروں کے اندر اور اُسکے گرد دریائے برھماپتر کا پانی چھوڑکر جزیرہ کے طور پر بنایا ہوا تھا) کوچ کیا۔ مگر

[1] اسمعیل جوگی۔ لونا چماری اور کوم گچھا کے مندر کا ذکر

عالمگیرنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے جادوگروں کی اُستانی! لونا چماری اور اُنکے گرو گھنٹال میاں! اسمعیل جوگی جنکے شیطانی نام جادو ٹونے کے منتر ہیں کامروپ دیس کے ساتھ ایسی باتوں کے معتقد اکثر چپا کرتے ہیں اُنکے اور کوم گچھا کے مندر اس جگہ قلعہ نانڈو کے متصل پہاڑ کی چوٹی پر نیچے سے اوپر تک قریب ایکہزار زینہ کے پتھر تراش کر بنائے ہوئے ہیں۔ اس مرج

چونکہ اسکا منزل مقصود (یعنی راجہ کا دارالحکومت کھڑگاؤں) اس دریا کے جنوبی کنارے کی طرف تھا اور اسی سمت میں سیملاگڈھ اور کلیابر کا قلعہ کھڑگاؤں پہنچنے میں سدّراہ تھا۔ اسوجہ سے میر جملہ نے جمدھرا کے محاصرہ وغیرہ میں کوشش کرنا بفائدہ اور تضیع اوقات خیال کرکے سیملاگڈھ اور کلیابر کا فتح کرنا حصول مدّعا کے لیئے مقدّم سمجھا۔ اور فوج کو جمدھرا کی طرف سے اٹھاکر بذریعہ کشتیوں کے اُس پار اُتارنا شروع کیا۔ اگرچہ عین حالت عبور میں طوفان ہوا اور اولوں کی شدّت سے کچھ کچھ نقصان ہوئے۔ مگر جس طرح بنا دو تین دن کے عرصہ میں کُل لشکر کو پار اُتار کر گیا ہوں جب کو سیملاگڈھ کے قریب ڈیرہ کیا

دراصل سیملاگڈھ اور کلیابر کو ایک ہی قلعہ کہنا چاہیئے۔ مگر حصار بیرونی کو سیملاگڈھ کہتے تھے اور قلعہ اندرونی کا نام کلیابر تھا۔ اور اگرچہ قلعہ کلیابر بھی بہت ہی مضبوط تھا۔ مگر سیملاگڈھ ایسا عظیم الشان اور عریض و طویل تھا کہ اسکی جنوبی دیوار دریا سے لیکر اُس پہاڑ تک جو کلیابر کے عقب میں تھا چار کوس اور شمال کی طرف تین کوس کے طول میں تھی۔ اور مناسب طور پر اسمیں کئی بڑے بڑے بُرج بھی بہت عمدگی سے لڑائی کے ڈھب کے بنے ہوئے تھے جنکے آگے حصار کے طور پر ایک اونچ کنگرہ دار دیوار بنی ہوئی تھی جسکے اندر باہر دونوں طرف عمیق خندقیں تھیں جنمیں کہیں پانی چھوڑا ہوا تھا اور جہاں پانی نتھا وہاں خوب باریک سرمہ سا مٹی بھری تھی۔ اور یہ اندرونی اور بیرونی دونوں قلعے سامان جنگ سے نہایت مکمل اور مرتّب تھے۔ اور تین لاکھ آسامی (جو غالباً ملکیہ ہونگے) اسوقت یہاں موجود تھے۔

میر جملہ نے اگرچہ دمدمے وغیرہ بنا کر سیملا گڈھ پر گولے مارنے شروع کیے۔ مگر اُسکے استحکام کے باعث اِن کے توپ گولہ کا اثر تک بھی محسوس نہیں ہوا اور چونکہ وہ لوگ اِسکے لشکر پر فصیل سے برابر گولے برساتے تھے اور کبھی دن کو اور کبھی رات کو حملے بھی کرتے تھے اور قدرتی مشکلوں کے باعث بھی یہہ جگہہ ایسی پُرخطر تھی کہ زمانہ سابق میں محمد شاہ تغلق اور حسین شاہ نامے بنگالہ کے ایک اور بادشاہ کے لشکر اسی مقام پر نیست و نابود ہو چکے تھے۔ اسلیئے زیادہ توقف بعید از مصلحت سمجھکر یہہ صلاح ٹھہری کہ ایک تو خندق کے نیچے سے سُرنگ لگاکر قلعہ میں پہنچنے کا راستہ بنانا چاہیئے۔ دوسرے کسی مناسب موقع سے فصیل پر یورش کر کے قلعہ میں داخل ہونے کی کوشش کیجائے۔ چنانچہ جب سُرنگ لگ چکی اور فرہاد خاں نامے ایک سردار نے چاروں طرف سے حصار کو دیکھ بھال کر میر جملہ کو یہہ اطلاع دی کہ جنوبی فصیل کی طرف حملہ کے لیئے کچھ گنجایش ہے تو پندرھویں جب کو ہم باسمے دلیر خاں آدھی رات کیوقت فوج کثیر ساتھ لیکر سوار ہوا اور اسطرح سے کارروائی شروع کی کہ میر مرتضے سردار توپخانہ کو دروازہ پر حملہ کرنیکے لیئے مامور کیا تاکہ دشمن اِدھر ہی اُدھر ہی اُلجھے رہیں اور دلیر خاں کی طرف جو فصیل پر چڑھکر آنا چاہتا تھا متوجہ نہوں۔ چنانچہ میر مرتضے نے قلعہ کے دروازوں پر زور شور سے توپیں مارنی شروع کیں اور اگرچہ آسامیوں کی توپ بندوق کی زد سے اسکی سپاہ کو کوئی جاے پناہ نتھی اور اسوجہ سے اُنکو متواتر نقصان پہنچتا رہا۔ مگر اِسنے سرگرمی اور بہادری کے ساتھ لڑائی کو جاری رکھا۔ اُدھر دلیر خاں کو یہہ مشکل پیش آئی کہ اُسکا آسامی رہنما ایک

ایسا شخص تھا جو سالہا سال سے بادشاہی فوج میں ملازم تھا اور خود میر جملہ سے عرض کر کے اُسنے یہہ رہنمائی کی خدمت اختیار کی تھی۔ مگر دراصل بمقتضاے حُبّ قومی اور جنسیّت کے اُسنے اِس فوج کے تباہ کرانیکے لیئے یہہ چال کی تھی کہ آسامیوں کو پہلے ہی خبردار کر رکھا تھا۔ اور دلیر خاں کو تمام رات حیران کر کے صبح ہوتے کو ایک ایسی جگہہ لیگیا جو سب سے زیادہ کُڈھب تھی۔ اور دشمن لڑائی کے لیئے بخوبی مستعد تھے۔ غرض کہ وہاں پُہنچتے ہی اُن پر اس شدّت سے توپ بندوق کی آگ برسنے لگی کہ بہت سے سپاہی مجروح و مقتول ہوگئے۔ مگر دلیر خان کی غیرت اور دلیری نے پس پا ہونیکی ذلت کو کسی طرح گوارا نکیا۔ اور باوجودیکہ آسامی اُوپر سے توپ بندوق اور "حقہ ہاے آتشیں" یعنی گراپ برسا رہے تھے۔ اور فصیل تک پُہنچنے میں خندق عمیق اور پُر آب حائل تھی مگر اس دلاور سردار نے سب سے پہلے اپنا ہاتھی خندق میں ٹھیل دیا۔ اور اگرچہ خود اسپر اور اِسکے ہاتھی پر بھی سخت بوچھار پڑی مگر یہہ شیر مرد اپنے چند بہادر رفیقوں کو ساتھ لیکر فصیل پر جا ہی چڑھا اور پھر تو اسکی ہمّت اور دلیری کو دیکھکر اور سردار اور اہل سپاہ بھی آ پُہنچے اسی اثنا میں اُدھر میر مرتضے نے بھی دروازہ توڑ ڈالا اور اُسکی فوج بھی کچھ دروازہ کے راستہ اور کچھ سُرنگ کی راہ سے داخل ہوگئی۔ اور فریقین میں ایک سخت لڑائی ہوکر آخر آسامی مغلوب ہوگئے۔ اور حسبا کے ایک راستہ سے جو جنگل کیطرف تھا سیملا گڈہ اور کلیابر دونوں کو خالی کر کے بھاگ گئے۔ اور یہہ قلعے مع بیشمار سامان کے حملہ آوروں کے قبضہ میں آئے

اور تعاقب کی حالت میں بہت سے آسامی مارے اور پکڑے گئے۔ اور اس واقعہ کی شہرت کا یہ اثر ہوا کہ قلعہ جملہ ہرہ بھی خود بخود خالی ہو گیا۔ اور ملک کامروپ کے رہنے والے بہت سے ہندو و مسلمان رعایا بادشاہی نے جو مدتوں سے آسامیوں کی قید میں تھے رہائی پائی۔

میر جملہ کا آگے بڑھنا اور آسامیوں کا ایک سخت دریائی لڑائی میں لقمہ حکمت عملی سے ہو کا کہا کر منتشر ہو جانا

چونکہ دریا سے بڑھا پٹر اس جگہ سے دو منزل تک پہاڑ کی جڑ کے ساتھ ملا ہوا چلتا ہے۔ اور اسکے کناروں پر لشکر کے گزرنیکے لیئے (جیسا کہ میر جملہ ابتک کرتا آیا تھا) بالکل راستہ نہیں تھا۔ اس باعث سے کچھ فوج بذریعہ نواڑہ کے دریا میں سے اور باقی لشکر دریا کے متوازی پہاڑ کے پیچھے سے روانہ ہوا۔ منتشر شدہ آسامیوں نے بسبب اسکے کہ نواڑہ اور لشکر میں کئی کوس کا فاصلہ ہو گیا تھا ادھر اُدھر سے پھر جمع ہو کر اور آٹھ سو جنگی کشتیوں میں بیٹھکر جو توپ بندوق سے خوب مسلح تھیں نواڑہ پر رات کے وقت حملہ کیا اور پہر دن چڑھے تک بڑے جوش و خروش سے لڑتے رہے۔ قریب تھا کہ بادشاہی نواڑہ کو شکست ہو جاے مگر اتفاقاً محمد مومن نام ایک سردار جو رات کیوقت توپوں کی آواز سُنکر میر جملہ نے صدر لشکر سے روانہ کیا تھا اور پہاڑ کے سبب سے راستہ بھولا پھرتا تھا مع چند سواروں کے لڑائی کی جگہہ آن نکلا۔ اور دشمنوں کے دھمکانیکہ یہہ ہوشیاری کی چال چلا کر اپنے ساتھ کے "کرناچی" (ترکی) کو حکم دیا کہ کرنا بجاے۔ جسکے بجتے ہی آسامیوں کو یہہ یقین ہو گیا کہ تازہ دم مغلیہ فوج دریا کے کنارہ سے

بھی آپہنچی اور اس ناگہانی اندیشہ سے اُن کے جی ایسے چھوٹے کہ غالب سے مغلوب ہوکر اکثر تو بھاگتے ہوئے پانی میں ڈوب گئے - اور بہت سے مارے گئے - اور چار سو کشتیاں جن میں سے ہر ایک پر بڑی بڑی توپیں سامان کے تھی چھین لی گئیں -

راجہ کا دارالریاست سے بھاگنا اور اُسکے سرداروں اور وزیروں کی عجز و نیاز کی عرضیاں اور اُن کا جواب

ان متواتر فتوحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ راجہ کے نخوت اور غرور کا نشہ کرکرا ہوگیا - اور دارالریاست کو چھوڑ کر دشوار گزار پہاڑوں میں جہاں مغلیہ فوج کے سواروں کے پہنچنے کا چنداں اندیشہ نہ تھا بھاگ گیا - اور راجہ کے سرداروں اور وزیروں نے جنکو اُنکی اصطلاح میں بھوکن کہتے تھے - میر جملہ کے پاس اپنے وکیل اور عجز و نیاز کی عرضیاں بھیجنی شروع کیں جنکا جواب یہ دیا گیا کہ " شاہی سپاہ اور رعیت کا وہ سب مال اور وہ توپخانہ جو تم لوگ گواہٹی سے لوٹ لائے تھے مع اُن سب لوگوں رعایاے بادشاہی کے جنکو راجہ نے مدت سے قید کر رکھا ہے - اور راجہ کی لڑکی کا ڈولہ اور ایک معقول پیشکش فوراً حاضر کرو اور آیندہ کو اگر راجہ ہر سال چند عمدہ ہاتھی بطور خراج کے بھیجتا رہے اور بادشاہی احکام کی اطاعت کرتا رہے تو البتہ ہم واپس ہوجائینگے ورنہ بادشاہی فوج کو کھوگانوں میں پہنچا سمجھو"

میر جملہ کا اور آگے بڑھنا لکھو گڈہ میں راجہ کی طرف سے بعض شخصوں نے کچھ ندامہ لاکر شرایط صلح کا پیش کرنا اور قبول نہونا وغیرہ وغیرہ

مگر اس خیال سے کہ یہ عجز و نیاز کا اظہار صرف دفع الوقتی اور مکاری کے طور پر ہے جواب کا منتظر نہ رہ کر میر جملہ برابر بڑھے گیا چنانچہ

چنانچہ ستائیسویں رجب کو لکھوگڈا میں جہاں دریائے دھنگ کوہستان جنوبی سے آکر مع اور بہت سی ندیوں اور نالوں کے برھمپتر میں ملتا ہے جا پہنچا - اس جگہہ ایک اور بھی زیادہ معتبر شخص نے جو راجہ کے مذہبی پیشواؤں میں سے تھا عجز و نیاز کرکے صلح چاہی اور راجہ کے ایک رشتہ دار نے بھی آنکر ایک طلائی پاندان اور ایک سونے کا لوٹا - اور دو چاندی کی گاگریں اور کچھ اشرفیاں مع ایک خط کے جسمیں اظہار ندامت اور عذر و معذرت کے بعد فوج کی واپسی اور صلح کی درخواست اور پیشکش کی قبولیت درج تھی پیش کیا - جسکا جواب (جیسا کہ غالب اور فتحمند اکثر دیا کرتے ہیں) یہہ دیا گیا کہ " ابتو لشکر نے کھڑگانوں پہنچنے کا ارادہ کرلیا ہے وہاں پہنچکر جو مناسب ہوگا کیا جائیگا"

چونکہ شہر کھڑگانوں دیکھوندی کے کنارے آباد تھا اور اسمیں اسقدر پانی نہیں تھا کہ بڑی کشتیاں چل سکیں اسلیئے بھاری نواڑہ کو لکھوگڈہ میں چھوڑ دیا اور چھوٹی کشتیاں ساتھ لیکر غرہ شعبان ۱۰۷۲ھ ایکہزار ہشتر ہجری کو لکھوگڈہ سے آگے ایک مقام میں کہ جہاں نواڑہ کا کارخانہ تھا قریب ایکسو کے بڑی بڑی کشتیوں پر جو وہاں موجود تھیں قبضہ کیا - اور پھر وہاں سے دیول گانوں میں جہاں دریا کنارے راجہ کا کسی اپنے گرو کے لیئے بنوایا ہوا نہایت عمدہ مندر اور باغ تھا ڈیرہ کیا -

میر جملہ کا کھڑگانوں پر قابض ہونا - اور مال غنیمت

اسجگہہ بعض مسلمانوں کے لکھنے سے جو رعایا سے بادشاہی میں سے راجہ کے یہاں مدتوں سے

قید تھے اور جنکو اپنی رہائی کی توقع خواب و خیال میں بھی نہ تھی یہہ اطلاع پاکر کہ راجہ دکن کون (جنوب) کی طرف نامروپ کے دشوار گزار اور بد آب و ہوا پہاڑوں کو جہاں وہ اپنے مغلوب قیدیوں کو بھیجا کرتا تھا بھاگ گیا ہے اور اُسکی سپاہ اور سردار جنگلوں میں جا چھپے ہیں اور شہر بے وارث و والی خالی پڑا ہے

میر جملہ نے براہ احتیاط کچھ فوج اپنے پہنچنے سے پہلے وہاں بھیجدی اور بعد ازاں چھٹی شعبان کو اورنگ زیب کے جلوس کے چوتھے برس گویا گواہٹی سے پچھتر کوس کے فاصلہ پر ساڑھے چار مہینے کے عرصہ میں کھڑگانوں پہنچکر بلا مزاحمت قابض ہوگیا۔

اور راجہ نے جو اپنی توپیں اور رہکلے وغیرہ تالابوں اور ندیوں میں ڈبو دیئے تھے۔ اور ہاتھی جنگلوں میں چھوڑ دیئے تھے ڈھونڈ ڈھونڈکر سب پر قبضہ کیا۔ چنانچہ ایک سو ہاتھی اور قریب تین لاکھ روپیہ کے سونا چاندی اور اور اسباب جسکو راجہ اپنے ساتھ لیجا نہ سکا تھا ضبطی میں آیا۔

ایک عجیب لوٹ جسکا ذکر ملک آسام کے طریقہ دفن میت سے متعلق ہے

مگر سب سے زیادہ عجیب لوٹ یہہ تھی کہ وہاں کا دستور تھا کہ جب کوئی راجہ یا بڑا آدمی مرجاے تو پارسیوں کے دخمہ کی طرح متوفی کی لاش کو دفنائے بدون یوں ہی کسی محفوظ جگہہ میں رکھدیتے تھے اور اُسکے ساتھ سونے چاندی کے برتنوں اور فرش فروش لباس پوشاک اور سامان خورش وغیرہ مایحتاج حالتِ زندگانی حتےٰ کہ اُسکی عورتوں خواصوں کو بھی مُردہ کے لیئے کارآمد سمجھکر اُسکے پاس چھوڑ آتے اور ایک بہت بڑے چراغ کو تیل سے بھر کر اُس جگہہ

کے دروازہ کو بڑے بڑے لکڑوں سے بند کر دیتے تھے۔ اہل لشکر نے ایسے چند مقاموں کو جا کھولا اور اُن میں سے نو ہزار کا سونا چاندی نکال لائے۔

کسقدر سامان جنگ اور کشتیاں ہاتھ آئیں

اور اس تمام مُہم میں مذکورہ بالا ہاتھیوں کے علاوہ کُل چھ سو پچھتر توپیں جنمیں سے ایک اتنی بڑی تھی کہ اُسمیں تیس من کے قریب گولہ پڑتا تھا۔ اور دو ہزار تین سو سینتالیس زنبورک بارہ سو رام جنگی۔ اور چھ ہزار پانسو ستاون معمولی بندوقیں۔ پانچہزار من بارود کے دو ہزار صندوق۔ ساٹھ ہزار اٹھائیس ڈھالیں لوہا۔ سکہ۔ گندھک بیحساب اور ایکہزار سے زیادہ جنگی کشتیاں۔ اور خاص راجہ کی سواری کی مکلّف کشتیاں ایکسو بیس ہاتھ آئیں۔

دھانوں کے ایکسو ستر ڈھیر

اور سب سے زیادہ کارآمد چیز جو قبضہ میں آئی وہ دھانوں کے ایکسو ستّر ڈھیر تھے جنمیں سے ہر ایک ڈھیر دس ہزار من کے قریب تھا اُنکی نسبت براہ دُور اندیشی میر جملہ نے فوراً یہہ بندوبست کیا کہ لُوٹ کر ضایع نہ کیئے جائیں۔ اور احتیاج سے زیادہ صرف نہوں۔

تھانہ اور چوکیاں بٹھائی گئیں اور سکّہ خطبہ جاری کیا گیا

خلاصہ یہہ کہ میر جملہ نے کھڑگانوں پر قابض ہوکر جو جو انتظام مناسب وقت تھے وہ کرنے شروع کیئے اور جہاں جہاں موقع دیکھا اپنی جنگی چوکیاں اور تھانے مقرّر کر دیئے۔ اگرچہ آسامی کچھ عرصہ تک جنگلوں اور پہاڑوں سے نکل نکل کر اُن چوکیوں اور تھانوں پر حملے کرتے اور لڑتے رہے مگر آخر کار ایسے دبائے گئے کہ جا بجا چُپ ہوکر بیٹھ رہے اور بادشاہ کے نام کا سکّہ و خطبہ کھڑگانوں میں جاری ہوگیا۔

شہر کھڑکانوں کے حالات

اُسوقت شہر کی آبادی (بقول مصنفِ عالمگیرنامہ) اس طور سے تھی کہ دیکھوندی بیچ میں بہتی تھی - اور اُسکے دونوں طرف آبادی تھی جسکے گرداگرد شہر پناہ کے طور پر نہایت گھنی اور ناقابل گزر بانسی لگائی ہوئی تھی - اور اسمیں اینٹ پتھر کی پختہ عمارت کے چار دروازے تھے - اور ہر دروازہ راجہ کے مکان سے تین تین کوس کے فاصلہ پر تھا - اور ایک اونچی اور چوڑی آل شہر کے اندر برسات میں آرام سے چلنے پھرنیکے لیئے اِس سرے سے اُس سرے تک بنی ہوئی تھی - اور یہ شہر کیا تھا گویا دیہات اور کھیتوں کا ایک مجموعہ تھا - کیونکہ ہر شخص کے گھر کے گرد و پیش باغ اور کھیتیاں تھیں اور معمولی بازار جن سے شہروں کی رونق اور زیب و زینت ہوتی ہے یہاں نتھے - شہر کے لوگ سال بھر کیواسطے غلہ وغیرہ سب قسم کے مایحتاج اپنے اپنے گھروں میں عموماً جمع رکھتے تھے اِس سبب سے سوائے پنواڑیوں کی چند دکانوں کے بازار کی ضرورت ہی نتھی -

راجہ کے مکان کی وضع اور اُسکا چوبیں دیوانخانہ - سواری کیوقت "داند" اور ڈھول بجانیکی رسم -

راجہ کا مکان جسکے چاروں طرف بطور حصار ایک آل بنی ہوئی تھی دیکھوندی کے کنارہ تھا - اور جیساکہ فصیلوں اور حصاروں پر دشمن کی زد سے بچنے کے لیئے سینہ پناہ کی دیوار ہوتی ہے یہاں بجاے اُسکے یہہ اُنجوبہ ترکیب تھی کہ خوب مضبوط بانسوں کو برابر برابر آل کے گرداگرد اس طرح سے گاڑا ہوا تھا کہ سینہ پناہ کا کام دیتے تھے اور آل کے چاروں طرف خندق تھی جو ہمیشہ پانی سے بھری رہتی تھی - جسکا دور ایک کوس

سے زاید تھا اور اس احاطہ کے اندر راجہ کے بڑے بڑے مکانات تھے مگر سب لکڑی کے یا پھوس اور بانس کے۔ جنمیں سب سے عمدہ ڈیرہ سو گز لمبا اور چالیس گز چوڑا ایک چوبیں دیوانخانہ تھا جسکے چھیاسٹھ ستون ایسی موٹی لکڑی کے تھے جنکا چار چار گز کا دور تھا۔ اور اس مکان کے اطراف میں طرح طرح کی منبّت کار لکڑی کی جالیاں لگی ہوئی تھیں اور پیتل کے پتّر صیقل کر کے جالیوں کے اندر باہر اسطرح سے لگائے تھے کہ آفتاب کی شعاع پڑنے سے آئینوں کی طرح چمکتے تھے۔ تین ہزار بڑھئی اور بارہ ہزار مزدوروں نے دو سال تک برابر کام کر کے اس مکان کو بنایا تھا۔ جب راجہ اس دیوانخانہ میں آکر بیٹھتا یا سوار ہو کر کہیں جاتا تو بجائے نقارہ اور شہنائی کے ڈھول اور "داند" بجاتے تھے۔ اور یہہ "داند" ایک موٹی اور مدوّر پیتل کی تختی گویا اس قسم کی ہوتی تھی (جیسے کہ ہندو فقیروں کی جماعتوں کے ساتھ یا مُردوں کے جلوسوں کے آگے گھڑیال بجا کرتے ہیں)۔

برسات کی آمد کے خیال سے میر جملہ کا منھرا پور میں ڈیرہ کرنا

چونکہ برسات کی آمد کے آثار شروع ہو گئے تھے جو آسام* میں تمام ہندوستان سے پہلے اور اس شدّت سے ہوتی ہے کہ ملک کے نشیبی حصّوں میں سب جگہہ پانی ہی

* آسام کی کثرت بارش اور بعض وحشی قوموں کے رسم و رواج وغیرہ عجیب و غریب حالات زمانہ حال کی تحریروں کے بموجب اس ملک کے کچھ عام حالات اگرچہ اس سے پہلے بموجب بیان مصنف عالمگیر نامہ لکھے گئے ہیں۔ مگر اس موقع پر وہ حالات بھی جو زمانہ حال کی تصنیف شدہ کتابوں وغیرہ میں پائے جاتے ہیں لکھے جانے خالی از لطف نہ ہونگے

واضح ہو کہ ملک آسام جو صوبہ بنگالہ اور بوھما اور تبّت کے مابین واقع ہے

پانی ہوجاتا ہے اسلئے میر جملہ نے میر مرتضےٰ سردار توپخانہ اور راجہ رام سنگھ ہاڑہ کو کھڑگاؤں میں ٹھہرا کر خود متھراپور میں جو یہاں سے تین چار کوس آگے بڑھ کر کچھ اونچی جگہہ تھی جا ڈیرہ کیا۔ اور جابجا چوکیاں اور تھانے بٹھا دیئے۔

برسات کی شدت سے بادشاہی فوج کا مجبور ہوجانا۔ اور آسامیوں کا پھر سر اٹھانا اور اکثر مقامات پر قبضہ کرلینا

مگر چند ہی ہفتے بعد جب برسات کی معمولی شدت سے اس تمام نیچے کے ملک میں جہاں حملہ آوروں کا قبضہ تھا پانی ہی پانی ہوگیا اور اہل سیاہ کو ایک دوسرے سے ملنے اور کہیں آنے جانے میں بہت ہی دشواری ہوگئی۔ اسلئے آسامیوں نے جنگلوں اور پہاڑوں سے نکلکر میر جملہ کی چوکیوں اور تھانوں پر حملے شروع کردیئے۔ اور لڑ بھڑکر آخر کار شروع ماہ

(بحساب سنہ عیسوی) اس صدی کے شروع سے سرکار انگلشیہ کا متصرفہ خاص ہے۔ چونکہ یہاں کے باشندے اس زمانہ میں بھی بہت خاصے جانگلو ہی ہیں۔ اسلئے ۱۸۷۴ء اٹھارہ سو تہتر عیسوی تک حکام انگریزی نے طریقہ انتظام اور طرز حکومت کو مصلحتاً سرسری اور غیر قانونی طور پر رکھا ہوا تھا۔ مگر ۱۸۷۴ء (اٹھارہ سو چوہتر) سے اسمیں ایک حاکم اعلیٰ بلقب چیف کمشنر مع ڈپٹی کمشنروں وغیرہ معمولی ماتحت عہدہ داروں کے مامور ہوگیا ہے۔ جسکا دارالحکومت شلھٹ کے شمال کی جانب کھاسی اور جینتیا کے پہاڑوں میں بمقام شیلانگ ہے جو سطح سمندر سے ۶۶۷۵ پانچہزار چھ سو سڑسٹھ فٹ بلند ہے مقرر کیا گیا ہے۔ اور اس صوبہ میں اب ضابطہ اور آئین کی پابندی پہلے سے بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ یہ ملک کثرت بارش کے لیئے تمام ہندوستان میں ایسا مخصوص ہے کہ راجہ شیو پرشاد صاحب۔ سی۔ ایس۔ آئی سابق عہدہ دار سررشتہ تعلیم ممالک مغربی و شمالی اپنے مشہور جغرافیہ جام جہاں نما میں (جو پہلے پہلے ۱۸۵۰ء

شوّال میں اکثر مقامات پر پھر قابض ہو گئے خصوصاً اپنی قدیمی چال کے موافق رسد کی آمد روکنے کے لیئے لکھوگڈہ اور گج پور کے نیچے دریا سے دھنگ کے کنارے جابجا مورچے بنا لیئے اور رسد پہنچنے کا راستہ روک لیا۔

رسد کی آمد بند ہو گئی رعیت بگڑ بیٹھی اور صدر لشکر گاہوں تک حملے ہونے لگے۔

جب میر جملہ اس حال سے مطلع ہوا تو راستہ کے کھولنے کے لیئے کچھ فوج دریا کے کنارے کنارے سَرانداز خان اُزبک کے زیر حکم اور کچھ بذریعہ نواڑہ محمّد مُراد بیگ کے تحت کھڑگاؤں سے روانہ کی تاکہ ایک دوسرے کی مدد اور اتفاق سے کام کریں۔ مگر بدبختی سے تھوڑی ہی دُور چلکر ان دونوں میں اتفاقاً ایسی ناچاقی ہوگئی کہ سَرانداز خاں تو پیچھے رہگیا۔ اور محمّد مُراد بیگ براہ نخوت اُسکی مدد کی پروا نکر کے مع اپنی کشتیوں کے

کے قریب میں چھپا تھا) لکھتے ہیں کہ مقام چیراپونجی میں جہاں موسم گرما میں بنگالہ اور آسام سے انگریز لوگ جاکر اکثر رہا کرتے ہیں سال بھر کی بارش کی پیمایش تین سو چھ انچھ تک کی گئی ہے حالانکہ یہہ مقام سطح سمندر سے صرف ساڑھے چار ہزار فٹ کے قریب بلند ہے۔ اور بیشمار ندیاں اور دریا اِس مُلک میں جاری ہیں یقین ہے کہ اَور کسی جگہہ نہونگے۔ چنانچہ اکسٹھ ندیاں تو ایسی ہیں جنمیں بارہ مہینے ناؤ چلتی ہے۔ اگلے زمانہ میں وہاں کے راجاؤں نے اِس بارش کی کثرت ہی کے باعث سے پانی کے بیچ میں سے راستہ جاری رکھنے کو تین چار گز زمین سے اونچی سڑکیں (دہی آل) بنائی ہوئی تھیں۔ اور راجہ صاحب لکھتے ہیں کہ اُن سڑکوں پر بتو جنگل اُگا ہوا ہے اور بجائے انسانوں کے شیر اور بھالو چلتے ہیں۔ اگرچہ سارا ہی مُلک جنگل اور پہاڑ ہے مگر پورب اور اُتر کی طرف پہاڑ اور جنگل بہت ہی زیادہ ہیں جنمیں مختلف نامونکی جنگلی قومیں بستی ہیں۔ اور اُنکی ذات اور مذہب کا کچھ ٹھکانا نہیں ہے سب چیز کھاتے ہیں۔ تیروں کو زہر میں بجھاتے ہیں۔ گندے ایسے کہ آبدست تک نہیں لیتے۔ چوپایوں

تقریب حاشیہ در حاشیہ صفحہ گزشتہ

آگے بڑھ گیا - اور آسامیوں نے موقع پاکر رات کیوقت جہاں یہہ ٹھہرا ہوا تھا ایک ایسا چھاپا مارا کہ سب کشتیاں مع ساز و سامان کے چھین لیں اور وہ ایسا سراسیمہ ہوا کہ مع اپنی سپاہ کے بغیر لڑے ترمہانی کو بھاگ گیا - اِس کامیابی سے آسامی اَور بھی مغرور ہو گئے اور لکھولگڈہ سے سدا اور خبر آنیکا راستہ بالکل مسدود ہو گیا - اور جہاں کہیں بادشاہی فوجیں تھیں بجز اپنی حفاظت کے اِدھر اُدھر کہیں نہیں جا سکتی تھیں - اور آسامی جو اس شدت طغیانی میں گویا اِن ندی نالوں کی مچھلیاں ہی تھے میدان اور پہاڑ سے آکر بے تکلّف اور متواتر حملے کرتے تھے یہانتک کہ خود کھڑگاؤں کے صدر لشکر پر بھی حملے شروع کر دیئے اِن حالتوں کو دیکھکر رعایا کے لوگ بھی اطاعت اور فرمانبرداری سے منحرف ہو کر بگڑ بیٹھے - اور اِسی اثنا میں اتفاق سے کوچ بہار میں یہہ واقعہ پیش آیا

کی کھوپڑیاں خالی کر کے آرایش کیواسطے بندھن وار دنکی طرح گھروں میں لٹکاتے ہیں - کوئی اُن میں بودھ کا مذہب بھی رکھتا ہے - اکثر دھوتی کی چھال کا لنگوٹ بناکر باندھتے ہیں اور سینگ کا کن ٹوپ پہنتے ہیں - کوئی تکلّف کرتا ہے تو کمبل بھی اوڑھ لیا کرتا ہے - کہتے ہیں کہ اِن اقوام میں گارڈو قوم کے لوگ جو دھما پتر کے دکن اور سلہٹ اور میمن سنگھ کے اُتر میں بستے ہیں سانپ کو بھی کھا جاتے ہیں - اور کتّے کا پلّہ تو اُن کے بڑے مزے کی چاٹ ہے - پہلے اُسکو پیٹ بھر کر چاول کھلاتے ہیں بعد اسکے جیتا ہی آگ پر بھون کر کھا جاتے ہیں - اِس قوم میں یہہ بھی دستور ہے کہ جب اِنکے آپسمیں کرار ہوتی ہے تو دونوں آدمی اپنے اپنے گھر میں چٹاکو کا درخت لگاتے ہیں اور اس بات کی قسم کھاتے ہیں کہ قابو پاتے ہی اپنے دشمن کا سر کاٹ کر اس پیڑ کے کھٹے پھل کے ساتھ کھا جائینگے - اور جب دشمن کا سر کاٹ لاتے ہیں تو فی الحقیقت اُسکو چٹاکو کے درخت کے ساتھ چٹ کر جاتے ہیں - بلکہ اپنے دوست آشناؤں کو بھی دعوت میں کھلایا کرتے ہیں

حاشیہ صفحہ ۲۹۷ کا حصہ

کہ عمّال بادشاہی نے جو بیوقوفی سے ممالک محروسہ شاہی کیطرح کڑی جمعبندی کرکے سختی سے مطالبے شروع کردیئے اسلئے رعایا نے باغی ہوکر پیم نارائن کو بھوٹنٹ سے واپس بُلالیا اور فوجدار کو قتل کرکے (جیسا کہ ہم ایک حاشیہ میں قبل ازیں ذکر کرچکے ہیں) بادشاہی عمل و دخل اُٹھا دیا اور تمام عہدہ دار مجبور ہوکر گھوڑاگھاٹ میں چلے آئے۔ اس خبر کے مشہور ہوجانے سے آسامیوں کے حوصلے اور بھی زیادہ بڑھگئے اور بادشاہی فوج کی جرأت و ہمت پر بھی بُرا اثر پیدا ہوا

میر جملہ کی کوشش اس حالت کی اصلاح کے لیئے

میر جملہ نے اس سیلاب بلا کے روکنے کے لیئے طرح طرح کی تدبیریں کیں اور چونکہ کھڑگاؤں میں لکھولگڈہ سے رسد کا پہنچنا اور اسکے گرد و نواح کے مفسدوں کی تنبیہ و تادیب کرکے آمد و رفت

اور پھر اُس پیڑ کو بھی (جو گویا لڑائی کی جڑ تھی) کاٹ ڈالتے ہیں۔ راجہ صاحب موصوف نے اُن لوگوں کی وحشت کی اپنی کتاب* میں شروع عملداری انگریزی کے وقت کی روایتیں یہاں تک لکھی ہیں کہ جب لڑائی جھگڑے میں کسی بنگالی زمیندار کا سر کاٹ لاتے ہیں تو اُسکے گرد پہلے سب کے سب ٹکرا چتے گاتے ہیں اور پھر اُسکی کھوپڑی صاف کرکے اپنے گھر میں لٹکا دیتے ہیں۔ وہ کھوپڑیاں بسہیں بیچ بھی ڈالا کرتے ہیں۔ بلکہ اشرفی اور بنک نوٹ کی برابر واں یہہ بنگالیوں کی کھوپڑیاں اُنکے بازار میں چلتی ہیں۔ چنانچہ ۱۸۱۷ء (اٹھارہ سو پندرہ عیسوی) میں کالومالو پاڑے کے زمیندار کی کھوپڑی ایکہزار روپیہ کو چلتی تھی۔ اور اندر تعلقہ دار کی کھوپڑی پانسو روپیہ کو بھنائی جاتی تھی۔ وہ لوگ اپنے مُردوں کو جلاکر بالکل راکھ کرڈالتے ہیں

---

* راجہ صاحب موصوف نے میرے خط کے جواب میں اس مضمون کے ماخذوں کی نسبت یہہ ارقام فرمایا ہے کہ "میں نے آسام کا حال معتبر انگریزی کتابوں سے نقل کیا ہے مثلاً ڈاکٹر ہیملٹن صاحب کا ایسٹ انڈیا گزیٹیر جو ۱۸۲۸ء میں چھپا تھا اُسکے حصہ اوّل کا پینسٹھواں صفحہ اور ہیملٹن صاحب موصوف نے بعض حالات ۱۸۰۹ء کے کاغذوں سے نقل کیے ہیں۔ س م ح

کا راستہ کھولنا سب سے زیادہ ضروری تھا اسلیئے اُسنے ایک فوج باندازہ مناسب متھرا پور سے زیر حکم فرہاد خاں بمعیت راجہ بھجان سنگھ ہاڑہ و قراول خاں وغیرہ سرداروں کے اِس مطلب کے پورا کرنیکے لیئے روانہ کی۔ اگرچہ فرہاد خاں نے کھڑگانوں پہنچکر کمال ہمت سے ایسی کوشش کی کہ راتوں رات اپنے لشکر کو دیکھوندی سے جو بڑی طغیانی پر آئی ہوئی تھی پار اُتارا۔ مگر آخر کچھ دور آگے جاکر کثرت بارش اور شدت سیلاب سے یہہ حالت دیکھی کہ تمام مُلک مثل ایک دریاے بیکراں کے تھا اور باوجود کوشش کے کہیں راستہ نظر نہ آتا تھا۔ اور چونکہ بارش شدت سے ہو رہی تھی۔ اور سواروں اور پیادوں کو سواے پانی میں کھڑے رہنے کے کوئی جگہہ ہی نتھی اُسنے ناچار واپس آنا چاہا۔ اور جب اِس پانی ہی پانی

تاکہ کوئی آدمی کھوٹے روپیہ کی طرح کسی گاڑرڈوئی کھوچڑی بنگالی کی کھوچڑی کے عوض میں دیکر اُنہیں ٹھگ نہ لیا کرے۔ شادی بیاہ وہاں عورت مرد کی خوشی اور رضامندی سے ہوتا ہے اور اگر اُنمیں سے کسی کا باپ اِس شادی سے ناراض ہوجاے تو پھر وہ سب لوگ اُسکو اتنا پیٹتے ہیں کہ وہ بیچارہ راضی ہوجاتا ہے۔ خاوند کے مجانیکے بعد وہاں کی عورتیں اپنے جیٹھ دیور سے نکاح کرلیتی ہیں اور اگر خاوند کا کوئی بھائی زندہ نہو تو اپنے خسر سے شادی کرلیتی ہیں مالک میراث وہاں چھوٹی لڑکی ہوتی ہے۔ مُردہ کو چار روز کے بعد جلاتے ہیں۔ اور اگر اُن کا کوئی چھوٹا سردار مرجاے تو اُسکے ساتھ ایک غُلام کا بھی سر کاٹ کر آگ میں جلا دیتے ہیں اور جو کوئی بڑے درجہ کا سردار مرجاتا ہے تو اُسکے سب غُلام ملکر ایک ہندو کو پکڑ لاتے ہیں اور اُسکا سر کاٹ کر اُسکے ساتھ جلا ڈالتے ہیں۔ یہ لوگ محنت کش اور مضبوط ہوتے ہیں۔ صورت شکل اُنکی یہہ ہے کہ ناک چپٹوں کی سی پھیلی ہوئی اور آنکھیں چھوٹی۔ ماتھے پر جھرّیاں پڑی ہوئیں۔ بڑا سا مونہہ۔ ہونٹھ موٹے۔ چہرہ گول۔ اور رنگ اُنکا گندمی ہوتا ہے عورتیں ناٹی اور دبنگی ایسی کہ مردوں سے زیادہ مضبوط کانوں میں اُنکے بیس بیس تیس تیس

میں تر ھالی تک پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ آسامیوں نے وہاں سے لیکر دریائے دھنگ تک نہایت چوڑی اور عمیق نہریں کھود کر اور کنارہ پر مستحکم مورچے بنا کر اور توپ اور ہلکے وغیرہ سامان حرب سے مضبوط کر کے واپس جانیکا راستہ بند کر رکھا ہے اور یہ سپاہ اسمقام پر پہنچی ہی تھی کہ بہت سے آسامیوں نے اپنے مورچوں اور جنگی کشتیوں پر سے گولے برسانے شروع کیئے۔ اور بادشاہی فوج کو اب بڑی دقت پیش آئی کہ نہ اِن کے پاس رسد اور چارہ تھا اور نہ کشتیاں کہ اُنپر سوار ہو کر اور دشمنوں کو دفع کر کے ندی نالوں سے پار ہو جائیں۔ اور نہ آگے جا سکتے تھے اور نہ کہیں پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ اور کسی طرح کی مدد بھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ناچار

ہائے ہمالہ کے اتنے بڑے بڑے پہاڑ رہتے ہیں کہ چھاتی تک لٹکا کرتے ہیں آسام کے امیر لوگ بھی گھاس پھوس کے بنگلے یا چھپروں میں رہتے ہیں پچھم کا حصہ آسام کا ابتک کامروپ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ لیکن ہندوؤں کے شاستر میں جو سرحد کامروپ دیس کی لکھی ہوئی ہے۔ اُسکے بموجب رنگپور۔ بھٹنسنگ۔ سلہٹ۔ جینتیا پور۔ کچھار۔ منی پور۔ اور آسام یہ سب کامروپ دیس ٹھہرتا ہے۔ اور اگلے زمانہ کی پوتھیوں میں اس دیس کے بڑے بڑے اچنبے کی باتیں اور نہایت تعجب کی حکایتیں لکھی ہیں۔ نادان آدمی ابتک اُسکو جادو کا گھر خیال کرتے ہیں۔ تان ترک مذہب اسی جگہ سے پھیلا تھا۔ کامکھشا دیوی کا شہور مندر ۹۲ درجہ ۵۶ دقیقہ طول شرقی اور ۲۶ درجہ ۳۶ دقیقہ عرض شمالی میں واقع ہے۔ وہاں کے آدمیوں کی صورت شکل چین والوں سے ملتی ہے۔ صدر مقام گواہٹی کلکتہ سے تین سو پچیس میل گوشہ شمال و شرق کی طرف جو کسی زمانہ میں کامروپ کا تخت گاہ تھا اور اب وہاں صاحب کشنر رہتے ہیں برہما پتر کے بائیں کنارے پر بسا ہے۔ فقط انتہے کلامہ

ص م ج

ایک آل پر جو اس نواح میں تھی جا چڑھے۔ میر جملہ نے اس حادثہ کی خبر پاکر محمد مومن کو فوج کثیر کے ساتھ انکی کمک کے لیئے روانہ کیا۔ مگر وہ بھی تر بھانی سے آگے نہ بڑھ سکا۔ خلاصہ یہہ کہ فرہاد خاں اور اُسکی سپاہ اور تمام سردار آل پر گھرے ہوئے بھوکھ سے ناچار ہوکر لشکر کے بیلوں کا گوشت کھاکر مصیبت کے دن کاٹتے تھے۔ اور اس عرصہ میں اگرچہ آسامی کشتیوں پر سے بھی گولے مارتے تھے۔ اور دن اور رات میں کئی کئی بار آل تک پہنچکر حملے بھی کرتے تھے۔ مگر یہہ لوگ ایک ہفتے تک باوجود ہر طرح کی تکلیف کے کمال جرأت اور بہادری سے اُنکو پس پا ہی کرتے رہے۔

فرہاد خاں اور راجہ سُجان سنگھ کی ماموری۔ اُنکی مصیبت۔ مگر عجب استقلال سے اپنے گھرے ہوئے لشکر کو بچانا اور دشمنوں پر غالب آکے فوج کو صحیح وسلامت واپس لیجانا۔

اور آخر کار فرہاد خاں نے ایکروز یہہ تدبیر کی کہ جب آسامی راجہ سُجان سنگھ کے راجپوتوں پر حملہ کرنیکے لیئے بڑھے چلے آتے تھے تو اسنے اُنکو بطور حکمت عملی پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ اور جب راجپوت پیچھے ہٹے اور یہہ مجہول آسامی مغرور ہوکر اسقدر آگے بڑھ آئے کہ اُنکی کشتیوں سے جو دریائے دھنگ میں کھڑی تھیں اُنکو بہت فاصلہ ہوگیا۔ تو خان مذکور نے موقع دیکھکر یکبخت دھاوا کیا اور ایسی تلواریں ماریں کہ حملہ کرنے والوں کے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ اور اُنکی چند کشتیاں بھی چھین لیں۔ لیکن چونکہ اُسکے پاس سپاہ کے کھانیکو کچھ نہیں تھا تو آخر یہی صلاح ٹھہری کہ جسطرح بنے اس مصیبت سے نکلنا چاہیئے مگر نکلنے کے واسطے چونکہ کشتیاں کافی نہ تھیں۔ اور وہی چند کشتیاں تھیں جو دشمنوں سے چھینی تھیں اسلیئے کیلے اور بانس کاٹکر اور چھال اور گھاس سے بانده کر

بیڑے بنائے اور اُن پر چیدہ چیدہ بہادروں نے چڑھ کر طلوع آفتاب سے بہت پہلے کہ جب آسامی بالکل بیفکر پڑے سو رہے تھے یکایک حملہ کیا اور اُنکو دانے بھگا کر اکتالیس کشتیاں چھین لائے اور پھر اُن کشتیوں پر اپنے لشکر کو ندی نالوں سے پار اُتار کر تمام لشکر کو صحیح سلامت متھرا پور میں دوسری ذیقعد کو پہنچا دیا۔

میر جملہ کا بمجموعی کل سپاہ کو کھڑکانوں اور متھرا پور میں جمع کر لینا۔ اور بجنر لکھوکنڈہ کھڑکانوں اور متھرا پور کے سب جگہ سے غل و دخل اُٹھ جانا۔

مگر بعد اسکے جو بارش کی شدت اس سے بھی زیادہ ہوئی۔ اور تھانوں اور چوکیوں تک مدد کا پہنچنا بہت دشوار ہو گیا۔ تو میر جملہ نے ازراہ دانائی کل سپاہ کو سب جگہ سے اُٹھا کر کھڑکانوں اور متھرا پور میں جمع کر لیا۔ اس بحث سے تمام ملک پر پھر آسامی ہی قابض ہو گئے۔ اور سوائے متھرا پور۔ کھڑکانوں۔ اور لکھوکنڈہ کے اور کوئی مقام بادشاہی لشکر کے تصرف میں باقی نرہا۔ بلکہ آسامیوں کی جرأت اور جسارت یہانتک بڑھی کہ متھرا پور اور کھڑکانوں کے مابین جو صرف چند میل کا فاصلہ تھا یہاں بھی بغیر جمعیت فوج کے آمد و رفت نہیں ہو سکتی تھی

سرداروں اور اہل لشکر کی فکرمندی رسد کی قلت اور آسام کے ایک بھوکن اور چارنگ کے راجہ کے حملے میر جملہ کے لشکر پر۔

اب ظاہر ہے کہ اس حالت میں سرداروں اور اہل لشکر کے فکر و تردد کا کیا ٹھکانا تھا۔ اور قلت رسد اسپر اور بھی مستزاد تھی علاوہ بریں راجہ نے میر جملہ کے پانوں اُکھیڑ نیکے لیے اپنے ایک بھوکن کو اپنا مقام بنا کر اور بڑے بڑے اختیارات دیکر فوج کثیر کے ساتھ متھرا پور کو روانہ کیا۔ اور خود بھی قلعہ سولہ کوڑی میں جو کھڑکانوں سے چار منزل اور آسام کے

راجاؤں کا قدیمی دارالحکومت تھا آکر ٹھہر گیا۔ بھوکھن مذکور ایک ندّی کے کنارے جو متھراپور کے نزدیک گزر کر دریائے دھنگ میں گرتی اور برسات کے موسم میں دریائے عظیم ہو جاتی ہے آاُترا۔ اور بشمار آسامیوں کو جمع کر کے (بقول صاحب عالمگیر نامہ) ایک دیوار عریض و مرتفع تیس کوس لمبی اور کمال مستحکم کہ جسکا ایک سرا پہاڑ سے اور دوسرا دریائے دھنگ سے ملا ہوا تھا نہایت قلیل عرصہ میں اپنے لشکر کے آگے تیار کر لی۔ یہ شخص اکثر راتوں کو ندی سے پار اُتر کر اگرچہ کتنی ہی دفعہ سخت سخت حملے کرتا رہا مگر ہمیشہ ناکامیاب ہی ہوتا رہا لیکن آخر میں میر جملہ نے ایک روز خود سوار ہو کر انکو ایسا تہ تیغ کیا کہ پھر اُسکو حملہ کرنے کی جرأت نہوئی۔ اور ایسا ہی چاداناگ کے راجہ کو بھی جو آسام کا ایک بہت بڑا ذیلدار تھا اور جسنے متھراپور کے نزدیک دوسری جانب سے مورچے آن لگائے تھے راجہ سُجان سِنگ نے ایک سخت لڑائی لڑکر بھگا دیا۔

جب آسامی اس طرح سے متھراپور پر متواتر حملے کر کے ہمیشہ پسپا ہی ہوتے رہے تو اس جگہ کا خیال چھوڑ کر اوایل ذیقعدہ سے کھٹگانوں پر حملے کرنے شروع کیئے۔ چنانچہ اکثر راتوں کو ایسے سخت حملے ہوئے کہ مدد کے لیئے میر جملہ کو متھراپور سے بعض سردار دنکو بھیجنا پڑا۔ اگرچہ اسپر بھی ذی الحجہ کے مہینہ میں آسامیوں نے کئی بار رات کو ایسی شدّت سے حملے کیئے کہ اگر بادشاہی سردار اور فوج ذرا سی کوتاہی کرتے تو ضرور مغلوب ہو جاتے۔ مگر یہ سپاہ کمال استقلال اور مردانگی سے اُنکے حملوں کو دفع ہی کرتی رہی۔

آخر کار روز مرہ کی لڑائی بھڑائی سے دق ہو کر مغلیہ فوج نے خود ایسے

متھرا پور اور کھڑگانوں میں ناکامیاب ہوکر آسامیوں کا مغلوبانہ طور پر منتشر ہوجانا اور خصوصاً لکھوگڈہ میں ابن حسین کی کوشش سے اُنکا زیادہ مغلوب ہونا۔

سخت حملے کیئے کہ اُنکے مورچے چھین کر جلادئے اور دشمنوں کو قتل اور غارت کرکے محصور و مغلوب سے پھر غالب ہوگئے اور اس دلیری اور ہمت کا یہ نتیجہ ہوا کہ دشمن منتشر ہو گئے۔ اور فوج موجودہ کھڑگانوں کو روز مرّہ کی لڑائیوں سے کسیقدر فرصت مل گئی۔ اسیطرح جو فوج مع نواڑہ وغیرہ لکھوگڈہ میں ابن حسین داروغہ نواڑہ کے زیر حکومت تھی۔ (جو نام سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جہازراں عرب تھا) باوجود آسامیوں کی کوشش اور بیحد حملوں کے جو نواڑہ کے علاوہ دریا کنارہ سے بھی آکر دق کرتے تھے کسی طرح مغلوب نہوئی بلکہ ابن حسین اور اُسکے رفیق سرداروں نے خود حملے کرکے آسامیوں کی کئی کشتیاں چھین لیں۔ اور کتنے ہی اُنکے مورچے بھی تباہ کرڈالے۔ اور ابتدائے برسات میں دیول گانوں وغیرہ سے جو تھانے اُٹھگئے تھے پھر قائم کردیئے۔ بلکہ ایسا عمدہ بندوبست کیا کہ اُنکے کئی سردار بھی پکڑ لیئے اور لکھوگڈہ سے گواہٹی تک اپنے رعب و دبدبہ کو جیسا کہ چاہیئے تھا قائم رکھا۔ اور گواہٹی سے رسد اور خبر کی آمد و رفت کے سلسلہ کو منقطع ہونے نہیں دیا۔

آسامیوں کا پھر طالب صلح ہونا اور میر جملہ کا براہ مصلحت پہلے سے زیادہ کڑی شرطیں پیش کرنا۔

خلاصہ یہ کہ جب مذکورہ بالا بھرگھن اپنی تمام جرأت اور بہادری خرچ کرچکا اور بادشاہی فوج باوجود قلّت تعداد کے غالب رہی تو اُسنے راجہ کی مرضی سے میر جملہ کے پاس متھرا پور میں وکیل بھیجکر پھر صلح کی درخواست کی۔ لیکن میر جملہ نے براہ مصلحت پہلے سے بھی زیادہ یہ کڑی شرطیں پیش کیں کہ بانسوا تھی

تین لاکھ تولہ سونا مع اپنی بیٹی کے جو بادشاہی بیگمات کی خدمتگذاری کے لیئے بھیجی جائے بالفعل حاضر کرے۔ اور آیندہ کے لیئے پچاس ہاتھی ہر سال بطور پیشکش بھیجتا رہے اور جہانتک ہماری فوج پہنچ چکی ہے وہ تمام ملک ہمارے قبضہ میں رہے۔ اور کوہستان نامرد یپ وغیرہ راجہ کے پاس۔ مگر ان سخت شرطوں کے ساتھ براہ دانائی یہہ نرمی بھی ظاہر کی کہ پُوردن مَلّ نامے اپنے ایک ہندو سردار کو بھوکھن کی تسلّی کے لیئے بھی بھیجدیا۔ جسکی نہایت درجہ کی خاطر اور تواضع و تکریم بھوکھن مذکور نے کرکے سب شرطوں کو قبول کرلیا۔ بلکہ ایک دن تخلیہ میں یہانتک کہدیا کہ اگر راجہ اِن شرطوں کو منظور نکریگا تو مَیں اُسکا ساتھ چھوڑکر خود میر جملہ کی خدمت میں حاضر ہوجاؤنگا

بیماری اور قحط کی تازہ مصیبت کا پیش آنا اور اُسکے بُرے نتیجے

مگر یہہ کام بنتے بنتے پھر اس طرح بگڑ گیا کہ اسی اثنار میں بدقسمتی سے یہہ تازہ مصیبت پیش آگئی کہ شدّت بارش سے متھرا پور کے لشکر میں آب و ہوا خراب ہوکر تپ لرزہ اور دستوں کی بیماری ایسی پھیلی کہ اکثر لوگ مر گئے بلکہ بعد میں معلوم ہوا کہ یہہ وبا تمام ملک اور خصوصاً راجہ کی سپاہ اور رعایا کے لوگوں میں جو بھاگ کر پہاڑوں جنگلوں اور تنگ مقاموں میں جا گھسے تھے یہانتک پھیل گئی تھی کہ اُسکے بعض ملازموں کے قول کے موافق دو لاکھ تیس ہزار آدمی ضایع ہوئے تھے۔!!! اس بیماری کے علاوہ میر جملہ کے لشکر میں رسد کا بھی ایسا قحط تھا کہ منجملہ اُن ایکسو تہتر انبار چاولوں کے جو کچھ ڈھیر پانی کی طغیانی اور دشمنوں کی دست دبرد سے بچے ہوئے تھے یا تو کسیقدر اُنپر گزران تھی یا اُن بیلوں کے گوشت پر جو لڑائیوں بھڑائیوں میں دشمنوں کے

چھینے ہوئے تھی۔ بلکہ ایک مدّت تک سوائے اِسکے کہ بیل کا گوشت پانی میں جوش دے لیں یا اُسیکی کی چربی میں بھون لیں یا لیمو اور نارنج کے ساتھ جو اُس مُلک میں کثرت سے تھے تبدیل ذائقہ کرلیں بڑے بڑے اُمرا سے خوش خور کو بھی کھانے کے لیئے اَور کچھ میسّر نہ آتا تھا اور آخر کو یہہ بھی نایاب تھا۔

بادشاہی لشکر کی اِس مصیبت کا یہہ نتیجہ ہوا کہ آسامی جو پہلے ڈرا دبگئے تھے اُنہوں نے پھر سر اُٹھایا اور وہی بھوکھن جو عجز و نیاز اور اطاعت کے پیغام سلام بھیج رہا تھا۔ پھر لڑنے کو تیار ہوگیا! اور چونکہ متھرا پور میں بیماری زیادہ تھی اور تقریباً تین مہینے سے دن رات کی بارش اور لڑائی اور قحط کی مصیبت نے مجبور کر دیا تھا۔ اور اسلیئے میر جملہ بارھویں محرّم کو وہاں سے ڈیرہ اُٹھا کر کھڑگاؤں میں چلا آیا تھا۔ آسامیوں نے اِس امر کو اَور بھی زیادہ اُنکی کمزوری پر محمول کیا اور از سر نو دن رات حملے کرنے شروع کر دیئے یہانتک کہ یہہ بھوکی اور بیمار فوج رات بھر سونے نہیں پاتی تھی۔

دلیر خاں اور اَور سرداروں کی شجاعت اور استقلال اور برسات کے کم ہونے پر میر جملہ کا پھر اپنی کارروائیاں شروع کرنا

لیکن ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ چاندنی رات میں آسامیوں نے جو دلیر خاں اور راجہ سنگرام کے مورچوں پر نہایت جمعیّت سے حملہ کیا اگرچہ وہ شکست کھا کر پس پا ہو گئے تھے۔ مگر دلیر خاں نے بمقتضاے اپنی شجاعت کے صرف اُن کے معمولی پس پا ہونے پر اکتفا نکر کے چاندنی رات کے موقع کو غنیمت سمجھا اور دُور تک تعاقب کر کے اسقدر تہ تیغ کیا کہ اِسکے بعد پھر اُنکو کھڑگاؤں پر حملہ کرنے کی جرأت نہوئی۔

قصہ مختصر نصف ماہ صفر تک سب سرداروں اور سپاہیوں نے بیماری اور قحط کی مصیبت کو نہایت تحمل اور استقلال سے برداشت کیا اور چونکہ بارش میں بھی کچھ کمی ہونے لگی تھی اسلیئے میر جملہ اور اُسکے سرداروں نے پھر کارروائی شروع کی اور معلوم کیا کہ براہ چارنگ دریا سے دیکھو کے پار دیول گانوں تک دامن کوہ کے قریب ایک ایسی آل بنی ہوئی ہے جو برساتی پانی میں نہیں ڈوبتی۔ اور اُسپر آمدورفت کے لیئے خشک راستہ موجود ہے۔ اسلیئے میر جملہ نے اکیسویں صفر کو تھوڑی سی فوج اور ابوالحسن نامے اپنے ایک معتبر سردار کو جو اُسکے ذاتی ملازموں میں سے تھا واسطے تنبیہ مفسدان اور اُس راستہ کے جاری کرنیکے مامور کیا اور یہہ بھی ہدایت کی کہ ابن حسین نواڑہ کے داروغہ کو خبر دیوے کہ رسد کی کشتیاں جس طرح ہو سکے دیول گانوں میں بھیجدے چنانچہ اس بندوبست کے موافق مخالفوں کی تنبیہ و تادیب کے بعد یہہ دیول گانوں میں پہنچگیا۔ اور چونکہ دریا کنارے اَب بھی آسامیوں کے مورچے اور نو تعمیر گڑھیاں تھیں اور رسد کی کشتیوں کے لیئے اِسوجہ سے اندیشہ تھا اسلیئے کچھ رسد تو کشتیوں سے نکال کر بجمعیت مناسب چارنگ کے راستہ سے کھڑ گانوں کو بھیجدی اور خود نواڑہ کے ساتھ ہوکر کھڑ گانوں کو روانہ ہوا اور اُنکی گڑھیاں جو دھنگ ندی کے کنارے تھیں اُنکو بھی چھین کر مسمار کر ڈالا۔ اور چارنگ اور گج پور اور دیول گانوں میں راستہ کی حفاظت کا بخوبی بندوبست کر دیا۔

اِنکی تدبیروں کا راست آنا۔ چھ مہینے کے بعد رسد کا راستہ کھل جانا۔ اور آسامیوں کا پھر منتشر اور مغلوب ہونا۔

خلاصہ یہہ کہ یہہ تدبیریں راست آئیں اور اواخر ربیع الاوّل میں چھ مہینے کے بعد خشکی اور تری

دونوں راستوں سے کھڑگانوں میں رسد پہنچگئی - اور قحط کی مصیبت رفع ہوئی اور برسات کے اُتار کے ساتھ آسامی بھاگ کر پھر جنگلوں - دروں اور اونچے اونچے پہاڑوں پر جا چڑھے - اور راجہ بھی سولہ کوڑی سے پھر نامروپ کے پہاڑوں کو چلا گیا - اور اگرچہ اُسکا نامور سردار یعنی وہی مذکورہ بالا بھوکھن بسبب اپنے مورچہ کی مضبوطی اور جمعیت فوج کے ابھی تک کھڑگانوں کے قریب ایک ندی کے کنارے ٹھہرا ہوا تھا - مگر اُسنے بھی عاجزی سے پھر صلح کی درخواست کرنی شروع کی جسکو قبول کر کے میر جملہ نے آٹھویں ربیع الثانی کو چند سرداروں اور فوج کو کشتیوں پر بٹھا کر اُسکی سزا دہی کے لیئے روانہ کیا اور ایک سخت لڑائی ہوئی جسمیں بھوکھن مذکور سے اُسکا بالنسوں کا قلعہ جو اُسنے اپنے لشکر کے گرداگرد بنایا ہوا تھا چھین لیا گیا - مگر چونکہ اُسکے ساتھ جمعیت کثیر موجود تھی اور اُسنے ایک دوسرے قلعہ میں جو ڈنٹکا ندی کے قریب تھا پانوں جا جمائے تھے - اور اب وہ اس حملہ آور فوج اور لشکر مقیم کھڑگانوں کے بیچ میں آگیا تھا - اسلیئے چودھویں ربیع الثانی کو میر جملہ بذات خود کھڑگانوں سے اُسپر حملہ کے ارادہ سے روانہ ہوا - مگر چونکہ وہ پہلی ہی شکست سے ہمت ہار چکا تھا - اور اب میر جملہ کے بذات خود چڑھائی کرنیکا حال بھی اُسکو معلوم ہوا تو خائف ہو کر اس مورچہ سے بھی جو بہت مضبوط تھا بے لڑے بھاگ گیا - اس جگہ پر قابض ہو جانیکے بعد میر جملہ کو خبر ملی کہ ابھی ایک اور مورچہ دریا دھنگ کے اُس پار باقی ہے - اسلیئے وہاں سے اٹھارہویں ربیع الثانی کو روانہ ہو کر وہ اس دریا کے کنارے پہنچا ہی تھا کہ آسامی اسکو بھی خالی کر گئے - حالانکہ دریا کے عرض و عمق کے باعث وہ حملہ سے محفوظ تھے -

میر جملہ کے مرض الموت کا آغاز اور اسپر بھی اُسکا آگے کو بڑھتے جانا

مگر اب قدرت ایزدی سے یہ عجیب اور منحوس واقعہ پیش آیا کہ مخالف تو اسکو دریا کے پار ہی پہنچا ہوا دیکھکر خود بخود بھاگے جاتے تھے - مگر یہاں میر جملہ پر یہہ حالت گزری کہ جسوقت اپنے گھوڑے پر سوار اسی کنارہ سے آسامیوں کے مورچوں اور اُن کے حال احوال کو حملہ کی تدبیر سوچنے کے لیئے بنظر غور و احتیاط دیکھ بھال رہا تھا - یکایک اسپر ضعف کی سی کیفیت ایسی طاری ہوئی کہ گھوڑے سے اُتر کر زمین پر لیٹ گیا - اور تھوڑی دیر تک بالکل بیہوشی اور غشی میں پڑا رہا اور اگرچہ تھوڑی دیر بعد ہوش آگیا مگر کئی روز تک اسکو یہیں مقام کرنا پڑا - اور اب باوجودیکہ اسکے مقابلہ سے دشمن بالکل ہٹ گئے تھے - بلکہ ایسا اچھا اثر پیدا ہوگیا تھا کہ رعایا کے لوگ عموماً اطاعت کرنے لگ گئے تھے اور بدلی بھوکن نامے جو آسام کے سرداروں میں راجہ کا ایک بہت بڑا رکن تھا - اور بسبب کسی رنجش کے راجہ سے اُسکی اَن بَن ہوگئی تھی اپنے اہل و عیال کی بھی پروا نکر کے اور راجہ کی رفاقت چھوڑ کر میر جملہ کے لشکر میں حاضر ہوگیا تھا بلکہ میر جملہ کی خواہش کے موافق راستوں وغیرہ کے بندوبست اور شاہی خدمات کے لیئے کئی ہزار آسامیوں کی فوج بھی بھرتی کرادی تھی - اور اس باعث سے راجہ کو اپنے سب سرداروں کی طرف سے ایسی بدظنی پیدا ہوگئی تھی کہ اُس بیچارہ وفادار مذکورہ بالا بھوکن کو بھی جو نہایت بہادری کے ساتھ بادشاہی فوج کو کئی مہینے تک دق کرتا رہا تھا خواہ مخواہ سستی اور کوتاہی کا الزام لگاکر ازراہ وحشت عیال و اطفال سمیت لوہے کی گرم سیخوں میں پرو پرو کر سخت

عذابوں سے مروا ڈالا - اور صورت معاملات ایک مدت تک خراب رہکر
اب سب طرح میر جملہ کے حسب دلخواہ ہو چلی تھی اور باوجود مرض کے بھی
اُسکا یہہ مستقل ارادہ تھا کہ جس طرح بنے راجہ سے آسام کا کل مُلک چھینکر اُسکو
خارج کردے اور اسی ارادہ سے پانچویں جمادی الاوّل کو کوہستان نامروپ
کی طرف یہاں سے کوچ بھی کر دیا تھا بلکہ ساتویں جمادی الاوّل کو قصبہ بسولہ کوڑی
میں پہنچکر اور آٹھویں کو دریاے دھنگ کے پار ہوکر (جسکے کنارہ یہہ قصبہ آباد تھا)
اور آگے بڑھکر جا اُترا تھا -

میر جملہ کی بیماری کا سخت و شدید ہو جانا اور اُسکی مرضی کے خلاف فوج سردار لنکا یہہ ارادہ کہ مہم کو ختم کرنا چاہیئے -

مگر اسی مقام پر اُسکی بیماری بہت ہی سخت و شدید ہوگئی - سینہ اور معدہ میں درد ہوکر شدت سے تپ چڑھ گیا - اور دو تین دن کے بعد مرض ذات الصدر میں بھی مبتلا ہوگیا - اس سبب سے اہل لشکر اور سردار جو متواتر لڑائیوں کے علاوہ گزشتہ بارش اور قحط اور بیماری سے تنگ آئے ہوئے تھے اب انکو یہہ فکر پیدا ہوئی کہ مبادا سردار مرجائے یا مہم طول کھینچکر دوبارہ برسات کا موسم آجائے اور لشکر تباہ ہو جائے - اسلیئے اکثر سرداروں نے یہہ ارادہ کرلیا کہ اگر میر جملہ اس مہم کو زیادہ طول دینا چاہے تو خود سری اختیار کرکے بنگالہ کو چلے جائیں -

شدت مرض اور سرداروں کی رائے سے مجبور ہوکر راجہ کے پیغام صلح کے منظور کر لینے پر میر جملہ کا راضی ہو جانا -

اگرچہ میر جملہ کو عین شدت مرض میں سرداروں کے اس ارادہ سے نہایت ہی رنج ہوا - مگر عالی ہمتی اور حسن تدبیر سے

تاکہ دشمن دلیر نہو جائے باوجود بیماری کے ایک منزل اور آگے بڑھگیا لیکن مذکورہ بالا وجوہات سے بخلاف اپنی اصل آرزو کے دل میں صلح کرنیکا ارادہ کرلیا۔ اور اس عرصہ میں جو راجہ کے بھیجے ہوئے سفیر اور وکیل اُمرا ہمراہی کے ذریعہ سے معافی اور صلح کی متواتر درخواستیں کرتے تھے اور قبول نہیں کیجاتی تھیں اور اب جو اُسنے دلیر خاں کے ذریعہ سے درخواست کی تو میر جملہ بھی بناچاری موقعہ وقت دیکھکر راضی ہوگیا۔

راجہ کے وکیلوں کا حاضر ہونا شرایط صلح اور اُنکی تعمیل

اور سترھویں ماہ مذکور اپنے لشکر گاہ سے آگے بڑھکر موضع پتام میں جو نامروپ کے درہ پر تھا جا اُترا۔ یہہ پتام کا علاقہ راجہ کے ایک رشتہ دار کی ریاست میں تھا۔ جسکو اُسکی طرف سے راجگی کا خطاب تھا۔ اور اسجگہہ جنگل اور درہ کے سرے پر نہایت مضبوط مورچہ بنا ہوا تھا۔ غرضکہ اس جگہہ راجہ کے وکیل حاضر ہوئے۔ اور بعد بہت سی قیل و قال کے اِن شرایط پر صلح ٹھہر گئی۔ کہ راجہ ایک اپنی بیٹی اور ایک راجہ پتام کی لڑکی۔ بیس ہزار تولہ سونا۔ ایک لاکھ بیس ہزار تولہ چاندی۔ بیس ہاتھی بادشاہی پیشکش میں۔ پندرہ ہاتھی میر جملہ کو اور پانچ ہاتھی دلیر خاں کو دیوے۔ اور بعد ازیں بارہ مہینے کے اندر اندر تین لاکھ تولہ چاندی اور نوّہ ہاتھی سرکار میں داخل کرے۔ اور بطور پیشکش سالانہ بیس ہاتھی بھیجتا رہے اور مذکورہ بالا شرایط کی تعمیل تک اپنے چار بڑے بڑے سرداروں کے بیٹوں کو اُول کے طور پر بنگالہ میں حاضر رکھے۔ اور بدلی بھوکھن کے اہل و عیال کو (جو حسب شرح صدر میر جملہ کی خدمت میں حاضر ہوگیا تھا) مع بعض اشخاص

علاقہ کامروپ کے جو اب بھی نامروپ وغیرہ کے پہاڑوں میں قید تھے بادشاہی لشکر میں بھیجدینا منظور کرلیا۔ اور بابت ملک مفتوحہ کے اُتر کون کیطرف دریاے الی بوادی اور دکن کون کیطرف دریاے کلنگ راجہ اور بادشاہی مُلک میں حد فاصل مقرر ہوگئی۔ اور اِن اُمور کی نسبت آسامیوں کی طرف سے عہدنامہ اور میر جملہ کی طرف سے قول نامہ تحریر ہوکر دیا اور لیا گیا۔ اور پانچویں جمادی الآخر کو راجہ کے وکیلوں نے اِس معاہدہ کی تعمیل میں دونوں لڑکیاں اور مقررہ سونا چاندی اور چاروں سرداروں کے لڑکے حاضر کردیئے۔

میر جملہ کی مراجعت اور حالت مراجعت میں نومفتوحہ ملک کے بندوبست اور پیم نارائن کی تنبیہی کے لیئے انتظامات مناسب کا عمل میں لانا۔

اور میر جملہ نے دسویں جمادی الآخر کو اورنگ زیب کے جلوس کے پانچویں سال میں اِس باعزت صُلح کے بعد کوہستان نامروپ سے بنگالہ کو مراجعت کی (اِس حساب سے من ابتداے شروع کوچ جو جمادی الاوّل کی تیرہویں تھی دوسرے برس کی دسویں جمادی الثانی تک کُل ایام مُہم ایک برس سے کچھ زاید ہوے) اور چونکہ اِسکو بیماری سے کسیقدر افاقہ ہوگیا تھا منزل بمنزل جلد جلد کوچ کرتا ہوا بائیسویں ماہ مذکور کو لکھوگڈہ میں پہنچگیا۔ اور میر مرتضے وغیرہ سرداروں اور ہمراہیوں کے انتظار میں جو کھڑگانوں سے مع اشیا و اموالِ بادشاہی اور مع ایک کروہ کثیر ہندو و مسلمان زن و مرد کے جو قید سے رہائی پاکر اور اُس مُلک کو چھوڑ کر آتے تھے توقف کیا۔ اور چونکہ نومفتوحہ علاقوں درانگ اور ڈومریہ وغیرہ کا بندوبست کرنا اور گوالپاڑہ کے نظم و نسق کو جو آسامیوں کے ایام تصرّف میں پُر اختلال ہوگیا تھا پھر درست

کرنا اور پیم نارائن کو بھی اُسکی دوبارہ فساد انگیزی کے سبب سزا دینا ضروری تھا۔ اور برسات کا موسم قریب آگیا تھا اسلیئے میر جملہ کچھ فوج اپنے ساتھ لیکر اور باقی فوج و لشکر دلیر خاں کے زیر کمان لکھوگڈہ میں چھوڑ کر اٹھائیسویں ۲۸ جمادی الآخر کو گواہٹی کی طرف چل پڑا۔ اور یہاں سے غرّہ رجب کو آسام کی نئی سرحد کے ملاحظہ کے لیئے دامن کوہ کے راستہ سے کوچ کیا۔ چونکہ جنگل بہت گھنا تھا تین چار منزل لشکر نے بڑی تکلیف اُٹھائی۔ چہارم رجب کو دریائے کلنگ سے اُتر کر قلعہ کجلی کے نیچے ڈیرہ کیا۔ اور اسجگہ دانگ اور ڈومرو کے راجاؤں کو جنہوں نے اِس مہم میں اچھی خدمتیں کی تھیں مناسب حال عنایتوں سے سرفراز کیا

میر جملہ کے امراض کی ترقی فرنگی ڈاکٹروں کا علاج اور اُسکا اتھال

مگر اِن ایام میں میر جملہ کو بسبب استعمال بعض دواؤں کے جو "اطبائے فرنگی" یعنی یورپین ڈاکٹروں نے دی تھیں اور صاحب عالمگیر نامہ کے خیال میں وہ حار تھیں (جیسا کہ ہمارے زمانہ میں بھی انگریزی دواؤں کی نسبت اکثر ہندوستانیوں کا یہی اعجوبہ خیال ہے) پہلی بیماریوں کے علاوہ ضیق النفس اور خفقان و قرحہ شُش اور استسقا کے آثار پیدا ہو گئے۔ غرض کہ اِسی حال میں تیرہویں ۱۳ رجب کو کجلی سے کوچ کر کے دریا پار قصبہ گواہٹی کے محاذی موضع ناندوبی اُتر پڑا۔ اور بادشاہ کے حکم کے موافق رشید خاں کو سرکار نامروپ کا فوجدار مقرر کیا اور اَور ضروری اُمور کا بندوبست مناسب کر کے چھبیسویں ۲۶ کو موضع ناندو سے کشتی میں بیٹھکر آخر تاریخ رجب کو بمقام بری تلا ریاست

کوچ بہار کے راستہ پر پہنچکر باوجود شدت مرض کے پیم نادان کی سزا دہی اور اُسکا
مُلک چھیننے کے ارادہ سے اُتر پڑا۔ اور لشکر کے جمع ہو جانیکے انتظار میں جو پیچھے
آتا تھا اسی جگہ ٹھہرا رہا۔ مگر شدّت امراض سے جب اُسنے اپنے جاں برہونیکی
اُمید نہ دیکھی تو ناچار عسکر خاں کو کوچ بہار کی تسخیر کے لیئے مامور کرکے خضر پور
کو کوچ کیا۔ اور بُدھ کے دن رمضان کی دوسری کو خضر پور سے دو کوس اِس
دُنیا ناپائدار ہی سے سفر آخرت اختیار کیا ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ !!!
اور جب یہہ خبر بادشاہ کے پاس جبکہ وہ کشمیر کو جاتا تھا لاہور میں پہنچی اُسکے
بیٹے محمد امین خاں کو جو میر بخشی اور پنجہزاری پنجہزار سوار کا امیر تھا نہایت
تسلّی دیکر بہت سی شاہانہ عنایتوں سے سرفراز کیا۔ فقط س م ح

حاشیہ

(متعلق صفحہ ۳۰۸)

(پرتگیزوں کا ھندوستان میں آنا اور اُن کا عروج وزوال)

صفحہ ۳۰۸ میں ہم لکھ آئے ہیں کہ اس کتاب کے مترجم انگریزی مسٹر آرڈنگ براک نے پرتگیزوں کے ھندوستان میں آنے اور ممالک شرقیہ میں اُن کے عروج وزوال کا حال ایک دلچسپ حاشیہ میں تفصیل سے لکھا ہے جسکو خفیف تغیر وتبدّل کے ساتھ ہم اس جلد کے خاتمہ میں لگائینگے۔ چنانچہ وہ اس طرح پر ہے کہ

" ھندوستان کی دولتمندی کی شہرت اور یہاں کے گرم مصالحوں کی افراط اور سوتی ہمیں کپڑوں کی عمدگی نے مدتہاے دراز سے یورپ کی اکثر قوموں کو اس مُلک کے ساتھ اپنا کاروبار تجارت جاری کرنیکے لیئے نہایت بیچین کر رکھا تھا۔ لیکن خشکی کے راستہ کی مشکلات اور سمندر کی راہ معلوم نہونے کی وجہ سے سب لاچار تھے۔ مگر آخر کار جب پرتگال کے بادشاہ جان دوم نے جو نہایت ذی ہوش شخص تھا علد آمد سابق کے برخلاف اپنے پایۂ تخت لزبن کو جو دریاے ٹیگس کے کنارے آباد ہے۔ ایک ایسا بندرگاہ قرار دیا کہ جسمیں ہر طرف کے جہاز بغیر کسی طرح کی روک ٹوک کے آنے لگے۔ اور اُسی کی اعانت اور حُسن توجہ سے بذریعہ علم ہیئت سمندر میں سفر کرنے کا نیا طریق جاری ہوا تو پرتگیزوں نے پہلے کیپ کا راستہ نکالا جو ممالک افریقہ کے انتہاے جنوب کی طرف واقع ہے۔ مگر یہ لوگ اُن تکلیفوں کے باعث جو یہانتک پہنچنے میں طوفان کی شدّت سے اُنکو اُٹھانی پڑی تھیں اسکو کیپ آف سٹارم یعنی راس الطوفان کہنے لگ گئے تھے۔ اور آگے بڑھنے سے کسیقدر جھجکتے تھے۔ لیکن اس بادشاہ

ل ز ب ن — ٹ ے گ س — ک ے پ آف س ٹ ارم

Cape of storm Tagus Lisbon

نے جسکے دُوربین خیال میں یہہ امر یقینی تھا کہ وہاں سے ھِنْدُوستان کا
راستہ ضرور ملیگا - اِس نامبارک اور ہمّت شکن نام کا بدل دینا مناسب سمجھکر اُس کا
(1) نام کیپ آف گڈھوپ یعنی راس نیک اُمید رکھدیا - اور اسکے بعد جب
(2) اِمانوئیل تخت نشین ہوا تو وہ بھی شاہ جان کی اِسی تدبیر کی پیروی میں مصروف
رہا - چنانچہ آٹھویں جولائی ۱۴۹۷ء (چودہ سو ستانوے) عیسوی کو ایسے چھوٹے چھوٹے
(3) چار جہازوں کا بیڑا جنمیں صرف ایکسو ساٹھ آدمی سوار تھے زیر حکم واسکوڈی گاما
ھِنْدُوستان کے راستہ کی تلاش کے لیئے پھر روانہ کیا گیا - یہہ باہمّت سردار
اوّل کیپ آف گڈھوپ پہنچا اور پھر اس سے آگے ایسے سمندروں کو طے
کرتا ہوا جنکو پہلے کسی نے نہیں دیکھا تھا دس مہینے دو دن کے ایک پُرصعوبت
اور طولانی سفر کے بعد ستّرہویں مئی روز جمعہ ۱۴۹۸ء (چودہ سو اٹھانوے) عیسوی
کو ساحل ملابار پر آپہنچا - اور جس کام کے لیئے یہہ اولوالعزم لوگ ساٹھ برس سے
جانیں کھپا رہے تھے آخرکار اُنکی محنت ٹھکانے لگ گئی - اُسوقت ھِنْدُوستان کا
مُلک دِھلی کے علاوہ جنوب و مغرب کی طرف مختلف فرماں رواؤں میں منقسم تھا اور
اُن کے ماتحت اور چھوٹے چھوٹے راجا اور باجگذار رئیس حکمراں تھے - اِن میں سے
کالی کٹ کا فرمانروا جسکا لقب زیموری (سامری) تھا - ساحلوں اور
بندرگاہوں پر سب سے زیادہ حکومت اور اقتدار رکھتا تھا - اور ملابار کا تمام مُلک

زیموری کا حاشیہ: لہ فارسی تاریخوں میں زیموری کو سامری لکھا ہے اور زمانہ حال کی بعض اُردو تصانیف میں کالی کٹ کا لفظ کلی کوڈو اور کسی جگہ کالی کوٹ درج ہے - اِسلیئے ہمنے مدراس گورنمنٹ کے ایک عالی منزلت عہدہ دار کی معرفت خود صاحب کلکٹر ملابار سے اِنکی اصلیت دریافت کی تھی - مگر افسوس کہ صاحب موصوف کو اِن پُرانے لفظوں کی اصلیت کا کچھ پتہ نہ مل سکا - آخرکار ہمنے حضور مہاراجہ صاحب بہادر

Zamorin Kali Kodu Calicut

(1) Cape of good hope (2) Emanuel (3) Vascodegama

پرتگیزوں کا نقشہ جات

اُسی کے زیر فرمان تھا۔ جب واسکوڈی گاما نے سنا کہ کالی کٹ ایک بڑا تجارتی بندر ہے تو وہ اُسی دیس کا ایک جہازی رہنما ہم پہنچا کر کالی کٹ میں پہنچگیا۔ خوش قسمتی سے یہاں ٹونس[۵۲] کا رہنے والا ایک مسلمان شخص ایسا ملگیا جو پرتگیزی زبان سے واقف اور ان سے میل جول اور اُنس و محبت کو پسند کرتا تھا۔ اِس شخص کے ذریعہ سے واسکوڈی گاما نے سامری کے دربار میں باریابی حاصل کرکے اپنے بادشاہ کی طرف سے دو متحد المضمون نامے جو ایک پرتگالی میں اور دوسرا عربی میں تھا پیش کیے۔ اور یہہ درخواست کی کہ دوستی اور تجارت کا ایک عہد نامہ بادشاہ پرتگال اور سامری کے باہم ہوجاے۔

یہہ عہد نامہ ہوجانے ہی کو تھا کہ وہاں کے مسلمان تاجروں نے جو پرتگیزوں کی اولوالعزمی اور مستعدی سے خائف تھے سامری کے دل میں کچھ شکوک ڈالدیئے اور اُن کی باتوں نے ایسی تاثیر کی کہ اُسکے اور واسکوڈی گاما کے باہم سخت اَن بَن ہوگئی۔ یہانتک کہ چند ہی روز پہلے جن لوگوں کی اُسنے بہت کچھ خاطر اور عزّت کی تھی اُنہیں کے قتل کے درپے ہوگیا۔

سرگباشی وائی ٹراون کو جو بہت صاحب علم رئیس تھے۔ اور اُن کی ریاست بھی ساحل ملابار ہی پر واقع ہے اِسکی تحقیق چاہی۔ چنانچہ حضور ممدوح کے حکم سے اُسکے سکڑی نے جو جواب بذریعہ انگریزی چٹھی کے لکھا اُسکا خلاصہ یہہ ہے۔ کہ زیمورن تو پورپین لوگوں نے بنالیا ہے۔ میم کی پیش کے ساتھ صحیح لفظ سامری ہے۔ مگر اسکے Samuri معنی اور اشتقاق معلوم نہیں۔

اور کالی کٹ کی اصل کالی کوڈو بتاکر اسکی وجہ تسمیہ کی نسبت یہہ روایت لکھی

---

۵۲ افریقہ کے ساحل مغربی و شمالی پر ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست ہے جہاں کا ترک رئیس فی زمانا محمد صادق بائی ہے س۔م۔ح

پرتگیزوں کے حاشیہ کا بقیہ

واسکوڈی گاما یہاں کا نقشہ بگڑا ہوا اور ناقابل اصلاح دیکھکر چلدیا۔ اور جاتے ہوئے سامری کو یہہ کہلا بھیجا کہ مسلمان سوداگروں کے بہکانے سے تمنے ہمکو چورا و بیعزت تو سمجھا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ پرتگیز کون اور کیسے ہیں۔ اور اُسکی رعایا کے چند لوگوں کو بھی جو ہاں اُن بن کی حالت میں پکڑ لیے تھے اپنے بادشاہ اور اہل وطن کے دکھانیکے لیے ساتھ ہی لیتا گیا۔ اور اگرچہ سامری کے چند جہازوں نے کچھ دور تک اُسکا تعاقب بھی کیا مگر باد مراد کی مدد سے وہ صحیح وسلامت نکل گیا۔ اور دو برس دو مہینے کے بعد اکسو ساٹھ ہمراہیوں میں سے صرف پچاس آدمیوں کو زندہ لیکر بماہ ستمبر ۱۴۹۹ء چودہ سو ناوے اپنے وطن میں واپس پہنچگیا۔

---

(1)

کہ شاہ ملابار سے چیرومان پیرومال نے جب اپنے باجگذار کے طور سب سے پہلے سامری کو ریاست عطا کی تو ایک تلوار اور مُرغا دیکر یہہ حکم دیا تھا کہ مقام تالی ئیل (2) کو (جو بعد ازاں سامریوں کا دارالحکومت ہوا۔) جائے اور جہانتک مُرغ کی آواز پہنچے اُسقدر علاقہ پر قبضہ کرلے۔ اسوجہ سے کالی کوڈو نام پڑگیا۔ جسکے معنی وہاں کی زبان میں "مرغ کی ریاست" ہوتے ہیں جسکو ہمارے مُلک کے ہندی محاورہ کے موافق "کوکڑ راج" کہنا چاہیئے۔

(3) بیوریج صاحب کی تاریخ ہند سے بھی (جو ایک عمدہ اور جامع کتاب ہے) اسی روایت کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ صاحب موصوف نے ڈاکٹر بکانن صاحب کے سفرنامہ کے حوالہ سے یوں لکھا ہے کہ اُس مُلک میں افسانہ کے طور پر عام روایت یوں چلی آتی ہے کہ شاہ ملابار نے ایک روز اپنے سرداروں کو تمام ملک بانٹ دیا تھا یہانتک کہ جب ٹامری نامے ایک سردار نے اپنے لیئے بھی علاقہ مانگا تو اُسکے پاس دینے کو تو کچھ باقی ہی نتھا اسوجہ سے اپنی تلوار دیدی اور کہا کہ وہ سامنے

---

(1) Cheraman Perumal, (2) Taliyil, (3) Beveridge

جب یہ لوگ دارالسلطنت میں پہنچے تو اہل شہر نے یہ خیال کرکے کہ اب تمام دنیا کی نہایت پرمنفعت تجارت ہمارے قابو میں آنے والی ہے بیحد خوشیاں منائیں اور واسکوڈی گاما کو اس کارگزاری کے صلہ میں بادشاہ نے ایک بھاری پنشن اور بڑے بڑے خطاب عنایت کئے۔

اور رومن کیتھلک فرقہ کے پیشوائے اعظم پوپ آف روم نے جو ہمیشہ اسی تاک میں رہا کرتے ہیں کہ عامہ خلائق کے دلوں میں اس خیال کو جمائے رکھیں کہ روئے زمین پر پوپ کی سی عظمت اور اقتدار کسیکا نہیں! بقول مشہور "آب از دریا بخشیدن"! پر عمل کرکے اپنی طرف سے بھی ان اپنے مریدوں کو یہہ عطیہ مرحمت کیا کہ مشرقی ملکوں میں جتنے ساحل اور بندرگاہیں تم دریافت کرلو وہ سب ہمنے! تمہیں کو بخشیں!!!

اس کامیابی سے اِمَانُوئیل ایسا مسرور ہوا کہ اپنے القاب شاہی میں ایسے الفاظ اضافہ کئے کہ شاہِ پرتگال - اتھوپیا - عرب - فارس اور ہند کے سواحل وجزائر کی فتوحات اور جہازرانی کا بھی مالک ہے - اور تھوڑے ہی عرصہ بعد تیرہ جہاز بارہ سو آدمیوں کی جمعیت سے زیر حکم اَلوَریس کابریل Alvares Cabral نویں مارچ سنہ ۱۵۰۰ء (پندرہ سو) عیسوی کو روانہ ہوکر پھر کالی کٹ میں آئے۔

مندر پر بیٹھا ہوا جو ایک مرغ بانگ دے رہا ہے جہانتک اُسکی آواز جائے اُسقدر ملک پر تو بھی قبضہ کرے۔

صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ یہہ مرغ والی بات جو کالی کٹ کے قدیمی نام کالی کوڈو کی اصل بیان کیجاتی ہے - اسکی اصلیت خواہ کچھ ہو یا نہو - مگر اسمیں شک نہیں کہ خود بادشاہ کے ہاتھ کی تلوار ملجانے سے اُن سب سرداروں پر ٹامری ہی غالب آگیا اور تمام ملک پر اُسی کی حکومت ہوگئی - اور غالباً ٹامری ہی سے اُسکے جانشینوں کا لقب رفتہ رفتہ سامری بنگیا۔ س م ج

پرتگیزوں کا ہندوستان میں آنا

اگرچہ اِن کے آنے پر سامُری کی طرف سے بھی کچھ بدسلوکی نہوئی اور کابریل نے بھی اُن شخصوں کو جنہیں واسکوڈی گاما پکڑ لیگیا تھا واپس لاکر چھوڑ دیا۔ اور ان قیدیوں نے اُس حسن سلوک اور رعایتوں کی بھی جو پرتگیزوں نے اپنے وطن میں اُن سے برتی تھیں نہایت تعریف وتوصیف کی۔ لیکن سامُری کے دل کے شبہات ایک مدت دراز کے بعد رفع ہوے۔ مگر چونکہ وہی عرب* یا افریقی تاجر جو سامُری اور واسکوڈی گاما کے باہم اُن بن کا باعث ہوئے تھے۔ اسکے راج میں زیادہ اعتبار رکھتے تھے۔ اُن کے بہکانے سے اب یہہ ایک اور نئی حرکت ہوئی کہ شہر کے لوگوں نے پچاس پرتگیزوں کو مار ڈالا۔ اسکے انتقام میں کابریل نے عربوں کے کل جہازوں کو جو بندرگاہ میں موجود تھے۔ جلا دیا۔ اور شہر پر بھی خوب گولے مارے۔ اور وہاں سے کوچین کو ہوتا ہوا کانانور کو چلا گیا۔ اور اِن دونوں شہروں کے راجاؤں نے اُسکو بہت سے گرم مصالحے اور روپیہ اشرفیاں نذر کیں۔ اور سامُری کے برخلاف جسکے وہ باجگذار تھے اُس سے دوستی اور اتفاق کا عہد وپیمان کرنا چاہا۔ اور قرب وجوار کے اور کئی راجاؤں نے بھی یہی درخواست کی۔ اِن سب کو یہہ ہوس تھی کہ اس طرح سامری کی اطاعت سے آزاد ہو جائینگے۔ اور اپنے اپنے مُلکوں کی حدود کو بڑھا لینگے۔ چنانچہ اُنکی اِس دیوانگی کا نتیجہ یہہ ہوا کہ تمام مُلک ملابار پر پرتگیزوں کو اتنا اقتدار حاصل ہوگیا کہ

---

* مُلک مراکش جو افریقہ کے ساحل شمال وغرب پر یورپ کے قریب واقع ہے اصل میں وہاں کے باشندوں کو جو مسلمان ہیں انگریزی میں مور Moor کہتے ہیں۔ مگر جس طرح کُل ممالک مختلفہ افریقہ کے سیاہ رنگ باشندوں کو مُلک حبش کے قرب کے باعث ہم عموماً حبشی کہتے ہیں۔ یا کُل یوروپین لوگوں کے لیئے فرانس کے قرب کی وجہ سے بلالحاظ اختلاف اقوام لفظ فرنگی بولا جاتا ہے۔ اسی طرح انگریزی میں لفظ مور کا اطلاق مجازاً اُن سب عرب اور افریقی سانولے رنگ کے مسلمانوں پر کیا جاتا ہے جن سے یورپ کے لوگوں کو مشرقی سمندروں میں سابقہ پڑتا تھا۔ س۔م۔ح

جہاں وہ پہنچتے تھے وہاں کے فرمانروا ہوجاتے تھے - اور کسی راجہ سے جب تک وہ اِن تین باتوں کو قبول نکرے اتفاق باہمی کا عہد و پیمان نکرتے تھے -

اوّل - یہہ کہ ہم دربار لزبن کے تابعدار اور مطیع الحکم ہیں -

دوسرے یہہ کہ پرتگیز اُسکی ریاست گاہ میں ایک قلعہ بنالیں -

تیسرے یہہ کہ پرتگیز جو اجناس تجارت خریدیں اُسکی قیمت کی تشخیص اور کسی ایسی تکرار و نزاع کا فیصلہ وہ اپنی ہی رائے سے کرلیں -

اِسکے علاوہ سب غیر ملکی تاجروں پر یہہ امر لازم کیا گیا کہ جب تک پرتگیز خرید مال سے فارغ ہوکر اُسکو اپنے جہازوں پر نہ چڑھالیں وہ سب لوگ مال کی خرید اور روانگی سے رُکے رہیں - اور اُن کے اجازت نامہ اور سند راہداری کے بغیر کوئی شخص سمندر کے سفر کا مجاز نتھا - اگرچہ پرتگیزوں کو چند بار لڑائیاں بھی لڑنی پڑیں - لیکن اس سے اُنکی تجارت میں چنداں خلل نہ پڑا - بلکہ اُنہوں نے اپنے تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ بڑی بڑی فوجوں کو شکستیں دیں - اور چند ہی سال میں اسقدر اقتدار پالیا کہ اِنکی متصوفہ بندرگاہوں میں سامُوری یا اُسکے باجگذار راجاؤں کے یا عرب وغیرہ سوداگروں کے جہاز بالکل نہیں جاسکتے تھے -

Alphanso Albuquerque

اسی عرصہ میں جب اَلفانسو اَلبیوکرک شاہ پرتگال کی طرف سے دوسرا سے مقرر ہوکر آیا تو براہ دور اندیشی اُسکی یہہ رائے ہوئی کہ ہندوستان میں ٹھہرنیکے لیئے کوئی ایسی جگہہ قرار دینی چاہیئے جسکو دشمن کے حملہ سے آسانی بچاسکیں اور وہ ایک اچھی بندرگاہ بھی ہو - اور آب و ہوا بھی عمدہ ہو تاکہ فوج اور پرتگیز دور دراز بحری سفروں کے بعد وہاں آرام لے سکیں - چنانچہ اِن صفتوں کے بحث سے اُسنے اپنے خیال میں جزیرہ گوا جو کنکھڑا کے حدود میں واقع ہے تاکا - اگرچہ اُسوقت گوا ایسا نامی مقام نتھا جیسا کہ اجکل ہے - لیکن پھر بھی وہاں کا بندرگاہ اُن اطراف میں ہر طرح سے مفید اور بہتر سمجھا جاتا تھا - اُن دنوں میں یہہ مقام فرمانروائے دکن (یعنی خاندان بہمنیہ) کے راج میں تھا - لیکن یوسف عادل خاں

پرتگیز کی حاشیہ کا بقیہ

جو اُسکی طرف سے وہاں کا صوبہ دار تھا خود سر ہوکر ملابار تک اپنی حکومت پھیلانے میں کوشش کر رہا تھا - اور جبکہ یہہ غاصب مُلک گیری کے منصوبوں میں کسی طرف مصروف تھا تو البیوکرک نے میدان خالی دیکھکر ٹمّوجی نامے اپنے ایک دوست کے مشورہ سے جو کنبھڑ کے علاقہ میں دریائی غارتگری کے ذریعہ سے بہت زبردست ہوگیا تھا ۱۵۱۰ء (پندرہ سو دس) عیسوی میں گوآ پر ناگہاں حملہ کیا - اور شہر کو لے لیا - اِس واقعہ کے باعث عادِل خاں گوآ کو واپس آیا - اور پُرتگیز جو ابھی مستحکم طور سے پانوں نہ جما چکے تھے ناچار شہر چھوڑکر جہازوں پر جا چڑھے لیکن اِس سے تھوڑے عرصہ بعد جو عادل خاں کو وجے نگر کے راجہ سے لڑنے کو جانا پڑا تو البیوکرک نے اپنے اُسی یار کی امداد سے پھر ایک چھاپا مارا اور گوآ پر قابض ہو بیٹھا - اور مورچہ بندی کرکے اور حصار وغیرہ بناکر اُسکو خوب مستحکم کرلیا - اور کالی کٹ کا بندر جو کسی کام کا نہ تھا وہاں کی دولتمندی اور تجارت سب گوآ میں سمٹ آئی - اور اُسی دن سے پُرتگیزوں کے مقبوضات واقعہ ہند کے لیئے شہر گوآ بمنزلہ پائے تخت کے ہوگیا - اور رفتہ رفتہ جب پرتگیزوں کی حکومت خلیج فارس اور بحر عرب اور ساحل ملابار میں بخوبی قائم ہوگئی تو اُنہوں نے ایشیا کے اُور مشرقی مُلکوں کی طرف رخ کیا - اور اِس مہم میں البیوکرک نے سب سے پہلے جزیرہ سراندیپ کو مسخر کیا - اگر پرتگیز دور بینی اور عاقبت اندیشی کو کام میں لاتے تو اُنکے لیئے یہہ زیادہ مفید تھا کہ اپنی تمام قوت اور طاقت کو اِسی جزیرہ میں قائم کرلیتے - کیونکہ اوّل تو یہاں کے بندر ہندوستان کی تمام بندرگاہوں سے بہتر تھے - دوسرے یہہ جزیرہ مشرقی ملکوں کے وسط میں تھا اور تمام دولتمند مُلکوں کے راستے ادھر ہی سے تھے - اور اسکی سب بندرگاہیں اس طرح کی تھیں کہ وہاں سے جنگی جہاز ایشیا کے تمام ملکوں پر دباؤ ڈالنے اور خوف قائم رکھنے کو بآسانی بھیجے جا سکتے تھے - اور خود اسکے بندرگاہوں کی حفاظت و حراست تھوڑی

ہی فوج سے بخوبی ہو سکتی تھی مگر نائب السلطنت مذکور نے ان فوائد کا کچھ خیال نکیا بلکہ ساحل کارومنڈل پر قابض ہو جانے میں بھی فروگزاشت ہی کی - اور اگرچہ یہاں سے وہ عمدہ اور نہایت لطیف اور مہین سوتی کپڑے بہم پہنچ سکتے تھے جو دنیا بھر میں بے مثل گنے جاتے تھے - اور بنگالہ اور اور ممالک کی تجارت کے لیئے یہہ مقام قدرتی طور پر نہایت مفید اور موقع کا تھا - مگر باوجود اسکے بھی کوئی اچھی جگہہ اس ساحل پر قائم نہ کی - حتی کہ مقامات سین طامس اور ناگ پٹن بھی ایک مدت کے بعد قائم کیئے - اسنے یہہ خیال کرلیا تھا کہ درحالیکہ ہم جزیرہ سراندیب کے مالک ہو گئے ہیں (جنکی St Thomas فتوحات کو ویسرائے سابق دی المیدا نے شروع کیا تھا) اگر ملک ملاکا بھی ہمارے قبضہ میں آجائے تو پھر ساحل کارومنڈل کی تمام تجارت خود ہی D'Almeyda ہمارے قابو میں آجائیگی - پس اسوجہ سے اسنے ملاکا ہی کو مقدم سمجھکر اسی کی طرف عزیمت کی - یہہ ملک جسکا دارالحکومت شہر ملاکا ہے طول میں تین سو میل کے قریب اور عرض میں بہت تنگ سا ہے - اسکے شمال کی طرف خشکی میں تو سیام کا ملک ہے - اور باقی تین طرف سمندر ہے - چونکہ ملاکا اپنے موقع کے لحاظ سے ہندوستان کے تمام تجارتی مقاموں میں سب سے بہتر منڈی ہے - اور پرتگیزوں کو اسبات کی بڑی آرزو تھی کہ مشرقی ملکوں کی سب طرح کی تجارت میں جس طرح بنے سہیم و شریک ہو جائیں - اسلیئے یہہ لوگ اس ملک میں پہلے پہل صرف تجارت ہی کے لباس میں نمودار ہوئے - چونکہ انکی دست درازیوں نے جو وہ ہندوستان میں کرتے آئے تھے انکی تدبیروں کو بہت شبہ خیز کردیا تھا - اسلیئے اہل ملاکا انکے آنے سے بہت ڈرے - اور باہم تجویز کرکے بہت سے تو مار ڈالے اور باقیماندہ قید کرلیئے - اگرچہ البوکرک کو ملاکا پر حملہ کرنیکے لیئے پہلے بھی کسی حیلہ بہانہ کی حاجت نہ تھی - مگر اب تو خود بخود ایک جائز سبیل نکل آئی - اس واقعہ کے باعث اہل ملاکا کو بھی یہی خیال تھا کہ کسی کسی دن

البیوکرک یکایک آن پڑیگا اسلیئے وہ بھی لڑائی کے لیئے ہر طرح تیاری کیئے بیٹھے تھے۔ چنانچہ اوایل سنہ ۱۵۱۱ء (پندرہ سو گیارہ) عیسوی میں جو البیوکرک ملاکا کے سامنے نمودار ہوا تو انکو مقابلے کے لیئے مستعد اور تیار پایا۔ پرتگیزوں نے شہر پر حملہ کیا۔ اور کئی بار سخت اور خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ مگر آخر کار شہر چھین لیا گیا اور بیشمار مال و دولت اور سامان حرب و ضرب پرتگیزوں کے ہاتھ آیا۔ اور قبضہ قائم رکھنے کے لیئے ایک قلعہ تعمیر کیا گیا۔ لیکن البیوکرک نے زیادہ دست اندازی مناسب نہ جانکر صرف شہر ملاکا ہی پر اکتفا کیا۔ سیام اور پیگو کے بادشاہوں اور قرب وجوار کے رئیسوں نے پرتگیزوں کی اس فتح سے جو اُن کے استقلال اور آزادی کے لیئے ازبس مضر تھی خائف ہوکر البیوکرک کی خدمت میں مبارکباد کے لیئے سفیر بھیجے۔ اور درخواست کی کہ ہمارے اور شاہ پرتگال کے باہم دوستی اور اتفاق کا عہد و پیمان ہو جائے۔ اور یہہ خواہش بھی ظاہر کی کہ آپ ہمارے ملک میں کاروبار تجارت جاری کریں۔

جب شہر ملاکا میں پرتگیز اپنے قدم جما چکے اور قرب وجوار کے رئیسوں پر بھی اپنا رعب داب بخوبی بٹھالیا تو البیوکرک نے اپنے بیڑے میں سے چند جنگی جہاز جزائر متعلقہ ملاکا کی تسخیر وغیرہ کے لیئے روانہ کیئے۔

یہہ ٹاپو بطور ایک مجموعہ جزائر کے ہیں۔ اور اُن کے باشندے پشت اپشت سے ساگو دانہ اور ناریل کے دودھ پر گزراں کیا کرتے تھے۔ مگر اتفاقاً کسی طوفان وغیرہ کے حادثہ کے باعث سے جو ایک چینی جہاز وہاں آگیا تو پہلے پہل اُنہیں کی بدولت لونگ اور جائیفل نے جو اُن جزائر میں بکثرت تھے دنیا میں مشہور ہونا شروع کیا۔ چنانچہ اس سے تھوڑے ہی عرصہ بعد یہہ مصالحے ہندوستان میں عموماً پسند اور مرغوب طبع ہوگئے۔ اور پھر ھندسے ایران اور فرنگستان میں جا پہنچے۔ اہل عرب جو اُس زمانہ میں تقریباً تمام دنیا کی تجارت پر قابض تھے بھلا اس پر نفعت سوداگری پر اُنکی آنکھہ کیونکر نہ پڑتی۔ چنانچہ عربی تاجروں کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

قافلے کے قافلے اِن جزیروں میں جو پیداوار کی جہت سے مشہور ہیں اکر ذخیل ہوگئے
ورتب سے اب تک یہاں کے مصالحوں کی تجارت انہیں کے ہاتھوں میں تھی کہ
یکایک یہ پرتگالی جو کسی جگہ اُن کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے یہاں بھی آن پہنچے
اور اس تجارت کو اُن سے چھین لیا۔ اور اسوقت سے شاہان پرتگال نے اِن
جزیروں کو اپنے متعلق سمجھنا شروع کیا۔ اور حقیقتاً چند روز بعد اُنہیں کے ہوبھی گئے

البیوکرک نے سنہ ۱۵۱۵ (پندرہ سو پندرہ) عیسوی میں بمقام گوا انتقال
کیا۔ اور لوپز سوارز* اُسکا جانشین مقرر ہوا۔ یہ شخص بھی تدابیر ملک گیری اور
حدود سلطنت کے بڑھانے میں اپنے جانشین سابق ہی کا مقلد تھا۔ مگر کچھ
عرصہ تک اُسکو اُن مزاحمتوں کی روک تھام کی تدبیروں میں مصروف رہنا پڑا جو
ہندوستان میں پرتگیزوں کے مقابلہ کے لیے قریب الوقوع تھیں لیکن
اِن تفکرات سے چھوٹتے ہی اُسنے چین کا راستہ معلوم کرنے کا عزم
مصمم کیا۔

ملاکا میں البیوکرک کے عمل و دخل کرنے سے پہلے ملک چین
اور وہاں کے لوگوں کے حالات فرنگستان میں کسی کو معلوم نتھے۔ یورپ فرنگستان
سے ابتک صرف مارکوپولو† نامے شہر وینس‡ واقع اٹلی کا رہنے والا ایک
مشہور سیاح خشکی کے راستہ وہاں گیا تھا اور اُسنے اُس ملک کے کچھ حالات
لکھے تھے جسکو لوگوں نے باور نہ کرکے محض واہیات اور افسانہ سمجھا ہوا تھا۔
مگر جب البیوکرک ملاکا میں چین کے بعض جہازی سوداگروں سے ملا۔ اور اُسنے اِس عظیم الشان
سلطنت کی وسعت و فصحت وغیرہ کے حالات معلوم کیے اور اُن کو قلمبند کرکے فرنگستان
کو بھیجا تب البتہ مارکوپولو کے بیان سے مطابق پاکر فرنگستان کے لوگوں نے بھی اِس سیاح
کی روایتوں کی تصدیق کی۔ چنانچہ سنہ ۱۵۱۷ (پندرہ سو اٹھارہ) عیسوی میں پرتگال کے تخت
نشین سے طامس پیریز¶ نامے ایک سفیر جسکے ساتھ چند جنگی جہاز تھے چین
کو روانہ ہوا۔ جب یہ جہاز سفیر کو لیکر اُن جزیروں کے قریب پہنچے جو کانٹن

* Lopez Soarez. † Marco Paolo. ‡ Venice ¶ Thomas Per

(1) Ferdinand Andrada. (2) Simon Andrada. (3) Tarnoan. (4) Jancan.

کے آس پاس ہیں تو انکو چینی جہازوں نے آن گھیرا فرڈی(1) نینڈ اینڈ راڈا نے جو پرتگالی جہازوں کا سردار تھا از راہ دانائی چینیوں کو اپنے جہازوں پر آنیکی اجازت دی اور اپنے آنے کا مدعا بیان کرکے طامس پیریز کو کنارہ پر اتار دیا اور چینی اسکو اپنے ملک کے پائے تخت شہر پیکن میں لیگئے۔ وہاں پہنچکر پیریز کو معلوم ہوا کہ چین کے اہل دربار پرتگیزوں کے ساتھ رعایت اور خاطرداری سے پیش آنا چاہتے ہیں جسکا سبب اوّل تو انکی وہ ناموری تھی جو تمام شرقی ملکوں میں پہلے ہی پھیل رہی تھی اور اسکے علاوہ فرڈی نینڈ اینڈ راڈا کے معقول طریقہ کارروائی نے پرتگیزوں کو اہل چین کی نظروں میں اور بھی بڑھا دیا تھا اسوجہ سے چین کی بندرگاہوں میں پرتگیزوں کو تجارت کرنے کی اجازت ملنے ہی والی تھی۔ اور طامس پیریز کے ساتھ عہدنامہ ہونے ہی والا تھا کہ اتنے میں فرڈی نینڈ اینڈ راڈا کا بھائی سائی من(2) اینڈ راڈا کچھ اور جنگی جہاز لیکر آگیا۔ اور اہل چین سے وہی نا ملائم حرکتیں کرنے لگا جو یہ لوگ تمام اہل شرق کے ساتھ کچھ مدت سے کیا کرتے تھے۔ اور بلا اجازت دربار چین کے ایک قلعہ جزیرہ ٹیمن(3) میں تعمیر کرلیا اور وہاں ہوکر جو جہاز چین کی بندرگاہوں کو آتے جاتے تھے اُن کے ساتھ جبرو تعدی اور لوٹ کھسوٹ کا عمل کرنے لگا۔ اور بہت سے چینیوں کو پکڑکر غلام بنالیا اور نہایت بے باکی کے ساتھ دریائی قزاقی اختیار کی!

اہل چین ان حرکتوں کو دیکھکر سخت غضبناک ہوگئے۔ اور ایک بڑا بیڑا جنگی جہازوں کا پرتگیزوں کی تنبیہ کے لیئے امور کیا۔ لیکن پرتگیز بغیر مقابلہ کئے بھاگ نکلے۔ اور فغفور چین نے طامس پیریز کو جو پائے تخت میں موجود تھا قید کرلیا چنانچہ قید ہی میں مرگیا

اس واقعہ کے باعث اگرچہ چند سال کے لیئے پرتگیز چین کی حدود سے بالکل خارج ہوگئے تھے۔ مگر کچھ عرصہ بعد چینیوں نے پرتگیزوں کو بندرگاہ جان(4) سین میں تجارت کرنے کی اجازت دیدی۔ اور بعد میں یہ اتفاق پیش آیا کہ ایک بحری قزاق

جو اپنی متواتر کامیابیوں سے نہایت زبردست ہوگیا تھا جزیرہ مگاؤ پر قابض ہوگیا۔ اور وہاں سے چین کی بندرگاہوں کے راستے بند کردیئے اور یہاں تک بڑھا کہ شہر کانٹن کو جا گھیرا۔ اُسکی اِن حرکتوں سے شرفا و اُمرا اور حکام چین اسقدر تنگ ہوئے کہ پرتگیزوں سے مدد چاہی۔ یہ لوگ اِس موقع کو غنیمت سمجھکر کانٹن کے بچانیکے لیئے دوڑ پڑے اور اُس قزاق کو شکست دیکر محاصرہ اُٹھا دیا۔ اِسکے صلہ میں فغفور چین نے خوش ہوکر جزیرہ مکاؤ انہیں کو بخشدیا۔ اور اِن لوگوں نے اُس جزیرہ میں ایک شہر بسا لیا جو تھوڑی سی مدت میں بخوبی رونق پکڑ گیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں جاپان کے ساتھ بھی اُنکی تجارت جاری ہوگئی۔ ۱۵۴۲ء (پندرہ سو بیالیس) عیسوی میں پرتگیزوں کا ایک جہاز شدت طوفان سے بہکر جزائر جاپان میں جا پہنچا تھا۔ جاپانیوں نے اِنکی بہت خاطر داری کی اور واپس آنیکے لیئے جس جس چیز کی ضرورت تھی بخوشی مہیا کردی۔ جب یہ لوگ گوا میں پہنچے تو جاپان کے حالات جو کچھ دیکھے تھے سب اپنے نائب السلطنت سے بیان کئے اور کہا کہ ہم ایک ایسا ملک دیکھ آئے ہیں جو نہایت آباد اور دولتمند ہے اور ہمارے تاجروں کو وہاں آنے جانے سے بہت فائدہ ہوگا یہ سنتے ہی پرتگالی سوداگر اور پادری جہازوں پر چڑھ روانہ ہوپڑے اور جاکر دیکھا کہ حقیقت میں ایک بڑی مملکت ہے جو شائد چین کے سوا دنیا کی اور سلطنتوں سے زیادہ قدیم ہے۔

الغرض جب پرتگیز جاپان میں پہنچے تو اُنکے آنے سے سب لوگ خوش ہوئے اور عموماً اپنی بندرگاہوں میں تجارت کی اجازت دیدی۔ اور تمام چھوٹے چھوٹے فرمانروا رئیسوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اُنہیں درخواست کرکر بلایا۔ اور سب کو ایک ایسی رس پیدا ہوئی کہ ہر ایک رئیس یہی چاہتا تھا کہ سب سے بڑھکر اُنکی خاطر و مدارات کرے اور اُنکو فائدہ پہنچائے۔ اور بڑے بڑے حقوق عطا کرنے میں دوسروں سے سبقت لیجائے۔ یہ دیکھکر پرتگیزوں نے بھی تجارت کا بڑا ٹھاٹھ پھیلایا۔ چنانچہ ہندوستان کا مال جاپان کو لیجاتے تھے اور فرنگستانی چیزیں ذخیرہ کے طور پر مکاؤ میں جمع کرکے بموقع مناسب ادھر اُدھر بھیجتے رہتے تھے

(1) Macao

چنانچہ انواع واقسام کی ایشیائی اور فرنگستانی چیزیں فرمانروائے جاپان اور وہاں کے رؤسا اور شرفا اور عام خلایق کے صرف میں آنے لگیں اور جاپان میں تو ایسی جنسیں کہاں تھیں کہ اسکے معاوضہ میں پرتگیزوں کو دیتے۔ کیونکہ جاپان اکثر کوہستانی اور سنگ لاخ اور کم زراعت ملک ہے اور اُسمیں کوئی چیز دساور کے لایق پیدا نہیں ہوتی۔ اور اگر اس ملک میں سونے اور چاندی اور تانبے کی کانیں بھی نہوتیں جو شاید تمام دنیا کی کانوں سے بہتر ہیں تو ملک کی آمدنی سے سلطنت کا خرچ بھی پورا نہوتا۔ یہاں کی معدنی پیداوار میں سے یہہ لوگ ہر سال بقدر چھ کرور روپیہ کے حاصل کرکے لیجاتے تھے اسکے علاوہ انہوں نے اُس ملک کے اچھے اچھے گھرانوں میں شادیاں کرکے اسطرح پر وہاں کے امرا اور ذی اقتدار خاندانوں سے قرابتیں پیدا کرلی تھیں پس لحاظ ایسے ایسے فواید کے اگر پرتگیز لوگ ذرا قناعت کا طریق اختیار کرتے تو مناسب تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں سواحل ملک گنی (۱) اور بحر عرب اور خلیج فارس اور تمام سواحل ہند ہر طرح اُن کے قابو میں تھے۔ اور جزائر ملاکا اور سراندیپ اور سنڈا (۲) میں تو خاص اُنکی حکومت ہی تھی۔ اور جزیرہ مکاؤ میں اُن کے قیام کے باعث سے تجارت چین اور جاپان بھی گویا انہیں کے ہاتھوں میں تھی۔ اور ان سب ممالک اور سواحل وسیعہ میں اُنہیں کی مرضی اور منشا بمنزلہ قانون اور حکم ناطق کے تھا۔ اور کسی قوم کو اتنی جرات نتھی کہ بغیر اُنکی اجازت کے بحری سفر کرسکے۔ اور بہت سی اجناس تجارت جنکے ذریعہ سے اکثر قومیں نہایت دولتمند ہوگئی ہیں وہ بالکل انہیں کے اختیار میں تھیں اور اس اختیار اور انحصار تجارت کے باعث سے فرنگستان کی مصنوعات اور ممالک ایشیا کی پیداواروں کا نرخ صرف انہیں کی مرضی سے گھٹتا اور بڑھتا تھا علاوہ بریں پرتگیزوں نے اُس حصہ افریقہ کی حکومت کو بھی حاصل کئے بدون نہچھوڑا تھا جو مابین کیپ آف گڈ ھوپ اور بحر احمر کے ہے۔ ان اطراف میں ایک مدت سے اہل عرب قابض اور مسکونت پذیر ہوگئے تھے۔ اور انہوں نے ساحل زنگبار پر چھوٹی چھوٹی چند خودسر ریاستیں قائم کرلی تھیں۔ جنکی رونق اور

(1) Guinea, (2) Sunda,

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

تھوں بسبب اُن سونے اور چاندی کی کانوں کے تھا جو اُن ریاستوں میں موجود تھیں چنانچہ اسی دولت کے لالچ سے پرتگیزوں نے ۱۵۱۰ء (پندرہ سو آٹھ) عیسوی میں انکو مغلوب اور تباہ کرکے اپنے لیئے ایک نئی سلطنت جو سُفالہ سے میلنڈا تک پھیلی ہوئی تھی اور جسکا وسط اور دارالحکومت جزیرہ موزمبیق کو مقرر کیا تھا قائم کرلی تھی پس یہہ کامیابیاں اور فتوحات اگر معقول اصلاحوں محفوظ رکھی جاتیں تو ممکن تھا کہ ایسی سلطنت بنجاتی جسکا زوال انتقال مشکل ہوتا۔ لیکن پرتگیز سرداروں کی بداعمالی اور حماقت اور دولت وحکومت کی ناقدرشناسی کی وجہ سے ان لوگوں کی چال ڈھال شروع ہی سے ایسی بعید تھی کہ واسکوڈیگاما۔ کابریل۔ دی المیدا وغیرہ نے ایسی عجیب عجیب طور کی بیرحمیاں کیں کہ جنکو شائستگی اور انسانیت کی پیشانی پر ایک کلنک کا ٹیکہ کہنا چاہیئے ہندو مسلمان وغیرہ ایشیائی لوگوں کے بیوجہ لوٹ لینے اور غلام بنانے میں کچھ بھی دریغ نکرتے تھے۔ سفاکی۔ بیدردی اور وحشت یہانتک اُن کے خمیر میں تھی کہ بیگناہ قیدیوں۔ مظلوم عورتوں۔ اور معصوم بچوں کو بھی انکی تلوار اور آگ سے پناہ نہیں ملی۔ بیچاری ہندوستانی عورتوں سے سِنولی زلیشن کے اس برتاؤ میں بھی دریغ نتھا کہ کرسچن بناکر فوج میں تقسیم کردی جاتی تھیں۔ چنانچہ خود البیوکرک جیسے نامور شخص کے عہد کی (جو حقیقتاً اُن کے سرداروں میں سب سے بہتر تھا) کیا ہی لطیف روایت چلی آتی ہے۔ کہ منجملہ تدابیر آبادی گوآ کے ایک دفعہ یہہ تدبیر بھی کی گئی کہ بہت سی عورتیں اچھے بُرے خاندانوں کی جو بندی میں آئی تھیں انکی نسبت پادری صاحب کو یہہ خدمت سپرد ہوئی کہ کرسچن بناکر پرتگیزوں سے اُن کے جوڑے ملادیں۔ چونکہ پادری صاحب کو جوڑے ملاتے ملاتے رات پڑگئی اور حسن اتفاق سے روشنی بھی بجھ گئی تو ہجوم اور اجنبیت کے باعث سے یہہ تمیز نرہی کہ کونسی عورت کس مرد کی نکاح میں اُچکی ہے پہلے تو پادری صاحب اس مسئلہ کے حل کرنے میں چکرائے

مگر آخر کار یہ فیصلہ کر دیا کہ اس دریا میں پڑنے کی کون ضرورت ہے جو عورت جس مرد کے ہاتھ لگ جاوے وہ اسکی سمجھی جاوے!!! اور چونکہ یہ لوگ مشرقی سمندروں کے بالکل مالک و مختار تھے ہر ایک ملک کے جہازوں سے جبراً خراج لیتے اور سواحل بحر پر غارتگری کرتے تھے۔ اور اُمرا اور رئیسوں کو بیعزت کرتے تھے۔ آخر انہیں کرتوتوں کے باعث تھوڑے ہی عرصہ میں تمام قوموں کی نظروں میں کھٹکنے اور دشمن شمار ہونے لگے۔ اور جسوقت شاہ فلپ دویم کے عہد میں اس قوم کی حکومت کا منتزل یوروپ میں شروع ہوا تو جو پرتگیز ہندوستان میں تھے انہوں نے اپنے پرتگال ہونے کا خیال چھوڑ دیا۔ چنانچہ بعض تو خود سر بن بیٹھے اور بعض نے دریائی غارتگری ایسی بیدھڑک اختیار کی کہ کسی قوم کے جہاز کا بھی لحاظ نہ کرتے تھے۔ اور بہت سے پرتگیز ہندوستانی راجاؤں اور امیروں کے ملازم ہوگئے یہانتک کہ اکثر سپہ سالاری اور وزارت تک پہنچگئے۔ کیونکہ ابتک بھی انکی قابلیت اور لیاقتوں کا اثر لوگوں کی طبیعتوں پر باقی تھا۔ اور ہندوستان میں جو علاقے انکے مقبوضہ تھے وہ ایسے علیحدہ علیحدہ حصوں میں منقسم ہوگئے کہ ایک کو دوسرا بالکل مدد نہ دیتا تھا۔ بلکہ حسد اور عداوت کے مارے ایکدوسرے کی تدبیروں میں مزاحم اور معترض ہوتے تھے۔ اور یہانتک نوبت پہنچگئی تھی کہ ان کے سرداروں اور فوج میں نہ تو کچھ پابندی آئین اور قاعدہ ہی کی باقی رہی تھی اور نہ اطاعت اور فرماں پذیری اور نہ شوق حفظ نام و ننگ بلکہ بجاے ان باتوں کے اکثر عیش و عشرت اور فسق و فجور میں منہمک اور مستغرق رہکر تضیع اوقات کرتے تھے۔ اور انکی شان و شوکت بالکل رخصت ہوچکی تھی کہ اتنے میں ڈچ لوگ جب سنہ (سولہ سو) عیسوی میں سپین کی حکومت سے آزاد ہوے تو وہ بھی ہندوستان میں آکودے۔ اور پرتگیزوں سے اقتدار حکومت چھین لینے کے لیئے جنگ و جدال اور معرکہ آرائیاں کرنے لگے یہانتک کہ جزیرہ لنکا بھی چھین لیا۔ اور ہندوستان کی تجارت اور بندرگاہوں میں سب جگہ انہیں کا زور اور غلبہ ہوگیا۔ فقط

س م ح